Presented by: Rana Jabir Abbas

اثرِ نگارش

اہلِ قلم کی ایک جماعت

زیرِ نظر

اُستاد محقق آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی

تفسیر نمونہ

jabir.abbas@yahoo.com

ترجمہ

حضرت مولانا السید صفدر حسین نجفی مدظلہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas





۷۸۶
۹۲_۱۱۰
یا صاحب الزماں ادرکنیؑ



لبیک یا حُسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

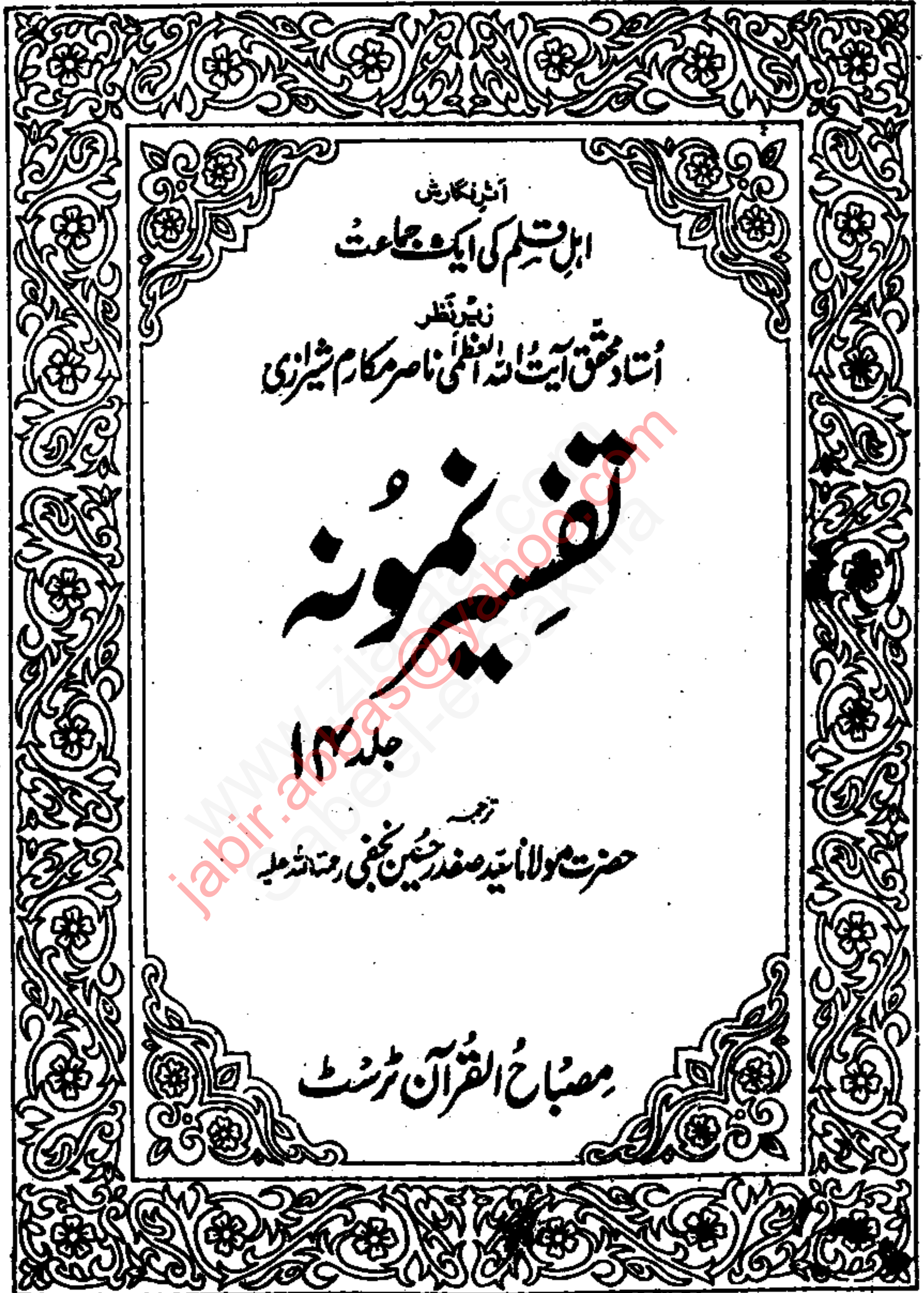
www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas



اثرِ نگارش

اہلِ قلم کی ایک جماعت

زیرِ نظر

اُستاد محقق آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی

تفسیرِ نمونہ

جلد ۱۴

ترجمہ

حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی رحمۃ اللہ علیہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas



پیشکش: حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ——— تفسیر نمونہ

جلد ——— ۱۴

زیر نظر ——— آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی

مترجم ——— حضرت مولانا سید صفدر حسین نجفی

ناشر ——— مصباح القرآن ٹرسٹ - ۱۰ - ار گنگارام بلڈنگ شاہراہِ قائداعظم، لاہور

مطبع ——— معراج دین پرنٹرز، لاہور

تاریخ اشاعت ——— ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

ہدیہ ———

ملنے کا پتہ:

قرآن سنٹر

۲۴، الفضل مارکیٹ اُردو بازار، لاہور

فون: ۷۳۱۴۳۱۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عرضِ ناشر

قارئین محترم؛ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

الحمد للہ! مصباح القرآن ٹرسٹ ـــ کلامِ حکیم اور عہدِ حاضر کی بعض عظیم تفاسیر و تالیفات کی نشر و اشاعت کے ایک عظیم مرکز کی حیثیت سے اب کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی یہ شہرت حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ حضرات کی تائید و اعانت کا ثمرہ ہے۔

اس ٹرسٹ نے اپنے آغاز کار میں موجودہ دور کی شہرۂ آفاق تفسیر ـــ تفسیر نمونہ ـــ کو فارسی سے اُردو زبان میں ترجمہ کروا کے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر محسنِ ملت حضرت علامہ سید صفدر حسین نجفی قبلہ اعلی اللہ مقامہ، کی غیر معمولی مساعی، مالی معاونین کی فراخدلانہ اعانت اور کارکنان کی شبانہ روز محنت کی بدولت پانچ ہی سال کے قلیل عرصے میں کم و بیش دس ہزار صفحات پر بسیط یہ تفسیر صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ستائیس جلدوں میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کرلی۔ شکراً للہ۔

اس ادارے نے درحقیقت تفسیر نمونہ کے عظیم منصوبے کو حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بیسیوں علمی کتب کے علاوہ سید العلماء السید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ، کی سات جلدوں پر مشتمل تفسیر فصل الخطاب شائع کی۔ اُردو زبان کو پہلی مرتبہ تفسیرِ قرآن کے جدید اسلوب سے روشناس کراتے ہوئے تفسیرِ موضوعی کے دو طویل سلسلوں یعنی "پیامِ قرآن" از آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی اور "قرآن کا دائمی منشور" از آیت اللہ جعفر سبحانی کی اشاعت کو بھی تیزی سے آگے بڑھا رہا ہے۔

تفسیری حواشی پر مشتمل یک جلدی قرآنِ پاک عہدِ حاضر کے مقبول اُردو تراجم کے ساتھ زیرِ طباعت ہیں۔ اس سلسلے میں روشن فکر اور جید عالمِ دین حضرت علامہ ذیشان حیدر جوادی مدظلہ، کا ترجمہ "انوار القرآن" حال ہی میں شائع ہوا ہے۔

تفسیر نمونہ چونکہ بلا امتیاز پوری اُمتِ مسلمہ کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے بیدار و تیار کرنے کے لیے لکھی گئی ہے، لہٰذا سبھی مسلمانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جلد کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہونے کے باوجود اس کی طلب میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا یہ ادارہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہا ہے۔ بعض باذوق اہل علم کی تجویز پر ہم تفسیر نمونہ کی طباعت کے ضمن میں ایک مفید تبدیلی کر رہے ہیں، چنانچہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اسے موجودہ ستائیس جلدوں کی بجائے پندرہ جلدوں میں مرتب کرکے شائع کیا جائے تاکہ قارئین محترم کے لیے مزید آسانیاں پیدا کی جا سکیں۔

تفسیر نمونہ کی اس ترتیب نو کا ایک عام طریقہ تو یہ تھا کہ ہر جلد میں دو دو پاروں کی تفسیر ہو اور یوں اس کی پندرہ جلدیں مکمل ہو جائیں لیکن اس میں یہ سُقم رہ جاتا ہے کہ بہت سی قرآنی سُورتوں کا کچھ حصّہ ایک جلد میں اور بقایا حصّہ اس سے اگلی جلد میں چلا جاتا ہے جس سے مطالعے کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا ہم نے اپنے قارئین کو اس زحمت سے بچانے کی خاطر اس تفسیر کو سُورتوں کی بنیاد پر ترتیب دیا ہے۔ اس طرح کوئی قرآنی سُورت دو حصّوں میں تقسیم نہیں ہونے پائی اور ہر جلد کسی نہ کسی سُورت کی کامل تفسیر پر ختم ہوگئی۔ اس طرح پُوری تفسیر نمونہ پندرہ جلدوں میں آگئی ہے۔

اس جدید اشاعت کے سلسلے میں تفسیر نمونہ جلد ۱۴ اس وقت آپ کے زیر نظر ہے جس میں سابقہ جلد ۲۴ میں سے صفحہ ۱۹۴ تا ۴۱۵، جلد ۲۵ مکمل اور جلد ۲۶ میں سے صفحہ ۲۶ تا ۱۴۸ شامل کیے گئے ہیں، چنانچہ یہ جلد سُورہ طلاق، سُورہ تحریم، سُورہ مُلک، سُورہ القلم، سُورہ الحاقہ، سُورہ معارج، سُورہ نوح، سُورہ جن، سُورہ مزمل، سُورہ مدثر، سُورہ قیامت، سُورہ دہر، سُورہ مرسلات، سُورہ نبا، سُورہ نازعات اور سُورہ عبس کی تفسیر پر محیط ہے۔

ہم نے زیر نظر کتاب کو بہتر انداز میں پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، تاہم اس بارے میں آپ کی آراء ہمارے لیے بہترین رہنما ہوا کرتی ہیں کہ جن کی روشنی میں ہم اپنی مطبوعات کو مزید بہتر بنا کر پیش کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ہماری اس پیشکش کا بغور مطالعہ فرمانے کے بعد اس کا معیار مزید بلند کرنے کے سلسلے میں اپنی قیمتی آراء سے نوازیں گے۔ ہم مفید تنقید اور آراء کے لیے منتظر رہتے ہیں۔

آخر میں ہم لاہور کے ایک مخلص و مخیر مرد مومن الحاج شیخ ظہور علی منگلا سے اظہار تشکر کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جن کے تعاون سے تفسیر نمونہ کی یہ جدید اشاعت تکمیل کے مراحل طے کر رہی ہے، ہم دعاگو ہیں کہ خدا تعالیٰ بحق معصومینؑ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اِھداء

"مرکز مطالعاتِ اسلامی و نجاتِ نسلِ جوان"

جو

تمام طبقات میں عموماً اور جوانوں میں خصوصاً اسلام کی حیات بخش تعلیمات پہنچانے کے لیے قائم کیا گیا ہے

اس نفیس تالیف کو

ان اہلِ مطالعہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے

جو

قرآن مجید کے متعلق بیشتر، بہتر اور عمیق تر معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

حوزہ علمیہ۔ قم



Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ تفسیر

حسب ذیل علماء و مجتہدین کی باہمی کاوش قلم کا نتیجہ ہے

- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے محمد رضا آشتیانی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے محمد جعفر امامی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے داؤد الہامی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے اسد اللہ ایمانی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے عبد الرسول حسنی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے سید حسن شجاعی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے سید نور اللہ طباطبائی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے محمود عبد اللہی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے محسن قرائتی
- حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے محمد محمدی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چند تفاسیر

جن سے اس تفسیر میں استفادہ کیا گیا ہے

۱۔ تفسیر مجمع البیان از مشہور مفسّر علامہ طبرسی
۲۔ تفسیر تبیان از دانشمند فقیہ بزرگ شیخ طوسی
۳۔ تفسیر المیزان از علامہ طباطبائی
۴۔ تفسیر صافی از علامہ محسن فیض کاشانی
۵۔ تفسیر نور الثقلین از مرحوم عبد علی بن جمعۃ الحویزی
۶۔ تفسیر برہان از مرحوم سید ہاشم بحرینی
۷۔ تفسیر روح المعانی از علامہ شہاب الدین محمود آلوسی
۸۔ تفسیر المنار از محمد رشید رضا تقریرات درس تفسیر شیخ محمد عبدہ
۹۔ تفسیر فی ظلال القرآن از سید قطب مصری
۱۰۔ تفسیر قرطبی از محمد بن احمد انصاری قرطبی
۱۱۔ اسباب النزول از واحدی (ابو الحسن علی بن مقویہ نیشاپوری)
۱۲۔ تفسیر مراغی از احمد مصطفی مراغی
۱۳۔ تفسیر مفاتیح الغیب از فخر رازی
۱۴۔ تفسیر روح الجنان از ابو الفتوح رازی



Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گذارش

تفسیر نمونہ (فارسی) ستائیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے اُردو ترجمے کے متعدد ایڈیشن بھی ستائیس جلدوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ محسنِ ملت حضرت علّامہ سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کا اختتامی نوٹ اسی ترتیب کے مطابق جلد کے آخر میں تحریر کیا گیا تھا۔ نئی ترتیب میں بھی اسے تبدیل نہیں کیا گیا۔ خداوندِ کریم مولانا مرحوم کو جوارِ معصومینؑ میں بلند درجات عطا فرمائے۔

(ادارہ)

www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس تفسیر میں مدِ نظر اہداف

پوری دُنیا، جس کی نظریں اسلام کی طرف لگی ہیں، چاہتی ہے کہ اسلام کو نئے سرے سے پہچانے۔ یہاں تک کہ خود مسلمان بھی یہی چاہتے ہیں۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں جن میں سے ایک "ایران کا اسلامی انقلاب" اور "دُنیا کے مختلف خطوں میں اسلامی تحریکیں" ہیں۔ جنہوں نے تمام لوگوں کے افکار خصوصاً نوجوان نسل کو اسلام کی زیادہ سے زیادہ معرفت کا پیاسا بنا دیا ہے۔

ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اسلام کی شناخت کے لیے نزدیک ترین راستہ اور مطمئن ترین وسیلہ و ذریعہ عظیم اسلامی کتاب قرآن مجید میں غور و فکر اور اس کا مطالعہ ہے۔

دوسری جانب قرآن مجید جو ایک عظیم اور جامع ترین کتاب ہے، عام کتب کی مانند کسی ایک مسئلہ کی گہرائی پر مشتمل نہیں بلکہ اصطلاح کے مطابق اس میں کئی بطون ہیں اور ہر بطن میں دوسرا بطن مضمر ہے۔

بالفاظ دیگر ہر شخص اپنی فکری گہرائی، فہم و آگہی اور لیاقت کے مطابق قرآن سے استفادہ کرتا ہے اور یہ مسلّم ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن کے چشمۂ علم سے محروم نہیں لوٹتا۔

متذکرہ بالا گفتگو کی روشنی میں ایسی تفاسیر کی ضرورت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے جو افکارِ علماء میں موجود رشتوں کو ایک دوسرے سے منسلک کریں اور محققینِ اسلام کی محنتوں اور حاصلِ فکر سے استفادہ کرکے لکھی جائیں اور جو مختلف قرآنی اسرار کی گرہیں کھول سکیں۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کونسی تفسیر اور کونسا مفسّر......؟ وہ تفسیر کہ جو کچھ قرآن کہتا ہے اسے واضح کرے، نہ کہ جو کچھ مفسّر چاہے اور پسند کرے اسے پیش کرے۔ اور وہ مفسّر جو اپنے آپ کو قرآن کے سپرد کر دے اور اسی سے درس لے، نہ وہ کہ جو نہ جانتے ہوئے یا جان بُوجھ کر اپنے پہلے سے کیے گئے فیصلوں اور نظریات کے مطابق جستجو کرے اور جو قرآن کا طالب علم بننے کی بجائے اس کا استاد بن جائے۔

البتہ عظیم مفسّرین اور عالی قدر محققینِ اسلام نے آغازِ اسلام سے آج تک اس سلسلہ میں قابلِ قدر کوششیں کی ہیں اور زحمتیں اٹھائی ہیں، انہوں نے عربی، فارسی اور دیگر زبانوں میں بہت سی تفسیریں تحریر کی ہیں کہ جن کے پر تو میں اس عظیم اسلامی کتاب کے بعض حیران کن مطالب تک رسائی ہو سکتی ہے (شکر اللہ سعیھم)۔

یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ حق طلب اور حقیقت کے متلاشی لوگوں کو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے تضادات اور ٹکراؤ کے باعث اور بعض اوقات منافقین و مخالفین کے وسوسوں کی وجہ سے، اور کبھی اس عظیم آسمانی کتاب کی تعلیمات کو ضروریات زمانہ پر منطبق کرنے کے حوالے سے کچھ ایسے سوالات سامنے آتے ہیں جن کا جواب موجودہ دور کی تفاسیر کو دینا ہوگا۔

دوسری جانب تمام تفاسیر کو عوام الناس کے لیے نافت اہل ادراک گوناگوں اقوال اور پیچیدہ مباحث کا مجموعہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس وقت ایسی تفاسیر کی ضرورت ہے جن سے خود قرآن کی طرح تمام طبقے استفادہ کرسکیں (اس کی وسعت اور اہمیت میں کمی کیے بغیر)۔

ان امور کے پیش نظر مختلف گروہوں نے ہم سے ایک ایسی تفسیر لکھنے کی خواہش کی جو ان ضروریات کو پورا کرسکے۔ چونکہ یہ کام خاصا مشکل تھا لہٰذا میں نے ان تمام فضلاء کو مدد و تعاون کی دعوت دی جو اس طویل اور نشیب و فراز کے حامل سفر میں اچھے ہمقدم اور ساتھی تھے اور ہیں تاکہ مشترکہ مساعی سے یہ مشکل حل ہوسکے۔ الحمد للہ! اس کام کے لیے توفیق شامل حال ہوئی اور ایسا ثمر و نتیجہ ملا کہ جس کا ہر طبقہ نے استقبال کیا۔ یہاں تک کہ اکثر علاقوں کے لوگ مختلف سطحوں پر اس تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی نو جلدیں جو اس وقت تک منظر عام پر آچکی ہیں (اور یہ اس کی دسویں جلد ہے) بارہا چھپیں اور تقسیم ہوئیں۔ اس توفیق الٰہی کا میں از حد شکرگزار ہوں۔

یہاں یہ بات میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس جلد کے مقدمہ میں اپنے قارئین کی توجہ چند نکات کی طرف مبذول کراؤں۔

۱۔ بارہا یہ سوال ہوتا ہے کہ مجموعاً یہ تفسیر کتنی جلدوں پر مشتمل ہوگی؟ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ ظاہراً بیس جلدوں سے کم اور چوبیس جلدوں سے زیادہ نہ ہوگی۔

۲۔ اکثر یہ شکوہ بھی کیا جاتا ہے کہ تفسیر کی جلدیں تاخیر سے کیوں شائع ہوتی ہیں؟ عرض خدمت ہے کہ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ کام جلد از جلد ہو، یہاں تک کہ سفر و حضر میں، بعض اوقات جلاوطنی[1] کے مقام پر، حتیٰ کہ بستر بیماری پر بھی میں نے یہ کام جاری رکھا ہے۔

چونکہ مباحث کے نظم و نسق اور عمق و گہرائی کو جلد بازی پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا اس طرح سے کام کرنا چاہیئے کہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ سمٹتا جائے۔ دوسری جانب طباعت و اشاعت کی مشکلات (خصوصاً جنگ کے زمانے میں) کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جو تاخیر کے اہم عوامل میں سے ایک ہے۔

۳۔ بعض اوقات یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر یہ تفسیر مختلف افراد کے قلم سے تحریر ہو رہی ہے تو

---

[1] سابق شاہ ایران معدوم کے دور میں مؤلف کو جلاوطنی کا سامنا کرنا پڑا۔ (مترجم)

Presented by: Rana Jabir Abbas
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس میں ہم آہنگی نہیں ہو گی۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ ابتدا میں معاملہ اسی طرح تھا۔ لیکن پھر اس صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا کہ تفسیر میں قلم ہر جگہ میرا ہی ہو اور دوسرے دوست صرف مطالب کی جمع آوری میں مدد کریں۔ ان حضرات میں سے بھی ہر ایک اپنے کام کو پہلے انفرادی طور پر سرانجام دیتے ہیں اور ضروری یادداشتیں جمع کرتے ہیں۔ بعد میں اجتماعی نشستوں میں ضروری ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے تاکہ مختلف مباحث، گوناگوں مسائل اور تفسیر کی روانی میں بے ربطی پیدا نہ ہو اور ساری تفسیر ایک ہی طرز و روش پر ہو۔

انشاء اللہ امید ہے اس تفسیر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کے لیے اس کا نہ صرف عربی بلکہ دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جائے گا تاکہ اور لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

(یہ تجویز قارئین محترم کی جانب سے بھی آئی ہے)۔

خداوندا!

ہماری آنکھوں کو بینا، کانوں کو شنوا اور ہماری فکر کو صائب، کار ساز اور ارتقائی فرما تاکہ تیری کتاب کی تعلیمات کی گہرائیوں تک پہنچ سکیں اور اپنے اور دوسروں کے لیے روشن چراغ فراہم کر سکیں۔

خداوندا!

جو آگ ہمارے انقلاب کے دشمنوں نے خصوصاً اور دشمنان اسلام نے عموماً ہمارے خلاف لگا رکھی ہے اور جس کی وجہ سے ہماری توجہ مسلسل ان کی طرف بٹی ہے، اس امت اسلامی کے مسلسل جہاد اور انتھک سعی و کوششوں کے نتیجہ میں اسے خاموش کر دے تاکہ ایک ہی جگہ تجھ سے دل لگا لیں اور تیرے راستے اور تیرے مستضعف بندگان کی خدمت کے لیے قدم اٹھائیں۔

بارالٰہا!

ہمیں توفیق اور زندگی عطا فرما کہ اس تفسیر کو مکمل کر سکیں۔ اس ناچیز و حقیر خدمت کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں اور یکجا و مجموعہ تیری بارگاہ میں پیش کر سکیں۔

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

ناصر مکارم شیرازی

حوزہ علمیہ قم۔ ایران

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر نمونہ جلد ۱۴

فہرست

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

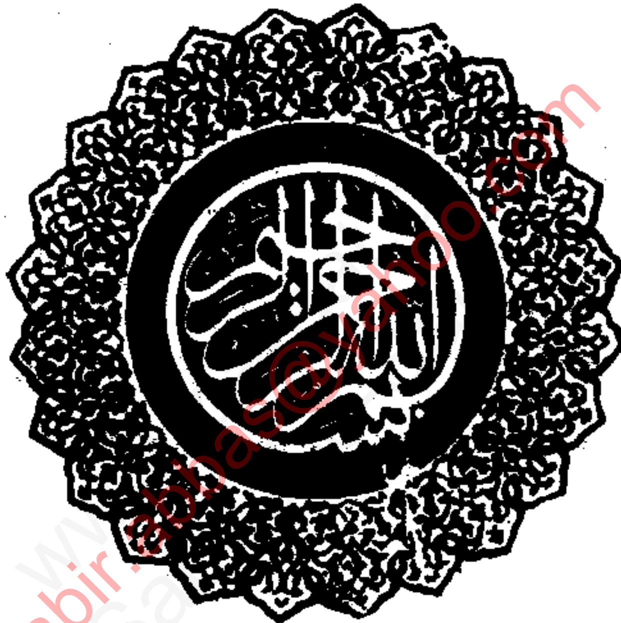
Presented by: Rana Jabir Abbas

سُورہ عبس

☆ ☆ ☆

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas



Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اللھم صل علی محمد وآل محمد وعجل فرجہم

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر نمونہ جلد ۱۴

اس میں مندرجہ ذیل سورتیں شامل ہیں

سورۂ طلاق : مدنی سورت ہے اور اس کی ۱۲ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۸

سورۂ تحریم : مدنی سورت ہے اور اس کی ۱۲ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۸

سورۂ مُلک : مکی سورت ہے اور اس کی ۳۰ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۹

سورۂ قلم : مکی سورت ہے اور اس کی ۵۲ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۹

سورۂ حاقہ : مکی سورت ہے اور اس کی ۵۲ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۹

سورۂ معارج : مکی سورت ہے اور اس کی ۴۴ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۹

سورۂ نوحؑ : مکی سورت ہے اور اس کی ۲۸ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۹

سورۂ جن : مکی سورت ہے اور اس کی ۲۸ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ مزمل ؛ مکی سورت ہے اور اس کی ۲۰ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۹

سورۂ مدثر ؛ مکی سورت ہے اور اس کی ۵۶ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۹

سورۂ قیامت : مکی سورت ہے اور اس کی ۴۰ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۹

سورۂ دھر : مدنی سورت ہے اور اس کی ۳۱ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۹

سورۂ مرسلات : مکی سورت ہے اور اس کی ۵۰ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۲۹

سورۂ نباء ؛ مکی سورت ہے اور اس کی ۴۰ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۳۰

سورۂ نازعات ؛ مکی سورت ہے اور اس کی ۴۶ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۳۰

سورۂ عبس : مکی سورت ہے اور اس کی ۴۲ آیات ہیں۔

پارہ ــــــ ۳۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ طلاق

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا اور اس کی ۱۲ آیات ہیں ۔

آغاز ترجمہ
۲۱ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ طلاق کے مضامین

اہم ترین مسئلہ جو اس سورہ میں پیش کیا گیا ہے جیسا کہ اس سورہ کے نام سے ظاہر ہے، وہ مسئلۂ طلاق، اس کے احکام وخصوصیات اور اس کے نتائج ہیں۔ اس کے بعد مبدء و معاد، پیغمبرؐ کی نبوت اور بشارت و نذارت کے مباحث بیان کیے گئے ہیں۔

اس طرح اس سورہ کے مضامین کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلا حصّہ: اس سورہ کی پہلی سات آیات ہیں، جو طلاق اور اس سے مربوط مسائل کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔ ان میں اس مسئلہ کی جزئیات کو مختصر اور پُرمعنی عبارتوں میں دقیق اور لطیف انداز میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ انسان انھیں دیکھ کر خود کو اس موضوع میں پورے طور پر مستغنی سمجھتا ہے۔

دوسرا حصّہ: جو حقیقت میں پہلے حصّہ کے اجراء کا سبب ہے، خدا کی عظمت، اس کے رسولؐ کے مقامِ عظمت، صالحین کے اجر و ثواب اور بدکاروں کی سزا و عذاب کے بارے میں بحث کرتا ہے۔ نیز اس اہم اجتماعی مسئلہ کے اجراء کی ضمانت کے طور پر ایک منظم مجموعۂ قواعد پیش کرتا ہے۔ ضمناً یہ سورہ ایک دوسرا نام بھی رکھتا ہے اور وہ سورہ نساء قصریٰ (بروزن وسطیٰ) ہے، مشہور سورہ نساء کے مقابلہ میں ہے، جو "نساء کبریٰ" ہے۔

◆ ◆ ◆

تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبرؐ اکرم سے آیا ہے:

"من قرأ سورة الطلاق مات علی سنة رسول الله صلی الله علیه و آله"

"جو شخص سورہ طلاق کو پڑھے (اور اسے اپنی زندگی کے اندر میں اپنائے اور اس پر کاربند رہے) وہ دنیا سے سنّتِ پیغمبرؐ پر جائے گا۔"[1]

◆ ◆ ◆

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۰۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝

ترجمہ

رحمٰن ورحیم خدا کے نام سے۔

۱ اے پیغمبرؐ! جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو عدت کے زمانہ میں طلاق دو۔(وہ زمانہ جب وہ ماہانہ عادت سے پاک ہوگئی ہو اور مرد نے اپنی بیوی سے نزدیکی نہ کی ہو) اور عدت کا حساب رکھو اور اس خدا سے ڈرتے رہو جو تمھارا پروردگار ہے۔ نہ تو تم انھیں ان کے گھروں سے باہر نکالو اور نہ وہ (عدت کے دوران) باہر جائیں۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ ظاہر بظاہر کوئی برا کام انجام دیں۔ یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو شخص حدودِ الٰہی سے تجاوز کرتا ہے تو وہ خود اپنے ہی اوپر ظلم کرتا ہے۔ تو نہیں جانتا، شاید خدا اس کے بعد کوئی اور نئی وضع (اور اصلاحی ذریعہ) فراہم کردے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

طلاق اور علیحدگی کی شرائط

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس سورہ کی اہم ترین بحث وہی طلاق کے بارے میں ہے کہ جو اس کی پہلی آیت سے شروع ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کے عظیم پیشوا و رہبر کے عنوان سے روئے سخن پیغمبرؐ اسلام کی طرف کیا، اور اس کے بعد ایک عمومی حکم جمع کے صیغہ کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اے پیغمبرؐ! جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو انھیں عدت کے زمانہ میں طلاق دو۔" (یاایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن)۔

یہ ان پانچ احکام میں سے پہلا حکم ہے جو اس آیت میں آئے ہیں جیسا کہ مفسرین نے اس سے استفادہ کیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صیغۂ طلاق ایسے زمانہ میں جاری کیا جائے جب عورت اپنی ماہانہ عادت سے پاک ہو گئی ہو اور اپنے شوہر سے اس کی نزدیکی نہ ہوئی ہو۔ کیونکہ سورہ بقرۃ کی آیت ۲۲۸ کے مطابق عدت طلاق "ثلاثۃ قروء" (تین مرتبہ پاک ہونے) کی مقدار میں ہونی چاہیے۔ اب یہاں یہ تاکید کرتا ہے کہ طلاق عدت کے آغاز کے ساتھ ہو۔ اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ جب طلاق پاکیزگی کی حالت میں اختلاطِ جنسی کے بغیر متحقق ہو۔ اگر طلاق حیض کے زمانہ میں واقع ہو جائے تو عدت کے زمانہ کا آغاز، طلاق کے آغاز سے جدا ہو جائے گا۔ اور عدت کا آغاز پاک ہونے کے بعد ہوگا۔

اسی طرح سے اگر عورت ایسی طہارت کی حالت میں ہو کہ اس نے اپنے شوہر سے نزدیکی کی اور جدا ہونا مسلّم ہوا ہو، کیونکہ اس قسم کی پاکیزگی اختلاط جنسی کی بناء پر رحم میں نطفہ کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ (غور کیجیے)۔

بہرحال یہ طلاق کی پہلی شرط ہے۔

متعدد روایات میں پیغمبر گرامیؐ سے نقل ہوا ہے کہ:

"جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اس کی ماہانہ عادت میں طلاق دے تو اس طلاق کی پروا نہیں کرنی چاہیے اور پلٹ آنا چاہیے، یہاں تک کہ عورت پاک ہو جائے۔" اس کے بعد اگر وہ طلاق دینا چاہتا ہے تو دے دے۔" [1]

یہی مطلب روایات اہل بیتؑ میں بھی بارہا بیان ہوا۔ یہاں تک کہ آیت کی تفسیر کے عنوان سے بھی ذکر ہوا ہے۔ [2]

اس کے بعد دوسرے حکم کو، جو عدت کا حساب رکھنے کا مسئلہ ہے، پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "عدت

---

[1] یہ روایات کتاب "الطلاق" صحیح مسلم جلد ۲ میں صفحہ ۱۰۹۳ کے بعد نقل ہوئی ہیں۔ [2] وسائل الشیعہ جلد ۱۵ ص ۳۴۸ "باب کیفیۃ طلاق العدۃ"

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کا حساب رکھو" (واحصوا العدۃ)۔

غور کے ساتھ ملاحظہ کیجیے کہ عورت تین مرتبہ اپنی پاکیزگی کے دن ختم کرے اور ماہانہ عادت دیکھے، جب تیسرا دورِ پاکیزگی ختم ہو اور تیسری ماہانہ عادت میں داخل ہو تو اس کے ایّامِ عدت کی مدت آخر کو پہنچی اور ختم ہوئی۔

اگر اس امر میں غور نہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ عدت کا دور ضروری مقدار سے زیادہ شمار ہو جائے، اور عورت کو کچھ ضرر اور نقصان پہنچے، کیونکہ یہ چیز اُسے نئے نکاح اور ازدواج سے مانع ہوگی۔ اگر یہ مدت کمتر ہو تو عدت کے اصلی ہدف کی رعایت نہیں ہوگی کہ جو پہلے ازدواج کے حریم کی حفاظت اور انعقاد نطفہ کا مسئلہ ہے۔

"احصوا"۔ "احصاء" کے مادہ سے شمار کرنے کے معنی میں ہے، اور اصل میں "حصی" سے لیا گیا ہے جس کے معنی سنگریزہ کے ہیں۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں بہت سے لوگ جبکہ وہ پڑھنے لکھنے سے آشنا نہیں تھے، مختلف موضوعات کا حساب کتاب سنگریزوں کے ذریعے رکھتے تھے۔

قابل توجہ بات یہ ہے، عدت کا حساب رکھنے کے مخاطب مرد ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفقہ اور سکنیٰ کا مسئلہ ان کے ذمہ ہے۔ اسی طرح حق رجوع بھی انہیں کو حاصل ہے ورنہ عورتیں بھی موظف ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری کے واضح ہونے کے لیے پورے غور کے ساتھ عدت کا حساب رکھیں۔

اس حکم کے بعد تمام لوگوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے: "اس خدا سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے اور تقویٰ اختیار کرو" (واتقوا اللہ ربکم)۔

وہ تمہارا پروردگار اور مربی ہے اور اس کے احکام تمہاری سعادت کے ضامن ہیں۔ اس بناء پر اس کے فرامین پر کاربند ہو جاؤ، اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرو، خصوصاً طلاق اور عدت کا حساب رکھنے میں دقت سے کام لو۔

اس کے بعد تیسرے اور چوتھے حکم کے بارے میں، جن میں سے ایک شوہروں اور دوسرا بیویوں سے مربوط ہے۔ فرماتا ہے: "تم انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو، اور وہ بھی عدت کے دوران گھروں سے باہر نہ نکلیں" (لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن)۔

اگرچہ بہت سے بے خبر اس حکم اسلامی کو طلاق کے وقت اصلاً جاری نہیں کرتے اور محض صیغۂ طلاق کے جاری ہوتے ہی مرد بھی خود کو آمادہ کرتا ہے کہ عورت کو گھر سے باہر نکال دے اور عورت بھی اپنے آپ کو آزاد سمجھ لیتی ہے کہ شوہر کے گھر سے نکل کر اپنے عزیزوں کے گھر واپس چلی جائے۔ لیکن یہ اسلامی حکم بہت ہی اہم فلسفہ کا حامل ہے، کیونکہ یہ عورت کے احترام کے علاوہ عام طور پر شوہروں کی طلاق سے بازگشت اور رشتہ زوجیت کے استحکام کے لیے بھی اسباب فراہم کرتا ہے۔

اس اہم اسلامی حکم کو نظر انداز کر دینے سے، جو قرآن کے متن میں آیا ہے، بہت سی طلاقیں دائمی جدائی کا سبب بن جاتی ہیں۔ حالانکہ اگر اس حکم کا اجرا ہوتا تو یہ اکثر زوجین کی صلح اور نئے سرے سے بازگشت پر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

منتہی ہوتا۔

لیکن بعض اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ طلاق کے بعد عورتوں کو گھر میں رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔
لہذا پانچویں حکم کا استثنار کی صورت میں اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے: "سوائے اس صورت کے کہ وہ عورتیں کسی واضح برے کام کو انجام دیں۔" (الّا ان یأتین بفاحشة مبینة)۔
مثلاً وہ شوہر اور اس کے رشتہ داروں کے ساتھ اس قدر ناسازگاری، بدخلقی اور بدزبانی کرے کہ اُسے گھر میں رکھنا زیادہ مشکلات کا باعث بن جائے۔

یہ بات کئی ایک روایات میں نظر آتی ہے، جو آئمہ اہل بیت سے نقل ہوئی ہیں[1]

البتہ اس سے مراد ہر قسم کی مخالفت اور جزئی ناسازگاری نہیں ہے، کیونکہ لفظ فاحشہ کے مفہوم کا تقاضا ہے کہ کوئی بہت برا کام ہو گیا ہے، خاص طور پر جب کہ وہ 'مُبَیِّنَة' کی صفت سے بھی موصوف ہوا ہے۔
یہ احتمال بھی ہے کہ "فاحشہ" سے مراد عفت اور پاکدامنی کے منافی عمل ہے، اور یہ ایک روایت میں امام جعفر صادقؑ سے بھی نقل ہوا ہے۔ اس صورت میں خارج کرنے سے مراد اجراء حد کے لیے باہر لے جانا اور واپس گھر میں لے آنا ہے۔

ان دونوں معانی کے درمیان جمع کرنا بھی ممکن ہے۔
ان احکام کے بیان کرنے کے بعد پھر تاکید کے عنوان سے مزید کہتا ہے: "یہ خدائی حدود ہیں اور جو شخص حدودِ الٰہی سے تجاوز کرے تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔" (وتلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه)۔

کیونکہ یہ قوانین اور احکام الٰہی خود مکلفین کے مصالح کے عکاس ہیں اور ان سے تجاوز کرنے سے، چاہے وہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے، خود ان کی سعادت پر ضرب لگتی ہے۔
آیت کے آخر میں عدت کے فلسفہ اور عورت کے گھر اور اصلی اقامت گاہ سے باہر نہ نکلنے کی علت کی طرف ضمناً اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "تو نہیں جانتا کہ خدا اس واقعہ کے بعد نئی وضع اور اصلاح کا ماحول فراہم کر دے۔" (لا تدری لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا)۔
وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غیظ و غضب کا وہ طوفان رُک جاتا ہے جو عام طور طلاق و جدائی کے معاملے میں ناگہانی فیصلوں کا موجب بن جاتا ہے۔ چنانچہ عدت کی مدت میں عورت کا ہر وقت مرد کے ساتھ ہونا، نیز خصوصاً جہاں اولاد کا معاملہ بھی درمیان میں ہو ایسے میں ایک دوسرے سے محبت کا اظہار رجوع کرنے کا سبب بن جاتا ہے اور دشمنی و عداوت کے تیرہ و تار بادلوں کو ان کے آسمانِ زندگی سے دور کر دیتا ہے۔

---

[1] تفسیر نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۵۰، ۳۵۱ حدیث ۱۴، ۱۸، ۱۹، ۲۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہاں قابل توجہ بات یہ ہے اور امام باقرؑ سے بھی مروی ہے :

"المطلقة تكتحل و تختضب وتطيب وتلبس ماشاءت من الثياب لان الله عزوجل يقول لعل الله يحدث بعد ذالك امرًا لعلها ان تقع في نفسه فيراجعها"

"مطلقہ عورت اپنی عدت کے دوران آرائش کرے، آنکھ میں سرمہ لگائے، اپنے بالوں کو رنگین کرے، اپنے آپ کو معطر کرے اور ہر وہ لباس جو اُسے پسند ہو پہنے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے : شاید خدا اس واقعہ کے بعد کوئی نئی کیفیت فراہم کر دے اور ممکن ہے کہ اس طریقے سے عورت دوبارہ شوہر کے دل کو مسخر کرے اور مرد رجوع کرے۔" [1]

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عام طور پر علیحدگی اور طلاق کا ارادہ جلد گذر جانے والے ہیجانوں کی وجہ سے ہوتا ہے، جو وقت کے گزرنے اور مرد و عورت کے ایک مدت تک ؛ جو نسبتاً طولانی (عدت) ہوتی ہے، مسلسل معاشرت کرنے اور انجام کار غور و فکر کرنے سے معاملہ کلی طور پر بدل جاتا ہے۔ اور بہت سی علیحدگیوں اور طلاقوں میں صلح ہو جاتی ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مذکورہ اسلامی احکام عدت کے زمانہ میں عورت کے سابق شوہر کے گھر میں رہنے پر دقت کے ساتھ عمل ہو۔ انشاءاللہ ہم بعد میں بتائیں گے کہ یہ سب امور طلاق رجعی کے بارے میں ہیں۔

چند نکات

۱۔ طلاق حلال چیزوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت ہے :

اس میں شک نہیں کہ زوجیت کی قرارداد کا ایک ایسی قرارداد ہے کہ جسے جُدائی کے قابل ہونا چاہیئے کیونکہ بعض اوقات ایسے علل و اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو عورت اور مرد کی مشترکہ زندگی کو غیر ممکن یا مشکلات اور مفاسد سے بھر دیتے ہیں۔ ایسے میں اگر ہم یہ اصرار کرتے رہیں کہ یہ قرارداد ابد تک باقی رہے تو یہ بات بہت زیادہ مشکلات کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا اسلام نے اصل طلاق کے ساتھ موافقت کی ہے۔ آج ہم عیسائی معاشروں میں طلاق کے بالکل ممنوع ہونے کا نتیجہ دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے مرد اور عورتیں ایسی ہیں جو عیسائی مذہب کے تحریف شدہ قانون کے حکم کے مطابق طلاق کو ممنوع شمار کرتے ہیں۔ قانونی طور پر وہ دونوں ایک دوسرے کے شوہر و زوجہ ہیں لیکن عملی طور پر ایک دوسرے

---

[1] تفسیر نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۵۲ حدیث ۱۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

سے الگ زندگی بسر کرتے ہیں، یہاں تک کہ ہر ایک نے اپنے لیے ایک غیر رسمی بیوی یا شوہر کا انتخاب کر رکھا ہے۔

اس بناء پر اصل مسئلہ طلاق ایک ضرورت ہے لیکن ایک ایسی ضرورت جسے ایک ممکن حد تک کم ہونا چاہیے، اور جب تک زوجیت کو برقرار رکھنے کی راہ ہو کوئی اس پر عمل نہ کرے۔

اسی بناء پر اسلامی روایات میں شدت کے ساتھ طلاق کی مذمت کی گئی اور اسے (مبغوض ترین حلال) کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے، جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ سے ایک روایت میں آیا ہے:

> "ما من شیء ابغض الی اللہ عزوجل من بیت یخرب فی الاسلام بالفرقۃ یعنی الطلاق"
>
> خداوند تعالیٰ کے نزدیک کوئی عمل اس سے زیادہ قابلِ نفرت نہیں ہے کہ اسلام میں کسی گھر کی بنیاد جدائی (یعنی طلاق) کے ساتھ ویران ہو۔[1]

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے آیا ہے:

> "ما من شیء مما احلہ اللہ ابغض الیہ من الطلاق"
>
> "حلال امور میں سے کوئی چیز خدا کی بارگاہ میں طلاق سے زیادہ مبغوض نہیں ہے۔"[2]

اس کے علاوہ ایک اور حدیث میں رسول اکرمؐ سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

> "تزوجوا ولا تطلقوا، فان الطلاق یھتز منہ العرش"
>
> "نکاح کرو اور طلاق نہ دو، کیونکہ طلاق عرش خدا کو لرزا دیتی ہے۔"[3]

ایسا کیوں نہ ہو جبکہ طلاق، عورتوں، مردوں، خاندانوں اور خصوصاً اولاد کے لیے بہت سی مشکلات پیدا کر دیتی ہے، جنہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱: عاطفی مشکلات اس میں شک نہیں کہ وہ مرد اور عورت جو کئی سالوں یا مہینوں سے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، طلاق کے بعد ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ وہ عاطفی و جذباتی لحاظ سے مجروح ہوں گے اور آئندہ کے ازدواج میں انہیں اس کی تلخ یاد ہمیشہ پریشان کرے گی، یہاں تک کہ دوسری بیوی یا شوہر کو ایک قسم کی بدبینی اور سوءظن کے ساتھ دیکھیں گے۔ اس چیز کے نقصان دہ آثار کسی پر مخفی نہیں ہیں۔ اسی لیے اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اس

[1،2] وسائل الشیعہ جلد ۱۵ ص ۲۶۶ (حدیث ۱-۵)

[3] وسائل الشیعہ جلد ۱۵ ص ۲۶۸ (حدیث ۷)

Presented by: Rana Jabir Abbas
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قسم کی عورتیں اور مرد ہمیشہ کے لیے نکاح کرنے سے اعراض کرتے رہتے ہیں۔

۲: اجتماعی مشکلات طلاق کے بعد بہت سی عورتوں کو شائستہ اور دلخواہ طور پر نئی شادی کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اس لحاظ سے وہ شدید پریشانی میں گرفتار ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ مردوں کو بھی اپنی بیویوں کو طلاق دینے کے بعد اپنے مطلب کی شادی کا موقع کم ہی ملتا ہے۔ خصوصاً اگر درمیان میں بچوں کا معاملہ بھی ہو۔ تب وہ اکثر ایسی شادی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جو انھیں امن و سکون نہیں پہنچاتی اور اس بناء پر آخر زندگی تک رنج و تکلیف میں مبتلا رہتے ہیں۔

۳: اولاد کی مشکلات اولاد کی مشکل ان سب سے زیادہ اہم ہے اور بہت کم دیکھا گیا ہے کہ سوتیلی مائیں سگی ماں کی طرح شفیق و مہربان ہوں یعنی وہ اس اولاد میں شفقت و محبت کے خلا کو پُر کرسکے جو ماں کی محبت بھری گود سے جدا ہوئی ہے۔ اسی طرح سے اگر عورت اپنے بچوں کو اپنے ساتھ لے جائے تو سوتیلے باپ کے بارے میں بھی یہی بات صادق آتی ہے۔ البتہ کچھ عورتیں اور مرد ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسروں کی اولاد کے لیے شفیق و مہربان اور وفادار ہوتے ہیں لیکن مسلمہ طور پر ان کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے، اسی وجہ سے طلاق کے بعد بیچاری اولاد بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ شاید ان میں سے اکثر بچے آخر عمر تک روحانی سکون سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

درحقیقت یہ ایک ایسا نقصان ہے جو نہ صرف اس گھرانے کے لیے بلکہ پورے معاشرے کے لیے ہے، کیونکہ اس قسم کے بچے جو ماں یا باپ یا دونوں کی محبت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات خطرناک افراد کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ مناسب توجہ نہ ہونے کی وجہ سے انتقام جوئی کے جذبہ کے زیر اثر آجاتے ہیں اور اپنا انتقام پورے معاشرے سے لیتے ہیں۔

اگر اسلام نے طلاق کے بارے میں اس قدر سخت گیری کی ہے تو اس کی وجہ یہی نقصان دہ نتائج ہیں جو مختلف جہات میں نمودار ہوتے ہیں۔

اسی بناء پر قرآن مجید بھی صراحت کے ساتھ حکم دیتا ہے کہ جس وقت عورت اور مرد کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو دونوں کے عزیز و اقارب ان میں اصلاح کی کوشش کریں۔ وہ لوگ ایک "خاندانی صلح کمیٹی" بنا کر دونوں میاں بیوی کو شرعی عدالت تک جانے اور طلاق و جدائی کے عمل سے روکیں۔

ہم نے صلح کمیٹی کی تفصیل تفسیر نمونہ جلد ۲ میں سورہ نساء کی آیت ۳۵ کے ذیل میں بیان کی ہے۔

اسی بناء پر جو چیز عورت اور مرد میں خوش بینی اور خاندانی تعلقات کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں مدد دے وہ اسلام کی نظر میں محبوب ہے اور جو اسے متزلزل کرے وہ بری اور قابل نفرت ہے۔

* * *

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲ : اسبابِ طلاق

دُوسرے اجتماعی امور میں پیدا ہونے والے اختلافات کی طرح طلاق کی بھی مختلف وجوہات ہوتی ہیں کہ جن کا دقیق مطالعہ اور مقابلہ کیے بغیر ایسے حادثہ کو روکنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے ہر چیز سے پہلے ضروری ہے کہ ہم طلاق کے عوامل کو معلوم کریں اور معاشرے میں اس کی جڑوں کو ختم کریں۔ اگرچہ یہ عوامل بہت زیادہ ہیں لیکن ان میں سے ذیل کے امُور زیادہ اہم ہیں:

الف: عورت یا مرد کی غیر محدود توقعات، جُدائی اور علیحدگی کے اہم ترین عوامل میں سے ایک ہے۔ اگر ان میں سے ہر ایک اپنی توقع کے دامن کو محدود کر دے، خواب و خیال کی دُنیا سے باہر نکل آئے، طرفِ مقابل کو اچھی طرح سے سمجھ لے اور جتنی اس کی حدود میں ممکن ہو اتنی ہی توقع رکھے تو بہت سی طلاقوں کو روکا جا سکتا ہے۔

ب: بہت سے گھرانوں میں حُسن پرستی اور اسراف و تبذیر کی رُوح کا کارفرما ہونا ایک اور اہم عامل ہے جو خاص طور پر عورتوں کو ہمیشہ کے لیے ناراضی کی حالت میں رکھتا اور طرح طرح کے بہانوں سے طلاق و جُدائی کی راہ ہموار کرتا ہے۔

ج: دونوں میاں بیوی کی خصوصی زندگی خصُوصاً ان کے اختلافات میں عزیز و اقارب اور جان پہچان والوں کی بے جا مداخلتیں طلاق کا ایک اور اہم عامل شمار ہوتی ہیں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ اگر وہ دونوں میاں بیوی کے درمیان اختلافات کے ظہور کے وقت انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دیں اور اس کی یا اُس کی جانبداری میں اختلاف کی آگ کو ہوا نہ دیں تو زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ وہ آگ خاموش ہو جاتی ہے۔ لیکن دونوں طرف کے لوگوں کی مداخلت کہ جو اکثر تعصب اور ہٹ دھرمیوں کے ساتھ ہوتی ہے، وہ معاملے کو دن بدن مشکل اور پیچیدہ تر بناتی رہتی ہے۔

البتہ یہ بات اس معنی میں نہیں ہے کہ عزیز و اقارب ہمیشہ ہی اپنے آپ کو ان اختلافات سے دور رکھیں، بلکہ مُراد یہ ہے کہ وہ انھیں معمولی اختلافات میں ان کی حالت پر چھوڑ دیں۔ لیکن جب اختلافات کلی صورت میں جڑ پکڑ لیں تو پھر طرفین کی مصلحت پر توجہ رکھتے ہُوئے اور ہر طرح کی تعصب آمیز جانبداری سے اجتناب اور پرہیز کرتے ہُوئے مداخلت کریں اور فریقین کی صلح کے مقدمات فراہم کریں۔

د: عورت اور مرد کا ایک دُوسرے کی خواہش کے بارے میں بے اعتنائی کرنا، خصوصاً ان چیزوں سے جو عاطفی اور جنسی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ہر مرد یہ توقع رکھتا ہے کہ اس کی بیوی پاک و صاف اور پُرکشش رہے۔ اسی طرح ہر بیوی بھی اپنے شوہر سے یہی توقع رکھتی ہے۔ لیکن یہ ایسے امُور ہیں جن

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے اظہار کے لیے وہ عام طور پر تیار نہیں ہوتے۔ یہ وہ مقام ہے کہ طرف مقابل کا بے اعتنائی برتنا اپنی ظاہری وضع قطع کا خیال نہ رکھنا، ضروری تزئین کو ترک کر دینا، اور پریشان بال اور گندہ رہنا، بیوی یا شوہر کو اس قسم کی ازدواجی زندگی سے سیر کر دیتا ہے۔ خاص طور پر اگر ان کی زندگی کے ماحول میں ایسے افراد بھی رہتے ہوں جو ان امور کی رعایت کرتے ہوں لیکن وہ اس مسئلہ سے بالکل ہی بے اعتنائی کریں۔

اسی لیے اسلامی روایات میں اس مطلب کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے آیا ہے:

"لا ینبغی للمرئة ان تعطل نفسها"

"عورت کے لیے یہ بات سزاوار نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے زینت و آرائش کیے بغیر رہے"[1]

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"ولقد خرجن نساء من العفاف الی الفجور ما اخرجهن الا قلة تهیئة ازواجهن"

"بہت سی عورتیں جادۂ عفت سے خارج ہو گئیں اور اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں تھی کہ ان کے شوہر اپنے آپ کو آمادہ نہیں کرتے تھے"[2]

ھ: عورت اور مرد کے گھرانے کے تمدن اور رہنے سہنے کے طریقوں کا ایک دوسرے سے مناسبت نہ رکھنا بھی طلاق کا ایک اہم عامل ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر بیوی یا شوہر کے انتخاب سے پہلے بڑی دقت کے ساتھ توجہ کرنی چاہیے۔ انہیں "کفو شرعی" یعنی مسلمان ہونے کے علاوہ "کفو عرفی" بھی ہونا چاہیے۔ یعنی ان دونوں کے درمیان مختلف جہات سے ضروری مناسبتوں کی رعایت ہونی چاہیئے اس اہتمام کے بغیر اس قسم کی شادیوں کے ٹوٹ جانے پر تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

۳: عدّت کا فلسفہ

اس میں شک نہیں ہے کہ عدت کی دو بنیادی وجوہات ہیں جن کی طرف قرآن مجید اور اسلامی روایات میں اشارہ ہوا ہے:

اوّل: نسل کی حفاظت اور عورت کی وضع و حالت کا حاملہ ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے مشخص ہونا۔

---

[1][2] مکارم الاخلاق ص ۹۱، ۱۰۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوئم : پہلی زندگی کی طرف پلٹ آنے اور علیحدگی کے عوامل کو ختم کرنے کا وسیلہ ہونا کہ جس کی طرف اوپر والی آیت میں ایک لطیف اشارہ ہوا تھا۔ خاص طور پر یہ بات کہ اسلام اس مسئلہ میں یہ تاکید کرتا ہے کہ عورت عدت کے زمانہ میں اپنے شوہر کے گھر میں ہی رہے۔ اس طرح طبعی طور پر ان کے درمیان چند ماہ کی ایک مسلسل معاشرت رہے گی جو انہیں اس بات کا موقع فراہم کرے گی کہ وہ علیحدگی کے مسئلہ کا جلد گزر جانے والے ہیجانات سے بالاتر ہو کر حالات کا نئے سرے سے جائزہ لیں۔

خصوصاً طلاق رجعی[1] کے سلسلہ میں کہ جہاں زوجیت کی طرف لوٹنا کسی قسم کے تکلفات کا محتاج نہیں۔ اور ہر ایسا قول یا فعل، جو مرد کے بازگشت کی طرف مائل ہونے پر دلالت کرے، وہ رجوع شمار ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر وہ عورت کے بدن پر شہوت کے ساتھ یا بغیر شہوت کے ہاتھ رکھ دے، چاہے رجوع کا ارادہ نہ ہو تو بھی وہ رجوع ہی شمار ہوگا۔

اس طرح سے اگر یہ مدت ان شرائط کے ساتھ گزر جائے جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں، اور وہ دونوں آپس میں صلح نہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ واقعاً وہ مشترک زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔

اس سلسلہ میں ہم نے تفسیر نمونہ کی جلد اوّل میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۸ کے ذیل میں ایک اور تشریح بھی پیش کی ہے۔

---

[1] "طلاق رجعی" سے مراد وہ طلاق ہے جو پہلی یا دوسری مرتبہ دی جاتی ہے اور جدائی کا ارادہ مرد کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس طرح سے عورت نہ اپنے حق مہر کو اور نہ دوسرے مال کو خرچ کرتی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۲) فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّ اَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ وَ اَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۙ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ

(۳) وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىۡءٍ قَدۡرًا

ترجمہ

(۲) جب ان کی عدّت ختم ہو جائے تو پھر یا تو شائستہ طور پر انھیں روک لو یا شائستہ طریقہ سے ان سے جُدا ہو جاؤ اور اپنے میں سے دو عادل مردوں کو گواہ بنا لو، اور خدا کے لیے شہادت کو قائم کرو۔ یہ ایسی چیز ہے جس کی ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو شخص تقوائے الٰہی اختیار کرتا ہے تو خدا اس کے لیے کوئی نہ کوئی نجات کی راہ فراہم کر دیتا ہے۔

(۳) اور اسے ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتا ہے جس کا اُسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شخص خدا پر توکل کرے تو خدا اس کے امر کی کفایت کرتا ہے۔ خدا اپنے امر کو انجام تک پہنچا کر رہتا ہے۔ اور خدا نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے۔

تفسیر

صلح یا پسندِ خدا علیحدگی

طلاق سے مربوط مباحث جو گزشتہ آیات میں آئے ہیں ان کو جاری رکھتے ہوئے پہلی زیر بحث آیت میں چند مزید احکام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پہلے فرماتا ہے: "جب ان کی عدت کی مدت آخر کو پہنچ جائے تو انھیں شائستہ طور پر، رجوع کے طریق سے روک لو یا شائستہ طور پر ان سے الگ ہو جاؤ۔" (فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف)۔

"بلوغ اجل" (مدت کے آخر کو پہنچنے) سے مراد یہ نہیں ہے کہ عدت کی مدت پورے طور پر ختم ہو جائے بلکہ مراد مدت کا آخری دنوں تک پہنچنا ہے۔ ورنہ عدت کے ختم ہو جانے پر رجوع کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ مگر یہ کہ انھیں روک رکھنا عقدِ جدید کے صیغہ کے ذریعہ ہو، لیکن یہ معنی آیت سے بہت بعید نظر آتا ہے۔

بہرحال اس آیت میں ازدواجی زندگی سے مربوط ایک اہم ترین اور مناسب ترین حکم پیش ہوا اور وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد یا تو شائستہ طور پر آپس میں زندگی بسر کریں یا پھر شائستہ طریقے سے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ جس طرح مشترک زندگی کو صحیح اصول، انسانی طرز اور شائستہ اور مناسب طور پر ہونا چاہیے، اسی طرح سے جدائی بھی ہر قسم کے نزاع اور جھگڑے، بدگوئی اور ناسزا کہنے، ظلم و ستم اور حقوق ضائع کرنے سے خالی ہونی چاہیے۔ اہم بات یہ ہے کہ جس طرح تعلقات صلح صفائی کے ساتھ انجام پائیں اسی طرح علیحدگیاں بھی افہام و تفہیم کے ساتھ ہوں۔ کیونکہ ممکن ہے یہ مرد اور عورت مستقبل میں دوبارہ مشترک زندگی کی سوچ لیں لیکن جدائی کے وقت بدسلوکیاں ان کی فکری فضا کو اس طرح سے تیرہ و تاریک بنا دیتی ہیں کہ بازگشت کی راہ ان کے لیے بند کر دیتی ہیں اور بالفرض اگر وہ نئے سرے سے ازدواج کرنا بھی چاہیں تو مناسب فکری اور عاطفی ذریعہ موجود نہیں ہوتا۔ دوسری طرف آخر وہ مسلمان ہیں اور ایک ہی معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا مخاصمت اور ناشائستہ طریقے سے جدائی نہ صرف انھیں میں اثرانداز ہوگی، بلکہ دونوں کے خاندانوں میں بھی نقصان دہ اثرات چھوڑے گی۔ اور بعض حالات میں آئندہ کے لیے بھی ان کی ہمکاری کا سلسلہ کلی طور پر برباد کر دے گی۔

واقعاً یہ کتنی اچھی بات ہے کہ نہ صرف ازدواجی زندگی میں بلکہ ہر قسم کی دوستی اور مشترک عمل میں بھی جہاں تک ہو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سکے، انسان شائستہ اور مناسب ہمکاری کو جاری رکھے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر شائستہ طور پر جدا ہو جائے، کیونکہ شائستہ طور پر جدائی بھی طرفین کے لیے ایک قسم کی کامیابی اور موفقیت ہے۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ "امساک بمعروف" اور "فراق بمعروف" وسیع معنی رکھتے ہیں یہ ہر قسم کے واجب و مستحب شرائط اور اخلاقی کاموں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں اور اسلامی و اخلاقی آداب کے ایک مجموعہ کو ذہن میں مجسم کرتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے حکم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "تم طلاق اور جدائی کے وقت اپنے (مسلمانوں) میں سے شاہد و گواہ بنالو"؛ (واشھدوا ذوی عدل منکم)۔

تاکہ اگر آئندہ کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو طرفین میں سے کوئی انکار نہ کر سکے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال دیا ہے کہ گواہ بنانا طلاق کے سلسلہ میں اور رجوع کرنے کے سلسلہ میں بھی ہے۔ لیکن چونکہ رجوع بلکہ تزویج کے وقت بھی گواہ بنانا قطعاً واجب نہیں ہے، لہٰذا اس بناء پر اگر ہم فرض کر بھی لیں کہ اوپر والی آیت رجوع کو بھی شامل ہے تو یہ اس سلسلے میں ایک مستحبی حکم ہوگا۔

تیسرے حکم میں گواہوں کی ذمہ داری کو اس طرح بیان کرتا ہے: "شہادت کو خدا کے لیے قائم کرو۔" (و أقیموا الشھادۃ للہ)۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا دونوں میں سے کسی ایک طرف قلبی میلان، حق کی شہادت سے مانع ہو جائے۔ لہٰذا رضائے خدا اور حق کو قائم کرنے کے سوا اور کسی چیز کو اس میں راہ نہیں پانا چاہیے۔ یہ ٹھیک ہے کہ گواہوں کو عادل ہونا چاہیے، لیکن عدالت کے باوجود بھی گناہ کا صدور محال نہیں ہے۔ اس بناء پر انھیں خبردار کرتا ہے کہ وہ اپنے نگران ہوں اور جان بوجھ کر یا نادانستہ طور پر حق کی راہ سے منحرف نہ ہوں۔

ضمناً "ذوی عدل منکم" کی تعبیر اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں گواہ مسلمان، عادل اور مرد ہونے چاہئیں۔

آیت کے آخر میں تاکید کے عنوان سے تمام گزشتہ احکام کے متعلق مزید کہتا ہے: "یہ وہ لوگ جو خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، اس وعظ و نصیحت سے سبق حاصل کرتے ہیں"؛ (ذالکم یوعظ بہ من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر)۔

بعض ذالکم کو صرف خدا کی طرف توجہ کرنے اور گواہوں کی طرف سے عدالت کی رعایت کرنے کے مسئلہ کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ تعبیر ایک وسیع معنی رکھتی ہے اور طلاق کے بارے میں گزشتہ تمام مسائل کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

بہر صورت یہ تعبیر ان احکام کی حد سے زیادہ اہمیت کی دلیل ہے، اس طرح کہ اگر کوئی شخص ان کی رعایت نہیں کرتا اور ان سے وعظ و نصیحت حاصل نہیں کرتا تو گویا وہ خدا اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔

چونکہ بعض اوقات آئندہ کی معیشت اور زندگی سے مربوط مسائل یا دوسری گھریلو مجبوریاں، اس بات کا سبب بن جاتی ہیں کہ میاں بیوی طلاق کے وقت یا رجوع کے وقت یا دونوں گواہ شہادت دینے کے وقت حق و عدالت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی راہ سے منحرف ہو جائیں۔ لہٰذا آیت کے آخر میں فرماتا ہے: "جو شخص خدا سے ڈرے اور گناہ کو ترک کر دے تو خدا اس کے لیے نجات کی راہ قرار دے دیتا ہے اور اس کی زندگی کی مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔" (و من یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجاً)۔

* * *

"اور اس کو ایسی جگہ سے جس کا اُسے گمان بھی نہ ہو گا روزی دے گا" (و یرزقہ من حیث لا یحتسب)۔

"اور جو شخص خدا پر توکل کرے اور اپنا امر اس کے سپرد کر دے تو خدا اس کی کفایت کرتا ہے۔" (و من یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ)۔

"کیونکہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کا فرمان ہر چیز میں نافذ ہے۔ اور جس کام کا وہ ارادہ کرے اُسے انجام دے دیتا ہے۔" (ان اللّٰہ بالغ امرہ)۔

"لیکن خدا نے ہر کام اور ہر چیز کے لیے ایک اندازہ اور حساب قرار دیا ہے۔" (قد جعل اللّٰہ لکل شیء قدراً)۔

اس طرح سے وہ مردوں، عورتوں اور گواہوں کو خبردار کرتا ہے کہ وہ حق کی مشکلات سے نہ گھبرائیں اور عدالت کو جاری کریں پھر اپنے مشکل کاموں کی کشائش خدا سے چاہیں کہ خدا نے یہ ضمانت لی ہے کہ وہ پرہیزگاروں کی مشکل کو حل کرے گا اور انھیں ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے خود انھیں بھی گمان نہیں ہو گا۔

خدا نے ضمانت دی ہے کہ جو توکل کرے گا وہ مصیبت میں گرفتار نہیں رہے گا، اور خدا اس ضمانت کے ادا کرنے پر قادر ہے۔

یہ صحیح ہے کہ یہ آیات طلاق اور اس سے مربوط احکام کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں، لیکن ان کا مفہوم وسیع ہے جو دیگر موارد کو بھی شامل ہے۔ یہ خدا کی طرف سے تمام پرہیزگاروں اور توکل کرنے والوں کے لیے ایک امید بخش وعدہ ہے کہ انجام کار لطفِ الٰہی انھیں اپنی پناہ میں لے لے گا، انھیں مشکلات کے پیچ و خم سے گزار دے گا، سعادت کے تابناک افق کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا، معیشت کی سختیوں کو برطرف کر دے گا اور مشکلات کے تیرہ و تاریک بادلوں کو ان کی زندگی کے آسمان سے ہٹا دے گا۔

"قد جعل اللّٰہ لکل شیء قدراً" کا جملہ اس نظام کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے جو عالمِ تشریع و تکوین پر حاکم ہے۔ یعنی یہ احکام جو خدا نے طلاق وغیرہ کے بارے میں صادر فرمائے ہیں سب کے سب ایک حساب اور دقیق حکیمانہ اندازے کے مطابق ہیں۔

اسی طرح سے وہ مشکلات جو انسان کی زندگی میں ازدواجی مسئلہ میں یا کسی اور مسئلہ میں ڈھونڈا ہوں ان میں سے ہر ایک کا اندازہ و حساب اور مصلحت و اختتام ہوتا ہے۔ انھیں ان حوادث کے ظاہر ہونے پر گھبرانا نہیں چاہیے اور زبان پر گلہ اور شکوہ کے الفاظ نہیں لانے چاہئیں۔ نیز مشکلات کے حل کے لیے خلافِ تقویٰ امور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے متوسل نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ تقویٰ اور خودداری کے ساتھ ان سے جنگ کرنی چاہیے اور ان کا حل خدا سے طلب کرنا چاہیے۔

٭ ٭ ٭

چند نکات

۱: مشکلات سے نجات اور تقویٰ

اوپر والی آیات قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید دلانے والی آیات ہیں۔ ان کی تلاوت دل کو صفائی اور روح کو نور و روشنی بخشتی ہے۔ یہ تلاوت یاس و ناامیدی کے پردوں کو چاک کر دیتی ہے، دل میں اُمید کی حیات بخش شعاعیں چمکاتی ہے اور تمام پرہیزگار اور باتقویٰ افراد کو نجات اور حل مشکلات کا وعدہ دیتی ہے۔

ایک حدیث میں ابوذر غفاری سے نقل ہوا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

"انی لاعلم اٰیۃ لو اخذ بھا الناس لکفتھم و من یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا ... فما زال یقولھا و یعیدھا"

"میں ایک ایسی آیت کو پہچانتا ہوں کہ اگر تمام انسان اس کے دامن کو تھام لیں تو وہ ان کی مشکلات کے حل کے لیے کافی ہے۔" اس کے بعد آپ نے آیہ "و من یتق اللّٰہ" کی تلاوت فرمائی اور اس کو بار بار تکرار فرماتے رہے[1]

ایک اور حدیث میں رسولِ خداؐ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

"من شبھات الدنیا و من غمرات الموت و شدائد یوم القیامۃ"

"خدا پرہیزگاروں کو دنیا کے شبہات، موت کی سختی اور روز قیامت کے شدائد سے رہائی بخشے گا۔"[2]

یہ تعبیر اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ تقویٰ کے لیے امور کی کشائش دنیا میں ہی منحصر نہیں بلکہ قیامت کو بھی شامل ہے۔

ایک اور حدیث میں بھی آنحضرتؐ سے آیا ہے:

"من اکثر الاستغفار جعل اللّٰہ لہ من کل ھم فرجا و من کل ضیق مخرجا"

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۰۶ [2] نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۵۶ حدیث ۲۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"جو شخص کثرت سے استغفار کرے گا (اور لوحِ دل کو گناہوں کے زنگ سے دھوتے گا) تو خدا اس کے لیے ہر غم و اندوہ سے کشائش اور ہر تنگی سے نجات کی راہ قرار دے گا۔"[1]

مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اوپر والی پہلی آیت عوف بن مالک کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اصحابِ پیغمبر میں سے تھا اور دشمنانِ اسلام نے اس کے بیٹے کو قید کر لیا تھا۔ وہ پیغمبر کی خدمت میں آیا، اس واقعے اور فقر و فاقہ نیز تنگدستی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا تقویٰ اختیار کر، صبر کر اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا کر۔ اس نے اس کام کو انجام دیا تو اچانک جبکہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا اس کا بیٹا دروازے سے اندر آیا۔ معلوم ہوا کہ وہ دشمن کی غفلت کے ایک لمحہ سے فائدہ اٹھا کر بھاگ آیا ہے۔ یہاں تک کہ دشمن کا اونٹ بھی اپنے ساتھ لے آیا ہے۔ یہ وہ مقام تھا جس پر اوپر والی آیت نازل ہوئی اور اس باتقویٰ شخص کی مشکل کی کشائش اور جہاں سے توقع نہیں تھی وہاں سے روزی کی خبر دی۔[2]

اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ آیت کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے کہ انسان سعی و کوشش کو بالکل ہی ترک کر دے اور یہ کہے کہ میں گھر میں بیٹھ جاؤں گا، تقویٰ اختیار کروں گا اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ذکر کروں گا یہاں تک کہ جہاں سے مجھے گمان بھی نہیں ہے میری روزی پہنچ جائے گی۔ نہیں! آیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے۔ تقویٰ و پرہیزگاری کا مقصد سعی و کوشش کے ساتھ ہے۔ اگر اس حالت میں انسان پر دروازے بند ہوں گے تو خدا نے انکے کھولنے کی ضمانت لی ہے۔

اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کا صحابی عمر بن مسلم ایک مدت تک آپ کی خدمت میں نہ آیا۔ حضرت نے اس کے حالات دریافت فرمائے تو لوگوں نے بتایا کہ اس نے تجارت چھوڑ دی، اور عبادت کی طرف رُخ کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: وائے ہو اس پر:

"اما علم ان تارك الطلب لا يستجاب له"

"کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ جو شخص سعی و کوشش اور روزی طلب کرنے کو ترک کر دے تو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔"

اس کے بعد مزید فرمایا:

---

[1] نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۵۷ حدیث ۲۵

[2] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۰۶، یہی معنی "تفسیر فخر رازی" اور "روح البیان" میں بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ آیا ہے اور بعض نے ایک سو اونٹ کی تعداد بھی لکھی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"اصحابِ رسول میں سے ایک جماعت نے جب آیت "و من یتق الله یجعل له مخرجاً و یرزقه من حیث لا یحتسب" نازل ہوئی تو اپنے دروازے بند کر لیے، عبادت میں مصروف ہو گئے۔ اور انھوں نے کہا: "خدا نے ہماری روزی کا ذمہ لے لیا ہے۔" اس واقعہ کی اطلاع پیغمبر کو ہوئی تو آپ نے کسی کو ان کے پاس بھیج کر بلوایا اور ان سے کہا: تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ! چونکہ خدا ہماری روزی کا کفیل ہو گیا ہے لہٰذا ہم عبادت میں مشغول ہو گئے ہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا:

انه من فعل ذالك لم یستجب له. علیکم بالطلب."

"جو شخص ایسا کرے گا اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔ تم پر لازم ہے کہ سعی و کوشش اور جدوجہد کرو۔"[1]

* * *

۲: روحِ توکّل

خدا پر توکّل کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے کام کی سعی و کوشش کو اس کے سپرد کر دے اور اپنی مشکلات کا حل اسی سے چاہے۔ وہ خدا جو اس کی تمام احتیاجات سے آگاہ ہے، وہ خدا جو اس کے بارے میں رحیم و مہربان ہے، اور وہ خدا جو ہر مشکل کو حل کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

اب جو شخص روحِ توکّل کا حامل ہے، وہ ہرگز یاس و ناامیدی کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتا، مشکلات کے مقابلہ میں ضعف و زبوں حالی کا احساس نہیں کرتا اور سخت حوادث کے مقابلے میں ڈٹا رہتا ہے۔ اس کا یہی علم و عقیدہ اسے ایسی روحانی طاقت دیتا ہے جس سے وہ مشکلات پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔ دوسری طرف سے غیبی امدادیں کہ توکّل کرنے والوں کو جن کی خوشخبری دی گئی ہے، وہ اس کی مدد کو آ جاتی ہیں اور اسے شکست و ناتوانی سے نجات بخشتی ہیں۔

ایک حدیث میں پیغمبر گرامیؐ سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے خدا کی وحی پہنچانے والے فرشتے جبرئیل سے پوچھا: توکّل کیا ہے؟ تو اس نے کہا:

العلم بان المخلوق لا یضر ولا ینفع، ولا یعطی ولا یمنع، و استعمال الیأس من الخلق، فاذا کان العبد کذالك لم یعمل لاحد سوی الله و

---

[1] "تحقیق" مطابق نقل نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۵۲ (حدیث ۲۸)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ولم یرج ولم یخف سوی الله ولم یطمع فی احد سوی الله فهذا هو التوکل:

"توکل کی حقیقت یہ ہے کہ انسان یہ جان لے کہ مخلوق نہ نقصان پہنچا سکتی ہے نہ ہی نفع، نہ کچھ عطا کر سکتی ہے نہ روک سکتی ہے۔ مخلوق سے کوئی اُمید نہ رکھنا (اور خدا ہی سے لَو لگانا) جس وقت ایسا ہو جائے تو پھر انسان خدا کے علاوہ کسی کے لیے کام نہیں کرتا اور اس کے غیر سے اُمید نہیں کرتا، نہ اس کے غیر سے ڈرتا ہے اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی اور کے ساتھ دل لگاتا ہے۔ یہ ہے توکل کی روح۔"[1]

اس عمیق مضمون کے ساتھ، توکل انسان کو ایک نئی شخصیت بخشتی ہے اور اس کے تمام اعمال میں اثر پیدا کرتی ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے شب معراج بارگاہِ خداوندی میں سوال کیا:

پروردگارا: ای الاعمال افضل؟

"کون سا عمل سب سے افضل و برتر ہے؟"

خداوند متعال نے فرمایا:

"لیس شیء عندی افضل من التوکل علیّ والرضا بما قسمت

"میرے نزدیک مجھ پر توکل کرنے اور جو کچھ میں نے تقسیم کیا ہے اس پر راضی رہنے سے افضل و برتر کوئی چیز نہیں ہے۔"[2]

یہ بات واضح ہے کہ اس معنی میں توکل ہمیشہ جہاد اور سعی و کوشش کے ساتھ ہوتی ہے۔ سستی اور ذمہ داریوں سے فرار کے ساتھ نہیں ہوتی۔

ہم نے اس سلسلہ میں تفسیر نمونہ کی جلد ۶ میں (سورۂ ابراہیمؑ کی آیت ۱۲ کے ذیل میں) ایک اور تشریح بھی پیش کی ہے:

---

[2] بحار الانوار جلد ۶۹ ص ۳۴۲ حدیث ۱۹۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴ وَالّٰٓئِیۡ یَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُہُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشۡہُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِیۡ لَمۡ یَحِضۡنَ ؕ وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُہُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَہُنَّ ؕ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ اَمۡرِہٖ یُسۡرًا ۝

۵ ذٰلِکَ اَمۡرُ اللّٰہِ اَنۡزَلَہٗۤ اِلَیۡکُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُعۡظِمۡ لَہٗۤ اَجۡرًا ۝

۶ اَسۡکِنُوۡہُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِکُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡہُنَّ لِتُضَیِّقُوۡا عَلَیۡہِنَّ ؕ وَاِنۡ کُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَیۡہِنَّ حَتّٰی یَضَعۡنَ حَمۡلَہُنَّ ۚ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَکُمۡ فَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ ۚ وَاۡتَمِرُوۡا بَیۡنَکُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَہٗۤ اُخۡرٰی ۝

۷ لِیُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَۃٍ مِّنۡ سَعَتِہٖ ؕ وَمَنۡ قُدِرَ عَلَیۡہِ رِزۡقُہٗ فَلۡیُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰىہُ اللّٰہُ ؕ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىہَا ؕ سَیَجۡعَلُ اللّٰہُ بَعۡدَ عُسۡرٍ یُّسۡرًا ۝

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ترجمہ

(۴) تمہاری عورتوں میں سے جو ماہانہ عادت سے ناامید ہیں، اگر تمہیں ان کی وضع میں (حاملہ ہونے کے لحاظ سے) شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح سے وہ عورتیں جنھوں نے ابھی ماہانہ عادت نہیں دیکھی ہے۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل کریں۔ اور جو شخص تقوائے الٰہی اختیار کرے گا، خدا اس پر کام کو آسان کر دے گا۔

(۵) یہ خدا کا فرمان ہے جو اس نے تم پر نازل کیا ہے اور جو شخص خدائی تقوای اختیار کرے گا تو خدا اس کے گناہوں کو بخش دے گا اور اس کے اجر و ثواب کو بڑھا دے گا۔

(۶) جہاں تم سکونت رکھتے ہو اور جو تمہارے اختیار میں ہے، وہاں ان (مطلقہ عورتوں) کو سکونت دو، اور انھیں ضرر نہ پہنچاؤ کہ معاملے کو ان پر تنگ نہ کرو (اور وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں) اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو نفقہ دو یہاں تک کہ وہ وضع حمل کریں اور اگر وہ تمہارے بچے کو دودھ پلائیں تو تم ان کی اُجرت دو (اور بچوں کے بارے میں معاملے کو) شائستہ مشورے کے ذریعے انجام دو، اور اگر تم میں باہم موافقت نہ ہو تو بچے کو دودھ پلانے کا کام دوسری عورت اپنے ذمہ لے گی۔

(۷) جن لوگوں کے پاس وسیع ذرائع و وسائل ہیں وہ تو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کریں، لیکن جو تنگ دست ہیں تو جو کچھ خدا نے انھیں دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کریں۔ خدا کسی شخص کو اس توانائی سے زیادہ جو اس نے اُسے دی ہے تکلیف نہیں دیتا۔ خدا عنقریب سختی کے بعد آسانی قرار دے گا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

مطلقہ عورتوں کے احکام اور ان کے حقوق

منجملہ ان احکام کے جو گزشتہ آیات سے معلوم ہوئے ہیں، طلاق کے بعد عدت پوری کرنے کا ضروری ہونا ہے۔ چونکہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۸ میں عدت کے مسئلہ میں ان عورتوں کا حکم واضح ہوگیا ہے جو ماہانہ عادت دیکھتی ہیں کہ انہیں تین بار پاکیزہ ہو کر ماہانہ عادت دیکھنی چاہیے۔ جب وہ تیسری مرتبہ ماہانہ عادت میں وارد ہوں تو ان کی عدت ختم ہو جائے گی۔ لیکن انہیں میں سے کچھ ایسی عورتیں بھی ہیں جو کئی اسباب کی بنا پر ماہانہ عادت نہیں دیکھتیں یا وہ حاملہ ہوتی ہیں، تو اوپر والی آیات ان عورتوں کے حکم کو واضح کرتے ہوئے عدت کی بحث کی تکمیل کر رہی ہیں۔

پہلے فرماتا ہے: "تمہاری عورتوں میں سے جو ماہانہ عادت سے ناامید ہوگئی ہیں اگر ان کی وضع و کیفیت میں (حاملہ ہونے کے لحاظ سے) شک کرو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔" (واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر)۔

اور اسی طرح سے وہ عورتیں بھی جنہوں نے ماہانہ عادت دیکھی ہی نہیں وہ بھی تین ماہ عدت رکھیں۔ (واللائی لم یحضن)۔

اس کے بعد تیسرے گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل کریں۔" (و اولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن)۔

اس طرح سے اوپر والی آیت میں عورتوں کے دوسرے تین گروہوں کے لیے حکم مشخص ہوگیا ہے۔ یعنی دو گروہوں کو تو تین ماہ تک عدت رکھنی چاہیے اور تیسرے گروہ، یعنی حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے چاہے وہ طلاق کے ایک لمحہ بعد یا آٹھ ماہ بعد وضع حمل کریں۔

"ان ارتبتم" (اگر تمہیں شک اور تردد ہو) کے جملہ سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں تین احتمال بیان کیے گئے ہیں:

۱: اس سے مراد وجود "حمل" میں احتمال اور شک ہے، اس معنی میں کہ اگر سن یاس (عام عورتوں میں پچاس سال کے سن اور قرشی عورتوں میں ساٹھ سال کے سن) کے بعد کسی عورت میں وجود حمل کا احتمال ہو تو اُسے عدت گزارنی چاہیے۔ اگرچہ اس بات کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات ایسا ہوا ہے (توجہ رہے کہ روایات اور کلمات فقہا میں لفظ "ریبۃ" حمل میں شک کے معنی میں بارہا آیا ہے)۔ ۱

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲ : ایسی عورتیں مراد ہیں جن کے بارے میں ٹھیک طرح سے معلوم نہ ہو کہ سن یاس کو پہنچی ہیں کہ نہیں۔

۳ : اس مسئلہ کے حکم میں شک اور تردد مراد ہے۔ اس بناء پر آیت یہ کہتی ہے کہ اگر تم حکم خدا کو نہیں جانتے تو وہ یہ ہے کہ اس قسم کی عورتیں عدت گزاریں۔ لیکن ان تمام تفاسیر میں سے پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ والٰئی یئسن کے جملا کا ظاہر یہ ہے کہ یہ عورتیں سن یاس کو پہنچ گئی ہیں۔ ضمناً جب عورتوں کی ماہانہ عادت بیماریوں یا دوسرے عوامل کی بناء پر منقطع ہو جائے تو وہ اس حکم کی مشمول ہیں یعنی انہیں چاہیے کہ تین ماہ تک عدت گزاریں۔ (اس حکم کو قاعدہ اولویت کے طریق سے یا فقط آیت کے مشمول سے معلوم کیا جا سکتا ہے)۔ [1]

والّٰئی لم یحضن " (وہ عورتیں جنہوں نے ماہانہ عادت نہیں دیکھی) کا جملا ممکن ہے اس معنی میں ہو کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ گئی ہیں لیکن ابھی ماہانہ عادت شروع نہیں ہوئی۔ اس صورت میں بلاشک وشبہ انہیں تین ماہ تک عدت گزارنی چاہیئے۔ ایک اور احتمال جو علماء نے آیت کی تفسیر میں دیا وہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ تمام عورتیں ہیں جو ماہانہ عادت نہیں دیکھتیں، چاہے وہ سن بلوغ تک پہنچی ہوں یا نہ پہنچی ہوں۔

لیکن ہمارے فقہاء کے درمیان مشہور یہ ہے کہ اگر عورت سن بلوغ کو نہ پہنچی ہو تو طلاق کے بعد اس کی عدت نہیں ہے، لیکن اس مسئلہ کے مخالف بھی ہیں جنہوں نے اس سلسلے میں بعض روایات سے استدلال کیا اور اوپر والی آیت کا ظاہر بھی ان کے موافق ہے۔ (اس مسئلہ کی مزید تشریح کا بھی فقہ کی کتابوں میں مطالعہ کرنا چاہیئے)۔ [2]

وہ شان نزول جو آخری جملوں کے لیے بیان کی گئی ہے۔ اس سے بھی اوپر والی تفسیر ہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ شان نزول یہ ہے کہ ابی بن کعب نے حضرت رسولؐ سے عرض کیا کہ بعض عورتوں کی عدت قرآن میں نہیں آئی ہے، ان میں غیر بالغ لڑکیاں، یکبیرہ (یائسہ) عورتیں اور حاملہ عورتیں ہیں۔ تو اوپر والی آیت نازل ہوئی اور ان کے احکام بیان کیے گئے۔ [3]

عدت اس صورت میں ہے کہ اس بارے میں حمل کا احتمال ہو، کیونکہ اوپر والی آیت میں یائسہ عورتوں پر عطف ہوا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔ [4]

ہوشیرہ صفحہ بعد) [1] جواہر جلد ۳۲ ص ۲۲۹۔ "وسائل الشیعہ" جلد ۱۵ باب ۲ از ابواب عدد، حدیث ۵

[1] البتہ فقہاء کے درمیان مشہور یہ ہے کہ عورت جب سن یاس کو پہنچ جائے تو اس کی عدت بالکل نہیں ہے، لیکن اس قول کے مقابلے میں علماء قدیم کی ایک تھوڑی سی تعداد عدت کی قائل ہے۔ اور بعض روایات بھی اس پر شاہد ہیں۔ اگرچہ دوسری روایات اس سے معارضہ کرتی ہیں جو بات اوپر والی آیت کے ظاہر سے موافق ہے وہ یہ ہے کہ احتمال حمل کی صورت میں وہ عدت رکھتی ہیں۔ اس موضوع کی مزید تشریح فقہی کتابوں میں دیکھنی چاہیئے۔

[2] "جواہر الکلام" جلد ۳۲ ص ۲۳۲۔ اور فقہ کی دوسری کتابیں۔

[3] کنز العرفان جلد ۲ ص ۲۴۰

[4] مرحوم طبرسی مجمع البیان میں یوں کہتے ہیں: تقدیرہ واللائی لم یحضن ان ارتبتم فعدتھن ایضاً ثلاثۃ اشھر۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پھر آیت کے آخر میں ضمنی سرے سے مسئلہ تقویٰ پر تکیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اور جو شخص تقوائے الٰہی اختیار کرے گا، خدا معاملے کو اس پر آسان کر دے گا۔" (ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ من امرہ یسرًا)۔
وہ اس کی مشکلات کو اس جہان میں اور دوسرے جہان میں بھی چاہے وہ علیٰحدگی، مسئلہ طلاق اور اس کے احکام سے مربوط ہوں اور چاہے دوسرے مسائل سے تعلق رکھتی ہوں، اپنے لطف و کرم سے حل کر دے گا۔

* * *

نیز بعد والی آیۃ میں تاکید کے لیے ان احکام کے بارے میں جو طلاق اور عدت کے سلسلے میں گزشتہ آیات میں آئے ہیں، مزید کہتا ہے: "یہ خدا کا حکم ہے جسے اس نے تم پر نازل کیا ہے۔" (ذٰلک امر اللّٰہ انزلہ الیکم)۔
"اور جو شخص تقوائے الٰہی اختیار کرے گا اور اس کے فرمان کی مخالفت سے پرہیز کرے گا خدا اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اس کے اجر و ثواب کو جنت بڑھا دے گا" (ومن یتق اللّٰہ یکفر عنہ سیّاٰتہ ویعظم لہ اجرًا)۔
بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں 'سیئات' سے مراد گناہانِ صغیرہ ہیں اور تقویٰ سے مراد "گناہانِ کبیرہ" سے پرہیز ہے۔ اور اس طرح کبائر سے پرہیز صغائر کے بخشے جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ بات اس کے مشابہ ہے جو سورۂ نساء کی آیت ۳۱ میں بیان ہوئی ہے۔ اس گفتگو کا لازمہ یہ ہے کہ طلاق اور عدت کے سلسلہ میں گزشتہ احکام کی مخالفت گناہانِ کبیرہ میں شمار ہوتی ہے۔ [1]
البتہ یہ درست ہے کہ بعض اوقات 'سیئات' صغیرہ گناہوں کے معنی میں بھی آیا ہے لیکن قرآن مجید کی بہت سی آیات میں تمام گناہوں کے لیے، چاہے وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ لفظ سیئات کا اطلاق ہوا ہے۔ مثلاً سورہ مائدہ کی آیت ۶۵ میں آیا ہے: ولو ان اھل الکتاب اٰمنوا واتقوا لکفرنا عنھم سیّاٰتھم "اگر اہلِ کتاب ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کریں تو ہم ان کے تمام گزشتہ گناہوں کو بخش دیں گے۔" (یہ معنی دوسری آیات میں بھی آیا ہے۔)
مسئلہ طہارت و ایمان اور قبولِ اسلام تمام گزشتہ گناہوں کی بخشش کا سبب ہے۔

* * *

بعد والی آیت طلاق کے بعد عورت کے حقوق کے بارے میں 'مسکن' اور 'نفقہ' کے لحاظ سے اور دوسرے جہات سے بھی وضاحت کرتی ہے۔
پہلے مطلقہ عورتوں کے مسکن کی کیفیت کے بارے میں فرماتا ہے: "جہاں تم سکونت رکھتے ہو اور تمہارے

---

[1] المیزان جلد ۱۹ ص ۳۶۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وسائل تقاضا کرتے ہیں انھیں بھی وہیں سکونت دو" (اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم)۔

"وجد" (بروزن حکم) توانائی اور تمکن کے معنی میں ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی اور تفاسیر بھی بیان کی ہیں، جو نتیجہ میں اسی معنی کی طرف لوٹتی ہیں۔ "راغب" بھی مفردات میں یہی کہتا ہے کہ "من وجدکم کی تعبیر کا مفہوم یہ ہے کہ مطلقہ عورتوں کو اپنی توانائی اور مقدور کے مطابق رہنے کے لیے مناسب مکان دو۔

فطری طور پر جب مکان شوہر کے ذمہ ہے تو باقی اخراجات بھی اسی کے ذمہ ہوں گے۔ آیت کا آخری حصہ جو حاملہ عورتوں کے نفقہ کے بارے میں ہے، وہ اسی معنا پر گواہ ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے حکم کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے: "انھیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤ کہ معاملے کو ان پر ایسا تنگ کر دو کہ وہ تمہارے مکان کو چھوڑنے اور نفقہ کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں" (ولا تضاروهن لتضیقوا علیهن)۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ کینہ پروری، عداوت اور نفرت تمہیں حق اور عدالت کے راستہ سے منحرف کر دے، تم انھیں ان کے مسلّم حقوق مسکن و نفقہ سے محروم کر دو اور ان پر اتنا دباؤ پڑے کہ وہ ہر چیز کو چھوڑ کر نکلے کھڑی ہوں۔

تیسرے حکم میں حاملہ کے بارے میں کہتا ہے: "اور اگر وہ حاملہ ہوں تو جب تک وہ وضع حمل نہ کر لیں ان کے اخراجات دیتے رہو" (وان کن اولات حمل فانفقوا علیهن حتّٰی یضعن حملهن)۔

کیونکہ جب تک انھوں نے وضع حمل نہیں کیا وہ حالت عدت میں ہیں اور ان کا نفقہ اور مسکن شوہر پر واجب ہے۔

چوتھے حکم میں دودھ پلانے والی عورتوں کے حقوق کے بارے میں فرماتا ہے: "اگر وہ علیحدگی کے بعد بچوں کو دودھ پلانے پر رضامند ہو جائیں تو ان کی اُجرت انھیں دے دو" (فان ارضعن لکم فاٰتوهن اجورهن)۔

اتنی اُجرت جو عرف و عادت کے لحاظ سے دودھ پلانے کی مقدار اور وقت کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو۔

چونکہ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ طلاق کے بعد شوہر اور بیوی میں نوزاد بچے کے سلسلے میں مصالحت کرنے پر اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں، للہٰذا پانچویں حکم میں اس سلسلے میں ایک قاطع حکم صادر فرماتے ہوئے کہتا ہے: "اولاد کی سرنوشت کے سلسلے میں ایک دوسرے کے مشورے سے شائستہ فیصلہ کرو" (وأتمروا بینکم بمعروف)۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ شوہر اور بیوی کے اختلافات بچوں کے منافع پر ایسی ضرب لگائیں کہ جس سے وہ جسمانی اور ظاہری لحاظ سے خسارے میں گرفتار ہو جائیں یا باطنی لحاظ سے معنوی محبت اور شفقت سے محروم رہ جائیں۔ والدین کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خدا کو نظر میں رکھیں اور دفاع نہ کر سکنے والے نوزاد کو اپنے اختلافات اور اغراض پر قربان نہ کر دیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"وأتمروا" کا جملہ "ایتمار" کے مادہ سے بعض اوقات تو کسی دستور کو قبول کرنے اور کبھی مشاورت کے معنی میں آتا ہے۔ اور یہاں دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے۔ نیز معروف کی تعبیر بڑی جامع ہے جو ہر قسم کے مشورے کو شامل ہے کہ جس میں خیر و صلاح ہو۔

چونکہ بعض اوقات طلاق کے بعد بچے کے مصالح اور اُسے دُودھ پلانے کے سلسلے میں بیوی اور شوہر میں ضروری اور لازمی موافقت پیدا نہیں ہوتی۔ لہٰذا چھٹے حکم میں فرماتا ہے: "اور اگر تم ایک دُوسرے کے لیے سخت ہو جاؤ اور موافقت نہ کرو، تو پھر کوئی دوسری عورت بچے کو دودھ پلانے کی ذمہ داری لے سکتی ہے۔ تاکہ کشمکش جاری نہ رہے۔" (وان تعاسرتم فسترضع له اخرىٰ)۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اختلافات طول پکڑ جائیں تو اپنے آپ کو مشغول نہ رکھو اور بچے کو کسی دوسری عورت کے سپرد کر دو۔ پہلے درجہ میں تو ماں ہی کا حق تھا کہ وہ اس بچے کو دودھ پلائے، لیکن جب سختگیری اور کشمکش کی بناء پر یہ امر امکان پذیر نہیں رہا تو بچے کے منافع کو فراموشی کے سپرد نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا اس کی ذمہ داری کسی دایہ کے سپرد کر دو۔

⁂

بعد والی آیت اس سلسلہ میں ساتویں اور آخری حکم کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتی ہے: "وہ لوگ جو وسیع وسائل رکھتے ہیں وہ اپنے وسائل اور امکانات کے مطابق خرچ کریں۔ لیکن جو تنگ دست ہیں تو جو کچھ خدا نے انھیں دے رکھا ہے وہ اس میں سے خرچ کریں۔ خدا کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا کہ جو اس کو عطا کیا ہوا ہے۔" (لینفق ذوسعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما اٰتاه الله لا یکلف الله نفسا الا ما اٰتاها)۔

کیا یہ حکم یعنی طاقت کے مطابق خرچ کرنا ان عورتوں سے مربُوط ہے جو طلاق کے بعد بچوں کو دودھ پلانے کی ذمہ داری قبول کر لیتی ہیں یا عدت کے دنوں کے ساتھ مربُوط ہے کہ جس کی طرف گزشتہ آیات میں اجمالی طور پر اشارہ ہوا یا یہ دونوں کے ساتھ مربُوط ہے؟

آخری معنی سب سے مناسب ہے۔ اگرچہ مفسرین کی ایک جماعت اسے صرف دُودھ پلانے والی عورتوں سے مربُوط سمجھتی ہے۔ حالانکہ گزشتہ آیات میں اس بارے میں اُجر (اُجرت) کی تعبیر آئی ہے، نفقہ اور انفاق کی تعبیر نہیں آئی۔

بہرحال جن لوگوں میں کافی طاقت اور توانائی ہے انھیں تنگ دلی اور سخت گیری نہیں کرنی چاہیے۔ جن میں کچھ زیادہ مالی طاقت نہیں ہے وہ اپنی توانائی سے زیادہ پر مامور نہیں اور عورتیں ان پر اعتراض نہیں کر سکتیں۔

اسی طرح جو وسعت رکھتے ہیں انھیں بخل نہیں کرنا چاہیے، اور جو وسعت نہیں رکھتے، وہ ملامت کے لائق نہیں ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معیشت کی تنگی لوگوں کے حق و عدالت کے راستہ سے خارج ہونے کا سبب نہ بنے اور کوئی بھی شخص شکایت کے لیے زبان نہ کھولے۔ اس بناء پر آیت کے آخر میں فرماتا ہے، "خدا عنقریب سختی کے بعد راحت اور آسانی قرار دے گا" (سیجعل اللہ بعد عسر یسرًا)۔

یعنی غم نہ کھاؤ، بیتابی نہ کرو، دنیا ایک حالت پر باقی نہیں رہتی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ منتقلع ہو جانے والی اور جلدی سے گزر جانے والی مشکلات تمہارے صبر و شکیبائی کے رشتہ کو توڑ کر پارہ پارہ نہ کردیں۔

یہ تعبیر ہمیشہ کے لیے، خصوصاً ان آیات کے نزول کے وقت کہ جب مسلمان معیشت کے لحاظ سے سخت تنگی میں تھے، صابرین کے مستقبل کی ایک اُمید بخش بشارت ہے، پھر اتفاق سے کچھ زیادہ دیر نگزری تھی کہ خدا نے اپنی رحمت و برکت کے دروازے ان پر کھول دیئے۔

◆ ◆ ◆

چند نکات

۱: طلاقِ رجعی کے احکام

ہم بیان کر چکے ہیں کہ "طلاق رجعی" وہ ہے کہ جس میں شوہر عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے جس وقت چاہے رجوع کر سکتا ہے اور میاں بیوی کے رشتہ کو بحال کر سکتا ہے۔ اور اس میں کسی نئے عقد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ رجوع کم سے کم بات اور عمل سے بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ جو بازگشت کی علامت ہو۔

بعض احکام جو اوپر والی آیات میں بیان کیے گئے ہیں، جیسے نفقہ اور مسکن کے احکام، وہ طلاقِ رجعی کی عدت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی طرح عدت کی حالت میں عورت کا اپنے شوہر کے گھر سے نہ نکلنے کا مسئلہ بھی ہے۔ لیکن طلاق بائن یعنی وہ طلاق جو قابلِ رجوع نہیں (مثلاً تیسری طلاق) تو اس میں اوپر والے احکام کا وجود نہیں ہے۔

صرف حاملہ عورت کے بارے میں وضع حمل کے وقت تک نان و نفقہ اور مسکن کا حق ثابت ہے۔

"لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرًا" (تو نہیں جانتا شاید خدا کوئی نئی وضع و کیفیت پیدا کر دے) کی تعبیر بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ سب یا اوپر والے احکام کا ایک حصہ طلاق رجعی کے ساتھ مربوط ہے۔[1]

◆ ◆ ◆

---

[1] مزید وضاحت کے لیے فقہ کی کتابوں منجملہ "جواہر الکلام" جلد ۳۲ ص ۱۲۱ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲ : خدا طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا

نہ صرف عقل کا حکم یہی ہے، بلکہ حکم شریعت بھی اسی مطلب کا گواہ ہے کہ انسانوں کی ذمہ داریاں ان کی طاقت کے مطابق ہونی چاہئیں: لا یکلف اللہ نفسًا الّا ما اٰتاھا کا جملہ جو اوپر والی آیات کے ضمن میں آیا ہے اس میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن بعض روایات میں آیا ہے کہ ما اٰتاھا سے مراد ما اعلمھا ہے۔ یعنی ہر شخص پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتا ہے جتنی اسے تعلیم دی ہے۔ اسی لیے علماء نے "علم اصول" میں "اصل برأت" کے مباحث میں، اس آیت کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ اگر انسان کسی حکم کو نہیں جانتا تو وہ اس کے لیے جواب دہ نہیں ہے۔

لیکن چونکہ عدم آگاہی بعض اوقات عدم توانائی کا سبب بن جاتی ہے، لہٰذا ممکن ہے اس سے مراد وہ جہالت ہو جو عجز و ناتوانی کا سرچشمہ بنے۔

اس بناء پر ممکن ہے یہ آیت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہو کہ جو عدم قدرت کو اور اس جہالت کو بھی شامل ہو، جو کسی کام کے انجام دینے میں عدم قدرت کی موجب ہو۔

◆ ◆ ◆

۳ : گھرانے کے نظام کی اہمیت

وہ باریکی اور عمدگی جس سے مطلقہ عورتوں کے احکام اور ان کے حقوق بیان کرنے کے سلسلہ میں اوپر والی آیت میں کام لیا گیا ہے، یہاں تک کہ آیات قرآن میں اس مسئلہ کی نسبت ساری جزئیات بیان ہوتی ہیں کہ جو حقیقت میں اسلام کا بنیادی قانون ہے، اس اہمیت کی ایک واضح دلیل ہے کہ گھریلو نظام نیز عورتوں اور بچوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے اسلام س کا قائل ہے۔

جہاں تک ہو سکتا ہے اسلام طلاق سے روکتا ہے اور اس کی جڑوں کو کاٹتا ہے لیکن جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے کہ ہر طرف کے راستے بند ہو جائیں اور طلاق و علیحدگی کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ ہو تو پھر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کشمکش میں اولاد یا عورتوں کے حقوق پامال ہو جائیں، یہاں تک کہ علیحدگی کا طریقۂ کار بھی اس طرح سے پیش کرتا ہے کہ عام طور پر رجوع اور بازگشت کا امکان موجود رہے۔

معروف طریقہ سے روک رکھنا اور معروف سے جدائی، عورتوں کو نقصان اور ضرر کا نہ پہنچانا اور تنگی اور سخت گیری نہ کرنا، نیز بچوں کی سرنوشت کو محفوظ کرنے کے لیے شائستہ اور مناسب مشورہ کرنا، اور اسی قسم کے دوسرے احکام جو اوپر والی آیات میں آئے ہیں، وہ سب اس بات کے گواہ ہیں۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان امور سے بہت سے مسلمانوں کی لاعلمی یا علم کے باوجود عمل نہ کرنا، اس بات

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کا سبب ہوتا ہے کہ طلاق اور علیحدگی کے وقت گھرانوں اور خصوصاً اولاد کے لیے بہت سی مشکلات پیدا ہو جائیں۔ اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ مسلمان قرآن کے فیض بخش چشمہ سے دور ہو گئے ہیں۔ مثلاً اس بات کے باوجود کہ قرآن صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ عورتیں عدت کے دوران شوہر کے گھر سے باہر نہ جائیں، اور نہ ہی شوہر کو یہ حق ہے کہ وہ انھیں گھر سے نکالے۔ یہ ایسا عمل ہے کہ اگر اسی طرح انجام پا جائے تو اکثر عورتوں کے ازدواجی زندگی کی طرف لوٹ آنے کی بہت زیادہ اُمید ہے۔ لیکن آپ بہت کم مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو دیکھیں گے، جو طلاق و جدائی کے بعد اس اسلامی حکم پر عمل کرتے ہوں۔ یہ امر واقعی طور پر قابلِ افسوس ہے۔

◆ ◆ ◆

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۸ وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝

۹ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝

۱۰ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۛ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝

۱۱ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝

ترجمہ

۸ کتنے ہی شہر اور آبادیاں ایسی ہیں جن کے رہنے والوں نے خدا اور اس

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے رسولوں کے فرمان سے سرپیچی کی تو ہم نے بھی ان کا حساب شدت کے ساتھ چکایا اور انھیں بہت ہی بڑے عذاب میں گرفتار کر دیا۔

(۹) انھوں نے اپنے کردار و عمل کا وبال چکھا اور ان کا انجام کار خسارہ اور نقصان تھا۔

(۱۰) خدا نے ان کے لیے شدید عذاب فراہم کیا، پس اے صاحبانِ ایمان وعقل! تم خدا کے حکم کی مخالفت سے پرہیز کرو، (کیونکہ) خدا نے تم پر وہ چیز نازل کی ہے جو تمھارے لیے ایک نصیحت ہے۔

(۱۱) تمھاری طرف ایک رسولؐ بھیجا ہے جو خدا کی واضح آیات کی تم پر تلاوت کرتا ہے، تاکہ ان لوگوں کی جو ایمان لائے اور عمل صالح انجام دیتے ہیں، تاریکیوں سے نور کی طرف ہدایت کرے۔ اور جو شخص خدا پر ایمان لاتا، اور عمل صالح انجام دیتا ہے، خدا اسے اس جنت کے باغات میں وارد کرے گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور خدا نے ان کے لیے اچھی روزی قرار دی ہے۔

* * *

تفسیر

سرکشوں کا دردناک انجام

قرآن کا شیوہ یہ ہے کہ اکثر مواقع پر عملی احکام کے ایک سلسلے کو بیان کرنے کے بعد گزشتہ امتوں کے حالات کی طرف اشارہ کرتا ہے، تاکہ مسلمان ان کی سرگزشت میں اطاعت وعصیاں کا نتیجہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں اور یہ مسئلہ بطور خود ایک حسی صورت اختیار کرلے۔ اسی لیے اس سورہ میں بھی طلاق وعلیٰحدگی کے موقع پر مردوں اور عورتوں کے وظائف اور ذمہ داریاں بیان کرنے کے بعد اسی مطلب کو پیش کرکے گنہگاروں اور سرکشی کرنے والوں کو خبردار کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "کتنے ہی شہر اور آبادیاں ایسی تھیں جن کے رہنے والوں نے خدا اور اس کے رسولوں کے فرمان سے سرپیچی کی تو ہم نے بھی ان کا حساب شدت کے ساتھ چکایا اور انھیں بہت ہی بڑے عذاب میں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گرفتار کر دیا"۔ (وکاین من قریۃ عتت عن امر ربھا ورسلہ فحاسبنا ھا حسابا شدیدا وعذبناھا عذابا نکرا)۔ لے

"قریۃ" سے مراد، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے، انسانوں کے اجتماع کی جگہ ہے، چاہے وہ شہر ہو یا گاؤں۔ اور یہاں مراد اس میں رہنے والے ہیں۔

"عتت"، "عتو" (بروزن غلو) کے مادہ سے اطاعت سے روگردانی کرنے کے معنی میں ہے۔

"نکر"، (بروزن شکر) ایسی مشکل کے معنی میں ہے کہ جس کی مثال نہ ہو یا بہت کم پائی جاتی ہو۔

"حسابا شدیدا" یا تو دقیق اور سخت گیری کے ساتھ حساب لینے کے معنی میں یا شدید عذاب کے معنی میں ہے کہ جو دقیق حساب کا نتیجہ ہے۔ بہرحال یہ ان سرکش اقوام کے اس دنیا میں عذاب کی طرف اشارہ ہے کہ کسی قوم کی طوفان کے ساتھ، کسی گروہ کی تباہ کرنے والے زلزلے کے ساتھ اور کسی گروہ کی صاعقہ یعنی بجلی اور اسی قسم کی چیزوں کے ساتھ بیخ کنی کی گئی، اور ان کے تباہ اور ویران شدہ شہر و دیار آنے والے لوگوں کے لیے درس عبرت کی صورت میں باقی رہ گئے۔

* * *

لہٰذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "انھوں نے اپنے کفر و گناہ کا عذاب چکھا اور ان کا انجام کار خسارہ اور نقصان تھا"۔ (فذاقت وبال امرھا وکان عاقبۃ امرھا خسرا)۔

اس سے بڑھ کر خسارہ اور کیا ہوگا کہ وہ خدا داد سرمایہ کو ہاتھ سے گنوا بیٹھے اور اس دنیا کے بازار تجارت سے نہ صرف یہ کہ انھوں نے کوئی مال و متاع نہیں خریدا بلکہ انجام کار عذاب الٰہی سے نابود ہو گئے۔

بعض نے یہاں "حساب شدید" اور "عذاب نکر" کو عذاب قیامت کی طرف اشارہ سمجھا، اور فعل ماضی کو مستقبل کے معنی میں لیا ہے۔ لیکن ایسا کرنے کا کوئی سبب موجود نہیں ہے، بالخصوص جبکہ عذاب قیامت کے سلسلہ میں بعد والی آیت میں بات کی جائے گی اور یہ بات خود ایک زندہ گواہ ہے کہ یہاں عذاب سے مراد عذاب دنیا ہی ہے۔

* * *

اس کے بعد ان کے اخروی عذاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "خدا نے ان کے لیے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے"۔ (اعد اللہ لھم عذابا شدیدا)۔

لے "کاین" مشہور علمائے ادب کے نظریہ کے مطابق ایک مرکب اسم ہے "کاف" تشبیہ اور "ای" سے جو تنوین کے ساتھ توام ہے۔ چونکہ تنوین اس اسم کی بناء میں داخل ہے اس لیے حالت وقف میں بھی پڑھی جاتی ہے، اور قرآن کی کتابت میں بھی لکھی جاتی ہے۔ اور اس کا معنی "کم" خبریہ کے مانند ہے، اگرچہ اس کے ساتھ کچھ فرق ہے۔ ایک غیر مشہور نظریہ یہ ہے کہ یہ ایک اسم بسیط ہے اور اس کا "کاف" اور "تنوین" جزو کلمہ ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک دردناک، شدید، وحشت انگیز، ذلیل کرنے والا اور رسوا کرنے والا عذاب اور ان کے لیے دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی جگہ ابھی سے فراہم ہے۔

جب یہ بات ہے تو اے صاحبانِ عقل وخرد اور اے ایمان لانے والو! خدا کے حکم کی مخالفت سے پرہیز کرو۔ (فاتقوا اللہ یا اولی الالباب الذین اٰمنوا)۔

ایک طرف سے غور وفکر اور دوسری طرف سے ایمان اور آیاتِ الٰہی تمہیں خبردار کرتی ہیں کہ تم سرکش اور روگردانی کرنے والی قوموں کی سرگزشت کو دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی ان کی صف میں جا کھڑے ہو، پھر خدا تمہیں اس جہان میں بھی ہولناک اور بے سابقہ عذاب میں گرفتار کر دے گا۔ اور آخرت کا شدید عذاب بھی تمہارے انتظار میں ہو گا۔

اس کے بعد غور وفکر کرنے والے مومنین کو مخاطب کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "خدا نے تم پر ایسی چیز نازل کی ہے جو تمہارے لیے باعث نصیحت ہے"۔ (قد انزل اللہ الیکم ذکرا)۔

"اور ایک رسولؐ تمہاری طرف بھیجا ہے، جو خدا کی واضح آیات کی تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے تاکہ ایمان لانے والوں اور عمل صالح بجا لانے والوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف ہدایت کرے" (رسولاً یتلوا علیکم اٰیات اللہ مبینات لیخرج الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات من الظلمات الی النور)۔

یہاں ذکر سے کیا مراد ہے؟ اور رسولؐ سے کون مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

مفسرین کا ایک گروہ "ذکر" کو قرآن کے معنی میں لیتا ہے، جبکہ ایک جماعت نے اس کی رسولِ خدا کے ساتھ تفسیر کی ہے، کیونکہ آپ لوگوں کے لیے یاد آوری کا سبب ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق اس کے بعد جو لفظ "رسولاً" آیا ہے اس سے پیغمبرؐ کی ذات مراد ہے۔ (اور اس کلام میں کوئی محذوف نہیں ہے) لیکن یہاں "نازل کرنے" سے مراد" خدا کی طرف سے امت کو پیغمبرؐ کے وجود کا عطا کرنا ہے۔

لیکن اگر ذکر کو قرآن مجید کے معنی میں لیں تو 'رسولاً' اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس جملے میں ایک محذوف ہے۔ اور تقدیر میں اس طرح ہے: "انزل اللہ الیکم ذکرا وارسل رسولاً" "خدا نے ایک نصیحت والی چیز نازل کی اور ایک رسولؐ بھیجا۔"

بعض نے 'رسولؐ' کی 'جبرئیل' کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ اس صورت میں اس کا نزول حقیقی ہو گا، کیونکہ وہ آسمان سے نازل ہوتا تھا۔ لیکن یہ تفسیر "یتلوا علیکم اٰیات اللہ" "وہ خدا کی آیات تمہارے سامنے پڑھتا ہے" کے جملہ کے ساتھ سازگار نہیں ہے، کیونکہ جبرئیل براہ راست مومنین کے سامنے نہیں پڑھتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک تفسیر میں ایک اضافہ اور ایک مشکل موجود ہے۔ لیکن مجموعی طور پر پہلی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر (یعنی ذکر کا معنی قرآن اور رسول کا معنی پیغمبر اکرمؐ ہیں) سب سے بہتر ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں لفظ ذکر کا قرآن پر اطلاق ہوا ہے۔ خصوصاً جہاں لفظ "انزال" کے ساتھ ہو۔ اس طرح سے کہ جب "نزول ذکر" کہا جائے تو یہ قرآن کے معنی کا ہی ادعا کرتا ہے۔

سورۂ نحل کی آیت ۴۴ میں آیا ہے: و انزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم: "ہم نے ذکر کو تجھ پر نازل کیا ہے۔ تاکہ تو لوگوں کے لیے اس چیز کو بیان کرے جو ان پر نازل ہوئی ہے"۔

نیز سورۂ حجر کی آیت ۶ میں آیا ہے: "وقالوا یاایھا الذی نزل علیہ الذکر انك لمجنون" دشمنوں نے کہا: "اے وہ شخص کہ جس پر ذکر نازل ہوا ہے تو ایک دیوانہ ہے"۔

اگر آئمہ اہل بیتؑ سے بعض روایات میں آیا ہے کہ ذکر سے مراد حضرت رسولؐ ہیں اور ہم "اہل ذکر" ہیں، تو ممکن ہے کہ یہ آیت کے بطون کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ "اہل الذکر" جو آیت فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو) (نحل ۴۳) میں آیا ہے یہ خاص طور پر اہل بیت کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کی شان نزول میں علماء اہل کتاب آتے ہیں۔ لیکن اس بات کی طرف توجہ رکھتے ہوئے کہ "ذکر" ایک وسیع معنی رکھتا ہے کہ جو پیغمبر اسلامؐ کو شامل ہے تو یہ بھی اس کا ایک مصداق ہوگا۔[1]

بہرحال اس رسولؐ کے بھیجنے اور اس کتاب آسمانی کے نازل کرنے کا اصلی مقصد یہ ہے کہ وہ انھیں آیات الٰہی کی تلاوت کے ذریعے کفر و جہالت، معصیت اور اخلاقی فساد کی تاریکیوں سے باہر نکالتے ہوئے ایمان، توحید اور تقویٰ کے نور کی رہنمائی کرے۔ جبکہ حقیقت میں بعثت پیغمبرؐ اور نزول قرآن کے تمام اہداف و مقاصد کا خلاصہ اسی ایک جملہ میں آگیا ہے: یعنی تاریکیوں سے باہر نکال کر نور کی طرف لانا۔ اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ "ظلمات" کا صیغہ جمع کے ساتھ اور نور کا صیغہ واحد کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ کیونکہ شرک و کفر و فساد، پراگندگی و کثرت کے عامل ہیں، جبکہ ایمان و توحید و تقویٰ، وحدت و یگانگت کے عامل ہیں۔

آیت کے آخر میں ان لوگوں کے اجر و ثواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو ایمان و عمل صالح رکھتے ہیں، مزید کہتا ہے: "جو شخص خدا پر ایمان لائے، عمل صالح بجا لائے اور اسی راستے پر چلتا رہے، تو خدا اُسے جنت کے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ وہیں پر رہے گا، اور خدا نے اس کے لیے اچھی روزی قرار دی ہے" (ومن یؤمن باللہ ویعمل صالحا یدخلہ جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا قد احسن اللہ لہ رزقا)۔

"یؤمن" اور "یعمل" کی تعبیر فعل مضارع کی صورت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا ایمان اور عمل صالح کبھی خاص زمانہ کے ساتھ محدود نہیں بلکہ استمرار و دوام رکھتا ہے۔[2]

---

[1] مزید وضاحت کے لیے تفسیر نمونہ جلد ۹ سے رجوع کریں۔ [2] توجہ رکھنی چاہیے کہ جو ضمیریں آیت میں استعمال ہوئی ہیں بعض ترکیب کی صورت میں ہیں اور بعض مفرد کی صورت میں ہیں۔ یہ اس بناء پر ہے کہ جہاں مفرد کی صورت میں ہیں وہاں وہ جنس اور جمع کے معنی میں ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خالدین کی تعبیر جنت کی ہمیشگی کی دلیل ہے۔ اس بناء پر اس کے بعد "ابدًا" کے لفظ کا ذکر "خلود" کے لیے ایک تاکید شمار ہوتا ہے۔

"رزقًا" کی تعبیر "نکرہ" کی صورت میں ان اچھی اچھی روزیوں کی عظمت و اہمیت کی طرف اشارہ ہے جو خدا ان لوگوں کے لیے فراہم کرے گا یہ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے جو آخرت میں ہر قسم کی خدائی نعمت، یہاں تک کہ دنیاوی مواہبت کو بھی اپنے اندر لیے ہوئے ہے، کیونکہ ایمان و تقویٰ کا نتیجہ صرف آخرت کے ساتھ مربوط نہیں بلکہ مومن و پرہیزگار لوگ اس دنیا میں بھی پاکیزہ تر، آرام دہ اور زیادہ لذت بخش زندگی رکھتے ہیں۔

⁂

jabir.abbas@yahoo.com www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۲ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَہُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَہُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۬ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ

۱۲ خدا نے ہی ساتوں آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اتنی ہی زمینیں (پیدا کی ہیں) اس کا حکم ہمیشہ ان کے درمیان نازل ہوتا ہے تاکہ تم جان لو کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے، اور اس کا علم ہر چیز پر احاطہ رکھتا ہے۔

تفسیر

خلقت عالم کا مقصد معرفت ہے

سورۂ طلاق کی یہ آخری آیت آسمانوں اور زمینوں کی خلقت میں اللہ کی قدرت کی عظمت اور اس خلقت کے مقصد اصلی کی طرف ایک پُرمعنی اور واضح اشارہ ہے۔ نیز یہ ان مباحث کی تکمیل کر رہا ہے جن میں پرہیزگار مومنین کے لیے ثواب عظیم کے وعدے کے سلسلے میں اور اسی طرح ان وعدوں کے سلسلے میں جو ان کی مشکلات کی گرہ کھولنے کے بارے میں کیے گئے تھے۔ یہ بات واضح ہے کہ وہ خدا جو اس عظیم خلقت پر قدرت رکھتا ہے وہ اس جہان میں بھی اور دوسرے جہان میں بھی ان وعدوں کو پورا کرنے کی طاقت اور قوت رکھتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "خدا وہی ہے جس نے ساتوں آسمان پیدا کیے"؛ (اللہ الذی خلق سبع سماوات)۔

"اور اتنی ہی زمینیں پیدا کی ہیں"؛ (ومن الارض مثلھن)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یعنی جس طرح آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔

یہ قرآن مجید کی واحد آیت ہے جو سات زمینوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان سات آسمانوں اور اتنی ہی زمینوں سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں ہم نے تفسیر نمونہ جلد اول میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۹ کے ذیل میں اور جلد ۱۱ میں سورہ حٰم سجدہ کی آیت ۱۲ کے ذیل میں تفصیلی بحث کی ہے۔ لہٰذا یہاں ایک مختصر سے اشارہ پر قناعت کرتے ہیں اور وہ یہ ہے:

ممکن ہے کہ سات کے عدد سے مراد وہی کثرت ہو، کیونکہ یہ تعبیر قرآن مجید میں اور اس کے علاوہ بھی کثرت کے معنی میں آتی ہے، جیسے ہم کہتے ہیں اگر تم سات سمندر بھی لے آؤ تو کافی نہیں ہوں گے۔

اس بناء پر سات آسمانوں اور سات زمینوں سے مراد آسمانی کواکب اور زمین سے مشابہ کرّوں کی عظیم و کثیر تعداد ہے۔

لیکن اگر ہم سات کے عدد کو تعداد اور گنتی کے لیے سمجھیں تو اس کا مفہوم سات آسمانوں کا وجود ہو گا۔ چنانچہ سورہ صافات کی آیت ۶ کہتی ہے: انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب ؛ ہم نے نزدیکی آسمان (پہلے آسمان) کو کواکب اور ستاروں سے زینت بخشی ہے۔ اس کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اور انسانی علم و دانش جس پر احاطہ رکھتی ہے وہ سب کچھ پہلے آسمان سے مربوط ہے۔ لیکن ان ثوابت و سیارات کے علاوہ اور بھی چھ عالم موجود ہیں جو ہمارے علم کی دسترس سے باہر ہیں۔

یہ بات تو سات آسمانوں کے بارے میں تھی۔ باقی رہا سات زمینوں کے بارے میں تو ممکن ہے کہ یہ کرہ زمین کے مختلف طبقات کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ اس وقت یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ زمین طرح طرح کے پرتوں اور تہوں سے بنی ہے۔ یا یہ زمین کے سات براعظموں کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ آج کے زمانے میں اور گزشتہ زمانے میں بھی کرہ زمین کو سات منطقوں میں تقسیم کرتے تھے۔ (البتہ گزشتہ اور موجودہ زمانے کے طرز تقسیم میں فرق ہے۔ موجودہ زمانہ میں دو منجمد منطقوں شمالی و جنوبی، دو معتدل منطقوں، دو گرم منطقوں اور ایک استوائی منطقہ میں تقسیم ہوتی ہے۔ بسیکن گزشتہ زمانہ میں سات اقلیمیں (براعظم) دوسری شکل میں تقسیم ہوتی تھیں)

لیکن ممکن ہے کہ یہاں بھی سات کا عدد جو مثلھن کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے تکثیر کے بیان ہی ہو، اور یہ بھی متعدد زمینوں کی طرف اشارہ ہو کہ جو عالم ہستی میں موجود ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ کرۂ زمین سے مشابہ وہ کرے جو اس عظیم عالم میں مختلف آفتابوں کے گرد گردش کر رہے ہیں، ان کی کم از کم تعداد تین سو ملین ہے۔[1]

اگرچہ منظومۂ شمسی کے علاوہ اجرام کے بارے میں ہم جو معلومات رکھتے ہیں، ان کے ناکافی ہونے کے باعث

---

[1] "تفسیر مراغی" جلد ۲۸ ص ۱۵۱۔ ایک حدیث جو امیر المومنین حضرت علیؑ سے نقل ہوئی ہے، اس میں بھی آیا ہے: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان کی تعداد مقرر کرنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن بہرحال دوسرے ماہرین فلکیات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ اس کہکشاں میں کہ منظومہ شمسی جس کا ایک جزء ہے، کئی ملین کرّے موجود ہیں، جو کرۂ زمین سے مشابہ اور حیات و زندگی کا مرکز ہیں۔

البتہ ممکن ہے کہ آگے چل کر علم و دانش میں انسان کی پیش رفت، اس قسم کی آیات کے بارے میں ہمیں مزید اطلاعات مہیا کر سکے۔

اس کے بعد خدا کے حکم و فرمان کے ذریعے اس عظیم عالم کی تدبیر کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "اس کا حکم و فرمان ہمیشہ ان کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے" (یتنزل الامر بینھن)۔

یہ بات واضح ہے کہ یہاں امر سے مراد وہی خدا کا حکم و امر تکوینی ہے جو اس عالم بزرگ اور ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر کے سلسلے میں جاری کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے مخصوص حکم کے ساتھ ایک منظم طریقے سے ہدایت رہبری کرتا ہے۔ حقیقت میں یہ آیت سورہ سجدہ کی آیت ۳ کے مشابہ ہے جس میں فرماتا ہے "یدبّر الامر من السماء الی الارض: "وہ آسمان سے لے کر زمین تک تدبیر امور کرتا ہے"۔

بہرحال اگر اس کی تدبیر ایک لمحے کے لیے بھی اس عالم سے جدا ہو جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے، اور سب کے سب فنا ہو جائیں۔

آخر میں اس عظیم خلقت کے ہدف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: "یہ سب کچھ اس بناء پر ہے تاکہ تم جان لو کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے اور اس کا علم و آگہی ہر چیز پر محیط ہے" (لتعلموا ان اللّٰہ علیٰ کل شیء قدیر و ان اللّٰہ قد احاط بکل شیء علماً)۔

کتنی عمدہ تعبیر ہے کہ وہ اس عظیم خلقت کا ہدف یہ قرار دیتا ہے کہ انسان خدا کے علم اور اس کی قدرت کی صفات سے آگاہ ہو جائے کیونکہ ان دو صفات سے آگاہی انسان کی تربیت کے لیے کافی ہے۔

انسان کو یہ جان لینا چاہیے کہ خدا اس کے وجود کے تمام اسرار پر احاطہ رکھتا ہے اور اس کے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ نیز اسے یہ بھی جان لینا چاہیے کہ معاد و قیامت، جزاء و سزا اور مومنین کی کامیابی کے بارے میں خدا کے وعدوں میں کبھی تخلف کا شائبہ تک نہیں ہے۔

ہاں! وہ خدا جو اس قسم کا علم و قدرت رکھتا اور عالم ہستی کے نظام کا ادارہ کرتا ہے۔ اگر اس نے انسانوں کی زندگی کے بارے میں طلاق اور عورتوں کے حقوق سے مربوط کچھ احکام صادر فرمائے ہیں تو وہ سب کے سب دقیق اور پختہ حساب پر مبنی ہیں۔

ابتیہ منو سابقہ) لعلّ هذه النجوم التی فی السماء مدائن مثل المدائن التی فی الارض: "ان ستاروں میں بھی جو آسمان پر ہیں ایسے زمین کے شہروں کی طرح سے شہر ہیں" (تفسیر برہان جلد ۴ ص ۴۵)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"ہدف آفرینش" کے سلسلے میں ہم نے تفسیر نمونہ کی جلد ۱۲ سورہ ذاریات کی آیت ۵۶ کے ذیل میں ایک تفصیلی بحث کی ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کی مختلف آیات میں انسان کی خلقت کے ہدف کی طرف یا اس جہان کی خلقت کے ہدف کی طرف ایسے اشارے ہوتے ہیں جو ابتداء میں مختلف دکھائی دے سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم غور سے دیکھیں تو وہ سب ایک ہی حقیقت کی طرف لوٹتے ہیں۔

۱ : سورۂ ذاریات کی آیت ۵۶ میں انسان اور جن کی خلقت کا مقصد "عبادت" کو قرار دیا ہے۔ "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"۔

۲ : سورہ ہود کی آیت ۷ میں آسمانوں اور زمین کی عظیم خلقت کا ہدف و مقصد انسان کی آزمائش بتائی گئی ہے۔ "وھو الذی خلق السماوات والارض فی ستة ایام وکان عرشه علی الماء لیبلوکم ایکم احسن عملاً"۔

۳ : سورہ ہود کی آیت ۱۱۹ میں ہدف و مقصد خدا کی رحمت کو قرار دیا ہے۔ " ولذالك خلقھم"

۴ : آخر میں زیر بحث آیت میں خدا کی صفات کے علم و آگہی کو ہدف بتایا ہے۔ (لتعلموا...)

ان آیات میں تھوڑا سا غور کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان میں سے بعض بعض کے لیے مقدمہ ہیں۔ آگاہی و معرفت، بندگی و عبادت کے لیے ایک مقدمہ ہے۔ وہ انسان کی آزمائش اور تربیت کے لیے ایک مقدمہ ہے اور وہ خدا کی رحمت سے فیض یاب ہونے کے لیے ایک مقدمہ ہے (غور کیجئے)

* * *

خداوندا ! اب جبکہ تو نے ہمیں اپنی عظیم خلقت کے ہدف سے آشنا کر دیا ہے اس عظیم ہدف تک پہنچنے کے سلسلہ میں ہماری مدد فرما!

پروردگارا ! تیرا علم و قدرت بے پایاں ہے اور تیری رحمت بھی غیر متناہی ہے، ہمیں اس بے انتہا رحمت کا ایک حصہ عنایت فرما!

بارِ الٰہا ! تو نے قرآن و پیغمبر کو ظلمات سے نور کی طرف لانے والے بنا کر بھیجا ہے۔ ہمیں گناہ، اور ہوائے نفس کی ظلمت اور تاریکی سے باہر نکال لے اور ہمارے دلوں کو نور ایمان و تقویٰ سے منور کر دے!

آمین یا رب العالمین

* * *

سورۂ طلاق کا اختتام : ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۶ ھ

اختتام ترجمہ ۳ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ، مطابق ۲۹ جولائی ۱۹۸۷ء

بروز بدھ صبح ۵ بجکر ۴۲ منٹ، ۸۱، ای ماڈل ٹاؤن، لاہور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ تحریم

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا اور اس کی ۱۲ آیات ہیں۔

آغاز

آخر رمضان المبارک، ۱۴۰۶ھ

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ تحریم کے مضامین

اس سورہ کے بنیادی طور پر چار حصّے ہیں:

پہلا حصّہ: یہ پہلی آیت سے پانچویں آیت تک ہے جو پیغمبرؐ اور ان کی بعض بیویوں کے ایک واقعہ سے مربوط ہے۔ آنحضرتؐ نے حلال غذاؤں میں سے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تو مذکورہ آیات نازل ہوئیں اور پیغمبرؐ کی ان بیویوں کو ملامت ہوئی کہ جس کی تفصیل انشاء اللہ شانِ نزول میں بیان ہوگی۔

دوسرا حصّہ: یہ آیت ۶ سے شروع ہو کر آیت ۸ تک جاتا ہے، اور تمام مومنین سے ایک کلی خطاب ہے۔ یہ گھر والوں کی تعلیم و تربیت کے معاملے میں نگران رہنے اور گناہوں سے توبہ کے ضروری ہونے کے بارے میں ہے۔

تیسرا حصّہ: یہ صرف ایک ہی آیت ہے جس میں پیغمبرؐ کو کفار و منافقین سے جنگ اور جہاد کرنے کے بارے میں خطاب ہوا ہے۔

چوتھا حصّہ: یہ سُورۃ کا آخری حصّہ ہے جو آیت ۱۰ سے آیت ۱۲ تک ہے۔ اس میں خدا نے گزشتہ بحث کو واضح کرنے کے لیے دو صالح اور نیک خواتین (مریمؑ اور آسیہ زوجہ فرعون) اور دو غیر صالح خواتین (زوجہ نوحؑ اور زوجہ لوطؑ) کے حالات کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اس میں درحقیقت تمام مسلمانوں کی بیویوں اور خصوصیت سے پیغمبرؐ کی بیویوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ خود کو پہلے گروہ (مریمؑ و آسیہ زوجہ فرعون) سے ہم آہنگ کریں، دوسرے گروہ کے ساتھ نہیں۔

* * *

تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں رسولِ خدا سے اس طرح نقل ہوا ہے:

"جو شخص سورہ تحریم کو پڑھے گا۔ اعطاہ اللہ توبۃ نصوحا، تو خدا اسے خالص توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔"[1]

ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے آیا ہے:

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۱۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جو شخص سورہ طلاق و تحریم کو واجب نماز میں پڑھے گا، خدا اُسے قیامت میں خوف و ہراس سے پناہ دے گا۔ جہنم کی آگ سے رہائی بخشے گا، اور اُسے اس سورہ کی تلاوت اور اس پر مداومت کی بناء پر جنت میں داخل کرے گا، کیونکہ یہ دونوں سورتیں پیغمبرؐ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ [1]

✦ ✦ ✦

[1] ثواب الاعمال، مطابق نقل نورالثقلین جلد ۵ ص ۳۶۷

www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِىْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(۲) قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

(۳) وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِىُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِىَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

(۴) اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰۤئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝

(۵) عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰۤئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰۤئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ترجمہ

رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے

① اے پیغمبرؐ! جو چیز خدا نے تیرے لیے حلال کی ہے اُسے اپنی بیویوں کو خوش رکھنے کے لیے اپنے اُوپر حرام کیوں کرتے ہو اور خدا غفور و رحیم ہے۔

② خدا نے (ایسے موقعوں کے لیے) تمھاری قسموں کے کھولنے کی راہ کو واضح کر دیا ہے اور خدا ہی تمھارا مولا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔

③ اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب پیغمبرؐ نے اپنا ایک راز اپنی بیویوں میں سے بعض کو بتلایا، لیکن جب اس نے اس راز کو افشا کر دیا تو خدا نے پیغمبرؐ کو اس سے آگاہ کیا اور پیغمبرؐ نے اس کا ایک حصّہ تو اس سے بیان کیا اور ایک حصّہ بیان نہ کیا۔ جب پیغمبرؐ نے اپنی بیوی کو اس کی خبر دی تو اس نے کہا کہ آپ کو اس بات سے کس نے آگاہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ علیم و خبیر خدا نے مجھے اس بات سے آگاہ کیا ہے۔

④ اگر تم دونوں اپنے فعل سے توبہ کر لو (تو اس میں تمھارا نفع ہے) کیونکہ تمھارے دل حق سے پھر گئے ہیں، اور اگر تم دونوں اس کے برخلاف ایک دوسری کی مدد کرتی رہو گی (تب بھی تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گی) کیونکہ خدا اس کا مددگار ہے۔ اور اسی طرح جبرئیل اور صالح مومنین اور ان کے علاوہ تمام فرشتے اس کے پشتیبان ہیں۔

⑤ اگر وہ تمھیں طلاق دے دے تو قریب ہے کہ اس کا پروردگار تمھاری جگہ اس کے لیے تم سے اچھی بیویاں قرار دے جو مسلمان، مومن، متواضع، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار اور ہجرت کرنے والیاں ہوں گی اور بیوہ اور باکرہ ہوں گی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شانِ نزول

اوپر والی آیات کے شانِ نزول کے بارے میں شیعہ اور اہلِ سنّت کی تفسیر، حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں۔ اُن میں سے جو زیادہ مشہور اور زیادہ مناسب نظر آتی ہیں وہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

پیغمبرؐ بعض اوقات (اپنی ایک بیوی) زینب بنت جحش کے پاس جاتے تو زینب آپ کو بٹھا لیتیں اور جو شہد اُن کے پاس موجود ہوتا وہ آپ کی خدمت میں پیش کرتیں۔ یہ بات بی بی عائشہ کے کانوں تک پہنچی تو ان پر بہت گراں گذری وہ کہتی ہیں: میں نے حفصہ (پیغمبرؐ کی دوسری بیوی) کے ساتھ یہ طے کیا کہ جب بھی پیغمبرؐ ہمارے قریب آئیں تو ہم فوراً یہ کہیں: کیا آپ نے "مغافیر" کھائی (مغافیر ایک گوند تھی جو حجاز کے ایک درخت "عُرفط" (بروزن ہرمز) سے نکلتی تھی اور اس کی بُو خوشگوار نہیں تھی) پیغمبرؐ اس بات کے پابند تھے کہ آپ کے دہنِ مُبارک یا لباس سے ہرگز کوئی نامناسب بُو نہ آئے بلکہ اس کے برعکس آپ پابندی کے ساتھ خوشبو لگاتے اور مُعطّر رہتے تھے۔

اس طرح ایک دن پیغمبرؐ حفصہ کے پاس آئے تو اس نے پیغمبرؐ سے یہی بات کہی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں نے مغافیر نہیں کھائی بلکہ زینب بنت جحش کے ہاں سے شہد نوش کیا ہے اور میں قسم کھاتا ہوں کہ اب اس کے بعد وہ شہد نہیں پیوں گا۔ (ممکن ہے کہ شہد کی مکھی کسی نامناسب نبات یا شاید مغافیر پر ہی بیٹھی ہو) لیکن تم یہ بات کسی سے نہ کہنا (کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بات لوگوں کے کانوں تک پہنچے تو وہ کہیں کہ پیغمبرؐ نے ایک حلال غذا کو اپنے اوپر حرام کیوں کر لیا ہے؟ یا وہ اس سلسلے میں یا اس سے مشابہ امور کے بارے میں پیغمبرؐ کے اس عمل کی پیروی کرنے لگیں، یا یہ بات زینب کے کان تک پہنچ جائے تو وہ شکستہ دل ہو)

لیکن انجام کار یہ راز اس نے فاش کر دیا اور بعد میں معلوم ہو گیا کہ اصل میں یہ معاملہ تو ایک سازش تھی اس پر پیغمبرؐ کو بہت رنج ہوا تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں اور اس ماجرے کو اس طرح سے ختم کیا گیا کہ پھر پیغمبرؐ کے گھر میں اس قسم کے امور کا تکرار نہ ہوا۔[1]

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ پیغمبرؐ اس ماجرے کے بعد ایک ماہ تک اپنی ازواج سے الگ رہے۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کی طرف سے ان کو طلاق دینے کے ارادہ کی خبر منتشر ہو گئی۔ اس طرح ازواج سخت پریشان اور وحشت زدہ ہو گئیں اور اپنے فعل پر پشیمان ہوئیں۔

---

[1] اس اصل حدیث کو بخاری نے اپنی صحیح کی جلد ۶ ص ۱۹۶ میں نقل کیا ہے اور جو وضاحتیں ہم نے قوسین میں لکھی ہیں وہ دوسری کتب سے معلوم ہوئی ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

پیغمبرؐ کی بعض ازواج کی شدید سرزنش

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر اسلامؐ جیسے عظیم انسان صرف اپنی ذات سے ہی تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کا تعلق پورے اسلامی معاشرے اور عالمِ انسانیت سے تھا۔ اس بناء پر اگر ان کے گھر کے اندر ان کے خلاف سازشیں ہوں، چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی اور معمولی کیوں نہ ہوں، تو ان کے قریب سے آسانی کے ساتھ نہیں گزرنا چاہیئے۔ یعنی پیغمبرؐ کی حیثیت، مقام اور مرتبہ کو نعوذ باللہ کسی کے بھی ہاتھ میں کھلونا نہیں بننا چاہیئے۔ اگر اس قسم کا کوئی معاملہ پیش آئے تو قاطعیت کے ساتھ اس کا سامنا کرنا چاہیئے۔

اوپر والی آیات حقیقت میں خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے اس قسم کے واقعہ کے مقابلے اور اپنے پیغمبرؐ کی حیثیت و مقام کی حفاظت کے لیے ایک قطعی اور دو ٹوک فیصلہ ہے۔

سب سے پہلے خود پیغمبرؐ کی طرف رُوئے سخن کرتے ہوئے کہتا ہے: "اے پیغمبرؐ! جو چیز خدا نے تیرے لیے حلال کی ہے اُسے اپنی بیویوں کو خوش رکھنے کے لیے اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو"؟ (یایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک)۔

معلوم ہے کہ یہ شرعی تحریم نہیں تھی بلکہ جیسا بعد والی آیات سے معلوم ہوتا ہے، پیغمبرؐ کی طرف سے قسم کھائی گئی تھی اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ بعض مباح چیزوں کے ترک کرنے کی قسم کھانا کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس بناء پر "لم تحرم" (اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو) کا جملہ عتاب اور سرزنش کے عنوان سے نہیں بلکہ ایک قسم کی ہمدردی اور شفقت کا اظہار ہے۔

ٹھیک اس طرح کہ جیسے ایک شخص جو اپنی معاش حاصل کرنے کے لیے بہت زیادہ زحمت اٹھاتا ہے لیکن خود اس سے کچھ زیادہ فائدہ نہیں لیتا، ہم اس سے کہتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو اتنی زحمت کیوں دیتے ہو، اور اس زحمت کے ثمرے سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے۔

بعد ازاں آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے: "خدا غفور و رحیم ہے۔" (واللہ غفور رحیم)۔

یہ عفو و رحمت کی بات ان بیویوں کے بارے میں ہے جنہوں نے اس واقعہ کے اسباب فراہم کیے ہیں۔ یعنی اگر واقعی وہ توبہ کر لیں تو وہ اس کی مشمول ہوں گی۔ یا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہتر تھا پیغمبرؐ اس کی قسم نہ کھاتے، کیونکہ یہ ایک ایسا کام تھا جو احتمالاً آنحضرتؐ کی بعض بیویوں کی جرأت اور جسارت کا سبب بن جاتا۔

بعد والی آیت میں اضافہ کرتا ہے: "خدا نے (ایسے موقعوں کے لیے) تمہاری قسموں کے کھولنے کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

راہ کو واضح کر دیا ہے۔" (قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم)۔[1]

البتہ اگر قسم کسی ایسے امر کے لیے ہو جس میں کسی کام کا ترک کرنا بہتری رکھتا ہو تو پھر قسم پر عمل کرنا چاہیے اس کا توڑنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ ہے۔ لیکن اگر وہ قسم کسی ایسی چیز کے لیے ہو جس کا ترک کرنا مناسب نہ ہو (زیر بحث آیت کی مانند) تو پھر اس صورت میں اس کا توڑنا جائز ہے، لیکن اس قسم کے احترام کی حفاظت کے لیے بہتر ہے کہ کفارہ بھی دیا جائے۔[2]

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "خدا تمہارا مولا اور تمہارا محافظ و مددگار ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔" (واللہ مولاکم وھو العلیم الحکیم)۔

اسی لیے اس نے اس قسم کی قسموں سے نجات کی راہ تمہارے لیے ہموار کر دی ہے اور اپنے علم و حکمت کے مطابق تمہارے لیے مشکل کشائی کی ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ نے اس آیت کے نزول کے بعد ایک غلام آزاد کیا، اور جو کچھ اپنے اوپر قسم کی وجہ سے حرام کیا ہوا تھا، اُسے حلال کر لیا۔

⁂

بعد والی آیت میں اس واقعہ کے سلسلے میں مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اس وقت کو یاد کرو جب پیغمبرؐ نے اپنا ایک راز اپنی بیویوں میں سے بعض کو بتلایا، لیکن اس نے راز داری نہ کی اور دوسری کو خبر دے دی، خدا نے پیغمبرؐ کو اس افشائے راز سے آگاہ کیا تو پیغمبرؐ نے اس کا ایک حصہ تو اس سے بیان کیا اور ایک حصہ بیان نہ کیا۔" (واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبأت بہ واظھرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض)۔

یہ راز کیا تھا جو پیغمبرؐ نے اپنی بیویوں میں سے بعض کو بتلایا تھا اور اس نے راز داری نہ کی؟ مذکورہ شانِ نزول کے مطابق یہ راز دو مطالب پر مشتمل تھا، ایک اپنی بیوی زینب بنت جحش کے پاس شہد کا پینا اور دوسرا آئندہ کے لیے اس کے پینے کو اپنے اوپر حرام کر لینا۔ اس آیت میں اس بیوی سے مراد بی بی حفصہ تھی جو راز داری نہ کر سکی اور اس نے یہ بات سن کر بی بی عائشہ سے بیان کر دی۔

پیغمبرؐ چونکہ وحی کے ذریعے اس افشائے راز سے آگاہ ہو چکے تھے، للٰہذا آپ نے اس کا ایک حصہ

---

[1] راغب 'مفردات' میں کہتا ہے، "جہاں کہیں 'فرض'، 'علی' کے ساتھ ہو وہاں "وجوب" کے معنی دیتا ہے اور جہاں لام کے ساتھ ہو، وہاں عدم ممنوعیت کے معنی میں ہے۔ اس بناء پر زیر بحث آیت میں 'فرض' وجوب کے معنی میں نہیں بلکہ اجازت کے معنی میں ہے۔ تحلۃ (باب تفعیل کا مصدر ہے) حلال کرنے کے معنی میں ہے یا دوسرے لفظوں میں ایسا کام جو قسم کی گرہ کو کھول دے یعنی کفارہ۔

[2] جیسا کہ تفسیر نمونہ جلد ۳ سورۂ مائدہ کی آیت ۸۹ کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے۔ قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دس افراد کو لباس پہنانا یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ جو ان میں سے کوئی کام نہ کر سکتا ہو وہ تین روزے رکھے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بی بی حفصہ سے بیان کیا اور اس بناء پر کہ وہ زیادہ شرمندہ نہ ہو دوسرا حصہ بیان نہ کیا۔ (ممکن ہے پہلا حصہ اصل شہد کا پینا ہو، اور دوسرا حصہ اسے اپنے اوپر حرام کرنا ہو۔)

بہرحال جب پیغمبرؐ نے بی بی حفصہ کو اس افشائے راز کی خبر دی تو اس نے کہا: آپ کو اس بات سے کس نے آگاہ کیا؟ (فلما نبأها به قالت من انبأك هٰذا)۔

آپ نے فرمایا: "علیم و خبیر خدا نے مجھے اس بات سے آگاہ کیا ہے۔" (قال نبأنی العلیم الخبیر)۔

اس تمام آیت سے مجموعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کی بیویوں میں سے بعض نہ صرف انھیں اپنی باتوں سے دکھ پہنچاتی تھیں بلکہ رازداری کا مسئلہ جو ایک باوفا بیوی کی اہم ترین خوبیوں میں سے ہے، وہ بھی ان میں نہیں تھا۔

ان تمام باتوں کے باوجود، ان کے ساتھ پیغمبرؐ کا سلوک ایسا فراخدلانہ تھا کہ آنحضرتؐ اس تمام راز کو جو اس نے فاش کیا تھا اس کے منہ پر کہنے کے لیے تیار نہ ہوئے اور صرف اس کے ایک حصے کی طرف اشارہ کیا۔ اسی لیے ایک حدیث میں امیرالمومنین علیؑ سے آیا ہے:

ما استقصیٰ کریم قط، لان الله یقول عرف بعضه واعرض عن بعض۔

"شریف اور بڑے آدمی اپنے احقاقِ حق کے لیے آخری مرحلے تک آگے نہیں جاتے کیونکہ خدا اس مقام پر پیغمبرؐ کے متعلق کہتا ہے، انھوں نے ایک حصے کی خبر دی اور ایک حصہ بیان نہ کیا۔"[1]

* * *

اس کے بعد ان دو بیویوں کی طرف جو اوپر والی سازش میں شریک تھیں، روئے سخن کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اگر تم اپنے فعل سے توبہ کرو اور پیغمبرؐ کو دکھ دینے اور آزار پہنچانے سے دستبردار ہو جاؤ تو یہ بات تمھارے فائدہ میں ہے، کیونکہ تمھارے دل اس عمل کی بناء پر حق سے منحرف اور گناہ سے آلودہ ہو چکے ہیں"! (ان تتوبا الی الله فقد صغت قلوبکما)۔

ان دو بیویوں سے مراد بالاتفاق مفسرین شیعہ و اہلِ سنت بی بی حفصہ اور بی بی عائشہ ہیں جو بالترتیب عمر بن خطاب اور ابوبکر بن قحافہ کی بیٹیاں تھیں۔

"صغت" "صغو" کے مادہ سے (عفو کے وزن پر) کسی چیز کی طرف متمائل ہونے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں: صغت النجوم "یعنی ستارے مغرب کی طرف متمائل ہو گئے"۔ اور اسی لیے 'اصغاء' کسی دوسرے کی بات کان دھر کے سننے کے معنی میں آیا ہے۔

زیرِ بحث آیت میں 'صغت قلوبکما' سے مراد ان کے دلوں کا حق سے گناہ کی طرف انحراف تھا۔[2]

---

[1] المیزان جلد ۱۹ ص ۳۴۲

[2] اس تفسیر کے مطابق جو ہم نے اوپر بیان کی اور جسے بہت سے مفسرین نے اختیار کیا ہے، اس آیت میں کچھ محذوف ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اگر تم دونوں نے اس (پیغمبرؐ) کے برخلاف اتفاق کر لیا تو بھی تم کچھ نہ کرسکو گی۔ کیونکہ خدا اس کا مولا و یاور مددگار ہے، اسی طرح جبرئیل، صالح مومنین اور ان کے علاوہ تمام فرشتے اس کے پشتیبان ہیں۔ (وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ و جبریل وصالح المؤمنین والملائکۃ بعد ذالک ظھیر)۔

یہ تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس ماجرے نے پیغمبرؐ کے پاک دل اور عظیم رُوح میں کس حد تک منفی اثر چھوڑا تھا، یہاں تک کہ خود خدا کو ان کا دفاع کرنا پڑا۔ نیز باوجود اس کے کہ اس کی قدرت ہر لحاظ سے کافی ہے۔ جبرئیل، صالح المومنین اور دُوسرے فرشتوں کی حمایت کا بھی اعلان کر رہا ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ صحیح بخاری' میں ابن عباس سے نقل ہُوا ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: میں نے عمر بن خطاب سے پوچھا: پیغمبرؐ کی وہ دو بیویاں کون تھیں جنھوں نے آنحضرتؐ کے خلاف اتفاق کر لیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا وہ حفصہ اور عائشہ تھیں۔ اس کے بعد مزید کہا: خدا کی قسم! ہم جاہلیت کے زمانے میں عورتوں کے لیے کسی چیز کے قائل نہیں تھے۔ یہاں تک کہ خدا نے ان کے بارے میں آیات نازل کر دیں اور ان کے لیے کچھ حقوق مقرر کر دیئے اور وہ جسور ہو گئیں۔[۱]

تفسیر 'دُرّالمنثور' میں بھی ابن عباس سے ایک مفصل حدیث میں ہے کہ عمر بن خطاب کہتے ہیں "اس ماجرے کے بعد مجھے معلوم ہُوا کہ پیغمبرؐ نے سب بیویوں سے کنارہ کشی کر لی ہے اور مشربۂ ام ابراہیم' نامی مقام پر ٹھہرے ہُوئے ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟" آپ نے فرمایا "نہیں"! میں نے عرض کیا: اللہ اکبر! ہم جمعیت قریش ہمیشہ اپنی بیویوں پر مسلّط رہتے تھے، لیکن جب سے ہم مدینہ میں آئے ہیں تو ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کی عورتیں ان پر مسلّط ہیں اور ہماری عورتوں نے بھی اُن سے یہ چیز سیکھ لی ہے۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ میری بیوی مجھ سے جھگڑ رہی ہے تو میں نے اس عمل کو عجیب اور بُرا سمجھا۔ اس نے کہا کہ تجھے تعجب کیوں ہو رہا ہے؟ خدا کی قسم! پیغمبرؐ کی بیویاں بھی اُن کے ساتھ ایسا ہی کرتی ہیں۔ یہاں تک بعض اوقات ان سے زیادتی کرتی ہیں۔ تب میں نے اپنی بیٹی حفصہ کو نصیحت کی کہ وہ ایسا نہ کرے اور میں نے اس سے کہا کہ اگر تیری ہمسائی (مراد بی بی عائشہ ہے) ایسا کرے، تو بھی تُو ایسا

(بقیہ سابقہ صفحہ) اور تقدیر میں اس طرح تھی: ان تتوبا الی اللہ کانت خیرا لکما کہ یا اسی معنی کے مشابہ کوئی اور دوسری تقدیر) لیکن بعض نے یہ احتمال دیا ہے کہ شاید آیت میں کوئی محذوف نہ ہو اور صفت قلوبکما کا جملہ شرط کی جزاء ہو (اس قید کے ساتھ کہ جملہ کا مفہوم حق کی طرف تمایل ہو نہ کہ باطل کی طرف) لیکن یہ احتمال بہت ہی بعید ہے کیونکہ شرط تو فعل مضارع کی صورت میں ہے اور اکثر نحویوں کے نظریہ کے مطابق یہ صحیح نہیں ہے ضمنا قلوبکما کا ذکر جمع کے صیغہ کے ساتھ نہ کہ تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ اس بناء پر ہُوا ہے کہ دو تثنیوں کا ایک ساتھ ہونا فصاحت کے لحاظ سے ثقیل اور ناپسندیدہ ہے۔ اس لیے جمع کی صورت میں ذکر ہُوا اور اس کا معنی تثنیہ ہے۔

[۱] صحیح بخاری جلد ۶ ص ۱۹۵ (سورہ تحریم کے ذیل میں)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ذکر نا، کیونکہ اس کے حالات تجھ سے مختلف ہیں۔[1]

"صالح المومنین" کے بارے میں بھی ایک بحث ہے جو انشاء اللہ نکات کے بیان میں آئے گی۔

* * *

آخری زیر بحث آیت میں خدا تمام ازواج پیغمبر کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے تہدید آمیز لب ولہجہ میں فرماتا ہے: "اگر وہ تمہیں طلاق دے دے تو اُمید ہے کہ پروردگار تمہاری جگہ اس کے لیے تم سے اچھی بیویاں قرار دے۔ ایسی بیویاں جو مسلمان، مومن، متواضع، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، خدا کی اطاعت شعار، غیر باکرہ اور باکرہ عورتیں ہوں گی"۔ (عسٰی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن مسلمات مؤمنات قانتات تائبات عابدات سائحات ثیبات وابکارا)۔

اس طرح انھیں خبردار کرتا ہے کہ تم یہ خیال نہ کرنا کہ پیغمبر تمہیں ہرگز طلاق نہیں دے گا، اور یہ بھی تصور نہ کرنا کہ اگر وہ تمہیں طلاق دے دے تو تمہاری جگہ آنے والی بیویاں تم سے بہتر نہیں ہوں گی۔ لہٰذا تم سازش جھگڑنے اور آزار و اذیت سے باز آجاؤ ورنہ پیغمبر کی زوجیت کے اعزاز و افتخار سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گی اور تم سے بہتر اور بافضیلت عورتیں تمہاری جگہ لے لیں گی۔

* * *

چند نکات

۱ : اچھی بیوی کے اوصاف

یہاں قرآن نے ایک اچھی بیوی کے لیے چھ صفات بیان کی ہیں تاکہ وہ سب مسلمانوں کے لیے بیوی کا انتخاب کرتے وقت نمونہ بن سکیں۔

پہلی صفت "اسلام" ہے اور اس کے بعد "ایمان" ہے۔ یعنی ایسا اعتقاد جو انسان کے دل کی گہرائیوں میں نفوذ کر جائے۔ اس کے بعد "قنوت" یعنی تواضع، انکساری اور شوہر کی اطاعت ہے۔ اس کے بعد "توبہ" یعنی اگر اس سے کوئی غلط کام سرزد ہو جائے تو وہ عذر خواہی کرے اور اپنی غلطی پر اصرار نہ کرے۔ اس کے بعد خدا کی عبادت اور ایسی "عبادت" جو اس کی روح و جان کو سنوار دے، اور اسے پاک و پاکیزہ بنا دے۔ اس کے بعد فرمانِ خدا کی "اطاعت" اور ہر قسم کے گناہ سے پرہیز کا ذکر ہوا ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ بہت سے مفسرین نے "سائحات" جمع "سائح" کی تفسیر صائم (روزہ دار) کے معنی میں کی ہے۔ لیکن جیسا کہ راغب نے مفردات میں کہا، روزہ دو قسم کا ہوتا ہے "حقیقی روزہ" جو کھانے پینے

---

[1] فی ظلال القرآن جلد ۹ ص ۱۴۲ تلخیص کے ساتھ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور تعلق جنسی کو ترک کرنے کے معنی میں ہے۔ دوسرا حکمی روزہ جس کا معنی بدن کے اعضاء و جوارح کو گناہوں سے بچانا ہے یہاں اس کا دوسرا معنی مراد ہے۔
(راغب کا یہ قول مقام کی مناسبت کی طرف توجہ کرتے ہوئے بہت ہی عمدہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جاننا چاہیے کہ مفسرین نے سائح کی تفسیر اس شخص کے لیے بھی کی ہے جو خدا کی اطاعت کی راہ میں سیر کرتا ہے) [1]
یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ قرآن نے عورت کے باکرہ اور غیر باکرہ ہونے پر تکیہ نہیں کیا اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے۔ کیونکہ مذکورہ معنوی اوصاف کے مقابلہ میں اس مسئلہ کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہے۔

* * *

۲: صالح المؤمنین سے کون مراد ہے؟

اس میں شک نہیں کہ صالح المؤمنین ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو تمام صالح باتقویٰ اور کامل الایمان مومنین کو شامل ہے۔ اگرچہ صالح یہاں مفرد ہے جمع نہیں ہے، لیکن چونکہ جنس کا معنی رکھتا ہے۔ اس لیے اس سے عمومیت کے معنی کا استفادہ ہوتا ہے۔ [2]
لیکن اس بارے میں کہ یہاں اس کا اتم و اکمل مصداق کون ہے؟ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد امیر المومنین علیؑ ہیں۔
ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے آیا ہے:

لقد عرف رسول اللہ (ص) علیاً (ع) اصحابہ مرتین: اما مرۃ فحیث قال: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" و اما الثانیۃ فحیث نزلت ھذہ الآیۃ: "فان اللہ ھو مولاہ وجبریل و صالح المؤمنین ....." اخذ رسول اللہ (ص) بید علی (ع) فقال: ایھا الناس ھذا صالح المؤمنین!

---

[1] "سائح" سیاحت کے مادہ سے اصل میں ان جہانگرد سیاحوں کو کہتے ہیں جو بغیر توشہ و زادِ راہ کے چل پڑتے اور لوگوں کی مدد سے زندگی بسر کرتے تھے۔ چونکہ روزہ دار اپنے آپ کو کھانے سے روکتا ہے یہاں تک کہ افطار کا وقت آ جائے، اس لحاظ سے یہ بات سیاحت کرنے والوں کے مشابہ ہے لہٰذا اس لفظ کا اطلاق صائم یعنی روزہ دار پر ہوا ہے۔

[2] بعض نے صالح کو یہاں جمع سمجھا ہے اور کہا ہے کہ اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ صالحوا کی واؤ اضافت کے وقت حذف ہو جاتی ہے، لہٰذا قرآن کے رسم الخط میں بھی نہیں آئی لیکن یہ معنی بعید نظر آتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"حضرت رسولؐ نے امام علیؑ کا اپنے اصحاب سے دو مرتبہ (صراحت کے ساتھ) تعارف کرایا۔ ایک مرتبہ تو اس وقت جبکہ آپ نے (غدیرخم میں) فرمایا:
من کنت مولاہ فعلی مولاہ: "جس جس کا میں مولا ہوں اُس اُس کا علیؑ مولا ہے"،
دوسری مرتبہ اس وقت جبکہ آیت ان اللہ ھو مولاہ .... نازل ہوئی، تب حضرت رسولؐ نے امام علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے لوگو! یہ صالح المومنین ہے"[1]

اس معنی کو بہت سے علماء اہلِ سنت نے بھی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ ان میں علامہ ثعلبی علامہ گنجی، ابوحیان اندلسی اور سبط ابن جوزی وغیرہ شامل ہیں۔[2]

بہت سے مفسرین اور منجملہ ان کے "سیوطی" نے "درالمنثور" میں "قرطبی" نے اپنی مشہور تفسیر میں اور اسی طرح "آلوسی" نے "روح المعانی" میں اسی آیت کی تفسیر میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

"روح البیان" کا مؤلف اس روایت کو "مجاہد" سے نقل کرنے کے بعد کہتا ہے: "اس حدیث کی تائید مشہور حدیث "منزلت" سے ہوتی ہے کہ جس میں پیغمبرؐ نے امام علیؑ سے فرمایا: "انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی"؛ کیونکہ قرآن میں صالحین کا عنوان انبیاء کے لیے آیا ہے۔ منجملہ ان کے سورۂ انبیاء کی آیت ۷۲ میں و کلًّا جعلنا صالحین اور سورہ یوسف کی آیت ۱۰۱ میں الحقنی بالصالحین ہے۔ (پہلی آیت میں "صالح" کا عنوان انبیاء کی ایک جماعت کے لیے اور دوسری میں حضرت یوسف کے لیے آیا ہے۔ اور جب علیؑ بمنزلۂ ہارونؑ ہوں تو آپ بھی صالح کا مصداق ہوں گے۔ (غور کیجیے)

خلاصہ یہ کہ اس سلسلے میں بہت زیادہ احادیث ہیں، جیسے مشہور معروف محدث "بحرانی" تفسیر "برہان" میں اس سلسلہ کی ایک روایت ذکر کرنے کے بعد محمد بن عباس[3] سے نقل کرتا ہے کہ اس نے اس بارے میں ۵۲ احادیث شیعہ اور اہلِ سنت کے طرق سے جمع کی ہیں۔ اس کے بعد وہ خود ان میں سے چند ایک احادیث نقل کرتا ہے۔[4]

۳: پیغمبرؐ کی اپنی بعض بیویوں سے ناراضی

طولِ تاریخ میں ایسے بہت سے بزرگ گزرے ہیں جن کی بیویاں ان کے شایانِ شان نہیں تھیں اور ان میں ضروری اوصاف نہ ہونے کی وجہ سے انہیں تکلیف اُٹھانا پڑتی تھی۔ ان میں سے کچھ نمونے بزرگ انبیاء کے بارے میں قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں:

---

[1] تفسیر مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۱۹

[2] مزید وضاحت کے لیے "احقاق الحق" جلد ۳ ص ۳۱۱ کی طرف رجوع کریں۔

[3] جیسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ محمد بن عباس وہی ابوعبداللہ ہے جو ابن الجحام کے نام سے مشہور ہے اور کتاب ما نزل من القرآن من اھل بیتؑ کا مؤلف ہے۔ اس کتاب کے متعلق علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس کی مثل کوئی کتاب ابھی تک تالیف نہیں ہوئی۔ (جامع الرواۃ جلد ۲ ص ۱۳۳)

[4] تفسیر برہان جلد ۴ ص ۳۵۳ حدیث ۲ کے ذیل میں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اوپر والی آیات اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ پیغمبرِ اسلام کی حالت بھی اپنی بعض بیویوں کی طرف سے ایسی ہی تھی۔ ان رقابتوں کی وجہ سے جو وہ ایک دوسری سے رکھتی تھیں، بعض اوقات وہ آنحضرتؐ کی روح پاک کو مجروح کرتی تھیں، کبھی وہ آپ پر اعتراض کرتی تھیں یا آپ کے راز کو فاش کر دیا کرتی تھیں، یہاں تک کہ خدا نے انہیں سرزنش کی اور اپنے پیغمبرؐ کا دفاع کرتے ہوئے اس سلسلے میں تاکیدی فرمان دیا اور انہیں طلاق تک کی تہدید بھی کی۔ جیسا کہ ہم نے معلوم کر لیا ہے کہ اوپر والی آیات میں مذکورہ واقعہ کے بعد آپ تقریباً ایک ماہ تک اپنی بیویوں سے ناراض رہے کہ شاید وہ اپنی اصلاح کر لیں۔

اصولی طور پر آنحضرتؐ کی تاریخ زندگی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ پیغمبرؐ کی بعض بیویاں نہ صرف مقامِ نبوت کی ضروری اور لازمی معرفت نہیں رکھتی تھیں، بلکہ بعض اوقات آپ پر ایک عام آدمی کی طرح اعتراض کیا کرتی تھیں، یہاں تک کہ بعض اوقات آپ کی توہین بھی کرتی تھیں۔ اس بناء پر اوپر والی آیات کی صراحت کو دیکھتے ہوئے بھی یہ اصرار کرنا کہ سب کی سب ثابت اور کامل تھیں، بے دلیل نظر آتا ہے۔

تاریخ اسلام نے پیغمبرؐ کے بعد ان کی بیویوں کے بارے میں، خصوصاً داستانِ جنگِ جمل نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ یہ بات نہ صرف آنحضرتؐ کے زمانے میں تھی بلکہ آپ کے بعد آپ کے جانشینوں کے بارے میں بھی دہرائی گئی ہے۔ لیکن یہاں ان تمام مسائل کی تفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اصولی طور پر اوپر والی آیات کی تعبیر جو یہ کہتی ہے: "اگر پیغمبرؐ تمہیں طلاق دے دے تو خدا اُسے تم سے بہتر بیویاں دے گا جو آیات میں مذکورہ چھ صفات کی حامل ہوں گی" اس واقعیت وحقیقت کو بیان کر رہی ہے کہ کم از کم آنحضرتؐ کی بعض بیویاں ان اوصاف کی حامل نہیں تھیں۔

پیغمبرؐ کی بیویوں کے بارے میں سورۂ احزاب کی آیات کی طرف رجوع کرنے سے بھی اوپر والے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

۴ : افشائے راز

رازداری نہ صرف حقیقی مومنین کی صفات میں سے ہے بلکہ ہر بار ہر باحیثیت انسان کو راز دار ہونا چاہیئے، پھر یہ بات قریبی دوستوں اور زوجہ وشوہر میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اوپر والی آیات میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ پیغمبرؐ کی بعض بیویوں کو رازداری ترک کرنے کی بناء پر خدا نے کیسی شدت کے ساتھ ملامت اور سرزنش کی ہے۔

امام علیؑ ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

جمع خیر الدنیا والاٰخرۃ فی کتمان السر ومصادقۃ الاخیار، وجمع الشر فی الاذاعۃ ومواخاۃ الاشرار:

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"دنیا اور آخرت کی تمام خیر و خوبی ان دو چیزوں میں چھپی ہوئی ہے: راز کو پوشیدہ رکھنا اور نیک افراد سے دوستی۔ اور تمام شر ان دو چیزوں میں چھپا ہوا ہے: رازوں کا افشاء کرنا اور اشرار سے دوستی رکھنا۔

* * *

۵: حلال خدا کو اپنے اوپر حرام نہیں کرنا چاہیے

وہ امور، جو خدا کی طرف سے حلال یا حرام کر دیئے گئے ہیں وہ سب دقیق مصلحتوں کی بناء پر ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ انسان کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام یا کسی حرام چیز کو اپنے اوپر حلال کرے، یہاں تک کہ اگر اس سلسلے میں قسم بھی کھا لے جیسا کہ اوپر والی آیات میں آیا ہے تو اس قسم کو توڑ سکتا ہے۔

ہاں! اگر کوئی ایسا مباح فعل جس کے ترک کی قسم کھائی ہے، کوئی مکروہ فعل ہو یا کسی جہت سے اس کا ترک کرنا اولیٰ اور بہتر ہو تو اس صورت میں اُسے قسم کی پابندی کرنا چاہیے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝

۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۖ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝

ترجمہ

۶ اے ایمان لانے والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ وہ آگ جس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بہت ہی سخت گیر اور تندوتیز ہیں۔ وہ کبھی بھی خدا کی مخالفت نہیں کرتے اور اس کے احکام و فرامین کی پوری پوری تعمیل کرتے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۷۔ اے کافرو! آج عذر خواہی نہ کرو، کیونکہ تمھیں تو صرف تمھارے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

۸۔ اے ایمان لانے والو! توبہ کرو۔ اللہ کے حضور خالص توبہ۔ امید ہے کہ تمھارا پروردگار اس کی وجہ سے تمھارے گناہ بخش دے گا، اور تمھیں جنت کے ان باغات میں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں داخل کرے گا۔ خدا اس دن پیغمبرؐ کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو ذلیل وخوار نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب چل رہا ہوگا اور وہ کہہ رہے ہوں گے: پروردگارا! ہمارے نور کو کامل کر دے اور ہمیں بخش دے۔ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر

اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ

خدا پیغمبرؐ کی بعض بیویوں کو خبردار کرنے اور انھیں سرزنش کرنے کے بعد زیر بحث آیات میں روئے سخن تمام مومنین کی طرف کرتے ہوئے بیوی، اولاد اور گھر والوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں کچھ احکام دیتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: "اے ایمان لانے والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ کہ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں" (یایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا وقودھا الناس والحجارۃ)۔

خود کو بچانا تو گناہوں کو ترک کرنے اور سرکش خواہشات کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرنے کے ساتھ ہے، اور گھر والوں کو بچانا تعلیم و تربیت، امر بالمعروف و نہی از منکر کرنا نیز گھر اور گھرانے کی فضا میں ایک پاک اور ہر قسم کی آلودگی سے مبرّا ماحول فراہم کرنا ہے۔

یہ وہ طریقۂ کار ہے جو گھرانے کے سنگ بنیاد، یعنی ازدواج کے مقدمات سے اور اس کے بعد بچے کی پیدائش کے پہلے لمحہ سے شروع ہونا چاہیے۔ ان تمام مراحل میں صحیح لائحہ عمل ترتیب دے کر پورے انہماک سے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

دوسرے لفظوں میں بیوی اور اولاد کا حق صرف ان کی ضروریات زندگی، مکان اور کھانے پینے کی چیزوں کے فراہم کرنے سے پورا نہیں ہوجاتا۔ ان سے زیادہ اہم ان کی روح اور جان کی غذا کا مہیا کرنا اور صحیح اصول تعلیم و تربیت کو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عمل میں لانا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ "قوا" (بچاؤ) کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تم انھیں خود ان کی اپنی حالت پر چھوڑ دو گے تو وہ خواہ مخواہ جہنم کی آگ کی طرف بڑھیں گے۔ صرف تمھیں ان کو جہنم کی آگ میں گرنے سے بچا سکتے ہو۔

"وقود" (بروزن کبود) جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں "آتشگیر یعنی ایسے مادہ کے معنی میں ہے جو آگ پکڑنے کے قابل ہو۔ مثلاً ایندھن (آگ لگانے والے مثلاً دیا سلائی کے معنی میں نہیں ہے) کیونکہ عرب اُسے "زناد" (چقماق) کہتے ہیں۔

اس لحاظ سے جہنم کی آگ دنیاوی آگ کی مانند نہیں ہے۔ اس کے شعلے خود انسان کے وجود کے اندر سے ہی بلند ہوتے ہیں (اور پتھروں کے اندر سے بھی) نہ صرف گندھک کے پتھر سے جس کی طرف بعض مفسرین نے اشارہ کیا ہے بلکہ ہر قسم کے پتھر سے، کیونکہ آیت کا لفظ مطلق ہے۔ موجودہ زمانے میں ہم جانتے ہیں کہ پتھر کا ہر ٹکڑا ایٹم کے اربوں کھربوں ذرات سے مرکب ہے اور اگر ان کے اندر موجود ذخیرہ آزاد ہو جائے تو ایسی آگ پیدا کر دے کہ انسان دنگ رہ جائے۔

بعض مفسرین نے یہاں "حجارۃ" کی تفسیر بتوں کے ساتھ کی ہے جو پتھر سے بنائے جاتے تھے اور مشرکین انھیں پوجا کرتے تھے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اس آگ پر ایسے فرشتے مقرر کیے گئے ہیں جو بہت ہی سخت اور تند و تیز ہیں۔ وہ ہرگز خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہ انھیں جو بھی حکم دیتا ہے، اس کی بے چون و چرا تعمیل کرتے ہیں۔" (علیہا ملائکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون)۔

اس طرح نہ تو بھاگنے کی ہی کوئی راہ ہے اور نہ ہی گریہ و زاری، التماس و التجا اور جزع و فزع ہی موثر ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ ہر مامور جس بھی کام پر مقرر ہوتا ہے وہ اس لحاظ سے مناسب جذبات رکھتا ہے۔ لہٰذا عذاب پر مامور افراد کو طبعی طور پر سخت اور تند و تیز ہونا چاہیے۔ کیونکہ جہنم رحمت کا مرکز نہیں ہے بلکہ خدا کے غیظ و غضب کا مرکز ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ مامورین ہرگز عدالت کی سرحد سے خارج نہیں ہوں گے اور حکم خدا کو بے کم و کاست جاری کریں گے۔

یہاں مفسرین کی ایک جماعت نے ایک سوال پیش کیا ہے کہ اوپر والی آیت میں عدم عصیان کی تعبیر قیامت میں عدم وجود تکلیف کے مسئلہ کے ساتھ کس طرح سازگار ہے؟

لیکن اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے کہ فرشتوں کی اطاعت اور ترکِ عصیان ایک قسم کی تکوینی اطاعت ہے نہ کہ تشریعی اور اطاعتِ تکوینی ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ خدائی فرامین کا انتہائی میل و رغبت اور خاص لگاؤ کے ساتھ عین اختیار کے ساتھ اجراء کرتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعد والی آیت میں کفار کو مخاطب کرکے اس دن کی وضع وکیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اے کافرو آج عذر ومعذرت نہ کرو، کیونکہ تمہیں تو صرف تمہارے اعمال ہی کی جزادی جائے گی": (یایھا الذین کفروا لا تعتذروا الیوم انما تجزون ماکنتم تعملون)۔

اس آیت کا گزشتہ آیت کے بعد قرار پانا کہ جس میں مخاطب مومنین تھے اس واقعیت کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تم اپنی بیوی اولاد اور گھر والوں کی حالت کا خیال نہ رکھو گے تو ممکن ہے تمہارا معاملہ اس حد تک پہنچ جائے کہ قیامت کے دن اس خطاب سے مخاطب کیے جاؤ۔

انما تجزون ما کنتم تعملون کی تعبیر دوبارہ اس حقیقت کی تائید کرتی ہے کہ قیامت میں گنہگاروں کی جزاء خود انہیں کے اعمال ہیں جو ان کے سامنے ظاہر ہوں گے اور ان کے ساتھ ہوں گے۔ گزشتہ آیت کی تعبیر کہ جہنم کی آگ خود انسانوں کے اندر سے شعلہ زن ہوگی وہ اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔

یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ وہاں عذر ومعذرت کا قبول نہ ہونا اس بناء پر ہے کہ عذرخواہی ایک قسم کی توبہ ہے اور توبہ صرف اس جہان میں ہی امکان پذیر ہے، نہ کہ دوسرے جہان میں اور نہ ہی جہنم میں وزود کے بعد توبہ کی کوئی گنجائش ہے۔

٭ ٭ ٭

بعد والی آیت حقیقت میں جہنم کی آگ سے نجات کا راستہ بتاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "اے ایمان والو! اللہ کی طرف لوٹ آؤ اور توبہ کرلو، خالص توبہ": (یایھا الذین اٰمنوا توبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحا)۔

ہاں! نجات کے لیے پہلا قدم گناہ سے توبہ ہے، ایسی توبہ جو ہر لحاظ سے خالص ہو، ایسی توبہ جس کا محرک حکمِ خدا اور خوفِ گناہ ہو، نہ کہ گناہ کے اجتماعی اور دنیاوی آثار سے وحشت! ایسی توبہ جو انسان کو ہمیشہ کے لیے معصیت اور نافرمانی سے دور کردے اور پھر اس میں گناہ کی طرف بازگشت رونما نہ ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ توبہ کی حقیقت، وہی گناہ سے ندامت و پشیمانی ہے۔ اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ آئندہ کے لیے گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلے۔ اگر وہ کوئی ایسا کام تھا جس کی تلافی ہوسکتی ہے تو اس کی تلافی کی کوشش کرے۔ استغفار کرنا بھی اسی معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اس طرح سے توبہ کے ارکان کا پانچ باتوں میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے:

۱ : ترکِ گناہ

۲ : ندامت

۳ : آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ

۴ : گزشتہ گناہوں کی تلافی

۵ : استغفار

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"نصوح" "نصح" (بروزن صلح) کے مادہ سے اصل میں خالص خیرخواہی کے معنی میں ہے۔ اسی لیے خالص شہد کو "ناصح" کہا جاتا ہے۔ چونکہ حقیقی و واقعی خیرخواہی کو مضبوطی کے ساتھ توأم ہونا چاہیئے۔ لہذا "نصح" کا لفظ بعض اوقات اس معنی کے لیے بھی آتا ہے۔

اسی بناء پر محکم عمارت کو "نصاح" (بروزن کتاب) اور درزی کو "ناصح" کہا جاتا ہے۔ اس طرح یہ دونوں معنی یعنی خالص ہونا اور محکم ہونا "توبۂ نصوح" میں جمع ہونے چاہئیں۔[1]

اس بارے میں کہ توبۂ نصوح کیا ہوتی ہے، مفسرین نے بہت زیادہ تفاسیر بیان کی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے ان تفاسیر کی تعداد ۲۳ بتائی ہے۔[2] لیکن وہ سب تفاسیر ایک ہی حقیقت کی طرف لوٹتی ہیں یا وہ توبہ کی مختلف قسمیں اور مختلف اوصاف و صفات ہیں۔

منجملہ ان کے یہ ہے کہ "توبۂ نصوح" وہ ہوتی ہے جس میں چار اوصاف و شرائط ہوں۔

۱ : قلبی پشیمانی

۲ : زبانی استغفار

۳ : ترکِ گناہ

۴ : آئندہ کے لیے ترک گناہ کا پختہ ارادہ

بعض نے کہا ہے کہ توبۂ نصوح وہ ہوتی ہے جس میں تین اوصاف و شرائط ہوں :

۱ : اس بات کا خوف کہ شاید قبول نہ ہو

۲ : اس بات کی اُمید کہ قبول ہو جائے گی۔

۳ : خدا کی اطاعت پر قائم رہنا۔

یا توبۂ نصوح یہ ہے کہ اپنے گناہ کو ہمیشہ اپنی نظر کے سامنے رکھے اور اس سے شرمندہ ہوتا رہے۔

یا توبۂ نصوح یہ ہے کہ جو چیزیں ظلم کے ساتھ لی ہیں وہ ان کے مالکوں کو واپس کر دے، مظلوموں سے حلیت طلب کرے اور خدا کی اطاعت کا پابند رہے۔

یا توبۂ نصوح وہ ہوتی ہے جس میں یہ تین شرطیں ہوں :

۱ : کم بولنا۔ ۲ : کم کھانا۔ ۳ : کم سونا۔

یا توبۂ نصوح وہ ہوتی ہے جو رونے والی آنکھ اور گناہ سے بیزار دل سے توأم ہو۔۔۔۔ اور دیگر اسی قسم کے

---

[1] بعض کا خیال یہ ہے کہ "نصوح" ایک خاص شخص کا نام ہے اور اس سلسلہ میں انھوں نے ایک مفصل داستان توبۂ نصوح کے عنوان سے نقل کی ہے۔ لیکن اس بات کی طرف توجہ رکھنی چاہیئے کہ نصوح کسی کا نام نہیں ہے بلکہ ایک وصفی معنی رکھتا ہے، اگرچہ ممکن ہے کہ یہ مشہور واقعہ صحیح ہو۔

[2] تفسیر قرطبی جلد ۱۰ ص ۶۶۷۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امور جو سب ایک ہی واقعیت کے شاخ و برگ ہیں اور یہ خالص و کامل توبہ ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر گرامیؐ سے آیا ہے کہ جب 'معاذ بن جبل' نے توبۂ نصوح کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

> "ان یتوب التائب ثم لا یرجع فی ذنب کما لا یعود اللبن الی الضرع"
>
> "توبۂ نصوح" یہ ہے کہ توبہ کرنے والا شخص پھر کبھی طرح بھی گناہ کی طرف نہ لوٹے، جیسا کہ دودھ کبھی پستان کی طرف نہیں لوٹتا۔[1]

یہ لطیف تعبیر اس واقعیت کو بیان کرتی ہے کہ توبۂ نصوح انسان میں اس طرح سے انقلاب برپا کر دیتی ہے کہ اس پر پہلی حالت کی طرف بازگشت کی راہ کلی طور پر بند کر دیتی ہے، جیسا کہ دودھ کی پستان کی طرف بازگشت قطعی طور پر ناممکن ہوتی ہے۔

یہ مطلب جو دوسری روایات میں بھی آیا ہے، حقیقت میں توبۂ نصوح کے اعلیٰ ترین درجہ کو بیان کرتا ہے اور نہ نچلے مراحل میں تو یہ ممکن ہے کہ گناہ کی طرف بازگشت ہو جائے اور توبہ کی تکرار کے بعد انجام کار دائمی ترک پر جا منتہی ہو۔

اس کے بعد توبۂ نصوح کے آثار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "امید ہے کہ اس کام کی وجہ سے تمھارا پروردگار تمھارے گناہوں کو بخش دے اور ان کی پردہ پوشی کرے۔" (عسٰی ربکم ان یکفر عنکم سیاٰتکم)۔

"اور تمھیں اس جنت کے باغات میں داخل کرے جس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔" (و یدخلکم جنّٰت تجری من تحتھا الانھار)۔

"یہ کام اس دن ہوگا جس دن خدا پیغمبرؐ اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں ذلیل و خوار نہیں کرے گا۔" (یوم لا یخزی اللّٰہ النبی والذین اٰمنوا معہ)۔

"یہ اس حال میں ہوگا کہ ان کا (ایمان اور عمل صالح کا) نور ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب چل رہا ہوگا، وہ عرصۂ محشر کو روشن کر دے گا اور بہشت کی طرف ان کی راہ کھول دے گا۔" (نورھم یسعٰی بین ایدیھم و بایمانھم)۔

یہ وہ منزل ہے کہ جہاں وہ خدا کی بارگاہ کی طرف رُخ کرکے کہیں گے: "پروردگارا! ہمارے نور کو مکمل کر دے اور ہمیں بخش دے کیونکہ تو ہر کام پر قدرت رکھتا ہے۔" (یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علٰی کل شیء قدیر)۔

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۱۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حقیقت میں اس توبۂ نصوح کے پانچ عظیم ثمر ہیں :

پہلا : سیئات اور گناہوں کی بخشش۔

دوسرا : خدا کی نعمتوں والی جنت میں داخلہ۔

تیسرا : اس دن رُسوائی اور ذلّت کا نہ ہونا جس دن سب پردے ہٹ جائیں گے اور جھوٹے تباہ و رُسوا اور ذلیل ہو جائیں گے۔ ہاں ! اس دن پیغمبرؐ اور مومنین آبرومند ہوں گے۔ کیونکہ جو کچھ انھوں نے کہا تھا، وہ حقیقت بن جائے گا۔

چوتھا : اُن کے ایمان اور عمل کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب چلے گا اور جنت کی طرف ان کی راہ کو روشن کر دے گا۔ (بعض مفسرین نے اس نور کو جو ان کے آگے آگے چلے گا "عمل" کا نور سمجھا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ایک دوسری تفسیر بھی تفسیر نمونہ کی جلد ۱۲ میں سورہ حدید کی آیت ۱۲ کے ذیل میں پیش کر چکے ہیں۔)

پانچواں : ان کی توجہ خدا کی طرف زیادہ ہو جائے گی۔ لہٰذا وہ بارگاہِ خدا کی طرف رُخ کر کے اس سے نور کی تکمیل اور اپنے گناہوں کی مکمل بخشش کا تقاضا کریں گے۔

چند نکات

۱: اہل خانہ کی تعلیم و تربیت

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ایک عام حکم ہے جو تمام مسلمان ایک دوسرے کے لیے رکھتے ہیں لیکن اوپر والی آیات اور ان روایات سے جو اسلامی مصادر میں اولاد وغیرہ کے حقوق کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی بیوی اور اولاد کے لیے بہت ہی بھاری ذمہ داری رکھتا ہے۔ اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ جہاں تک اس سے ہو سکے ان کی تعلیم و تربیت میں کوشش کرے، انھیں گناہ سے باز رکھے اور نیکیوں کی طرف دعوت دے، نہ یہ کہ صرف ان کے جسم کے لیے غذا وغیرہ مہیا کرنے پر قناعت کرے۔

حقیقت میں ایک عظیم معاشرہ چھوٹی چھوٹی اکائیوں سے مل کر بنتا ہے، جس کا نام خاندان (گھرانا) ہے۔ جب ان چھوٹی چھوٹی اکائیوں کی اصلاح ہو جائے، جن کی دیکھ بھال آسان ہے، تو پھر سارے معاشرے کی اصلاح ہو جاتی ہے اور یہ ذمہ داری پہلے درجہ میں ماں باپ کے کاندھوں پر ہے۔

خصوصاً ہمارے زمانہ میں جب کہ فساد کی تباہ کرنے والی موجیں گھروں کے باہر بہت ہی قوی اور خطرناک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہیں، انھیں جیسے اثر کرنے کے لیے گھرانے کی تعلیم و تربیت کا زیادہ بنیادی اور زیادہ دقیق لائحہ عمل مرتب کیا جانا چاہیے۔

نہ صرف قیامت کی آگ بلکہ دنیا کی آگ کا سرچشمہ بھی انسانوں کے وجود کے اندر سے پیدا ہوتا ہے پس ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھرانے کو اس آگ سے محفوظ رکھے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اصحاب پیغمبرؐ میں سے ایک نے آپ سے سوال کیا: "ہم اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے کس طرح محفوظ رکھیں"؟ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"تأمرهم بما أمر الله، وتنهاهم عما نهاهم الله ان اطاعوك كنت قد وقيتهم، وان عصوك كنت قد قضيت ما عليك"

"انھیں امر بالمعروف اور نہی از منکر کر، اگر تجھ سے انھوں نے قبول کر لیا تو پھر تو نے انھیں جہنم کی آگ سے بچا لیا، اگر انھوں نے قبول نہ کیا تو تو نے اپنا وظیفہ اور ذمہ داری پوری کر دی"[1]

ایک اور جامع اور عمدہ حدیث میں رسول خداؐ سے آیا ہے:

"الا كلكم راع، وكلكم مسئول عن رعيته، فالامير على الناس راع، وهو مسئول عن رعيته، والرجل راع على اهل بيته وهو مسئول عنهم فالمرئة راعية على اهل بيت بعلها وولده وهي مسئولة عنهم، الا فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته"

"یاد رکھو کہ تم سب کے سب نگہبان ہو، اور تم سب ہی جوابدہ ہو ان لوگوں کے لیے جن کی نگہبانی پر تم مامور ہو۔ حکومت اسلامی کا رئیس و امیر تمام لوگوں کا نگہبان ہے، لہٰذا وہ ان سب کے لیے جوابدہ ہے اور عورت بھی اپنے شوہر کے گھرانے اور اولاد کی نگہبان ہے اور ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔ جان لو کہ تم سب ہی نگہبان ہو، اور تم سب ہی جوابدہ ہو، ان لوگوں کے لیے جن کی نگہبانی پر تم مامور ہو۔"[2]

ہم اس وسیع بحث کو امیر المومنین علیؑ کی ایک حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں، امامؑ نے اوپر والی آیت

---

[1] نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۷۲

[2] "مجموعہ ورام" جلد اول ص ۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی تفسیر میں فرمایا :

"علموا انفسکم واھلیکم الخیر وادبوھم"

اس سے مراد یہ ہے کہ تم خود کو اور اپنے گھر والوں کو نیکی کی تعلیم دو، اور انھیں آداب سکھاؤ۔[1]

۲: توبہ رحمتِ خدا کا ایک دروازہ ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان سے خصوصاً تربیت اور سیر و سلوک الی اللہ کی ابتداء میں بہت سی لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ اب اگر اس کے سامنے توبہ اور بازگشت کے دروازے بند کر دیئے جائیں تو وہ مایوس ہو جائے گا اور ہمیشہ کے لیے سیدھے راستے سے بھٹک جائے گا۔ اس لیے اسلام کے مکتبِ تربیتی میں توبہ کو ایک تربیتی اصل کے عنوان کے طور پر حد سے زیادہ اہمیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور وہ تمام گنہگاروں کو دعوت دیتا ہے کہ اپنی اصلاح اور گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی کے لیے اس دروازے سے وارد ہوں۔

امام علیؑ بن الحسینؑ بارگاہِ خداوندی میں تائبین کی مناجات میں اس طرح سے عرض کرتے ہیں :

"الٰھی انت الذی فتحت لعبادک باباالیٰ عفوک سمیتہ التوبۃ، فقلت توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا، فما عذر من اغفل دخول الباب بعد فتحہ"

"اے میرے اللہ تو ہی تو ہے کہ جس نے اپنی عفو و بخشش کی طرف اپنے بندوں کے سامنے ایک دروازہ کھولا ہے کہ جس کا نام تو نے توبہ رکھا ہے۔ تو نے فرمایا ہے کہ خدا کی طرف لوٹو، اور توبہ کر لو، خالص توبہ، اب ان لوگوں کا عذر کیا ہے جو اس دروازہ کے کھلنے کے بعد اس دروازے سے داخل ہونے سے غافل ہو جائیں؟"[2]

ایک حدیث میں امام باقرؑ سے آیا ہے :

"ان اللہ تعالیٰ اشد فرحا بتوبۃ عبدہ من رجل اضل راحلتہ وزادہ فی لیلۃ ظلماء، فوجدھا"

"خداوند تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا کہ وہ شخص خوش

---

[1] درالمنثور جلد ۶ ص ۲۴۴

[2] پندرہ مناجاتوں میں سے پہلی مناجات۔ بحار الانوار جلد ۹۴ ص ۱۴۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوتا ہے جس نے ایک رات میں اپنی سواری اور زادِ راہ گم کر دیا ہو، اور پھر اسے پا لیا ہو۔[1]

عظمت اور بزرگواری رکھنے والی یہ سب تعبیریں زندگی کے اس اہم امر کی حیاتی تشویق کے لیے ہیں۔

لیکن اس بات کی طرف توجہ رکھنا چاہیئے کہ توبہ صرف لقلقۂ لسانی اور زبان سے "استغفر اللہ" کہنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی کچھ شرائط اور ارکان ہیں کہ جن کی طرف اوپر والی آیات میں توبۂ نصوح کی تفسیر میں اشارہ ہوا ہے۔ جب توبہ ان شرائط کے ساتھ انجام پاتی ہے تو وہ اس طرح اثر کرتی ہے کہ وہ انسان کی روح اور جان سے گناہ در آثارِ گناہ کو کلی طور پر محو کر دیتی ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے آیا ہے:

"التائب من الذنب کمن لا ذنب له، والمقیم علی الذنب وھو مستغفر منه کالمستھزء!"

"جو شخص گناہ سے توبہ کرے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے بالکل کوئی گناہ نہیں کیا، جو شخص اپنے گناہ پر برقرار رہے اور استغفار بھی کرتا رہے، تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو مذاق اڑاتا اور تمسخر کرتا ہو۔[2]

ہم توبہ کے بارے میں دوسرے تفصیلی مباحث (دوسری جلد میں) سورۂ نسار کی آیت ۱۷ کے ذیل میں اور (جلد ۱۱ میں) سورۂ زمر کی آیت ۵۳ کے ذیل میں پیش کر چکے ہیں۔

---

[1] اصول کافی جلد ۲ باب التوبہ حدیث ۸

[2] اصول کافی جلد ۲ باب التوبہ حدیث ۱۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۹﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

۱۰﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝

۱۱﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

۱۲﴿ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝

ترجمہ

۹﴿ اے پیغمبرؐ! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ ان کا ٹھکانہ جہنم

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے۔ اور وہ بُری جگہ ہے۔

(۱۰) خدا نے ان لوگوں کے لیے جو کافر ہو گئے ہیں، ایک مثال دی ہے۔ نوحؑ کی بیوی کی مثال اور لوطؑ کی بیوی کی مثال۔ وہ ہمارے دو صالح بندوں کے ماتحت تھیں۔ لیکن ان دونوں سے انھوں نے خیانت کی، اور ان دونوں (پیغمبروں) کے ساتھ ان کا تعلق (عذاب الٰہی کے مقابلہ میں) انھیں کوئی نفع نہ دے سکا اور ان سے کہا گیا کہ تم بھی آگ میں داخل ہونے والے دوسرے لوگوں کے ساتھ، آگ میں داخل ہو جاؤ۔

(۱۱) اور خدا نے مومنین کے لیے بھی ایک مثال بیان کی ہے۔ وہ فرعون کی بیوی کی مثال ہے، جبکہ اس نے کہا پروردگارا! میرے لیے اپنے ہاں جنّت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے ظالم قوم سے رہائی بخش دے۔

(۱۲) اور اسی طرح سے مریمؑ بنت عمران کی مثال بیان کی ہے جس نے اپنے دامن کو پاک رکھا اور ہم نے اپنی رُوح میں سے اس میں پھونکا، اس نے اپنے پروردگار کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ خدا کے حکم کی اطاعت کرنے والوں میں سے تھی۔

تفسیر

مومن اور کافر عورتوں کے نمونے

منافقین پیغمبرؐ کے گھر کے اندر کے رازوں کے فاش ہونے اور آپؐ کی بیویوں کے درمیان جھگڑے اور اختلافات کے ظاہر ہونے پر جن کی طرف گزشتہ آیات میں اشارہ ہوا تھا، خوش تھے بلکہ انھیں اور ہوا دیتے تھے۔ شاید اسی مناسبت سے پہلی زیر بحث آیت میں ان کے بارے میں شدّتِ عمل کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: "اے پیغمبرؐ! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سختی کرو، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے" (یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم ومأواھم جھنم وبئس المصیر)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ جہاد کفار کے مقابلہ میں تو ممکن ہے کہ مسلح یا غیر مسلح ہو، لیکن منافقین کے مقابلہ میں شک نہیں کہ یہ مسلح جہاد نہیں ہے۔ کیونکہ کسی بھی تاریخ میں یہ نقل نہیں ہوا کہ پیغمبرؐ نے منافقین کے ساتھ مسلح جنگ کی ہو۔ لہٰذا ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"ان رسول الله لم يقاتل منافقًا قط انما كان يتألفهم"

"رسولِ خداؐ نے ہرگز کبھی منافق سے جنگ نہیں کی، بلکہ آپ ہمیشہ ان کی تالیفِ قلوب کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔"

اس بناء پر ان کے ساتھ جہاد کرنے سے مراد وہی توبیخ، سرزنش، انذار، ڈرانا اور انھیں رُسوا کرنا ہے، یا بعض موارد میں ان کی تالیفِ قلوب کرنا ہے، کیونکہ "جہاد" ایک وسیع و عریض معنی رکھتا ہے۔ اور ہر قسم کی جدوجہد اور سعی و کوشش کو شامل ہے "واغلظ عليهم" (ان پر سختی اور خشونت کرو) کی تعبیر بھی گفتگو میں سختی اور اشارہ کی تہدید، دھمکی اور اس قسم کی چیزوں میں سختی کی طرف اشارہ ہے۔

منافقین کے ساتھ یہ مخصوص وضع و کیفیت اِس بناء پر تھی کہ وہ ظاہراً اسلام کا دم بھرتے اور مسلمانوں کے ساتھ مکمل طور پر آمیزش رکھتے تھے۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں تھا کہ ان کے ساتھ ایک کافر جیسا سلوک کیا جاسکے۔

البتہ یہ اس صورت میں تھا کہ وہ ہتھیاروں کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں۔ اگر وہ یہ کام کرتے تو یقیناً ان کے ساتھ مقابلہ بالمثل ہوتا، کیونکہ اس صورت میں وہ "محارب" کا عنوان اپنے لیے لے لیتے۔

اگرچہ یہ مسئلہ پیغمبرؐ کے زمانہ میں واقع نہیں ہوا، لیکن آنحضرتؐ کے بعد خصوصاً امیرالمومنینؑ کے زمانہ میں رُونما ہوا اور آپ مسلح جنگ کے لیے کھڑے ہوئے۔

بعض نے کہا ہے کہ اوپر والی آیت میں "منافقین سے جہاد" کرنے سے مراد ان کے بارے میں حدود شرعی کا اجراء ہے، کیونکہ وہ لوگ جن پر حد جاری ہوتی اکثر منافقین تھے۔ لیکن اس تفسیر اور اس دعوے کے لیے کہ اس زمانہ میں زیادہ تر حدود شرعی ان ہی لوگوں پر جاری ہوتی ہیں، ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اوپر والی آیت بعینہٖ اور بغیر کسی کمی و زیادتی کے سورۂ توبہ آیت ۷۳ میں بھی آئی ہے۔

* * *

اس کے بعد دوبارہ پیغمبرؐ کی بیویوں کے ماجرے کی طرف لوٹتا ہے۔ اس بناء پر کہ انھیں عملی اور زندہ سبق دے، دو بے تقویٰ عورتوں کی سرگزشت جو دو بزرگ پیغمبروں کے گھر میں تھیں، اور دو مومن و ایثارگر خواتین کی سرگزشت بیان کرتا ہے جن میں سے ایک تاریخ کے جابر ترین شخص کے گھر میں تھی۔

پہلے فرماتا ہے: "خدا نے کافروں کے لیے ایک مثال بیان کی ہے۔ نوحؑ کی بیوی کی مثال اور لوطؑ کی بیوی کی مثال" (ضرب الله مثلًا للذين كفروا امرأت نوح و امرأت لوط)۔[1]

---

[1] ضرب کے یہاں دو مفعول ہیں۔ "امرأة نوح" مفعول اول ہے جو مؤخر ہوگیا ہے اور "مثلاً" دوسرا مفعول ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہ دونوں ہمارے دو صالح بندوں کے ماتحت تھیں لیکن انہوں نے اُن سے خیانت کی: (کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتاھما)۔

"لیکن ان دو عظیم پیغمبروں سے ان کے ارتباط نے عذاب الٰہی کے مقابلہ میں انھیں کوئی نفع نہیں دیا اور اُن سے کہا گیا کہ تم بھی آگ میں داخل ہونے والے لوگوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ" (فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین)۔

اس طرح سے پیغمبرِ اسلام کی ان دو بیویوں کو جنھوں نے افشاءِ راز کیا اور آنحضرتؐ کو تکلیف و آزار پہنچایا تھا خبردار کرتا ہے کہ وہ یہ گمان نہ کر بیٹھیں کہ صرف پیغمبر کی بیوی ہونا انھیں عذاب سے بچا لے گا۔ جس طرح نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کا رابطہ خیانت کی وجہ سے خاندانِ نبوت و وحی سے منقطع ہو گیا اور وہ دونوں عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گئیں۔

ضمنی طور پر یہ تمام طبقات کے مومنین کو ایک تنبیہ ہے کہ وہ گناہ و عصیان کی صورت میں اولیاء اللہ کے ساتھ اپنے رشتوں اور تعلقات کو عذاب الٰہی سے مانع نہ سمجھ بیٹھیں۔

مفسرین کے بعض کلمات میں آیا ہے کہ حضرت نوحؑ کی بیوی کا نام "والھۃ" اور حضرت لوطؑ کی بیوی کا نام "والقۃ" تھا۔[1] اور بعض نے اس کے برعکس لکھا ہے۔ یعنی نوحؑ کی بیوی کا نام "والقۃ" اور لوطؑ کی بیوی کا نام "واعلۃ" یا "والھۃ" کہا ہے۔[2]

بہرحال ان دونوں عورتوں نے ان دونوں عظیم پیغمبروں کے ساتھ خیانت کی، البتہ ان کی خیانت جادۂ عفت سے انحراف ہرگز نہیں تھا، کیونکہ کسی پیغمبر کی بیوی ہرگز بے عفتی سے آلودہ نہیں ہوتی جیسا کہ پیغمبر اسلام سے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے:

"ما بغت امراۃ النبی قط۔"

"کسی بھی پیغمبر کی بیوی ہرگز منافی عفت عمل سے آلودہ نہیں ہوئی۔"[3]

حضرت لوطؑ کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ اس پیغمبر کے دشمنوں کے ساتھ تعاون کرتی تھی اور آنحضرت کے گھر کے راز انھیں بتاتی تھی، اور حضرت نوحؑ کی بیوی بھی ایسی ہی تھی۔

"راغب" مفردات میں کہتا ہے کہ: "خیانت" اور "نفاق" حقیقت میں ایک ہی چیز ہیں، سوائے اس

(بقیہ صفحہ سابقہ) یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ "ضرب" کا ایک ہی مفعول ہو اور وہ "مثلا" ہے اور "امراۃ نوح" اس کا بدل ہے۔ (البیان فی غریب اعراب القرآن جلد ۲ ص ۴۴۹)

[1] قرطبی جلد ۱۰ ص ۶۶۸۰

[2] روح المعانی جلد ۲۸ ص ۱۳۷ (بعض نے نوحؑ کی بیوی کا نام "واغلہ" یا "والقہ" بھی بیان کیا ہے)

[3] نور الثقلین جلد ۲ ص ۳۷۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کہ کہ خیانت "خود امانت" کے مقابلہ میں ہوتی ہے، اور نفاق مسائل دینی میں۔
اس داستان کی پیغمبرؐ کے گھر کے افشائے راز کی داستان کے ساتھ مناسبت بھی اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خیانت سے مُراد یہی ہو۔

بہر حال اوپر والی آیت ان افراد کی جھوٹی اُمیدوں کو جو یہ گمان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ جیسے عظیم شخص سے تعلق اور رشتہ داری ہی ان کی نجات کا سبب بن جائے گی (چاہے عمل کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو) منقطع کر دیتی ہے، تاکہ کوئی بھی شخص اس لحاظ سے اپنے لیے نجات کا قائل نہ ہو۔ اس لیے آیت کے آخر میں کہتا ہے: "ان سے کہا جائے گا تم بھی تمام دوزخیوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ" یعنی تمہارے اور دوسروں کے درمیان اس لحاظ سے کوئی امتیاز نہیں ہے۔

+ + +

اس کے بعد باایمان افراد کے لیے دو مثالیں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: "خدا نے مومنین کے لیے ایک مثال بیان کی ہے: یہ فرعون کی بیوی کی مثال ہے، جس وقت اس نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: میرے پروردگار! میرے لیے اپنے نزدیک جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے کاموں سے نجات دے اور مجھے اس ظالم قوم سے نجات عطا فرما" (وضرب الله مثلا للذين امنوا امرأت فرعون اذ قالت رب ابن لی عندك بيتا فی الجنة ونجنی من فرعون وعمله ونجنی من القوم الظالمين)۔

مشہور یہ ہے کہ فرعون کی بیوی کا نام آسیہ اور اس کے باپ کا نام مزاحم تھا۔ کہتے ہیں کہ جب اُس نے جادوگروں کے مقابلہ میں موسیٰؑ کے معجزہ کو دیکھا تو اس کے دل کی گہرائیاں نورِ ایمان سے روشن ہو گئیں، وہ اسی وقت موسیٰؑ پر ایمان لے آئی۔ وہ ہمیشہ اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتی تھی۔ لیکن ایمان اور خدا کا عشق ایسی چیز نہیں ہے جسے ہمیشہ چھپایا جا سکے۔ جب فرعون کو اس کے ایمان کی خبر ہوئی تو اس نے اُسے بارہا سمجھایا اور منع کیا اور یہ اصرار کیا کہ موسیٰؑ کے دین سے دستبردار ہو جائے اور اس کے خدا کو چھوڑ دے، لیکن یہ با استقامت خاتون فرعون کی خواہش کے سامنے ہرگز نہ جھکی۔

آخرکار فرعون نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں میخوں کے ساتھ باندھ کر اسے سورج کی جلتی ہوئی دھوپ میں ڈال دیا جائے اور ایک بہت بڑا پتھر اس کے سینہ پر رکھ دیں۔ جب وہ خاتون اپنی زندگی کے آخری لمحے گزار رہی تھی تو اس کی دُعا یہ تھی:

"پروردگارا! میرے لیے جنت میں اپنے جوارِ رحمت میں ایک گھر بنا دے۔ مجھے فرعون اور اس کے اعمال سے رہائی بخش اور مجھے اس ظالم قوم سے نجات دے۔"

خدا نے بھی اس پاکباز اور فداکار مومنہ خاتون کی دعا قبول کی اور اسے مریمؑ جیسی دنیا کی بہترین خاتون کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قرار دیا جیسا کہ وہ ان آیات میں مریمؑ کے ہم ردیف قرار پائی ہے۔

ایک روایت میں رسولِ خداؐ سے آیا ہے:

"افضل نساء اهل الجنة خديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد (ص) ومريم بنت عمران وآسية بنت مزاحم امرأة فرعون!

"اہلِ جنت میں افضل ترین اور برترین عورتیں چار ہیں۔ خویلد کی بیٹی خدیجہؑ محمدؐ کی بیٹی فاطمہؑ اور عمران کی بیٹی مریمؑ اور مزاحم کی بیٹی آسیہؑ جو فرعون کی بیوی تھی۔"[1]

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ فرعون کی بیوی اپنی اس بات سے فرعون کے عظیم قصر کی تحقیر کر رہی ہے، اور اُسے خدا کے جوارِ رحمت میں گھر کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ اس گفتگو کے ذریعہ ان لوگوں کو جو اُسے یہ نصیحت کرتے تھے کہ ان تمام نمایاں وسائل و امکانات کو جو ملکہ مصر ہونے کی وجہ سے تیرے قبضہ و اختیار میں ہیں موسیٰؑ جیسے چرواہے پر ایمان لاکر ہاتھ سے نہ دے، جواب دیتی ہے:

"ونجنی من فرعون وعملہ" کے جملے کے ساتھ خود فرعون سے اور اس کے مظالم اور جرائم سے بیزاری کا اعلان کرتی ہے۔

"ونجنی من القوم الظالمین" کے جملہ سے اس آلودہ ماحول سے اپنی علیٰحدگی، اور ان کے جرائم سے اپنی بیگانگی کا اظہار کرتی ہے۔

زندگی کے آخری لمحات میں اس بامعرفت اور ایثار گر عورت کے یہ تینوں جملے کس قدر بچے تلے اور حساب شدہ ہیں، ایسے جملے جو پوری دنیا کی سب عورتوں اور مردوں کے لیے نفع بخش اور باعثِ ہدایت ہو سکتے ہیں۔ ایسے جملے جو ان تمام افراد کے ہاتھوں سے جو ماحول یا نعوذ سے دباؤ کو خدا کی اطاعت اور تقویٰ کو ترک کرنے کا ایک جواز شمار کرتے ہیں فضول بہانوں کو چھین لیتے ہیں۔

مسلّمہ طور پر فرعون کے دربار سے بڑھ کر زرق برق اور جلال و جبروت موجود نہیں تھا۔ اسی طرح فرعون جیسے جابر و ظالم کے شکنجوں سے بڑھ کر فشار اور شکنجے موجود نہیں تھے۔ لیکن نہ تو وہ زرق برق اور نہ ہی وہ فشار اور شکنجے اس مومنہ عورت کے گھٹنے جھکا سکے۔ اس نے رضائے خدا میں اپنا سفر اسی طرح سے جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اپنی عزیز جان اپنے حقیقی محبوب کی راہ میں فدا کر دی۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ وہ یہ استدعا کرتی ہے کہ اسے خدا جنت میں اور اپنے جوار میں اس کے لیے

---

[1] در المنثور جلد ۶ ص ۲۴۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک گھر بنا دے جس کا جنت میں ہونا تو جنبۂ جسمانی ہے اور خدا کے جوارِ رحمت میں ہونا جنبۂ روحانی ہے۔ اس نے ان دونوں کو ایک مختصر سی عبارت میں جمع کر دیا ہے۔

٭ ٭ ٭

اس کے بعد دوسری با شخصیت خاتون کی طرف جو صاحب ایمان لوگوں کے لیے نمونہ شمار ہوتی ہے، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اور خدا نے مریم بنت عمران کی مثال بھی بیان کی ہے جس نے اپنے دامن کو پاک رکھا۔" (ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا)[1]

اور ہم نے اپنی روح میں سے اس میں پھونکا۔" (فنفخنا فیہ من روحنا)۔

اور اس نے خدا کے حکم سے شوہر کے بغیر بچہ جنا جو پروردگار کا اولوالعزم پیغمبر بنا۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اس نے پروردگار کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور ان سب پر ایمان لائی۔" (وصدقت بکلمات ربھا وکتبہ)۔

"اور وہ خدا کے حکم کی اطاعت کرنے والوں میں سے تھی۔" (وکانت من القانتین)۔

وہ ایمان کے لحاظ سے اعلیٰ مرتبے پر تھی۔ تمام آسمانی کتابوں اور اوامر الٰہی پر ایمان رکھتی تھی اور عمل کے لحاظ سے ہمیشہ احکام الٰہی کی مطیع تھی۔ وہ خدا کی ایک ایسی کنیز تھی جو اپنی جان و دل ہتھیلی پر لیے ہوئے آنکھ اس کے حکم پر اور کان اس کے فرمان پر لگائے رکھتی تھی۔

"کلمات" اور "کتب" میں فرق ممکن ہے اس لحاظ سے ہو کہ کتب کی تعبیر سے تو ان تمام آسمانی کتابوں کی طرف اشارہ ہو جو پیغمبروں پر نازل ہوئی ہیں اور کلمات کی تعبیر سے مراد وہ الہام ہوں جو کتاب آسمانی کی صورت میں نہیں آئے تھے۔

مریم ان کلمات اور کتابوں پر ایسا ایمان رکھتی تھی کہ قرآن نے سورۂ مائدہ کی آیت ۷۵ میں اُسے صدیقہ (بہت زیادہ تصدیق کرنے والی) کے عنوان سے یاد کیا ہے۔

قرآن کی مختلف آیات میں اس باایمان خاتون کی شخصیت اور اس کے مقام والا کے سلسلہ میں بہت زیادہ مطالب نظر آتے ہیں۔ ان کا ایک اہم حصہ تو اس سورہ میں ہے جو اسی کے نام سے موسوم ہے۔ (ایک گروہ نے صدیقہ کی توصیف زیادہ سچ بولنے والی کے ساتھ کی ہے۔)

بہرحال قرآن ان تعبیروں کے ساتھ مریمؑ کے دامن کو ان ناروا باتوں سے، جو آلودہ اور جنایتکار یہودیوں کی ایک جماعت اس کے بارے میں کہتی تھی اور وہ لوگ اس کی شخصیت اور اس کی پاک دامنی کے خلاف جو بھی

---

[1] اس بارے میں کہ "فرج" کی تعبیر سے کیا مراد ہے؟ ہم نے ایک تفصیلی بیان، تفسیر نمونہ کی جلد ۷ میں ص ۴۹۳ پر سورہ انبیاء کی آیت ۹۱ کے ذیل میں پیش کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باتیں بناتے تھے، ان سے اس کو پاک و پاکیزہ شمار کرتا ہے اور بدگوئی کرنے والوں کے منہ پر ایک سخت طمانچہ رسید کرتا ہے۔

"فنفخنا فیہ من روحنا" (ہم نے اپنی روح میں سے اس میں پھونکا) کی تعبیر سے، جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں، ایک باعظمت اور بلند روح مراد ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں 'خدا' کی طرف 'روح' کی اضافت ایک "اضافہ تشریفیہ" ہے کہ جو کسی چیز کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے آتی ہے۔ مثلاً بیت اللہ کی تعبیر میں گھر کی اضافت خدا کی طرف سے ہے، ورنہ خدا کی نہ روح ہے نہ گھر اور نہ بیت۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض مفسرین ۔ ۔ ۔ کے ہاں باشخصیت اور والا مقام عورتوں کے بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں بی بی عائشہ کو ان سب سے برتر و افضل شمار کیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ اس حدیث کو سورہ تحریم کی تفسیر میں ذکر نہ کرتے، کیونکہ سورہ تحریم تو اس گھڑی ہوئی حدیث کے برخلاف پکار پکار کر پیغام دے رہی ہے، جیسا کہ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ اہل سنت کے بہت سے مفسرین و مورخین نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ وہ دو عورتیں جن کی اس سورہ کی آیات شدت کے ساتھ سرزنش کر رہی ہیں اور جو خدا اور اس کے رسولؐ کے غیظ و غضب کا سبب بنی ہیں، حفصہ و عائشہ تھیں، اور یہی بیان صراحت کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی آیا ہے۔[1]

ہم ان تمام لوگوں سے جو آزادانہ اور غیر جانبدارانہ طور پر غور و خوض اور سوچ بچار کرتے ہیں، یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ پھر سے اس سورہ کی آیات کا مطالعہ کریں اور اس کے بعد اس قسم کی حدیثوں کی قدر و قیمت کو واضح اور روشن کریں۔

* * *

خداوندا! ہمیں بے ثبوت اور تعصب آمیز حب و بغض سے محفوظ رکھ اور ایسا کر کہ ہم قرآن مجید کی آیات کے مقابلہ میں اپنے سارے وجود کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیں اور خاضع رہیں۔

پروردگارا! وہ دن نہ آئے کہ تیرا عظیم پیغمبرؐ ہمارے اعمال سے ناخوش اور ہماری زندگی کی روش سے ناراض ہو۔

بار الٰہا! ہمیں ایسی استقامت عطا فرما کہ سارے جہان میں زمانے کے فرعونوں کے دباؤ اور شکنجے ہماری روح اور ایمان پر معمولی سے معمولی اثر بھی نہ کریں۔ آمین یا رب العالمین۔

اختتام ترجمہ ۸ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۴ اگست ۱۹۸۷ء
تقریباً پونے آٹھ بجے صبح ۱۰۔۱۸ ای ماڈل ٹاؤن، لاہور

اختتام سورۂ تحریم
۷ شوال ۱۴۰۶ھ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۶ ص ۱۹۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سُوْرَۃُ مُلک

یہ سُورہ مکّہ میں نازل ہوا اور اس کی ۳۰ آیتیں ہیں

تاریخ آغاز

۶ر شوال ۱۴۰۶ھ

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ مُلک کے مضامین

یہ سورہ جو قرآن مجید کے پارہ ۲۹ کی ابتدا ہے ان سوروں میں ہے جو مشہور قول کے مطابق سارے کے سارے مکہ میں نازل ہوئے، جیسا کہ اس پارہ کی زیادہ تر سورتیں مکی ہی ہیں، بلکہ بعض مفسّرین کے قول کے مطابق تو اس پارے کی تمام کی تمام سورتیں مکی ہیں۔[1] گزشتہ پارہ کی سورتوں کے برعکس کہ جو مدنی تھیں لیکن جیسا کہ ہم بیان کریں گے کہ سورہ دہر (یا سورۃ انسان) اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے اور وہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

سورۂ ملک جس کا دوسرا نام "منجیہ" (نجات بخشنے والی) اور تیسرا نام "واقیہ" یا "مانعہ" ہے (کیونکہ وہ اپنے تلاوت کرنے والے کو عذابِ الٰہی یا عذابِ قبر سے محفوظ رکھتی ہے)، قرآن کی بہت ہی بافضیلت سورتوں میں سے ہے۔

اس میں بہت سے مسائل پیش ہوئے ہیں جو زیادہ تر تین محوروں کے گرد گردش کرتے ہیں:

۱: مبدأ، خدا کی صفات، خلقت کا شگفت انگیز نظام، خصوصاً آسمانوں اور ستاروں کی خلقت، زمین کی خلقت اور اس کی نعمتیں اور اسی طرح پرندوں کی خلقت، جاری ہونے والے پانی نیز کان، آنکھ اور آلاتِ شناخت کی خلقت کے بارے میں بحث ہے۔

۲: معاد و قیامت، دوزخ کا عذاب اور دوزخیوں کے ساتھ عذاب کے فرشتوں کی گفتگو اور اسی قسم کے امور سے متعلق مباحث۔

۳: کافروں اور ظالموں کو دُنیا و آخرت کے انواع و اقسام کے عذابوں سے انذار و تہدید، بعض کے قول کے مطابق تمام سورہ کا محورِ اصلی وہی خدا کی مالکیت و حاکمیت ہے جو پہلی آیت میں آئی ہے۔[2]

---

[1] فی ظلال القرآن جلد ۸ ص ۱۸۰

[2] گزشتہ مدرک ص ۱۸۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی فضیلت میں پیغمبر اور ائمہ اہل بیت سے بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں:

منجملہ ان کے ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے آیا ہے:

"من قرأ سورة تبارك فكانما احيا ليلة القدر"

"جو شخص سورہ تبارک کو پڑھے تو ایسا ہے جیسا کہ اس نے شب قدر بیدار رہ کر عبادت میں بسر کی ہو۔"[1]

ایک اور حدیث میں آنحضرتؐ سے آیا ہے:

"وددت ان تبارك الملك فى قلب كل مؤمن"

"میں دوست رکھتا ہوں کہ سورہ تبارک تمام مومنین کے دل میں ثبت ہو جائے۔"[2]

ایک حدیث میں امام محمد بن علی الباقرؑ سے آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

سورة الملك هى المانعة تمنع من عذاب القبر وهى مكتوبة فى التوراة سورة الملك ومن قرأها فى ليلة فقد اكثر واطاب، ولم يكتب من الغافلين...

"سورۂ ملک سورہ مانعہ ہے، یعنی عذاب قبر سے بچاتی ہے اور تورات میں اسی نام کے ساتھ لکھی ہوئی ہے جو شخص اس کو رات کے وقت پڑھے تو اس نے بہت کچھ پڑھا اور خوب پڑھا ــــــ وہ غافلین میں شمار نہیں ہوگا۔"[3]

اس سلسلہ میں احادیث بہت زیادہ ہیں۔

البتہ یہ سب عظیم آثار فکر و عمل کے بغیر پڑھنے سے مربوط نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصد ایسا پڑھنا ہے جس میں عمل کے لیے ہدایت ہو۔

۱۔ مجمع البیان ج ۱۰ ص ۳۲۰

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ

(۲) الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ

(۳) الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ

(۴) ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ

(۵) وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ

ترجمہ

خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے

(۱) بڑی برکتوں والی ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں سارے عالم

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہستی کی حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(۲) وہی ذات ہے جس نے موت و حیات کو پیدا کیا، تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں سے بہترین عمل کون کرتا ہے، اور وہ شکست ناپذیر اور بخشنے والا ہے۔

(۳) وہی جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا۔ تم خدائے رحمٰن کی مخلوق میں کوئی تضاد اور کسی قسم کا عیب نہیں دیکھو گے۔ پھر نظر دوڑا کر دیکھو۔ کیا تمہیں کوئی شگاف یا خلل نظر آتا ہے؟

(۴) پھر دوبارہ (عالم ہستی کی طرف) نظر اٹھا کر دیکھو، انجام کار تیری نظر (خلل و نقص کی جستجو میں ناکام ہو کر) تیری طرف پلٹ آئے گی اور وہ تھکی ہوئی ہو گی۔

(۵) ہم نے نچلے آسمان کو روشن چراغوں سے زینت دی ہے اور انھیں شیاطین کے لیے (شہب) تیر قرار دیا ہے، اور ہم نے ان کے لیے دوزخ کا عذاب فراہم کیا ہے۔

تفسیر

تم عالم ہستی میں کسی قسم کا نقص نہیں دیکھو گے۔

یہ سورہ خدا کی مالکیت و حاکمیت اور اس کی ذات پاک کے دوام اور ہمیشگی جیسے اہم مسئلہ سے شروع ہوتا ہے جو حقیقت میں اس سورہ کے تمام مباحث کی کلید ہے۔

فرماتا ہے: "برکتوں والی اور زوال ناپذیر ہے وہ ذات، جس کے قبضۂ قدرت میں عالم ہستی کی حکومت ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شیء قدیر)۔

"تبارک"، "برکت" کے مادہ سے اصل میں "برک" (بروزن برگ) ہے جو اونٹ کے سینہ کے معنی میں ہے۔ جب "برک البعیر" کہا جاتا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اونٹ نے اپنا سینہ زمین پر رکھ دیا، اس کے بعد یہ لفظ دوام، بقاء اور زوال ناپذیر کے معنی میں اور پھر اس نعمت کے معنی میں جو پائیداری و دوام رکھتی ہو بولا

Presented by: Rana Jabir Abbas

جانے لگا۔ پانی کے خزانے کو بھی اس لیے برکہ کہتے ہیں کیونکہ پانی ایک طویل مدت تک اس میں باقی اور محفوظ رہتا ہے۔

اوپر والی آیت میں حقیقت میں خدا کی ذات پاک کے مبارک ہونے کی دلیل بیان کی گئی ہے، اور عالم پر اس کی مالکیت و حاکمیت اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے، اسی بناء پر وہ زوال ناپذیر اور برکت سے پُر وجود ہے۔

⁂

بعد والی آیت میں انسان کی موت و حیات کی خلقت، جو خدا کی مالکیت و حاکمیت کے شئون میں سے ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہی تو ہے کہ جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے بہترین عمل کون کرتا ہے"۔ (الذی خلق الموت والحیاة لیبلوکم ایکم احسن عملًا)۔

"موت" اگر فنا اور نیستی کے معنی میں ہو تو مخلوق نہیں ہے۔ کیونکہ خلقت کا تعلق امورِ وجودی کے ساتھ ہے، لیکن ہم جانتے ہیں کہ موت کی حقیقت ایک جہان سے دوسرے جہان کی طرف انتقال ہے اور یہ یقیناً ایک وجودی امر ہے جو مخلوق ہو سکتا ہے۔

اگر یہاں موت کا حیات سے پہلے ذکر ہوا ہے تو اس کی وجہ وہ گہری تاثیر ہے جو حسنِ عمل میں موت کی طرف توجہ سے ہوتی ہے۔ اس سے قطع نظر کر موت زندگی سے پہلے بھی تھی۔

خدا کی آزمائش سے مراد، جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں، ایک قسم کی تربیت ہے اس معنی میں کہ وہ انسانوں کو میدانِ عمل کی طرف کھینچتی ہے تاکہ تجربے اور آزمائش میں پاک و پاکیزہ ہو کر قرب خدا کے لائق ہوں۔[1]

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ آزمائش کا ہدف "حُسنِ عمل" کو بتایا گیا ہے نہ کہ کثرتِ عمل کو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کیفیت کو اہمیت دیتا ہے کمیت کو نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ عمل خالص ہو، خدا کے لیے اور مفید جامع ہو، اگرچہ کمیت و مقدار کے لحاظ سے تھوڑا ہو۔

اس لیے اس بارے میں کہ "احسن عملًا" سے کیا مراد ہے، بعض اسلامی روایات میں پیغمبر گرامیؐ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اتمکم عقلا۔ واشدکم لله خوفا، و احسنکم فیما امر الله به و نهی عنه نظرا، و ان کان اقلکم تطوعا"

"اس سے مراد یہ ہے کہ تم میں سے کس کی عقل و خرد کامل اور خدا ترسی زیادہ ہے اور

---

[1] خدائی آزمائشوں کے بارے میں مزید تشریح کے لیے تفسیر نمونہ جلد ۱ سورہ بقرہ کی آیت ۱۵۵ کے ذیل میں ملاحظہ کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خدا کے اوامر و نواہی سے کون زیادہ آگاہی رکھتا ہے، چاہے تمہارے مستحبی اعمال کم ہی ہوں۔[1]

صاف ظاہر ہے کہ کمالِ عقل، عمل کو پاک تر، نیت کو خالص تر اور اجر و پاداش کو زیادہ سے زیادہ کر دیتی ہے۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے آیا ہے:

"لیس یعنی اکثر عملا، ولکن اصوبکم عملا، و انما الاصابة خشیة الله والنیة الصادقة، ثم قال الابقاء علی العمل حتی یخلص اشد من العمل، والعمل الخالص الصالح الذی لا ترید ان یحمدک علیه احد الا الله عزوجل"۔

"یہ مراد نہیں ہے کہ تم میں سے کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تم میں سے زیادہ صحیح عمل کون کرتا ہے۔ عمل صحیح وہ ہے جس میں خدا ترسی اور پاک نیت شامل ہو۔ اس کے بعد فرمایا: عمل کو آلودگی سے محفوظ رکھنا خود عمل سے زیادہ سخت ہے۔ خالص و صالح عمل وہ ہوتا ہے جس میں تو یہ نہ چاہے کہ خدا کے سوا کوئی اور اس عمل پر تیری تعریف کرے"۔[2]

انسان کی خلقت کے ہدف کے بارے میں ہم سورہ ذاریات کی آیت ۵۶ "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" کے ذیل میں ایک تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ وہاں ہدف "عبودیتِ خدا" ذکر ہوا ہے، اور یہاں حُسنِ عمل کی آزمائش۔ یہ بات واضح ہے کہ آزمائش و امتحان کا مسئلہ عبودیت کے مسئلہ سے الگ نہیں ہے، جیسا کہ کمالِ عقل، خدا ترسی اور نیتِ خالص، جن کی طرف اوپر والی روایات میں اشارہ ہوا ہے روحِ عبودیت ہیں۔

اس طرح یہ دُنیا تمام انسانوں کے لیے ایک عظیم آزمائش کا میدان ہے۔ آزمائش کا ذریعہ موت و حیات ہے اور اس عظیم آزمائش کا ہدف حسنِ عمل تک پہنچنا ہے۔ جس کا مفہوم تکاملِ معرفت، اخلاصِ نیت اور ہر کارِ خیر کو انجام دینا ہے۔

اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض مفسرین نے یہاں 'احسن عملاً' کی تفسیر موت کو یاد کرنے یا موت کے لیے آمادہ ہونے اور اسی قسم کے امور سے کی ہے تو وہ حقیقت میں اس معنی کلی کے مصادیق میں سے ہے۔

چونکہ اس عظیم آزمائش کے میدان میں انسان بہت سی لغزشوں میں گرفتار ہو جاتا ہے، یہ لغزشیں اسے مایوس نہ کر دیں اور اس کی سعی و کوشش سے اسے باز نہ رکھیں۔ لہٰذا آیت کے آخر میں بندوں کو مدد اور بخشش کا وعدہ

---

[1] تفسیر مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۲۲

[2] تفسیر صافی زیرِ بحث آیات کے ذیل میں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دیتے ہوئے کہتا ہے: "اور وہ شکست ناپذیر اور بخشنے والا ہے۔" (وھو العزیز الغفور)۔
ہاں! وہ ہر چیز پر قادر اور ہر توبہ کرنے والے انسان کو بخشنے والا ہے۔

موت وحیات کے نظام کو بیان کرنے کے بعد عالم کے نظام کلی کو پیش کرتے ہوئے انسان کو مجموعہ عالم ہستی کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اس طریقہ سے اپنے آپ کو اس عظیم آزمائش کے لیے آمادہ کرے، فرماتا ہے: وہی خدا جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا۔" (الذی خلق سبع سماوات طباقاً)۔

سات آسمانوں کے بارے میں تو ہم اس سے پہلے تھوڑی سی بحث سورۂ طلاق کی آیت ۱۲ کی تفسیر میں بھی کر چکے ہیں، یہاں 'طباقاً' کے بارے میں ہم کچھ اضافہ کرتے ہیں۔ اس تعبیر کی بناء پر ساتوں آسمان ایک دوسرے کے اوپر قرار پاتے ہیں کیونکہ "مطابقۃ" کا معنی اصل میں یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے اوپر قرار دیں۔

اب اگر ہم سات آسمانوں کو منظومہ شمسی کے سات کروں کی طرف اشارہ سمجھیں، جو بغیر کسی آلہ کے دیکھے جا سکتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا سورج کے ساتھ ایک معین فاصلہ ہے، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے اوپر ہے۔

لیکن اگر ہم ان تمام ثوابت وسیار ستاروں کو جنہیں ہم دیکھتے ہیں پہلے آسمان کی جزء شمار کریں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بالاتر مراحل میں کچھ دوسرے عوالم ہیں کہ جن میں سے ہر ایک دوسرے کے اوپر قرار پاتا ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "تم خدائے رحمن کی خلقت میں کوئی تضاد اور کسی قسم کا عیب نہیں دیکھو گے۔" (ماتری فی خلق الرحمٰن من تفاوت)۔

عالم ہستی اس ساری عظمت کے باوجود جو کچھ بھی ہے وہ نظم ونسق، استحکام وانسجام، جچی تلی اور ٹھیک ٹھیک حساب شدہ ترکیبات اور دقیق قوانین ہیں۔ اگر اس عالم کے کسی گوشہ میں بے نظمی واقع ہو جاتی تو وہ اسے نابود کر کے رکھ دیتی۔

اس عجیب وغریب نظام سے لے کر جو ایک ایٹم کے مرکزہ اور الیکٹرونز وپروٹونز کے ذرات پر حاکم ہے، کل منظومہ شمسی اور دوسرے منظوموں اور کہکشاؤں پر حاکم نظامات تک، سب کے سب دقیق قوانین کے زیر تسلط ہیں جو انہیں ایک خاص راستہ پر چلا رہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر جگہ قانون وحساب ہے اور ہر جگہ ایک نظم اور خاص ترکیب ہے۔

آیت کے آخر میں مزید تاکید کے لیے فرماتا ہے: "پھر نظر دوڑا کر دیکھو اور اس عالم کو غور سے دیکھو، کیا تمہیں اس میں کوئی شگاف یا خلل اور اختلاف نظر آتا ہے؟" (فارجع البصر ھل تریٰ من فطور)۔

"فطور" "فطر" (بروزن سطر) کے مادہ سے طول میں شگاف کرنے کے معنی میں ہے اور توڑنے کے معنی میں (مثلاً روزہ کا افطار) اور اختلال وفساد کے معنی میں بھی آیا ہے۔ زیر بحث آیت میں اسی معنی میں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مراد یہ ہے کہ انسان عالم آفرنیش میں چاہے جتنا بھی غور کرے، کم سے کم خلل اور ناموزونیت بھی اس میں نہیں دیکھے گا۔

⁂

اسی لیے بعد والی آیت میں اس معنی کی تاکید کے لیے مزید کہتا ہے: "پھر دوبارہ عالم ہستی کی طرف آنکھ کھول کر دیکھ، انجام کار تیری نظر خلل و نقص کی جستجو میں ناکام ہوکر اور تھک ہار کر تیری طرف پلٹ آئے گی"

(ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیك البصر خاسئا وھو حسیر)۔

"کرتین"۔ "کر" (بروزن شر) کے مادہ سے کسی چیز کی طرف توجہ کرنے اور بازگشت کرنے کے معنی میں ہے۔ کرۃ کا معنی تکرار بھی ہے اور "کرتین" اس کا تثنیہ ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں کرتین سے تثنیہ کا معنی مراد نہیں، بلکہ اس سے مکرر، بار بار، پے در پے اور متعدد مرتبہ توجہ کرنا مراد ہے۔

اس بناء پر قرآن ان آیات میں لوگوں کو کم از کم تین مرتبہ عالم ہستی کی طرف نظر کرنے اور اسرار خلقت وآفرنیش کا مطالعہ کرنے کا حکم دیتا ہے کہ وہ ایک چیز میں بار بار غور کریں، پھر جب اس عجیب و غریب نظام میں معمولی سے معمولی اور کم سے کم خلل اور نقص نہ دیکھیں تو اس کارخانۂ عالم کے پیدا کرنے والے خالق اور اس کے بے پایاں علم وقدرت سے زیادہ سے زیادہ آشنا ہوں۔

"خاسئ" "خسا" اور "خسوء" (بروزن مدح وخشوع) کے مادہ سے۔ جب آنکھ کے لیے استعمال ہو تو خستہ اور ناتواں ہونے کے معنی میں ہے اور جب "کتے" کے بارے میں استعمال ہو تو اسے دور کرنے کے معنی میں ہے۔

"حسیر"۔ "حسر" (بروزن قصر) کے مادہ سے برہنہ کرنے کے معنی میں ہے، چونکہ انسان خستگی اور تکان کے وقت اپنی توانائی کھو بیٹھتا ہے اور گویا وہ اپنی توانائیوں سے برہنہ ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ خستگی اور ناتوانی کے معنی میں آیا ہے۔ اس بناء پر اوپر والی آیت میں خاسئ اور حسیر دونوں ایک ہی معنی میں ہیں یعنی عالم ہستی کے نظام میں کسی نقص و عیب کے دیکھنے سے آنکھ کی درماندگی اور ناتوانی کے موضوع میں تاکید کے لیے آئے ہیں۔

بعض نے ان دونوں کے درمیان اس طرح فرق کیا ہے کہ "خاسئ" ناکام ہونے کے معنی میں ہے، اور "حسیر" ناتواں کے معنی میں ہے۔

بہرحال ان آیات سے دو اہم نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ قرآن راہ حق کے تمام رہروں کو تاکیدی طور پر یہ حکم دیتا ہے کہ ان سے جتنا ہو سکتا ہے اس عالم ہستی کے اسرار اور جہان آفرنیش کے عجائبات کا مطالعہ کرتے ہوئے ان میں غور وخوض کریں۔ نیز یہ کہ ایک مرتبہ اور دو مرتبہ پر قناعت نہ کریں۔ کیونکہ بہت سے ایسے اسرار ہیں جو پہلی یا دوسری نگاہ میں اپنی نشان دہی نہیں کرتے۔ تیز بین نگاہیں کئی مرتبہ نظر دوڑانے کے بعد ہی ان

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کر دیکھ پانے میں کامیاب ہوتی ہیں۔

دوسرا یہ کہ انسان اس نظام میں جتنا زیادہ غور و خوض کرے گا اتنا ہی اس کے پردوں کو بہتر طور پر درک کر سکے گا۔ ایسا نظام، ساخت اور ترتیب جو ہر قسم کے نقص، خلل، کجی اور ٹیڑھے پن سے خالی ہے۔

اگر سطحی اور ابتدائی نظر میں اس جہان کے بعض موجودات شرور و آفات اور فساد کے عنوان سے نظر آتے ہیں (مثلاً زلزلے، سیلاب، بیماریاں اور ناگوار حوادث، جو کبھی کبھی انسان کی زندگی میں رونما ہوتے رہتے ہیں) تو زیادہ دقیق مطالعات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بھی اپنے اندر بہت سے اہم اسرار و رموز رکھتے ہیں۔[1]

یہ آیات برہان نظم کی طرف ایک واضح اشارہ ہیں کہ جو کہتی ہیں: "ہر کارخانہ میں نظم و نسق کا وجود، اس کارخانہ کی پشت پر علم و قدرت کے وجود کی نشانی ہے۔ ورنہ اتفاقی حوادث جو حساب شدہ نہ ہوں اندھے بہرے تصادفات نظام و حساب کا مبدء نہیں ہو سکتے، جیسا کہ حدیث مفضل میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

"ان الاھمال لا یاتی بالصواب، والتضاد لا یاتی بالنظام"

"مہمل کام کبھی درست نتیجہ نہیں دیتے، اور تضاد کبھی نظام کا مبدء نہیں ہو سکتا"۔[2]

***

— آخری زیر بحث آیت نے سقف آسمان پر نگاہ ڈالی ہے جو خوبصورت اور چمکنے والے ستاروں کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہے: "ہم نے نچلے آسمان کو چمکدار اور روشن ستاروں سے زینت بخشی ہے اور انہیں ہم نے شیاطین کے لیے تیر قرار دیا ہے، اور ان کے لیے جہنم کی آگ کا عذاب فراہم کیا ہے" (ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلناھا رجوما للشیاطین واعتدنا لھم عذاب السعیر)۔

ایک تاریک اور تاروں بھری رات میں آسمانوں کی طرف ایک نگاہ، دور دور تک دکھائی دینے والے عوالم کی طرف توجہ اور ان نظاموں کا تصور جو ان پر حاکم ہے، اس خوب صورتی نفاست، عمدگی، عظمت ہیبت اور پُر اسرار سکوت میں غور کہ جو ان کے اوپر سایہ فگن ہے۔ انسان کو ایک عرفان اور نورِ حق سے پُر جہان میں داخل کر دیتا ہے۔ اسے عشقِ پروردگار کے ان عوالم میں سیر کراتا ہے جن کی کسی زبان سے تعریف و توصیف نہیں ہو سکتی۔

یہ آیت دوبارہ اس حقیقت کی تائید کرتی ہے کہ وہ تمام ستارے جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں، سب

---

[1] ہم نے اس مطلب کی تشریح "اثبات وجود خدا" کے مباحث میں اثبات دینیات کے سلسلہ میں ادیین کے دلائل کے جواب میں کی ہے۔ کتاب "آفریدگار جہاں" کی طرف رجوع کریں۔ [2] بحار الانوار جلد ۳ ص ۶۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلے آسمان کا حصہ ہیں۔ وہ آسمان جو سات آسمانوں میں ہم سے زیادہ قریب ہے۔ اسی بناء پر اسے "السماء الدنیا" (نزدیک اور نچلے آسمان) کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"رجوم" (تیر) کی تعبیر ان شہابوں کی طرف اشارہ ہے جو تیر کی طرح آسمان کی ایک طرف سے دوسری طرف پھینکے جاتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ "شہب" ان ستاروں کے باقی ماندہ اجزاء ہیں جو بعض حوادث میں تباہ ہو گئے ہیں۔ اس بناء پر اگر وہ کواکب (ستاروں) کو شیاطین کے لیے تیر قرار دیتا ہے کی بات کہتا ہے، تو وہ انہیں مخصوص سنگریزوں کی طرف اشارہ ہے۔

لیکن شیاطین شہاب ثاقب کے ان تیروں سے جو آسمانوں میں چھوٹے چھوٹے سرگرداں پتھر ہیں کس طرح شکار بنتے ہیں؟ ہم اس کی تشریح تفسیر نمونہ جلد ۶ (سورۂ حجر کی آیت ۱۸ کے ذیل میں) اور جلد ۱۹ (سورۂ صافات کی آیت ۱۰ کے ذیل میں) تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

ایک نکتہ

عالمِ آفرینش کی عظمت

باوجودیکہ قرآن مجید عرب کے زمانۂ جاہلیت کے تاریک ماحول میں اترا لیکن یہ اکثر تاکید کرتا ہے کہ مسلمان عالم ہستی کے باعظمت اسرار میں غور و فکر کریں۔ وہ ماحول جس کا زمانۂ جاہلیت میں کوئی مفہوم ہی نہیں تھا، یہ خود اس بات کی ایک واضح دلیل ہے کہ قرآن ایک دوسرے مبدء سے صادر ہوا ہے۔ جب علم و دانش جس قدر آگے بڑھتے جا رہے ہیں، اس سلسلہ میں قرآنی تاکیدوں کی عظمت اسی قدر آشکار تر ہوتی جا رہی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ کرۂ زمین جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، اتنا بڑا ہونے کے باوجود منظومۂ شمسی کے مرکز یعنی سورج کی ٹکیہ کے مقابلہ میں اس قدر چھوٹی ہے کہ اگر ۱۲ لاکھ کرۂ زمین کو ایک دوسرے کے اوپر رکھیں تو پھر وہ سورج کی ٹکیہ کے برابر ہو گی۔

دوسری طرف سے ہمارا منظومۂ شمسی ایک عظیم کہکشاں کا ایک جزء ہے۔ وہی کہکشاں جسے راہ شیری کہتے ہیں۔ ؎

؎ کہکشائیں ستاروں کے مجموعے ہیں جو ستاروں کے شہروں کے نام سے مشہور ہیں اور ایک دوسرے سے نزدیک ہونے کے باوجود بعض اوقات ان کے درمیان کئی ملین نوری سالوں کا فاصلہ ہوتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

ماہرین علم الافلاک کے حساب کے مطابق صرف ہماری کہکشاں میں ایک کھرب (۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰) سے زیادہ ستارے موجود ہیں، اور ہمارا سورج اپنی تمام عظمت کے باوجود، اس کے متوسط ستاروں میں سے ایک شمار ہوتا ہے۔

تیسری طرف اس عظیم جہان میں اس قدر کہکشائیں موجود ہیں جو حساب و کتاب اور شمار و قطار سے باہر ہیں۔ نیز ستاروں کو دیکھنے والی دوربینیں جتنی عظیم اور آراستہ ہوتی جا رہی ہیں اتنی ہی افق سے نئی کہکشائیں کشف ہو رہی ہیں۔

یعنی تم عظیم و بزرگ ہو کہ تم نے ہی ان کے عالم عظیم اپنے قوی نظام کے ساتھ بنایا ہے۔

الحمد لله العظیم الوهاب

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۶) وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

(۷) اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝

(۸) تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝

(۹) قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝

(۱۰) وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

(۱۱) فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

ترجمہ

(۶) اور ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اپنے پروردگار کا کفر کیا، جہنم کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

(۷) جس وقت وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس میں سے ایک وحشتناک آواز سنیں گے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور وہ ہمیشہ جوش مار رہی ہوگی۔

⑧ قریب ہے کہ وہ شدت غضب سے پارہ پارہ ہو جائے۔ جس وقت اس میں کوئی گروہ ڈالا جاتا ہے تو دوزخ کے نگران (فرشتے) ان سے سوال کرتے ہیں کیا تمہارے پاس خدا کی طرف سے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

⑨ وہ کہیں گے، ہاں! انذار کرنے والا تو ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے اُسے جھٹلایا اور یہ کہا کہ خدا نے بالکل کوئی چیز نازل نہیں کی ہے اور تم ایک بہت بڑی گمراہی میں ہو۔

⑩ اور یہ بھی کہیں گے کہ اگر (ان کی بات) سنتے یا سمجھتے تب تو (آج) دوزخیوں میں نہ ہوتے۔

⑪ اس موقع پر وہ اپنے گناہ کا اعتراف کر لیں گے۔ دوزخی خدا کی رحمت سے دور ہیں۔

تفسیر

اگر ہم سننے والا کان اور بیدار فکر رکھتے تو دوزخ میں نہ ہوتے۔

گزشتہ آیات میں خدا کی عظمت و قدرت کی نشانیوں اور عالم آفرینش میں ان کے دلائل کے بارے میں گفتگو تھی۔ لہٰذا قرآن زیر بحث آیات میں ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے جنھوں نے ان دلائل کی پروا نہیں کی۔ انھوں نے کفر و شرک کی راہ اختیار کر لی اور شیاطین کی طرح عذاب الٰہی خرید بیٹھے۔

پہلے فرماتا ہے: "ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اپنے پروردگار کا کفر کیا عذاب جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔" (وللذین کفروا بربھم عذاب جھنم وبئس المصیر)۔

* * *

اس کے بعد اس وحشتناک عذاب کے ایک گوشہ کی تشریح کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "جس وقت کفار اس میں ڈالے جائیں گے تو اس سے ایک وحشتناک صدائیں سنیں گے اور وہ ہمیشہ جوش مارنے کی حالت میں رہتی ہے۔" (اذا القوا فیھا سمعوا لھا شھیقا وھی تفور)۔

ہاں! جس وقت انھیں انتہائی ذلت و حقارت کے ساتھ اس میں پھینکا جائے گا تو جہنم کی وحشتناک اور طوفانی صدا بلند ہوگی جو ان کے تمام وجود کو وحشت میں غرق کر دے گی۔

"شھیق" اصل میں قبیح اور بری آواز کے معنی میں ہے جیسا کہ گدھے کی آواز ہے۔ بعض اہل لغت نے یہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas



بھی کہا ہے کہ "شہوق" کے مادے سے طولانی ہونے کے معنی سے لایا گیا ہے۔ (اسی لیے اونچے اور بلند پہاڑ کو جبل شاہق کہتے ہیں) اس بناء پر شہیق طولانی نالہ وفریاد کے معنی میں ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ "زفیر" تو اس آواز کو کہتے ہیں جو گلے میں پیچ کھاتی ہے اور "شہیق" وہ آواز ہے جو سینہ میں آمدورفت کرتی ہے۔ بہرحال یہ وحشت انگیز اور بے چین کر دینے والی آوازوں کی طرف اشارہ ہے۔

✦ ✦ ✦

اس کے بعد دوزخ کے غیظ و غضب کی شدت کو مجسم کرنے کے لیے فرماتا ہے: "قریب ہے کہ وہ شدت غضب سے پارہ پارہ ہو جائے" (تکاد تمیز من الغیظ)۔[1]

ٹھیک اس عظیم برتن کی طرح جسے حد سے زیادہ تیز حرارت والی آگ کے اوپر رکھا ہوا ہو اور وہ اس طرح جوش مارتا ہوا اوپر نیچے ہو رہا ہو کہ ہر گھڑی اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا خوف لگا رہتا ہو۔ یا اس غصہ میں بھرے ہوئے انسان کی طرح جو چیخ چلا رہا ہو اور اس طرح کی آوازیں نکال رہا ہو جیسے ابھی پھٹ پڑے گا۔

ہاں! خدائی غضب کے اس مرکز، جہنم کا منظر ایسا ہی ہے۔

پھر وہی بات جاری ہے: "جس وقت کافروں کا کوئی گروہ اس میں پھینکا جائے گا تو دوزخ کے نگہبان تنبیہ اور سرزنش کے طور پر اس سے سوال کریں گے، کیا تمہارا کوئی رہبر و راہنما نہیں تھا؟ کیا خدا کی طرف سے کوئی ڈرانے والا تمہارے پاس نہیں آیا تھا؟ پھر تم اس مقام پر کیوں آن پہنچے ہو؟" (کلما القی فیہا فوج سألهم خزنتہا الم یأتکم نذیر)۔

انہیں اس بات کا یقین ہی نہیں آئے گا کہ کوئی انسان جانتے بوجھتے اور آسمانی رہبر کے ہوتے ہوئے اس قسم کی سرنوشت میں گرفتار ہو جائے۔ اور اپنے لیے اس قسم کی جگہ کا انتخاب کرے۔

✦ ✦ ✦

لیکن وہ جواب میں کہیں گے: "ہاں ڈرانے والا تو ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے اس کی تکذیب کی اور کہا کہ خدا نے ہرگز کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اور خدا نے کسی پر وحی نہیں بھیجی ہے تاکہ ہم اپنی خواہش نفس کو جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ ہم نے ان سے کہا کہ تم عظیم گمراہی میں مبتلا ہو" (قالوا بلیٰ قد جاءنا نذیر فکذبنا وقلنا ما نزل اللہ من شیء ان انتم الا فی ضلال کبیر)۔

نہ صرف یہ کہ ہم نے ان کی تصدیق نہیں کی اور ان کے حیات بخش پیغام پر کان نہیں دھرے بلکہ ان کی مخالفت کے لیے کھڑے ہو گئے، ان روحانی طبیبوں کو گمراہ کہہ کر اپنے سے دور کر دیا۔

---

[1] "تمیز" متلاشی اور پراگندہ ہونے کے معنی میں ہے اور اصل میں "تتمیز" تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے بعد اپنی بدبختی اور گمراہی کی اصل دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہیں گے : "اگر ہم سننے والے کان رکھتے اور اپنی عقل کو کام میں لاتے تو ہرگز دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔" (وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ماکنا فی اصحاب السعیر)۔

* * *

ہاں ! اس موقع پر وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے۔ "دور ہوں دوزخی خدا کی رحمت سے۔" (فاعترفوا بذنبھم فسحقا لاصحاب السعیر)۔

ان آیات میں دوزخیوں کی وحشت ناک سرنوشت کے بیان کے ضمن میں ان کی بدبختی کی اصل علت کی نشان دہی کرتے ہوئے کہتا ہے : ایک طرف تو خدا نے سننے والے کان اور عقل و ہوش عطا کیا اور دوسری طرف واضح دلائل کے ساتھ اپنے پیغمبر بھیجے۔ اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کریں تو انسان کی سعادت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر انسان کان تو رکھتا ہے مگر ان سے سنتا نہیں، آنکھیں رکھتا ہے مگر ان سے دیکھتا نہیں، اور عقل رکھتا ہے مگر اس سے سوچتا نہیں، تو اب اگر خدا کے تمام کے تمام پیغمبر اور آسمانی کتابیں اس کے پاس آجائیں تو اس پر کچھ اثر نہیں ہوگا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک گروہ نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں ایک مسلمان کی مدح و ثنا کی تو رسولِ خدا نے فرمایا :

"کیف عقل الرجل ؟"

"اس کی عقل کیسی ہے ؟"

انہوں نے عرض کیا : "یا رسول اللہ ! ہم تو عبادت اور طرح طرح کے نیک کاموں میں اس کی جدوجہد کی بات کر رہے ہیں اور آپ اس کی عقل کے بارے میں پوچھ رہے ہیں" تب آپ نے فرمایا :

"ان الاحمق یصیب بحمقه اعظم من فجور الفاجر، و انما یرتفع العباد غدًا فی الدرجات، و ینالون الزلفی من ربھم علی قدر عقولھم" !

"احمق کی حماقت سے جو مصیبت آتی ہے وہ فاجروں کے فجور اور بدکاروں کے گناہ سے بدتر ہوتی ہے۔ کل قیامت کے دن خدا بندوں کو ان کی عقل و خرد کے مطابق درجات عطا فرمائے گا اور وہ اسی بنیاد پر قرب خداوندی حاصل کریں گے۔"

---

۱ مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۲۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"سُحق" (بروزن قفل) اصل میں پیسنے اور نرم کرنے کے معنی میں ہے اور پرانے لباس کو بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں رحمتِ خدا سے دوری کے معنی میں ہے تو اس بنا پر فسحقاً لاصحاب السعیر کا مفہوم یہ ہے کہ دوزخی رحمتِ خدا سے دور رہیں، کیونکہ خدا کی نفرین تحقق خارجی سے توام ہوتی ہے۔ تو یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ گروہ کلی طور پر رحمتِ خدا سے دور ہو گا۔

ایک نکتہ

عقل وخرد کی اونچی قدر وقیمت

یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ قرآن مجید عقل وخرد کی حد سے زیادہ قدر وقیمت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ نیز دوزخیوں کا بنیادی گناہ اور ان کی بدبختی کا اصلی عامل اس خدائی قوت سے کام نہ لینے کو شمار کرتا ہے۔ بلکہ جو شخص قرآن سے آشنائی رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اس نے مختلف مناسبتوں سے اس موضوع کی اہمیت کو آشکار کیا ہے۔ اس نے ان لوگوں کی دروغ بافیوں کے برخلاف، جو مذہب کو دماغوں کے مست اور سست کرنے کا ذریعہ اور عقل وخرد کی پروا نہ کرنے والا شمار کرتے ہیں، اسلام خدا شناسی اور سعادت ونجات کی اساس وبنیاد عقل وخرد پر رکھتا ہے، بلکہ جگہ جگہ اس کا روئے سخن "اولوالالباب" (صاحبانِ عقل) اور "اولوالابصار" (صاحبانِ بصیرت، غور وفکر کرنے والے عقلاء کی طرف ہے۔

اسلامی منابع میں اس سلسلہ میں اس قدر روایات وارد ہوئی ہیں جو حساب وشمار سے باہر ہیں۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ مشہور کتاب 'کافی' جو منابع حدیث میں سب سے زیادہ قابلِ اعتبار ہے وہ مختلف کتابوں پر مشتمل ہے اور اس کی پہلی کتاب کا نام کتابِ 'عقل وجہل' ہے۔ جو شخص ان روایات کو ملاحظہ کرے جو اس ضمن میں اس کتاب میں نقل ہوئی ہیں، وہ اس سلسلہ میں اسلام کی نظر کی گہرائی کو پا لے گا۔ ہم یہاں صرف دو روایات کے ذکر پر قناعت کریں گے۔

(اسی کتاب میں) امیرالمومنین امام علیؑ سے روایت آئی ہے کہ جبرئیل آدمؑ پر نازل ہوئے اور ان سے کہا "مجھے حکم ہوا ہے کہ میں آپ کو ان تین نعمتوں، میں سے کسی ایک کو اپنانے کا اختیار دوں، آپ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیں اور باقی دو کو چھوڑ دیں"۔

آدمؑ نے کہا: "وہ کون سی نعمتیں ہیں؟"

جبرئیل نے جواب دیا: "عقل، حیا اور دین"۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آدم نے کہا : "میں نے عقل کا انتخاب کیا ہے"۔ جبرئیل نے حیا اور دین سے کہا : "اسے چھوڑ دو، او اپنا کام کرو"۔

انھوں نے کہا : "ہم مامور ہیں کہ ہر جگہ عقل کے ساتھ رہیں اور اس سے جُدا نہ ہوں"۔

جبرئیل نے کہا: "اب جبکہ یہ بات ہے تو پھر اپنی مأموریت پر عمل کرو"۔ اور اس کے بعد وہ آسمان کی طرف صعود کر گئے۔ [1]

یہ ایک ایسی لطیف ترین تعبیر ہے جو عقل و خرد اور حیا و دین سے اس کی نسبت کے بارے میں کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اگر عقل، دین سے جُدا ہو جائے تو وہ ذرا سی بات میں برباد ہو جائے گا یا انحراف کا شکار ہو جائے گا۔ باقی رہی حیاء کہ جو انسان کو بُرائیوں اور گناہوں کے ارتکاب سے روکتی ہے تو وہ بھی معرفت اور عقل و خرد کا نتیجہ ہوتی ہے۔

یہ چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ آدمؑ عقل کے ایک قابل ملاحظہ حصّہ کے مالک تھے جنہوں نے ان تین چیزوں کے درمیان اختیار کے موقع پر عقل کے بالاتر مرحلہ کو انتخاب کیا اور اس کے سائے میں دین کو بھی ساتھ رکھا اور حیا کو بھی۔

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے آیا ہے :

"من کان عاقلاً کان له دین، ومن کان له دین دخل الجنة"

"جو عقلمند ہوگا وہ دیندار بھی ہوگا، اور جو دیندار ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا"۔

(اسی بناء پر جنت عقلمندوں کی جگہ ہے) [2]

البتہ عقل یہاں سچی معرفت کے معنی میں ہے نہ کہ شیاطین کی وہ شیطنت جو دنیا کے جابر اور ظالم سیاستدانوں میں نظر آتی ہے کہ جو امام جعفر صادقؑ کے قول کے مطابق :

"شبیهة بالعقل، ولیست بالعقل"

"عقل کے مشابہ ہے لیکن وہ عقل نہیں ہے"۔ [3]

---

[1]، [2]، [3] اصول کافی مطابق نقل نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۸۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۲) إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

(۱۳) وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

(۱۴) أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝

ترجمہ

(۱۲) وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے پوشیدہ طور سے ڈرتے ہیں ان کیلیے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔

(۱۳) اپنی گفتگو کو پوشیدہ رکھو یا آشکار کرو (کچھ فرق نہیں ہے) وہ دلوں کی باتوں سے آگاہ ہے۔

(۱۴) کیا وہ ہستی کہ جس نے تمام موجودات کو پیدا کیا ہے ان کے حالات سے آگاہ نہیں ہے؟ جب کہ وہ دقیق اسرار سے باخبر اور ہر چیز کا عالم ہے۔

تفسیر

کیا جہان کا خالق جہان کے اسرار سے آگاہ نہیں ہے؟

ان مباحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں قیامت کے روز کفار اور ان کی سرنوشت کے بارے میں بیان ہوئے تھے، زیرِ بحث آیات میں قرآن مومنین اور ان کی عظیم جزاؤں کو بیان کر رہا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے پنہاں طور پر ڈرتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے: (ان الذین یخشون ربھم بالغیب لھم مغفرۃ واجر کبیر)۔

"غیب" کی تعبیر یہاں ممکن ہے کہ نادیدہ خدا کی معرفت یا نادیدہ معاد و قیامت یا ان تمام چیزوں کی طرف اشارہ دیا ہو۔

آیت کی تفسیر میں یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ شاید یہ پوشیدہ گناہوں کے بارے میں خدا کے خوف کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ اگر انسان پوشیدگی میں بھی کوئی گناہ نہ کرے تو وہ بطریق اولیٰ آشکار گناہ نہیں کرے گا۔ یا یہ تعبیر گناہوں سے پرہیز کرنے اور اوامر الٰہی کے انجام دینے میں خلوص نیت کے مقام کی طرف اشارہ ہو کیونکہ پوشیدہ طور سے کیا ہوا عمل ریا اور دکھاوے سے دور ہوتا ہے۔

ان تفاسیر کے درمیان جمع کرنے میں بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

"مغفرۃ" کی تعبیر کا نکرہ کی صورت میں ہونا اور اس طرح "اجر کبیر" اس کی عظمت و اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ مغفرت اور اجر و پاداش اتنی عظیم ہوگی جو سب کے لیے انجانی ہوگی۔

* * *

اس کے بعد تاکید کے لیے مزید کہتا ہے: "اگر تم اپنی گفتگو پنہاں طور پر یا آشکار کرو، خدا دلوں کی باتوں سے آگاہ ہے۔" (واسروا قولکم او اجھروا بہ انہ علیم بذات الصدور)۔

بعض مفسرین نے ابن عباس سے اس آیت کی ایک شان نزول نقل کی ہے کہ کفار یا منافقین کی ایک جماعت پیغمبر خداؐ کے پس پشت ناروا باتیں کرتی تھی۔ جبریلؑ آکر پیغمبرؐ کو خبر دے دیا کرتے تھے۔ تب ان میں سے بعض نے ایک دوسرے سے کہا: "اسروا قولکم" اپنی باتیں پوشیدہ طور پر کیا کرو تاکہ محمدؐ کا خدا نہ سن لے: تو اوپر والی آیت نازل ہوئی اور کہا: "چاہے آشکارا باتیں کرو یا پوشیدہ طور پر خدا ان سے آگاہ ہے۔"[1]

بعد والی آیت اس چیز کے لیے جو گزشتہ آیت میں بیان ہوئی ہے ایک دلیل کے طور پر آئی ہے۔ فرماتا ہے: "کیا وہ ذات جس نے موجودات کو پیدا کیا ہے ان کے حالات سے آگاہ نہیں ہے؟ جبکہ وہ دقیق ترین اسرار سے باخبر اور ہر چیز کا عالم ہے۔" (الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر)۔

"الا یعلم من خلق" کے جملہ کی تفسیر میں کئی احتمال دیے گئے ہیں:

بعض نے کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کیا وہ خدا جس نے دلوں کو پیدا کیا ہے، وہ ان کے اندر کے امور سے آگاہ نہیں ہے؟

یا یہ کہا ہے کہ وہ خدا جس نے بندوں کو پیدا کیا ہے، کیا وہ ان بندوں کے اسرار سے بے خبر ہے؟

یا یہ کہا ہے کہ وہ خدا جس نے تمام عالم ہستی کو پیدا کیا ہے وہ تمام جہان کے اسرار سے آگاہ ہے تو کیا وہ

---

[1] "فخر رازی" جلد ۳ ص ۶۶، "روح البیان" جلد ۱۰ ص ۸۶ زیر بحث آیات کے ذیل میں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انسان جو اس عظیم خلقت میں سے ایک موجود ہے اس کے اسرار خدا سے پوشیدہ ہوں گے؟

ہر حال اس حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے ہمیشہ اس نکتہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے کہ خدا کی خلقت دائمی ہے۔ یعنی اس کی طرف سے فیض وجود ہر لحظہ مخلوقات کو پہنچ رہا ہے۔ معاملہ اس طرح نہیں ہے کہ وہ انھیں پیدا کرکے ان کی حالت پر چھوڑ دے۔

اصولی طور پر تمام ممکنات (موجودات) اس کے وجود کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا رشتہ اس کی ذات پاک سے منقطع ہو جائے تو وہ فنا کی راہ اختیار کرلیں۔ اس دائمی تعلق اور خلقت کی طرف مسلسل توجہ، ہر زمانہ اور ہر مکان میں تمام موجودات کے اسرار کے بارے میں علم خدا کی ایک بہترین دلیل ہے۔

'لطیف' کے ساتھ خدا کی توصیف اس لحاظ سے ہے کہ لطیف 'لطف' کے مادہ سے ہے۔ وہ ہر دقیق و ظریف موضوع اور ہر قسم کی سریع حرکت اور جسم لطیف کے معنی میں ہے۔ اس بناء پر خدا کا لطیف ہونا خلقت کے دقیق و ظریف اسرار کے بارے میں اس کے علم کی طرف اشارہ ہے۔ یہ لفظ بعض اوقات اجسام لطیف، خورد بینی ذرات اور ان سے مافوق کے معنی میں بھی آیا ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمھاری دلی نیتیں چاہے جتنی پوشیدہ ہوں اور تم اپنی باتوں کو محفلوں میں چاہے جتنا مخفی طور پر کہو یا غلط اعمال خلوت گاہوں میں انجام دو، خداوند لطیف وخبیر ان سب سے آگاہ ہے۔

بعض مفسرین نے 'لطیف' کی تفسیر میں کہا ہے: (ھوالذی یکلف الیسیر ویعطی الکثیر) "وہ ایسی ہستی ہے جو ذمہ داری تو آسان ڈالتی ہے مگر اجر و پاداش فراواں دیتی ہے۔"

حقیقت میں یہ بھی رحمت میں ایک قسم کی ظرافت و دقت ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ لطیف کے ساتھ خدا کی توصیف اس بناء پر ہے کہ وہ تمام چیزوں کے اندر نفوذ رکھتا ہے اور سارے جہان میں کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے۔

لیکن یہ سب باتیں ایک ہی حقیقت کی طرف لوٹتی ہیں اور خدا کے علم کی گہرائی اور پوشیدہ و آشکار اسرار پر اس کے علم پر ایک تاکید ہے۔

◆ ◆ ◆

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۵ هُوَ الَّذِی جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ○

۱۶ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ○

۱۷ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ○

۱۸ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ○

ترجمہ

۱۵ وہی تو ہے کہ جس نے زمین کو تمھارے لیے رام کر دیا۔ اس کے دوش پر چلو پھرو اور خدا کی روزیوں میں سے کھاؤ اور تم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔

۱۶ جو آسمان پر حاکم ہے کیا تم اس کے عذاب سے خود کو امان میں سمجھتے ہو کہ زمین اس کے حکم سے پھٹ جائے اور تمھیں نگل لے اور مسلسل لرزتی اور کانپتی رہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۷) یا تم خداوند آسمان کے عذاب سے اپنے آپ کو امان میں سمجھتے ہو کہ وہ ایسی آندھی تم پر بھیج دے جو سنگریزوں سے بھری ہوئی ہو اور تم جلدی ہی جان لوگے کہ میری دھمکیاں کیسی ہیں۔

(۱۸) وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انھوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی تھی، لیکن (دیکھو) میرا عذاب کیسا تھا؟

تفسیر

کوئی مجبور اس کے عذاب وسزا سے امان میں نہیں ہے۔

ان مباحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں دوزخیوں، جنتیوں، کافروں اور مومنوں کے بارے میں گزرے ہیں، زیر بحث آیات میں جنتیوں کی صفوں میں جا ملنے کی ترغیب، تشویق اور دوزخیوں کی راہ و رسم سے بچنے کے لیے چند خدائی نعمتوں کا ذکر اور پھر اس کے عذابوں کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

فرماتا ہے: "وہی تو ہے کہ جس نے زمین کو تمھارے لیے رام کر دیا ہے" (هو الذی جعل لکم الارض ذلولاً)۔

"پس تم زمین کے دوش پر چلو پھرو، اور پروردگار کی روزیوں میں سے کھاؤ اور جان لو کہ سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے" (فامشوا فی مناکبها وکلوا من رزقه والیه النشور)۔

"ذلول" رام ہونے کے معنی میں ایک جامع ترین تعبیر ہے جو زمین کے بارے میں ممکن ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ تیز رو سواری بہت ہی تیز اور متعدد حرکات رکھنے کے باوجود ایسی پر سکون نظر آتی ہے گویا کہ مطلقاً ساکن ہے۔ بعض ماہرین کہتے ہیں کہ زمین چودہ قسم کی مختلف حرکتیں رکھتی ہے۔ جن میں سے تین اقسام یعنی اس کی اپنے محور پر حرکت، سورج کے گرد حرکت اور منظومہ شمسی کے ہمراہ کہکشاں کے اندر حرکت ہے۔ یہ حرکات جو بہت ہی زیادہ تیز ہیں ایسی نرم اور ملائم ہیں کہ جب تک زمین کی حرکت پر قطعی دلائل قائم نہیں ہوتے تھے، کوئی شخص باور ہی نہیں کرتا تھا کہ اس میں کوئی حرکت ہے۔

دوسری طرف زمین نہ تو اس طرح کی سخت ہے کہ قابل زندگی ہی نہ ہو اور نہ ہی اس طرح کی ڈھیلی اور نرم ہے کہ قرار و آرام نہ پکڑتی ہو۔ بلکہ یہ مکمل طور پر انسانی زندگی کے لیے رام ہے۔ مثلاً اگر زمین زیادہ کیچڑ والی ہوتی جس میں ہر چیز دھنس جاتی، یا نرم ریت ہوتی کہ جس میں انسان کے پاؤں گھٹنوں تک دھنس جاتے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یا تیز اور سخت پتھر ہوتے جو تھوڑا سا چلنے سے انسانی بدن کو زخمی کر دیتے تو اس سے زمین کی بے آرامی کے معنی واضح ہو جاتے۔

تیسری طرف اس کا فاصلہ سورج سے نہ تو اتنا کم ہے کہ تمام چیزیں گرمی کی شدت سے جل جائیں اور نہ ہی اتنا زیادہ ہے کہ ہر چیز سردی سے خشک ہو جائے۔ زمین پر ہوا کا دباؤ اس طرح سے ہے جو انسان کو سکون و آرام مہیا کرتا ہے، وہ نہ تو اس قدر زیادہ ہے کہ انسان کا گلا گھونٹ دے اور نہ اس قدر کم ہے کہ وہ پارہ پارہ ہو جائے۔ زمین کی قوت جاذبہ نہ اس قدر زیادہ ہے کہ وہ ہڈیوں کو توڑ دے اور نہ ہی اس قدر کم ہے کہ ایک ہی حرکت سے انسان اپنی جگہ سے اکھڑ جائے اور فضا میں جا پڑے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ ہر لحاظ سے "ذلول" اور انسان کے حکم کے آگے مسخر اور رام ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ زمین کے ذلول اور مطیع ہونے کی توصیف کے بعد حکم دیتا ہے کہ اس کے کندھوں پر چلو۔ ہم جانتے ہیں کہ "مناکب" جمع "منکب" (بروزن مغرب) کندھے کے معنی میں ہے، گویا انسان زمین کے کندھے پر قدم رکھتا ہے اور زمین ایسی پرسکون ہے کہ وہ اپنے اعتدال کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک تم قدم نہ اٹھاؤ گے اور سعی و کوشش نہ کرو گے، زمین کی نعمتوں سے بہرہ مند نہ ہو پاؤ گے۔

"رزق" کی تعبیر بھی ایک بہت ہی جامع تعبیر ہے جو زمین کے تمام مواد غذائی کو چاہے وہ حیوانی ہو یا نباتی یا معدنی، سب کو شامل ہے۔

لیکن جان لو کہ یہ تمہاری خلقت کا مقصد اصلی نہیں ہے۔ یہ سب کے سب تو تمہارے "نشور" قیامت اور حیات ابدی کی راہ کے لیے وسائل و ذرائع ہیں۔

* * *

اس تشویق اور بشارت کے بعد تہدید و انذار کی بات کرتا ہے۔ مزید کہتا ہے: "جو آسمان پر حاکم ہے، کیا تم اس کے عذاب سے اپنے آپ کو امان میں سمجھتے ہو کہ زمین اس کے حکم سے پھٹ جائے، وہ تمہیں اپنے اندر نگل لے اور ہمیشہ لرزتی اور کانپتی رہے۔" (ءامنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض فاذا ھی تمور)۔

ہاں! اگر وہ حکم دے تو یہ مطیع و ساکن زمین سرکش ہو جائے اور وحشی جانور کی صورت اختیار کر لے، زلزلے آنے شروع ہو جائیں، زمین میں شگاف پڑ جائیں اور وہ تمہیں، تمہارے گھروں اور شہروں کو نگل جائے اور پھر بھی لرزتی اور کانپتی رہے۔

"فاذا ھی تمور" وہ ہمیشہ لرزتی رہے اور بے سکون رہے) کا جملہ ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ خدا یہ حکم دے سکتا ہے کہ زمین تمہیں نگل جائے اور تمہیں مسلسل ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے اندر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہی اندر منتقل کرتی رہے۔ یہاں تک کہ تمھاری قبر بھی ساکن اور بغیر حرکت کے نہ ہو۔

یا یہ ہے کہ زمین اپنے سکون و آرام کو ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھے اور اس میں ہمیشہ زلزلے آتے رہیں۔
اس معنی کا ادراک ان لوگوں کے لیے آسان ہے جنھوں نے بعض زلزلہ خیز علاقوں میں زندگی بسر کی ہے۔ انہوں نے دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات زمین کئی کئی دن اور راتیں بالکل بے سکون و بے آرام رہتی ہے۔ تب ان سب کا کھانا پینا، سونا اور آرام کرنا ختم ہو جاتا ہے لیکن ہم لوگوں کے لیے جنھوں نے عادتاً زمین کے آرام و سکون ہی کو دیکھا ہے اس کا سمجھنا مشکل ہے۔

"مَن فی السماء" (وہ جو آسمان میں ہے) کی تعبیر خدا کی ذات پاک کی طرف اشارہ ہے کہ جس کی حاکمیت زمین تو کیا آسمانوں پر بھی مسلّم ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ خدا کے فرشتوں کی طرف اشارہ ہے جو آسمانوں میں ہیں اور اس کے فرمان کے اجراء پر مامور ہیں۔

◆ ◆ ◆

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ضروری نہیں ہے کہ حتمی طور پر زلزلے ہی تمھاری طرف آئیں، بلکہ وہ یہ فرمان تند آندھیوں کو دے سکتا ہے۔ کیا تم اپنے آپ کو امان میں سمجھتے ہو کہ آسمانوں کا حاکم خدا ایسی تیز آندھی جو سنگریزوں سے پُر ہو تم پر بھیج دے اور تمھیں اس پہاڑ کے نیچے دفن کر دے؟ (ام امنتم من فی السماء ان یرسل علیکم حاصبًا)۔

"اور تم جلدی ہی جان لو گے کہ میری تہدیدیں (اور دھمکیاں) کیسی ہیں"۔ (فستعلمون کیف نذیر)۔
اس معنی کا ادراک ان لوگوں کے لیے بہت آسان ہے جنھوں نے چلتی ہوئی ریت اور "حاصب" ہوائیں دیکھی ہیں۔ (یہ ہوائیں ریت کے جو تودے اپنے ساتھ لے جاتی ہیں انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی رہتی ہیں) وہ جانتے ہیں کہ چند ہی لمحوں کے اندر گھر اور آبادیاں رواں دواں ریت کے تودوں کے نیچے دفن ہو سکتی ہیں یا وہ قافلے جو بیابان کے وسط میں چل رہے ہوتے ہیں اس کے نیچے دفن ہو سکتے ہیں۔

◆ ◆ ◆

حقیقت میں اوپر والی آیات اس معنی کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ عذاب قیامت کے عذاب میں منحصر نہیں ہے۔ اس دنیا میں خدا زمین کی مختصر سی حرکت یا آندھیوں کے چلنے سے ان کی زندگی کو ختم کر سکتا ہے۔ اس امکان کی بہترین دلیل گزشتہ امتوں میں ان امور کا واقع ہونا ہے:

لہٰذا آخری زیر بحث آیت میں کہتا ہے:

"وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہوں نے خدا کی آیات اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی تھی لیکن دیکھو میری دی ہوئی سزا اور عذاب ان کے حق میں کیسا تھا؟" (ولقد کذب الذین من قبلھم فکیف کان نکیر)۔[1]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک گروہ کو تباہ کرنے والے زلزلوں سے، کچھ قوموں کو بجلیوں سے اور ایک جماعت کو طوفان یا تیز آندھیوں کے ذریعہ سزا دی، اور ان کے تباہ شدہ خاموش شہروں کو ہم نے درس عبرت کے طور باقی رہنے دیا۔

٭ ٭ ٭

(حاشیہ سابقہ صفحہ) ۱؎ نکیر انکار کے معنی میں ہے اور یہاں عذاب و سزا سے کنایہ ہے کیونکہ خدا کا انکار ان قوموں کے افعال کے مقابلہ میں ان کی سزا کے طریقہ سے صورت پذیر ہوا۔ اس بات پر توجہ رہے کہ یہ لفظ "نکیری" تھا جیسا کہ گزشتہ آیت میں لفظ نذیر نذیری تھا (میرا انکار اور میرا ڈرانا) "یاء" متکلم حذف ہو گئی اور زیر جو اس پر دلالت کرتی ہے باقی رہ گئی۔

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۹) أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ○

(۲۰) أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ○

(۲۱) أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ○

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

ترجمہ

(۱۹) کیا انھوں نے ان پرندوں کی طرف نہیں دیکھا، جو ان کے سروں کے اوپر کبھی اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں؟ خدائے رحمٰن کے سوا کوئی انھیں آسمان کی بلندی پر روکے ہوئے نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

(۲۰) کیا وہ جو تمہارا لشکر ہے وہ خدا کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرسکتا ہے؟ لیکن کافر تو صرف دھوکہ میں ہیں۔

(۲۱) کیا وہ جو تمھیں روزی دیتا ہے اگر وہ اپنی روزی روک لے تو تمھاری ضروریات کو کون پورا کرسکتا ہے؟ لیکن وہ تو سرکشی اور حقیقت سے فرار کرتے ہوئے ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

اپنے سر کے اوپر ان پرندوں کی طرف دیکھو

اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں جب خدا کی قدرت اور مالکیت کے بارے میں بحث تھی تو سات آسمانوں، ان کے ستاروں اور کواکب کے بارے میں گفتگو تھی۔ لیکن یہاں پہلی زیر بحث آیت میں اسی مسئلۂ قدرت کو عالم ہستی کے بظاہر ایک چھوٹے سے موجود کے ذکر کے ذریعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ فرماتا ہے: "کیا انہوں نے ان پرندوں کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے سروں کے اوپر کبھی اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں؟" (اولم یروا الی الطیر فوقھم صافات و یقبضن)۔[1]

یہ سنگین جسم قانون جاذبہ کے برخلاف زمین سے اُٹھتے ہیں اور آرام کے ساتھ آسمان کی بلندی پر گھنٹوں تک اور بعض اوقات ہفتوں اور مہینوں تک مسلسل اپنی سریع اور نرم حرکت کو جاری رکھتے ہیں، اور انھیں اس میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

پرواز کرتے وقت اکثر پرندے اپنے پروں کو کھولے ہوئے ہوتے ہیں۔ "صافات" گویا ایک پُراسرار قوت انھیں چلا رہی ہوتی ہے۔

جبکہ بعض ہمیشہ پر مارتے رہتے ہیں۔ (ممکن ہے یقبضن اسی معنی کی طرف اشارہ ہو)

بعض دوسرے کبھی پر مارتے ہیں، اور کبھی پروں کو پھیلا لیتے ہیں۔

چوتھا گروہ ایک مدت تک پر مارتا ہے اور جب تیزی پکڑ لیتا ہے تو اپنے پروں کو کلی طور پر سمیٹ لیتا ہے اور فضا کے سمندر میں غوطہ لگا لیتا ہے (مثلاً چڑیا) خلاصہ یہ ہے کہ باوجودیکہ وہ سب پرواز کرتے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا اپنا ایک مخصوص انداز ہے۔

ان کے جسم کو کس نے اس طرح سے پیدا کیا ہے کہ وہ آرام و سکون کے ساتھ فضا میں سیر کرتے ہیں؟ ان کے پروں کو یہ قدرت کس نے عطا کی اور انھیں پرواز کا علم سکھایا ہے؟ خصوصاً مہاجر پرندوں کی پیچیدہ قسم کی اجتماعی پرواز جو بعض اوقات کئی کئی ماہ تک طول کھینچتی ہے اور ہزاروں کلومیٹر کا راستہ طے کر کے بہت سے ملکوں، پہاڑوں، دروں، جنگلوں اور سمندروں کے اُوپر سے گذر کر اپنے مقصد تک پہنچتے ہیں۔ واقعتاً ایسی قوت

---

[1] "الطیر" طائر کی جمع ہے۔ اسی لیے اس کا فعل اور صفت جمع کی صورت میں آیا ہے۔ بعض نے جو یہ تصور کیا ہے کہ طیر مفرد ہے تو یہ ارباب لغت کی تصریح کے خلاف ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور آگاہی انھیں کس نے عطا کی ہے ؟

لہٰذا آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے: "خدائے رحمٰن کے سوا کوئی انھیں آسمان کی بلندی پر روکے ہوئے نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور ہر مخلوق کی نیاز اور حاجت کو جانتا ہے۔" (ما یمسکھن الا الرحمٰن انہ بکل شیء بصیر)۔

وہی تو ہے کہ جس نے انھیں پرواز کے لیے مختلف وسائل اور استعدادیں عطا کی ہیں۔ ہاں ! خدائے رحمٰن جس کی رحمتِ عامّہ نے تمام موجودات کو گھیرا ہوا ہے اسی نے پرندوں کو بھی ان کی ضرورت کی چیزیں بخشی ہیں۔ جو ہستی آسمان اور فضا میں پرندوں کو روکے ہوئے ہے، وہی زمین اور دوسری موجودات کی بھی نگہدار ہے۔ جب وہ ارادہ کرلے تو نہ پرندہ پرواز کر سکتا ہے اور نہ ہی زمین اپنے سکون کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔

"صافات" و "یقبضن" (پروں کو پھیلاتے اور سمیٹتے ہیں) کی تعبیر، ممکن ہے مختلف پرندوں کی طرف یا ایک ہی پرندہ کے مختلف حالات کی طرف اشارہ ہو۔[1]

ہم نے پرندوں کی دنیا اور ان کی پرواز کے عجائبات کے بارے میں تفسیر نمونہ جلد ۶ (سورۂ نحل کی آیت ۷۹ کے ذیل میں) تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

بعد والی آیت میں اس معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کفار خدا کی قدرت کے مقابلہ میں کسی قسم کا کوئی یار و مددگار نہیں رکھتے، فرماتا ہے: "کیا وہ جو تمھارا لشکر ہے، وہ خدا کے مقابلہ میں تمھاری مدد کر سکتا ہے؟" (امن ھٰذا الذی ھو جند لکم ینصرکم من دون الرحمٰن)۔[2]

نہ صرف یہ کہ وہ مصیبتوں میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتے بلکہ اگر وہ چاہے تو انھیں کو تمھارے عذاب اور نابودی پر مقرر کر دے۔ کیا پانی، ہوا، مٹی اور آگ تمھارے خدمت گزار اور تمھاری زندگی کے ارکان نہیں ہیں؟ لیکن خدا نے انھیں کو سرکش اقوام کی نابودی پر مامور کر دیا۔ نیز تاریخ میں بہت سے ایسے واقعات محفوظ ہیں کہ بادشاہوں، فراعنہ اور سرکش حکمرانوں کے نزدیک ترین افراد ہی ان کی موت کا سبب بن گئے۔ موجودہ زمانہ کی تاریخ میں بھی یہ ماجرا دیکھنے میں آیا ہے کہ حکومتوں کی وفادار ترین طاقتوں نے ہی ان کے خلاف بغاوت کر دی، اور ان کی موت کا فرمان جاری کیا۔

---

[1] اس بارے میں کہ "صافات" وصفی صورت میں اور "یقبضن" فعل مضارع کی صورت میں آیا ہے، ممکن ہے یہ اس وجہ سے ہو کہ پروں کا پھیلانا ایک خاص انداز ہے جبکہ کھولنا اور بند کرنا پروں کی تکرار ہے۔

[2] "ام" اس جگہ میں حرفِ عطف ہے۔ "من" مبتدا، "ھٰذا" دوسرا مبتدا اور "الذی" اس کی خبر ہے۔ "ھو جند لکم" اس کا صلہ ہے اور "ینصرکم" "جند" کی صفت اور جملہ کے پہلے مبتدا کی خبر ہے (البیان فی غریب اعراب القرآن جلد ۲ ص ۴۵۹) لیکن مناسب یہ ہے کہ "الذی" عطف بیان ہو اور "ینصرکم" خبر ہو کیونکہ اس کے بغیر جملہ ناقص ہے۔ (غور کیجیے)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن کافر صرف دھوکہ، فریب اور غفلت میں گرفتار ہیں"۔ (ان الکافرون الا فی غرور)۔
دھوکہ، فریب اور جہالت کے پردے ان کی عقلوں پر پڑے ہوئے ہیں۔ وہ انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ تاریخ کے صفحات پر یا اپنی زندگی کے گوشہ وکنار میں یہ درس عبرت دیکھیں۔
"جند" اصل میں ناہموار اور ایسی سخت زمین کے معنی میں ہے جس میں بہت زیادہ پتھر جمع ہو گئے ہوں۔ اسی مناسبت سے بہت زیادہ لشکر کو بھی "جند" کہتے ہیں۔
بعض مفسرین زیر بحث آیت میں جند کو بتوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں کہ وہ قیامت میں مشرکین کی مدد پر ہرگز قدرت نہیں رکھتے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ آیت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے اور وہ بت بھی اس کا ایک مصداق ہو سکتے ہیں۔

٭ ٭ ٭

پھر مزید تاکید کے لیے کہتا ہے: "کیا وہ ہستی جو تمہیں روزی دیتی ہے، اگر وہ اپنی روزی تم سے روک لے تو تمہیں کون بے نیاز کر سکتا ہے؟" (امن ھذا الذی یرزقکم ان امسک رزقہ)۔[1]
اگر وہ آسمان کو حکم دے دے کہ وہ بارش نہ برسائے اور زمین سبزہ نہ اگائے یا مختلف قسم کی نباتی آفات پھلوں کو نابود کر دیں تو کس میں یہ طاقت ہے کہ تمہارے لیے کوئی غذا مہیا کر دے؛ نیز اگر وہ معنوی روزیاں اور آسمانی وحی تم سے منقطع کر لے تو کس میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری راہنمائی کرے؟
یہ واضح حقائق ہیں، لیکن ہٹ دھرمی اور گستاخی انسان کے ادراک اور شعور کے آگے ایک حجاب بن جاتی ہے۔ اس لیے آیت کے آخر میں فرماتا ہے:
"لیکن وہ تو سرکشی اور حقیقت سے فرار کرتے ہوئے ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں": (بل لجوا فی عتو ونفور)۔
اس موجودہ زمانہ میں بھی جبکہ انسان کی زندگی کے مختلف جہات میں، خصوصاً غذائی مصنوعات میں بہت ہی ترقی ہو چکی ہے، اگر صرف ایک ہی سال کے لیے مطلقاً بارش نہ ہو تو ساری دنیا میں کیسی مصیبت کھڑی ہو جائے گی، یا ٹڈی دل کا لشکر اور آفات نباتی ہر جگہ کو گھیر لیں تو کیسی مصیبت واقع ہو جائے گی۔

٭ ٭ ٭

[1] آیت میں جزا کی شرط محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے: "ان امسک رزقہ من یرزقکم غیرہ" (اگر وہ اپنا رزق روک لے تو اس کے علاوہ کون تمہیں رزق دے گا)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک نکتہ

انسانوں کی ناکامی کے چار عوامل

گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ سننے والا کان اور بیدار عقل کا نہ ہونا، وہ اہم ترین عامل ہے جو دوزخیوں کو دوزخ کی طرف کھینچ کر لے جائے گا۔ زیر بحث آیات میں یہ بیان ہوا ہے کہ دوسرے چار عوامل یعنی "دھوکہ و فریب"، "ہٹ دھرمی"، "سرکشی" (عتو) اور "حق سے دوری اختیار کرنا" (نفور) انسان کی بدبختی اور گمراہی کا سبب ہیں۔

اگر ہم صحیح طور پر غور کریں تو ہم دیکھ لیں گے کہ یہ عوامل گذشتہ عوامل کے ساتھ مربوط ہیں۔ کیونکہ یہ بری صفات انسان کے کان اور آنکھ پر پردہ ڈال دیتی ہیں اور اس کے لیے حقائق کے ادراک سے مانع ہو جاتی ہیں۔

www.ziaraat.com jabir.abbas@yahoo.com Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۲۲) اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

(۲۳) قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○

(۲۴) قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

(۲۵) وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

(۲۶) قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○

(۲۷) فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْۗـــــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ○

ترجمہ

(۲۲) کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرا ہوا چل رہا ہو ہدایت کے زیادہ نزدیک ہے یا وہ شخص جو راست قامت صراط مستقیم پر گامزن ہے؟

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۲۳) کہہ دیجئے وہی تو ہے کہ جس نے تمھیں پیدا کیا ہے، اور تمھارے لیے کان، آنکھیں اور دل قرار دیئے، لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

(۲۴) کہہ دیجئے کہ وہی تو ہے کہ جس نے تمھیں زمین میں پیدا کیا، اور اسی کی طرف تم لوٹ جاؤ گے۔

(۲۵) وہ کہتے یہ ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔

(۲۶) کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اور میں تو صرف واضح و آشکار ڈرانے والا ہوں۔

(۲۷) جس وقت اس وعدۂ الٰہی کو قریب سے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے قبیح اور سیاہ ہو جائیں گے اور انھیں کہا جائے گا، یہ وہی چیز ہے جس کا تم تقاضا کیا کرتے تھے۔

تفسیر

شاہراہِ توحید کے راست قامت افراد

گزشتہ آیات کے بعد پہلی زیر بحث آیت میں کفار و مومنین کے ان دونوں گروہوں کی حالت کی کیفیت ایک عمدہ مثال کے ضمن میں منعکس کرتے ہوئے فرماتا ہے: "کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرا ہوا چل رہا ہے، ہدایت کے زیادہ نزدیک ہے یا وہ شخص جو راست قامت صراطِ مستقیم پر قدم رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے" (افمن یمشی مکبًا علٰی وجهه اهدٰی امّن یمشی سویًا علٰی صراط مستقیم)۔

یہاں بے ایمان، ظالم، ہٹ دھرم اور فریبی لوگوں کو ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو ناہموار اور پیچ و خم سے پُر راہ سے گزر رہا ہو، وہ مُنہ کے بل گرا ہوا ہو، اور ہاتھ پاؤں سے یا سینہ کے بل چل رہا ہو، نہ ٹھیک طرح سے راستہ دیکھ سکتا ہو اور نہ ہی اپنے اُوپر نظر کر سکتا ہو، نہ رکاوٹوں سے باخبر ہو اور نہ ہی سرعت اور تیزی سے چل سکتا ہو، تھوڑا سا رستہ چلتا ہو اور پھر تھک جاتا ہو۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن مومنین کو ایسے راست قامت افراد سے تشبیہ دیتا ہے جو ہموار، صاف اور سیدھے راستے پر سرعت، قدرت اور پوری آگاہی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہوں۔

کیسی عمدہ اور دقیق تشبیہ ہے، جس کے آثار ان دونوں گروہوں میں مکمل طور پر نمایاں ہیں اور ہم اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔

بعض نے ان دو گروہوں کا مظہر پیغمبر اسلامؐ اور ابوجہل کو شمار کیا ہے۔ یقیناً یہ دونوں اوپر والی آیت کے روشن اور واضح مصداق ہیں، لیکن آیت کے مفہوم کی عمومیت کو محدود نہیں کرتے۔

"مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ" میں کئی ایک احتمال دیئے گئے ہیں:

جو تفسیر اس کے لغوی مفہوم کے ساتھ زیادہ سازگار ہے وہ وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے یعنی وہ ایسا شخص ہے جو منہ کے بل گرا ہوا ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے سینہ کے بل چل رہا ہو۔

لیکن بعض نے کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ سیدھا چل رہا ہے لیکن سر نیچے کیے ہوئے ہے اور اپنے راستے کو کسی طرح سے نہیں دیکھتا۔

جبکہ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایسا شخص ہے جو اپنے اعتدال کو محفوظ نہیں رکھتا، چند قدم چلتا ہے اور زمین پر گر پڑتا ہے، پھر کھڑا ہو جاتا ہے اور مسلسل اسی کیفیت کی تکرار کرتا رہتا ہے۔

راغب کے مفردات میں بعض کلمات سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے، اس سے مراد ایسا شخص ہے جس کی پوری توجہ اپنی ہی وضع و کیفیت کی طرف ہے اور وہ اپنے غیر سے غافل ہے لیکن پہلا معنی مومنین کی وضع کے مقابلہ کے قرینہ سے زیادہ مناسب نظر آتا ہے کہ اس کی "سویا" سے تعبیر ہوئی ہے۔

بہر حال کیا کافر و مومن کی یہ وضع و کیفیت آخرت میں ہوگی؟ یا دونوں جہانوں میں؟ آیت کے معنی کے محدود ہونے پر کوئی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہ دنیاوی زندگی میں بھی اسی طرح ہوں گے اور آخرت میں بھی۔

ہاں! بے ایمان افراد چونکہ خودخواہ، خودپرست اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں اور اپنے مادی اور جلد گزر جانے والے منافع کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتے۔ چونکہ ان کی راہ ایک ہوا پرست کی راہ ہے۔ لہٰذا وہ اس شخص کی مانند ہیں جو سنگلاخ زمین سے گزرتے ہیں اور سینہ کے بل ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے رینگتے ہیں، لیکن وہ لوگ جو ایمان کے سائے میں ہوائے نفس کی قید سے چھوٹ چکے ہیں وہ ایک گہری بصیرت اور صاف و واضح راستہ رکھتے ہیں۔

* * *

بعد والی آیت میں پیغمبرؐ کو مخاطب کرکے مزید کہتا ہے: "کہہ دیجئے، وہی تو ہے کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اور تمہارے لیے کان آنکھیں اور دل قرار دیئے ہیں لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو"۔ (قُلْ هُوَ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا ما تشکرون)۔

خدا نے مشاہدے اور تجربے کا ذریعہ اور وسیلہ (آنکھ) بھی تمہارے اختیار میں قرار دی۔ دوسروں کے افکار سے آگاہی کا ذریعہ (کان) اور علوم عقلیہ میں غور و فکر کرنے کا ذریعہ (قلب) بھی دیا۔ خلاصہ یہ کہ سب قسم کے عقلی و نقلی علوم سے آگاہی کے لیے تمام ضروری آلات تمہارے اختیار میں دے دیئے ہیں۔ لیکن ان تمام عظیم نعمتوں کا بہت کم لوگ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ شکرِ نعمت یہ ہے کہ ہر نعمت کو اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جائے جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہے۔ کیا واقعاً سب لوگ کان، آنکھ اور عقل سے اسی طریقہ سے استفادہ کرتے ہیں۔؟

* * *

پھر دوبارہ پیغمبرؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: "کہہ دیجئے وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین میں پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے اور اسی کے پاس تم جمع ہو گے" (قل ھو الذی ذراکم فی الارض والیہ تحشرون)۔

حقیقت میں پہلی آیت راستے کو مشخص کرتی ہے اور دوسری آیت کام کے آلات و وسائل کو اور یہ آیت ہدف و مقصد کو کہ اسلام و ایمان کے سیدھے راستے اور صراطِ مستقیم میں قدم آگے بڑھاؤ، معرفت اور شناخت کے تمام آلات سے فائدہ اٹھاؤ اور جاودانی زندگی کی طرف چل پڑو۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں "انشاکم" کی تعبیر ہوئی ہے اور اس آیت میں "ذراکم" آیا، ممکن ہے ان دونوں تعبیروں کا فرق اس بات میں ہو کہ پہلا جملہ تو انسان کو عدم سے وجود میں لانے کی طرف اشارہ ہو (یعنی تم نہیں تھے اور خدا نے تمہیں پیدا کیا ہے) نیز دوسرا جملہ مادۂ خاکی سے انسان کی پیدائش کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی ہم نے تمہیں خاک سے پیدا کیا ہے۔

* * *

اس کے بعد اسی رابطہ میں منکرینِ معاد کی گفتگو اور ان کا مطالبہ پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہ استہزاء کے طور پر کہتے ہیں، اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ قیامت کا وعدہ کس وقت پورا ہو گا" (ویقولون متٰی ھٰذا الوعد ان کنتم صادقین)۔

تم اس کی کوئی یقینی تاریخ معین کیوں نہیں کرتے؟ اور اس لحاظ سے تم سب کی ذمہ داری واضح کیوں نہیں کرتے ہو۔

ھٰذا الوعد سے کیا مراد ہے۔ اس کے دو احتمال بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا قیامت کا وعدہ، دوسرا دنیا کی گوناگوں سزاؤں کا وعدہ، مثلاً زلزلے، صاعقے، بجلیاں اور طوفان۔ لیکن گزشتہ آیت کی طرف توجہ کرتے ہوئے پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔ اگرچہ دونوں معانی کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعد والی آیت میں انھیں اس طرح جواب دیتا ہے : "کہہ دیجئے اس موضوع کا علم و آگہی تو خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور میں تو صرف واضح و آشکار انذار کرنے والا اور ڈرانے والا ہوں" (قل انما العلم عند الله وانما انا نذیر مبین)۔

یہ تعبیر ٹھیک اسی چیز کے مشابہ ہے جو قرآن کی متعدد آیات میں آئی ہے۔ منجملہ سورۂ اعراف کی آیت ۱۸۷ میں آیا ہے : "قل انما علمها عند ربی" کہہ دیجئے کہ قیامت کے وقوع کے زمانہ کا علم صرف میرے پروردگار کے پاس ہے۔

◆ ◆ ◆

اور ایسا ہی ہونا چاہیے، کیونکہ اگر قیامت کی تاریخ معلوم ہوتی اور اس کا عرصہ اور فاصلہ زیادہ ہوتا تو لوگ غفلت میں پڑ جاتے اگر وہ عرصہ کم ہوتا تو اضطرار جیسی حالت پیدا کر لیتے اور دونوں حالتوں میں تربیتی اہداف نامکمل رہ جاتے۔

◆ ◆ ◆

آخری زیرِ بحث آیت میں مزید کہتا ہے : "جس وقت اس وعدۂ الٰہی اور عذاب کو قریب سے مشاہدہ کریں گے تو کافروں کے چہرے قبیح اور سیاہ ہو جائیں گے" جیسا کہ غم واندوہ کے آثار ان سے برس رہے ہیں۔ (فلما رأوه زلفة سیئت وجوه الذین کفروا)۔

اور ان سے کہا جائے گا : "یہ وہی چیز ہے جس کا تم تقاضا کیا کرتے تھے۔" (وقیل هذا الذی کنتم به تدعون)۔

"تدعون" دعا کے مادہ سے ہے۔ یعنی تم ہمیشہ اصرار اور تقاضا کیا کرتے تھے کہ قیامت واقع ہو، اب وہ واقع ہو گئی ہے۔ اور اس سے راہِ فرار ممکن نہیں ہے۔[1]

یہ مضمون حقیقت میں اسی چیز کے مشابہ ہے جو سورہ ذاریٰت کی آیت ۱۴ میں کفار کو مخاطب کرتے ہوئے آیا ہے کہ قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا :

"هذا الذی کنتم به تستعجلون" "یہ وہی چیز ہے جس کے لیے تم جلدی کیا کرتے تھے۔"

بہرحال یہ عذاب قیامت کے بارے میں ہی بیان کر رہی ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے کہا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "متی هذا الوعد" کا جملہ بھی قیامت کے وعدہ کی طرف اشارہ ہے۔

◆ ◆ ◆

---

[1] "تدعون" "باب افتعال" سے اور "دعاء" کے مادہ سے تقاضا کرنے کے معنی میں ہے یا "دعوا" کے مادہ سے تقاضا یا کسی چیز سے انکار کرنے کے معنی میں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حاکم ابوالقاسم حسکانی کہتا ہے:

"جب کافروں نے خدا کے ہاں امام علیؑ کے مقامات کو مشاہدہ کیا تو ان کے چہرے (غیظ وغضب کی شدت سے) سیاہ ہو گئے۔[1]

ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے بھی یہی مطلب نقل ہوا ہے کہ یہ آیت امیرالمومنین علیؑ اور آپ کے یاور انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2]

البتہ یہ تفسیر جو شیعہ اور اہل سنت کے طرق سے نقل ہوئی ہے ایک قسم کی تطبیق کے قبیل سے ہے ورنہ آیت کا محل وقوع معاد وقیامت کے ساتھ مربوط ہے اور اس قسم کی تطبیقیں روایات میں کچھ کم نہیں۔

* * *

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۳۰

[2] نورالثقلین جلد ۵ ص ۳۸۵

jabir.abbas@yahoo.com www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۲۸) قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

(۲۹) قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

(۳۰) قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ○

ترجمہ

(۲۸) کہہ دیجئے : اگر خدا مجھے اور ان تمام لوگوں کو جو میرے ساتھ ہیں ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کر دے تو بھی کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا ؟

(۲۹) کہہ دیجئے : وہ خدا رحمٰن ہے ، ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے ، اور عنقریب تم جان لوگے کہ کون شخص واضح گمراہی میں ہے ۔

(۳۰) کہہ دیجئے : مجھے بتاؤ اگر تمہاری (سرزمین کے) پانی زمین کے اندر چلے جائیں تو کون تمہارے لیے جاری پانی لا سکتا ہے ؟

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

جاری پانی تمہارے اختیار میں کون دیتا ہے؟

اوپر والی آیات جو سورۂ ملک کی آخری آیات ہیں اور وہ سب لفظ "قل" سے، جو پیغمبرؐ کو خطاب ہے شروع ہوتی ہیں، انہیں باتوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں جو گزشتہ آیات میں کفار کے ساتھ ہوئی ہیں اور ان کے دوسرے پہلو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں۔

سب سے پہلے ان لوگوں کے بارے میں کہ جو غالباً پیغمبرؐ اور ان کے اصحاب کی موت کے انتظار میں تھے۔ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ آپ کی وفات سے آپ کا دین ختم ہو جائے گا اور باقی کچھ نہ رہے گا۔ (عام طور پر شکست خوردہ دشمن سچے رہبروں کے بارے میں ہمیشہ یہی توقع رکھتے ہیں) فرماتا ہے: "کہہ دیجیے اگر خدا مجھے اور ان تمام کو جو میرے ساتھ ہیں ختم کر دے یا ہم پر رحم کرے تو بھی کفار کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا؟" (قل ارأیتم ان اھلکنی اللہ ومن معی اور رحمنا فمن یجیر الکافرین من عذاب الیم)۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ کفار مکہ پیغمبرؐ اسلام اور مسلمانوں کے لیے بددعا (نفرین) کیا کرتے اور ان کی موت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، ان کا گمان یہ تھا کہ اگر آنحضرتؐ دنیا سے چلے جائیں تو آپ کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی۔ تب اوپر والی آیت نازل ہوئی اور انہیں جواب دیا۔

اسی معنی کے مشابہ سورۂ طور کی آیت ۳۰ میں بھی آیا ہے، جہاں کہتا ہے: ام یقولون شاعر نتربص بہ ریب المنون "وہ کہتے ہیں کہ محمدؐ ایک شاعر ہے جس کی موت کا ہم انتظار کر رہے ہیں"۔

وہ اس بات سے غافل ہیں کہ محمد مصطفےٰؐ سے الطاف حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر وہ مر بھی جائیں تو اس سے حق کا پیغام نہیں مرے گا۔ ہاں! اس دین کی کامیابی اور تمام جہان پر اس کے غلبہ کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے، اور پیغمبر اکرمؐ کی حیات اور موت کسی چیز کو نہیں بدلے گی۔

بعض نے اس آیت کی ایک اور تفسیر بیان کی ہے کہ خدا پیغمبرؐ سے یہ فرماتا ہے: "کہہ دیجئے، ہم خدا پر ایمان رکھنے کی بنا پر خوف و رجاء کے درمیان ہیں، تم اپنے بارے میں کیا سوچتے ہو؟"

لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح نظر آتی ہے۔

* * *

اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے: "ان سے کہہ دیجئے کہ وہ خداوند رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے، اور عنقریب تم جان لوگے کہ واضح گمراہی میں کون ہے۔" (قل ھو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الرحمٰن اٰمنّا بہ و علیہ توکلنا فستعلمون من ھو فی ضلال مبین)۔

یعنی اگر ہم خدا پر ایمان لے آئے ہیں اور اسے اپنا ولی، وکیل اور سرپرست سمجھا ہے تو اس کی دلیل واضح ہے، وہ خدائے رحمٰن ہے۔ اس کی رحمت عمومی ہر جگہ پہنچی ہوئی ہے اور اس کے انعام کے فیض نے دوست اور دشمن سب کو گھیر رکھا ہے کہ عالم ہستی اور صفحۂ زندگی پر مختصر سی نگاہ اس مُدعا کی شاہد ہے۔ لیکن تمہارے معبودوں نے کون سا کام کیا ہے؟ اگرچہ تمہاری ضلالت و گمراہی اسی سے واضح ہے لیکن آخرت میں اور زیادہ واضح ہو جائے گی، یا اس دنیا میں جب اسلام خدائی امدادوں سے لشکرِ کفر پر کامیاب ہو جاتے گا تو اس معجزانہ کامیابی سے حقیقت اور زیادہ واضح ہو جائے گی۔

یہ آیت حقیقت میں پیغمبر اسلام اور مومنین کے لیے ایک قسم کی تسلی ہے کہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ حق و باطل کے اس مبارزہ میں تنہا ہیں، بلکہ بخشنے والا اور مہربان خدا ان کا یار و مددگار ہے۔

◆ ◆ ◆

آخری آیت میں خدا کی رحمتِ عامّہ کے ایک مصداق کے ذکر کے عنوان سے کہ جس سے لوگ غافل ہیں، کہتا ہے: "کہہ دیجئے: مجھے بتاؤ وہ پانی جس سے تم استفادہ کر رہے ہو، اگر وہ زمین کے اندر دُور تک چلا جائے تو کون تمہارے لیے جاری پانی لا سکتا ہے؟" (قل ارءیتم ان اصبح ماؤکم غورًا فمن یأتیکم بماء معین)۔

ہم جانتے ہیں کہ زمین دو قسم کے مختلف قشروں سے بنی ہے۔ "نفوذ پذیر قشر" جو پانی کو اپنے اندر لے جاتا ہے اور اس کے نیچے "نفوذ ناپذیر" قشر ہے جو پانی کو وہیں محفوظ رکھتا ہے۔ تمام چشمے، کنوئیں، ندی، نالے اسی خاص ترکیب کی برکت سے وجود میں آتے ہیں۔ کیونکہ اگر تمام روئے زمین زیادہ گہرائیوں تک نفوذ پذیر قشر ہوتی تو پانی اتنا نیچے چلا جاتا کہ ہرگز اس تک کسی کی رسائی نہ ہوتی۔ اگر وہ ساری کی ساری نفوذ ناپذیر ہوتی تو رُوئے زمین کے تمام پانی اس کے اوپر ہی کھڑے رہتے اور دلدل اور کیچڑ میں تبدیل ہو جاتے یا جلدی سمندروں میں جا پڑتے اور اس طرح سے پانی کے زیرِ زمین ذخیرے ہاتھ سے نکل جاتے۔

خدا کی رحمت کا یہ ایک چھوٹا سا نمونہ ہے کہ جس سے انسان کی موت و حیات شدّت کے ساتھ وابستہ ہے "معین"۔ "معن" (بروزن طعن) کے مادہ سے پانی کے جاری ہونے کے معنی میں ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ 'عین' سے لیا گیا اور اس کی میم زائدہ ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین نے معین کو اس پانی کے معنی میں لیا ہے جو آنکھ سے دیکھا جا سکے اگرچہ وہ جاری نہ ہو۔

لیکن اکثر نے اس کی جاری پانی کے معنی میں ہی تفسیر کی ہے۔

اگرچہ وہ پانی جو پیا جاتا ہے وہ جاری پانی میں منحصر نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ جاری پانی ان کی بہترین قسم شمار ہوتا ہے، چاہے وہ دریا، نہروں، ندی، نالوں اور ابلنے والے کنوؤں کی صورت میں ہو۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جب ایک کافر نے یہ آیت سُنی جو یہ کہتی ہے : " اگر تمھارے استعمال میں آنے والا پانی زمین کی تہ میں چلا جائے تو کون تمھارے لیے آب جاری لادے گا" تو اس نے کہا " رجال شداد ومعاول حداد !" (طاقتور مرد اور تیز کدال) پانی کو زمین کی گہرائیوں میں سے نکال لائیں گے ۔ لیکن رات کو جب وہ سویا تو اس کی آنکھ میں آب سیاہ (کالا موتیا) اتر آیا ، اس حال میں اس نے ایک آواز سُنی جو کہہ رہی تھی : " ان قوی پنجہ مردوں اور تیز کدالوں کو لے آ تاکہ وہ اس پانی کو تیری آنکھ سے باہر نکالیں "

لیکن موجودہ زمانہ میں ہم جانتے ہیں کہ اگر زمین کا " نفوذ ناپذیر " قشر ختم ہو جائے تو کوئی قوی پنجہ انسان اور تیز کدال پانی کو نہیں نکال سکتا ۔[1]

* * *

ایک نکتہ

جو روایات کہ ائمہ اہل بیتؑ سے ہم تک پہنچی ہیں ، ان میں اس آخری آیت کی حضرت مہدیؑ کے ظہور اور ان کے وسیع عالمی عدل کے ساتھ تفسیر ہوئی ہے منجملہ ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے :

" نزلت فی الامام القائم ، یقول ان اصبح امامکم غائبًا عنکم لا تدرون این هو ؟ فمن یأتیکم بامام ظاهر یأتیکم باخبار السماوات والارض وحلال الله وحرامه ، ثم قال والله ماجاء تأویل هٰذه الأیة ولابد ان یجیء تأویلها ۔

" یہ آیت اس امام کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو عدلِ الٰہی کے ساتھ قیام کرے گا (حضرت مہدیؑ) وہ کہتا ہے کہ اگر تمھارا امام غائب ہو جائے اور تمھیں معلوم نہ ہو کہ وہاں کہاں ہے تو کون تمھارے لیے امام کو بھیجے گا جو آسمانوں اور زمین کی خبریں اور خدا کے حلال وحرام کو تمھارے لیے بیان کرے " اس کے بعد فرمایا " خدا کی قسم اس آیت کی تاویل ابھی تک نہیں آئی اور بالآخر یہ آکر رہے گی ۔[2]

اس سلسلہ میں روایات بہت زیادہ ہیں لیکن اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے کہ یہ سب تطبیق کے طور پر ہیں دوسرے لفظوں میں آیت کا ظاہر تو جاری پانی کے ساتھ ہی مربوط ہے جو زندہ موجودات کی حیات وزندگی کا باعث ہے مگر آیت کا باطن امام کے وجود اور ان کے وسیع علم وعدالت کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ وہ بھی انسانی شعائر ہے

[1] ابوالفتوح رازی جلد ۱۱ ص ۲۱۹

[2] نورالثقلین جلد ۵ ص ۳۸۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی حیات کا سبب ہے۔

ہم نے بارہا کہا ہے کہ آیاتِ قرآنی کے متعدد معانی اور ان کا ظاہر و باطن ہوتا ہے لیکن ہم اس نکتہ کا بھی تاکید کے ساتھ تکرار کرتے ہیں کہ بطون آیات کی تہ تک پہنچنا اور انھیں معلوم کرنا سوائے پیغمبرؐ اور امام معصوم کے ممکن نہیں اور کسی شخص کو حق نہیں ہے کہ کسی چیز کو آیت کے باطن کے عنوان سے اپنی طرف سے پیش کرے۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ آیات کے ظواہر کے ساتھ مربوط ہے اور جو چیز بطون آیات کے ساتھ مربوط ہے وہ ہمیں صرف معصومینؑ ہی سے سننا چاہیے۔

✦ ✦ ✦

سورہ ملک خدا کی حاکمیت و مالکیت سے شروع ہوئی اور اس کی رحمانیت پر کہ جو اس کی حاکمیت اور مالکیت کی ایک شاخ ہے، ختم ہو رہی ہے۔ اس طرح سے اس کا آغاز و انجام مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔

خداوندا! ہمیں اپنی عام اور خاص رحمت کا مشمول قرار دے اور اپنے اولیاء کی ولایت کے آبِ حیات سے سیراب فرما۔

پروردگارا! حضرت مہدیؑ کا ظہور جلد فرما کہ جو آبِ حیات کا سرچشمہ ہے۔ ہاں ان کے جمال کے متوالوں کو ان کے ظہور سے سیراب کر دے۔

بار الٰہا! تو نے ہمیں دیکھنے والی آنکھ، سننے والے کان اور سمجھنے والی عقل مرحمت فرمائی ہے۔ پس خود خواہی اور غرور کے پردوں کو ان کے سامنے سے ہٹا دے تاکہ ہم حقیقت کے چہرے کو جس طرح کا وہ ہے اسی طرح سے دیکھ سکیں اور تیری ہدایت کے صراطِ مستقیم میں راست قامت ہو کر قدم بڑھائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

✦ ✦ ✦

سورۂ ملک کا اختتام
۱۲ شوال ۱۴۰۶ھ
۱۳۶۵/۳/۳ ش

ترجمہ کا اختتام
بروز جمعرات ۱۰ ذی الحجہ، عید قربان ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۸۷ء بوقت ½۱۰ بجے شب
۸۱ ای، ماڈل ٹاؤن: لاہور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۃ القلم

یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوا اور اس کی ۵۲ آیات ہیں۔

تاریخ آغاز ۲۰ شوال المکرم ۱۴۰۶ھ

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ قلم کے مضامین

اگرچہ بعض مفسرین نے اس تمام سورہ کے مکی ہونے پر شک کیا ہے یا ان کا نظریہ ہے کہ اس کا ایک حصّہ مدینہ میں اور ایک حصّہ مکہ میں نازل ہوا ہے۔ لیکن سورہ کا لب ولہجہ اور آیات کا مضمون مکمل طور پر مکی "سورتوں سے ہم آہنگ ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ پیغمبر اسلامؐ کی نبوت اور ان دشمنوں سے مبارزہ، جو آپ کو مجنون کہتے تھے، صبر و استقامت کی دعوت اور مخالفین کو عذابِ الٰہی سے انذار و تہدید کے مسئلہ کے محور پر ہی گردش کرتی ہے۔

مجموعی طور پر اس سورۃ کے مضامین کو سات حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱: سب سے پہلے رسولِ خداؐ کی مخصوص صفات کے ایک حصّہ کے ذکر خصوصاً آپ کے عمدہ اخلاق کو پیش کرتا ہے اور ان کی مؤکد قسموں کے ساتھ تاکید کرتا ہے۔

۲: اس کے بعد آپ کے دشمنوں کی قبیح صفات اور مذموم اخلاق کے ایک حصّہ کو پیش کرتا ہے۔

۳: ایک اور حصّہ میں "اصحاب الجنّة" کی داستان، جو حقیقت میں بے بصیرت مشرکین کے لیے ایک تنبیہ ہے، بیان کرتا ہے۔

۴: ایک اور حصّہ میں قیامت اور اس دن کفّار کے عذاب سے متعلق گوناگوں مطالب بیان ہوتے ہیں۔

۵: ایک اور حصّہ میں مشرکین کے لیے انذار اور تہدید و تخویف کا بیان ہے۔

۶: ایک اور حصّہ میں پیغمبر اسلامؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ کفّار دشمنوں کے مقابلہ میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کریں۔

۷: پھر سورہ کے آخر میں بھی قرآن کی عظمت اور پیغمبرؐ کے خلاف دشمنوں کی مختلف سازشوں کے بارے میں گفتگو ہے۔

اس سورہ کے لیے قلم کے نام کا انتخاب اس کی پہلی آیت کی مناسبت سے ہے۔ بعض نے اس کا نام سورۃ ن بھی ذکر کیا ہے۔ بعض روایات جو اس سورہ کی فضیلت میں آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ کا نام ن والقلم ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر گرامیؐ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"من قرأ سورة ن والقلم اعطاه الله ثواب الذين حسن اخلاقهم"۔

"جو شخص سورۂ ن والقلم کی تلاوت کرے گا، خدا اس کو ان لوگوں کا ثواب دے گا جو حسن اخلاق کے حامل ہیں"۔ [1]

ایک اور حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

"من قرأ سورة ن والقلم فی فریضة او نافلة امنه الله ان يصيبه فی حیاته فقر ابدا، و اعاذه اذا مات من ضمة القبر ان شاء الله"۔

"جو شخص سورۂ ن والقلم کو واجب یا مستحب نماز میں پڑھے گا خدا اسے ہمیشہ کے لیے فقر و فاقہ سے امان میں رکھے گا اور جب وہ مرے گا تو انشاءاللہ اسے فشارِ قبر سے امان دے گا"۔ [2]

ان ثوابوں کا سورہ کے مضامین کے ساتھ خاص تناسب ہے۔ اور یہ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ یہاں مقصد وہ تلاوت ہے جو علم و آگہی کے ساتھ ہو اور اس کے بعد اس پر عمل بھی ہو۔

◆ ◆ ◆

---

[1] تفسیر نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۸۸

[2] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۳۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ

۲ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ

۳ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ

۴ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

۵ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۙ

۶ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ

۷ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ

ترجمہ

خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے۔

۱ ن، قسم ہے قلم کی اور اس کی جو کہ وہ قلم سے لکھتے ہیں۔

۲ اپنے پروردگار کی نعمت سے تو مجنون نہیں ہے۔

۳ اور تیرے لیے عظیم اور ہمیشہ رہنے والا اجر و ثواب ہے۔

۴ اور تیرے اخلاق بہت ہی عمدہ اور عظیم ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۵ اور عنقریب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔

۶ کہ تم میں سے کون مجنون ہے۔

۷ تیرا پروردگار ہر شخص سے بہتر جانتا ہے کہ اس کی راہ سے کون شخص گمراہ ہوا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی بہتر طور پر جانتا ہے۔

تفسیر

تیرے اخلاق کتنے عمدہ ہیں!

یہ واحد سورہ ہے جو حرف مقطع ن سے شروع ہوا ہے۔ فرماتا ہے: (ن)۔

ہم نے حروف مقطعات کے بارے میں بارہا اور خصوصاً سورۂ بقرۃ ، "آل عمران" اور "اعراف" (تفسیر نمونہ جلد ۱، ۲، ۶) میں اس سے متعلق بحث کی ہے۔ جو چیز اب یہاں بیان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ بعض نے یہاں ن کو لفظ رحمٰن کا مخفف اور اس کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔ بعض نے اس کی 'لوح' کے معنی میں یا 'دوات' کے معنی میں یا جنت کی ایک نہر کے معنی میں تفسیر کی ہے۔ لیکن ان تفسیروں میں سے کوئی بھی واضح قرینہ اور شاہد نہیں رکھتی۔

اس بناء پر اس حرف مقطع کی تفسیر ان تمام حروف مقطع سے الگ نہیں جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد انسانی زندگی کے مسائل میں سے دو اہم موضوعات کی قسم کھاتے ہوئے مزید کہتا ہے: "قسم ہے قلم کی اور اس کی جسے وہ قلم کے ساتھ لکھتے ہیں" (والقلم وما یسطرون)۔

کیسی عجیب و غریب قسم ہے؟ حقیقت میں وہ چیز جس کی یہاں قسم کھائی گئی ہے، ظاہراً ایک چھوٹا سا موضوع ہے۔ سرکنڈے کا ایک ٹکڑا یا اس کے مشابہ کوئی چیز اور کچھ سیاہ رنگ کا مادّہ اور اس کے بعد وہ سطریں جو معمولی کاغذ کے صفحہ پر لکھی جاتی ہیں۔

لیکن حقیقت میں یہ وہی چیز ہے جو تمام انسانی تمدّنوں کی پیدائش ، علوم کی پیش رفت ، افکار کی بیداری، مذاہب کے تشکیل پانے کا سرچشمہ اور نوع بشر کی آگاہی اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔ یہاں تک کہ انسانی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کر دیتا ہے۔ "تاریخی دور" اور "تاریخ سے پہلے کا دور"۔ تاریخ بشر کا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے خط اور تحریر ایجاد ہوئے اور انسان اپنی زندگی کے واقعات کو صفحات پر نقش کرنے کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قابل ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ دور جس میں انسان نے قلم کو ہاتھ میں لیا ہے اور اس سے "مایسطرون" یادگار کے طور پر رہ گیا ہے۔

اس قسم کی عظمت اس وقت زیادہ آشکار ہوتی ہے جب ہم اس بات کی طرف توجہ کریں کہ جس دن یہ آیات نازل ہوئیں، اس وقت لکھنے والے اور اہل قلم اس ماحول میں موجود نہ تھے۔ اگر کچھ تھوڑے بہت لوگ لکھنے پڑھنے کی کچھ آگاہی اور علم رکھتے بھی تھے تو ان کی تعداد سرزمین مکہ میں، جو حجاز کا عبادتی، سیاسی اور اقتصادی مرکز تھا، بیس افراد تک بھی نہیں پہنچتی تھی۔ ہاں ایسے ماحول میں قلم کی قسم کھانا ایک خاص عظمت رکھتا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے: ان پہلی آیات میں بھی جو جبل النور اور غار حرا میں پیغمبرؐ کے پاک دل پر نازل ہوئی تھیں قلم کے بلند مقام کی طرف اشارہ ہوا ہے، جہاں فرماتا ہے:

"اقرأ باسم ربك الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرأ وربك الاكرم۔ الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم يعلم"

"اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے مخلوقات کو پیدا کیا ہے، اور انسان کو بستہ اور جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، اپنے عظیم پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور جو کچھ وہ نہیں جانتا تھا اُسے وہ سکھایا۔ (علق ۱: ۵)

سب سے عمدہ بات یہ ہے کہ یہ سب باتیں اس شخص کی زبان سے ادا ہو رہی تھیں جس نے خود (عالم ظاہر میں) کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی، کبھی مدرسہ نہیں گیا تھا اور کوئی تحریر نہیں لکھی تھی۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ وحی آسمانی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے یہاں "قلم" کی اس قلم سے تفسیر کی ہے جس سے خدا کے عظیم فرشتے وحی آسمانی کو لکھتے ہیں یا جس سے انسانوں کے اعمال نامے رقم کرتے ہیں۔ لیکن مسلّم طور پر یہ آیت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے اور یہ تفسیر اس کے ایک مصداق کو بیان کرتی ہے، جیسا کہ "مایسطرون" بھی ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اور انسان کی علمی، اخلاقی اور فکری ہدایت اور تکامل و ارتقاء کے لیے جو کچھ بھی لکھتے ہیں ان سب کو شامل ہے۔ فقط وحی آسمانی یا انسانوں کے اعمال میں منحصر نہیں ہے۔[1]

* * *

اس کے بعد اس چیز کو، جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اپنے پروردگار کی نعمت سے تو مجنون نہیں ہے۔" (ما انت بنعمة ربك بمجنون)۔

وہ لوگ جو یہ ناروا نسبت تیری طرف دیتے ہیں مل کے ایسے اندھے ہیں جو تیرے بارے میں خدا کی ان تمام نعمتوں کو نہیں دیکھتے، نعمت عقل و درایت، نعمت امانت و صدق و راستی، نعمت علم و دانش اور مقام نبوت

(حاشیہ [1] اگلے صفحہ پر دیکھیں)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور مقام عصمت۔

دیوانے تو وہ ہیں جو عقل کل کے مظہر کو جنون کے ساتھ متہم کرتے ہیں اور انسانوں کے رہبر و رہنما کو اس ناروا نسبت کے ذریعہ اپنے سے دور کر رہے ہیں۔

* * *

اِس کے بعد مزید کہتا ہے: "تیرے لیے عظیم اور ہمیشہ رہنے والا اجر و ثواب ہے۔" (و ان لک لاجرًا غیر ممنون)۔

تیرے لیے ایسا اجر و ثواب کیوں نہ ہو؛ جبکہ تو ایسی قبیح اور ناروا تہمتوں کے مقابلہ میں استقامت ظاہر کرتا ہے۔ان کے لیے ہدایت و نجات کی آرزو رکھتا ہے اور اس راستے میں سعی و کوشش کرنے سے تھکتا نہیں ہے۔

"ممنون"۔ "من" کے مادہ سے "منقطع" ہونے کے معنی میں ہے۔یعنی ایسا اجر و پاداش جو ہرگز منقطع نہیں ہوگا اور ہمیشہ باقی رہے گا۔بعض نے کہا ہے کہ اس معنی کی اصل اور ریشہ منت سے لیا گیا ہے۔کیونکہ منت، نعمت کے قطع ہونے کا باعث ہوتی ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ غیر ممنون سے مراد یہ ہے کہ خدا اس اجر عظیم کے مقابلہ میں تجھ پر ہرگز منت نہیں رکھتا لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

* * *

بعد والی آیت پیغمبرؐ کی ایک اور صفت کے بارے میں کہتی ہے: "تو عظیم اور عمدہ اخلاق کا حامل ہے۔" (و انک لعلیٰ خلق عظیم)۔

ایسے اخلاق جن کے مقابل عقل حیران ہے۔ بے نظیر لطف و محبت، بے مثل صفا و صمیمیت اور توصیف سے باہر صبر و استقامت اور تحمل و حوصلہ۔

اگر تو لوگوں کو خدا کی بندگی کی دعوت دیتا ہے تو سب سے زیادہ عبادت بھی کرتا ہے۔اگر برے کام سے روکتا ہے تو سب سے پہلے خود اس کام سے رکتا ہے، وہ تجھے تکلیف پہنچاتے ہیں اور تو پند و نصیحت کرتا ہے۔ وہ تجھے برا بھلا کہتے ہیں اور تو ان کے لیے دعا کرتا ہے، وہ تیرے جسم پر پتھر مارتے ہیں اور گرم مٹی تیرے سر پر پھینکتے ہیں لیکن تو ان کی ہدایت کے لیے بارگاہِ خدا میں ہاتھ اٹھاتا ہے۔

ہاں! تو محبت اور مہربانیوں کا مرکز اور رحمت کا سرچشمہ ہے۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) "ما یسطرون" کے "ما" کو بعض تو ما مصدریہ سمجھتے ہیں اور بعض ما موصولہ لیکن دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے۔یہ تقدیر میں اس طرح ہے "وما یسطرونہ" بعض اس کو لوح یا کاغذ کے معنی میں سمجھتے ہیں کہ جس پر کتابت کی جاتی ہے اور تقدیر میں "ما یسطرون فیہ" ہے۔بعض نے اسے کرسیاں قدسی مخلوق اور ان افراد کی طرف اشارہ کہا ہے جو ان سطور کو لکھتے ہیں لیکن وہی معنی زیادہ مناسب ہے جو ہم نے متن میں ذکر کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"تخلّق" خلقت کے مادہ سے ایسی صفات کے معنی میں ہے جو انسان سے جدا نہیں ہوتے اور وہ انسان کی خلقت و آفرینش کے مانند ہوتے ہیں۔

بعض مفسرین نے پیغمبرؐ کے خلق عظیم کی راہ حق میں صبر و استقامت، سخاوت و بخشش میں وسعت، تدبیر امور، رفق و مدارا، خدا کی طرف دعوت کی راہ میں سختیوں کا برداشت کرنا، عفو و درگزر، پروردگار کی راہ میں جہاد اور حسد و حرص کو ترک کرنے کے ساتھ "تفسیر کی ہے۔ اگرچہ یہ سب کی سب صفات پیغمبرؐ میں موجود تھیں لیکن آپ کا خلق عظیم صرف انہیں میں منحصر نہیں تھا۔

بعض تفاسیر میں "خلق عظیم" کی قرآن یا دین اسلام کے ساتھ بھی تفسیر کی گئی ہے جو اوپر والے وسیع مفہوم کا ایک مصداق ہو سکتی ہے۔ بہرحال پیغمبرؐ میں اس "خلق عظیم" کا ہونا آنحضرتؐ کی عقل و درایت اور دشمنوں کی طرف سے دی گئی نسبتوں کی نفی پر ایک واضح دلیل ہے۔

* * *

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "عنقریب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔" (فستبصر و یبصرون)۔

* * *

"کہ تم میں سے کون مجنون ہے۔" (بایکم المفتون)[1]

"مفتون" "فتنہ" سے اسم مفعول ہے جو ابتلاء کے معنی میں ہے اور یہاں جنون میں مبتلا ہونے کے معنی میں ہے۔

ہاں! وہ آج یہ ناروا نسبت تیری طرف دیتے ہیں تاکہ بندگان خدا کو تجھ سے دور کر دیں، لیکن لوگ عقل و شعور رکھتے ہیں۔ آہستہ آہستہ تیری تعلیمات اور ارشادات سے آگاہی حاصل کریں گے۔ اس وقت یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ یہ عمدہ تعلیمات خدائے عظیم کی طرف سے تیرے پاک اور نورانی دل پر نازل ہوئی ہیں اور خدا نے عقل و علم کا ایک عظیم حصہ تجھے بخشا ہے۔

مستقبل میں تیری تحریکیں اور طریق کار اور ان کے سایہ میں اسلام کی پیش رفت اور سریع نفوذ بھی اس بات کی نشان دہی کر دے گا کہ تو عقل و درایت کا ایک عظیم منبع ہے۔ دیوانے تو وہ چمگادڑ ہیں جو اس آفتاب کے قد سے جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

پھر قیامت میں تو یہ حقائق یقینی طور پر اور بھی زیادہ روشن اور زیادہ واضح و آشکار ہو جائیں گے۔

* * *

---

[1] "بایکم" میں "با" زائدہ ہے اور ایکم قبل کے دو افعال کا مفعول ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نیز مزید تاکید کے لیے فرماتا ہے: "تیرا پروردگار سب سے بہتر جانتا ہے کہ اس کی راہ سے کون شخص گمراہ ہوا ہے اور ہدایت پانے والوں کو بھی بہتر طور پر جانتا ہے۔" (ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ و ھو اعلم بالمھتدین)۔

کیونکہ یہ وابستہ اسی کا راستہ ہے اور وہ اپنی راہ کو ہر شخص سے بہتر پہچانتا ہے۔ گویا اس طرح پیغمبر اسلامؐ کو زیادہ سے زیادہ اطمینان دلاتا ہے کہ وہ ہدایت کے راستہ پر ہیں اور ان کے دشمن ضلالت و گمراہی کی راہ پر ہیں۔

ایک مستند حدیث میں آیا ہے کہ جس وقت قریش نے دیکھا کہ پیغمبر علیؑ کو دوسروں پر ترجیح دیتے اور ان کی تعظیم اور احترام کرتے ہیں تو انھوں نے امام علیؑ کی مذمت شروع کر دی اور کہا کہ محمدؐ اس کا مفتون اور اس پر فریفتہ ہو گیا ہے۔ اس موقع پر خدا نے ن والقلم نازل فرمایا اور قسم کھا کر کہا کہ اے محمدؐ! تو مفتون و مجنون نہیں ہے۔ یہاں تک فرمایا: خدا ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو گمراہ ہو گئے ہیں (یہ قریش کے اس گروہ کی طرف اشارہ ہے جو یہ باتیں کرتے تھے) اور خدا ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی بہتر طور سے جانتا ہے۔ (یہ امام علیؑ کی طرف اشارہ ہے)[1]

چند نکات

۱: انسانی زندگی میں قلم کا نقش واثر

نوع بشر کی زندگی کا اہم ترین مرحلہ، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے، خط کا پیدا ہونا اور قلم کا کاغذ یا پتھر پر چلنا تھا۔ یہ وہی وقت تھا کہ جس نے تاریخ کے دور کو ماقبل تاریخ سے جدا کر دیا۔

کاغذ کے صفحہ پر نوک قلم کی گردش بشر کی سرنوشت کو رقم کرتی ہے۔ لہذا انسانی معاشروں کی کامیابی اور شکست نوک قلم سے وابستہ ہے۔

قلم علوم و معارف کا محافظ، مفکرین کے افکار کا پاسدار، علماء کے فکری اتصال کی کڑی اور نوع بشر کے ماضی و حال کے ارتباط کے لیے ایک پل ہے۔ یہاں تک کہ آسمان و زمین کا ارتباط بھی لوح و قلم کے ذریعہ ہی ہوا ہے۔

قلم ان انسانوں کو جو زمان و مکان کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ زندگی بسر کرتے ہیں، ایک دوسرے سے جوڑ دیتا ہے۔ گویا تمام طول تاریخ اور تمام روئے زمین کے سب مفکرین نوع بشر کو

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۳۴ (طبرسی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ اہل سنت سے نقل کیا ہے)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک کتاب بنام: علیم میں دیکھ لیں گے۔

قلم رازدار بشر ہے۔ خزانہ دار علوم ہے۔ قرون و اعصار کے تجربات کو جمع کرنے والا ہے۔ اگر قرآن اس کی قسم کھاتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے۔ کیونکہ قسم ہمیشہ ایک بہت ہی عظیم اور قدر و قیمت رکھنے والی چیز کی کھائی جاتی ہے۔

البتہ "قلم" "ما یسطرون" (تحریروں) کے لیے ایک وسیلہ ہے اور قرآن نے دونوں کی قسم کھائی ہے۔ یعنی آلہ کی بھی اور آلہ کے محصول کی بھی۔

بعض روایات میں آیا ہے:

ان اول ما خلق اللہ القلم

پہلی چیز جو خدا نے خلق کی وہ قلم تھا۔

اس حدیث کو شیعہ محدثین نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے۔[1] نیز یہ اہلِ سنت کی کتابوں میں بھی ایک مشہور خبر کے عنوان سے آئی ہے۔[2]

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے:

"اول ما خلق اللہ تعالیٰ جوھرۃ"

پہلی چیز جس کو خدا نے خلق کیا وہ ایک گوہر تھا۔[2]

بعض اخبار میں یہ بھی آیا ہے:

"انّ اول ما خلق اللہ العقل"

پہلی چیز جسے خدا نے خلق فرمایا وہ عقل تھی۔[3]

اس وصف کے تعلق کی طرف توجہ جو گوہر، "قلم" اور "عقل" کے درمیان ہے، ان سب کے اول ہونے کے مفہوم کو واضح کر دیتی ہے۔

جو حدیث ہم نے اوپر امام صادقؑ سے نقل کی اس میں آیا ہے کہ خدا نے قلم کو پیدا کرنے کے بعد اس سے فرمایا: "لکھ!" اور اس نے جو کچھ تھا اور جو قیامت کے دن تک ہوگا سب کچھ لکھ دیا۔

اگرچہ اس روایت میں قلم سے قلم تقدیر اور قضا و قدر کی طرف اشارہ ہے، لیکن جو کچھ بھی ہے بشر کی سرنوشت اور اس کے مقدرات میں قلم کے نقش و اثر کو واضح کرتی ہے۔

---

[1] نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۸۹ حدیث ۹

[2] تفسیر فخر رازی جلد ۳۰ ص ۷۸

[3] تفسیر فخر رازی جلد ۳۰ ص ۷۸

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پیشوایان اسلام متعدد احادیث میں اپنے اصحاب کو تاکید کیا کرتے تھے کہ وہ اپنے حافظہ پر قناعت نہ کریں اور احادیث اسلامی اور علوم الٰہی کو رشتۂ تحریر میں لاکر آنے والے لوگوں کے لیے یادگار کے طور پر چھوڑ جائیں۔[1]

بعض علماء نے کہا ہے:

"البیان بیانان: بیان اللسان، وبیان البنان، وبیان اللسان تدرسه الاعوام، وبیان الاقلام باق علی مر الایام"

"بیان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ زبان کا بیان اور قلم کا بیان۔ زبان کا بیان تو زمانہ اور سالوں کے گزرنے سے کہنہ اور پرانا ہو جاتا اور ختم ہو جاتا ہے لیکن قلموں کا بیان ابد تک باقی رہتا ہے:[2]

یہ بھی کہا گیا ہے:

"ان قوام امور الدین والدنیا بشیئین القلم والسیف والسیف تحت القلم"

"دین و دنیا کے امور کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ قلم و شمشیر، اور شمشیر قلم کے زیر سایہ قرار پاتی ہے۔[3]

اس معنی کو بعض شعرائے عرب نے اس طرح نظم کیا ہے:

کذا قضی الله للاقلام مذ بریت

ان السیوف لها مذ ارهفت خدم

خدا نے قلم کے لیے اسی روز سے جب سے وہ بنایا گیا ہے

اسی طرح مقدر کیا ہے۔

کہ تیز دھار تلواریں اس کی خدمت گزار ہوں۔

(یہ تعبیر قلم کے چاقو کے ذریعہ تراشے جانے کی طرف نیز تلواروں کا ابتداء کار سے قلم کی خدمت میں ہونے کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے)۔[4]

ایک دوسرا شاعر، زیر بحث آیات کے استناد کے ساتھ اس سلسلہ میں کہتا ہے:

اذا اقسم الابطال یوما بسیفهم

وعدوه مما یجلب المجد والکرم

---

[1] وسائل الشیعہ جلد ۱۸ ص ۵۶ (حدیث ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۸، ۲۰)

[2، 3، 4] تفسیر مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۳۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کفی قلم الکتاب فخرا و رفعة
مدی الدھر ان اللہ اقسم بالقلم

"جس دن بہادر جنگجو لوگ اپنی تلواروں کی قسم کھائیں اور انھیں بزرگی اور افتخار کے اسباب میں سے شمار کریں تو لکھنے والوں کے قلم کے لیے عالم کے تمام زمانوں میں یہی اعزاز اور سربلندی کافی ہے کہ خدا نے قلم کی قسم کھائی ہے۔ (نہ کہ تلوار کی)[1]

واقعاً یہی بات ہے۔ کیونکہ فوجی کامیابیوں کی اگر قومی تمدن کے ذریعہ ضمانت نہ ہو تو وہ ہرگز پائیدار نہ ہوں گی۔ مغلوں نے ایران کی تاریخ میں بہت بڑی کامیابی حاصل کی لیکن چونکہ وہ ایک ایسی قوم تھی جس کا کوئی تمدن نہیں تھا۔ لہٰذا وہ جلدی ہی اسلام اور ایران کے تمدن میں تحلیل ہو گئے اور انھوں نے اپنا راستہ بدل لیا۔

اگرچہ یہ بحث بڑی وسیع ہے لیکن اس بنا پر کہ ہم تفسیر کے راستہ سے باہر نہ ہو جائیں اس بحث کو پیغمبر اسلام کی ایک بہت ہی پُرمعنی حدیث پر ختم کرتے ہیں:

"ثلاث تخرق الحجب، وتنتھی الی ما بین یدی اللہ: صریر اقلام العلماء، ووطی اقدام المجاھدین وصوت مغازل المحصنات."

"تین آوازیں ایسی ہیں جو حجابوں کو توڑ کر خدا کی باعظمت بارگاہ میں پہنچ جاتی ہیں۔ لکھتے وقت علماء کے قلموں کے چلنے کی آواز۔ میدان جہاد میں مجاہدین کے قدموں کی چاپ، اور پاک دامن عورتوں کے چرخوں کی آواز۔"[2]

البتہ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ سب ان قلموں کے بارے میں ہے جو حق و عدالت کی راہ اور صراط مستقیم میں چلتے ہیں ——— لیکن مسموم، زہریلے اور گمراہ کرنے والے تو انسانی معاشروں کے لیے عظیم ترین بلا اور بہت بڑا خطرہ ہوتے ہیں۔

* * *

---

[1] روح البیان جلد ۱۰ ص ۱۰۲

[2] الشہاب فی الحکم والآداب ص ۲۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲ : پیغمبرؐ کے اخلاق کا ایک نمونہ

پیغمبر اسلامؐ کی کامیابی اگرچہ خدائی تائید و امداد کے ساتھ ہوئی تھی، لیکن آپ ظاہری لحاظ سے بھی اس کے لیے کئی عوامل رکھتے تھے جن میں سے اہم ترین پیغمبرؐ کا جاذبہ اخلاقی تھا۔ اعلیٰ انسانی صفات اور مکارم اخلاق آپ میں اس طرح سے جمع تھے جو سخت ترین دشمنوں کو بھی متاثر کر دیتے، انھیں سرِ تسلیم خم کرنے پر ابھارتے اور دوستوں میں شدید جذب و محبت پیدا کر دیتے تھے۔

بلکہ اگر ہم اسے پیغمبرؐ کا اخلاقی معجزہ کہیں تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس اخلاقی معجزہ کا ایک نمونہ فتح مکہ میں نمایاں ہوا جب وہ خونخوار اور جرائم پیشہ مشرکین کہ جنھوں نے سالہا سال تک اسلام اور پیغمبرؐ کے خلاف اپنی پوری قوت صرف کی تھی، مسلمانوں کے چنگل میں گرفتار ہوئے تو پیغمبر اسلامؐ نے دوستوں اور دشمنوں کے تمام اندازوں کے برخلاف ان کے لیے عام معافی کا فرمان جاری کر دیا، اور ان کے تمام جرائم کو معاف کر دیا۔ یہی چیز اس بات کا سبب بنی کہ وہ یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا کے مصداق بن کر فوج در فوج مسلمان ہو جائیں۔

پیغمبرؐ کے حسنِ خلق، عفو و درگزر، عطوفت و مہربانی، ایثار و فداکاری اور تقویٰ و پرہیزگاری کے بارے میں تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں بہت زیادہ واقعات لکھے ہوئے ہیں۔ ان سب کا بیان ہمیں تفسیری بحث سے خارج کر دے گا۔ لیکن ہمارے لیے اتنا لکھنا ہی کافی ہے کہ ایک حدیث میں حضرت امام حسینؑ ابن علیؑ سے آیا ہے، کہ آپ نے فرمایا:

"میں نے اپنے پدر بزرگوار امیرالمومنین علیؑ سے پیغمبرؐ کی زندگی کی خصوصیات اور آپ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو میرے والد نے تفصیل کے ساتھ مجھے جواب دیا۔ اس حدیث کے ایک حصہ میں آیا ہے:

> آپ نے پاس بیٹھنے والوں کے ساتھ پیغمبرؐ کی رفتار اس طرح تھی کہ آپ خوشرو، خنداں، خلیق اور نرم رہتے تھے، اور کبھی بھی سخت مزاج، سنگدل، پُرخاش رکھنے والے، سخت زبان، عیب جُو اور تعریف پسند نہ تھے۔ کوئی شخص آپ سے مایوس نہ ہوتا تھا، جو شخص بھی آپ کے گھر کے دروازے پر آتا مایوس و نا امید نہ لوٹتا تھا۔ تین چیزوں کو آپ نے اپنے سے الگ کر رکھا تھا، گفتگو میں جھگڑنا، زیادہ باتیں کرنا، اور ایسے کام میں دخل دینا جو آپ سے مربوط نہ ہو۔ اسی طرح تین چیزوں کو لوگوں کے بارے میں چھوڑ رکھا تھا، کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے، کسی کو سرزنش نہیں کرتے تھے اور لوگوں کے پوشیدہ عیوب اور لغزشوں کی جستجو نہیں کرتے تھے۔ آپ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہرگز کوئی گفتگو نہیں کرتے تھے سوائے ان امور کے بارے میں جن میں حصولِ ثواب کی اُمید رکھتے تھے، گفتگو ایسی موثر ہوتی تھی کہ تمام سننے والے لوگ سکوت اختیار کر لیتے تھے اور اپنی جگہ سے ہلتے تک نہیں تھے۔ جب آپ خاموش ہوجاتے تو پھر وہ لوگ بولتے۔ لیکن وہ آپ کے پاس نزاع اور جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ جب کوئی اجنبی اور ناواقف آدمی سختی سے بات کرتا اور درخواست کرتا تو آپ تحمل سے کام لیتے اور اپنے اصحاب سے فرماتے، جب کسی کو دیکھو کہ وہ کوئی حاجت رکھتا ہے تو اس کی حاجت پوری کرو۔ آپ ہرگز کسی کی بات کو نہیں کاٹتے تھے جب تک کہ اس کی بات ختم نہ ہو جاتی۔"[1]

ہاں! اگر یہ اخلاق کریمہ اور یہ ملکات فاضلہ نہ ہوتے تو وہ پسماندہ اور جاہل قوم اور وہ سخت اور اثر ناپذیر گروہ آغوشِ اسلام میں ہرگز نہ آتا، اور لانفضوا من حولك کا مصداق بن کر سب پراگندہ ہو جاتے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ یہ اسلامی اخلاق آج زندہ ہوں اور ہر مسلمان میں پیغمبر اسلامؐ کے اخلاق و عادات کا عکس نظر آتے۔

اس سلسلہ میں اسلامی روایات بھی چاہے وہ خود پیغمبرؐ کے بارے میں ہوں یا سب مسلمانوں کے ذمہ داری کے بارے میں، بہت زیادہ ہیں جن میں سے چند روایات کی طرف ہم یہاں اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

۱: "انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق"

"میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں کہ اخلاقی فضائل کی تکمیل کروں۔"[2]

اسی طرح پیغمبرؐ کی بعثت کا ایک اصلی ہدف یہی اخلاق فاضلہ کی تکمیل ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرتؐ سے آیا ہے:

۲: "انما المؤمن لیدرك بحسن خلقه درجة قائم اللیل وصائم النهار"[3]

"مومن اپنے حسنِ خلق کی وجہ سے اس شخص کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو راتوں کو عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور دنوں میں روزے رکھتا ہے۔"

---

[1] معانی الاخبار ص ۸۳ (تھوڑی سی تلخیص کے ساتھ)
[2] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۳۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳ : آنحضرتؐ ہی سے یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

"ما من شیء اثقل فی المیزان من خلق حسن"

"کوئی چیز میزان عمل میں قیامت کے دن اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی نہیں ہوگی"۔[1]

۴ : آنحضرتؐ سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا :

"احبکم الی اللہ احسنکم اخلاقا الموطؤن اکنافا الذین یالفون و یؤلفون، و ابغضکم الی اللہ المشاؤن بالنمیمۃ المفرقون بین الاخوان، الملتمسون للبراء العثرات؟"

"تم سب میں سے خدا کے ہاں زیادہ محبوب وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں، وہی لوگ جو متواضع ہیں، دوسروں سے جوش محبت کے ساتھ ملتے ہیں۔ تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ لوگ ہیں جو چغلیاں کرتے ہیں کہ بھائیوں کے درمیان جدائی ڈال دیں اور بے گناہ لوگوں کے لیے لغزش کی جستجو میں لگے رہتے ہیں"۔[2]

۵ : ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے آیا ہے :

"اکثر ما یدخل الناس الجنۃ تقوی اللہ و حسن الخلق"

"وہ چیز جو سب سے زیادہ لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی، تقویٰ اور حسن خلق ہے"۔[3]

۶ : ایک حدیث میں امام باقرؑ سے آیا ہے :

"ان اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا"

"مومنین میں سے اس کا ایمان سب سے بہتر ہے جس کے اخلاق

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۳۳

[2] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۱۰

[3] سفینۃ البحار جلد ۱ ص ۴۱۰ (یہی مضمون وسائل الشیعہ جلد ۸ ص ۵۰۴ میں بھی آیا ہے۔ اسی طرح تفسیر قرطبی جلد ۱۰ ص ۶۷۰۴ میں بھی ہے۔)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زیادہ کامل ہیں۔[1]

۷۔ ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضا سے آیا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

"علیکم بحسن الخلق، فان حسن الخلق فی الجنة لا محالة و ایاکم و سوء الخلق۔ فان سوء الخلق فی النار لا محالة۔"

"تمھارے لیے لازم ہے کہ حسنِ خلق اختیار کرو، کیونکہ حسنِ خلق والا انجام کار جنت میں ہے۔ سوء خلق سے بچو، کیونکہ سوءِ خلق والا انجام کار جہنم میں ہے۔"[2]

اوپر والی روایات سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ حسن خلق جنت کی کلید اور رضائے خدا کے حاصل کرنے کا ایک وسیلہ ہے، قدرتِ ایمانی کی نشانی ہے، دن رات کی عبادتوں کے ہم پلہ ہے اور اس سلسلہ میں احادیث بہت زیادہ ہیں۔

❖ ❖ ❖

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۰۸

[2] وسائل الشیعہ جلد ۸ ص ۵۰۶ حدیث ۲۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۸) فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ○

(۹) وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ○

(۱۰) وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ○

(۱۱) هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ○

(۱۲) مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ○

(۱۳) عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ○

(۱۴) أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ○

(۱۵) إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ○

(۱۶) سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ○

ترجمہ

(۸) اب جب کہ یہ بات ہے تو تکذیب کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو۔

(۹) وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کچھ نرمی اختیار کرو تاکہ وہ بھی کچھ نرمی کریں (ایسی نرمی جو راہِ حق سے انحراف کے ساتھ ملی ہوئی ہو)۔

(۱۰) اور ایسے پست اور بہت زیادہ قسمیں کھانے والے آدمی کی اطاعت نہ کرو۔

(۱۱) جو بہت ہی زیادہ عیب جُو اور چغلخور ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۲) نیک کاموں میں بہت زیادہ رُکاوٹیں ڈالنے والا، تجاوز گر اور گنہگار ہے۔

(۱۳) اور ان سب باتوں کے علاوہ کینہ پرور، پُرخور، سخت مزاج اور بدنام ہے۔

(۱۴) کہیں ایسا نہ ہو کہ صاحب مال اور زیادہ اولاد ہونے کی وجہ سے اس کی پیروی کرنے لگو۔

(۱۵) جب ہماری آیات اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو گزرے ہوئے لوگوں کے بے فائدہ افسانے ہیں۔

(۱۶) ہم عنقریب اس کی ناک پر ننگ و عار کا داغ اور نشانی لگا دیں گے۔

تفسیر

ایسی صفات والوں کی پیروی نہ کرو

پیغمبرؐ کے عظیم اخلاق کا ذکر کرنے کے بعد کہ جو گزشتہ آیات میں بیان ہوئے تھے، ان آیات میں ان کے دشمنوں کے اخلاق کو بیان کر رہا ہے تاکہ ان میں موازنہ کرنے سے ان دونوں کا فرق کامل طور سے آشکار ہو جائے۔

پہلے فرماتا ہے: "گمان تکذیب کرنے والوں کی، جو خدا، پیغمبرؐ، قیامت کے دن اور خدا کے دین کی تکذیب کرتے ہیں، اطاعت اور پیروی نہ کرو" (فلا تطع المکذبین)۔

وہ خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے لوگ ہیں اور انہوں نے حق کے تمام اصول اپنے پاؤں تلے روند ڈالے ہیں۔ ایسے لوگوں کی صرف ایک بات میں اطاعت بھی گمراہی اور بدبختی کے علاوہ اور کوئی نتیجہ نہیں رکھتی۔

٭ ٭ ٭

اس کے بعد پیغمبرؐ کو اپنے ساتھ ملانے اور اپنی طرف مائل کرنے کی سازباز میں ان کی کوششوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کچھ نرمی اختیار کرو تاکہ وہ بھی کچھ نرمی کریں" (ودوا لو تدھن فیدھنون)۔

نرمی اور جھکاؤ کا معنی یہ ہے کہ ان کی خدا کے فرامین کے ایک حصہ سے صرف نظر کرے۔

مفسرین نے نقل کیا ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب رؤساء مکہ نے پیغمبرؐ کو اپنے بزرگوں کے دین، شرک اور بت پرستی کی دعوت دی تو خدا نے آپ کو ان کی اطاعت سے منع کیا۔[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعض دوسروں نے یہ نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ، جو شرک کے بہت بڑے سرغنوں میں سے تھا، اس نے بہت زیادہ مال پیغمبرؐ کی خدمت میں پیش کیا اور قسم کھائی کہ اگر آپ اپنے دین سے پھر جائیں تو یہ سارا مال آپ کو دے دے گا۔[1]

آیات کے لب و لہجہ اور تاریخوں میں مندرج واقعات سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ جب دل کے اندھے مشرکین نے دین اسلام کی پیش رفت کی سرعت کا مشاہدہ کیا تو وہ اس فکر میں پڑ گئے کہ پیغمبرؐ کو کچھ امتیازات دے کر ان سے کچھ امتیازات لے لیں اور انھیں سازش کے ذریعہ اپنی طرف کھینچ لیں۔ جیسا کہ طول تاریخ میں سب ہی طرفداران باطل کا طریقہ رہا ہے۔ للذا کبھی تو بہت زیادہ مال کی کبھی خوبصورت عورتوں کی اور کبھی اعلیٰ عہدے اور مقام کی پیش کش کرتے۔ حقیقت میں وہ دو رخ پیغمبرؐ کو بھی اپنے وجود کے ترازو میں تول رہے تھے۔

لیکن قرآن پیغمبرؐ کو بار بار خبردار کرتا ہے کہ ان انحرافی پیشکشوں کے مقابلہ میں اپنی طرف سے معمولی سے جھکاؤ کا بھی اظہار نہ کریں اور اہل باطل کی خاطر ہرگز نرمی نہ کریں۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت ۴۹ میں آیا ہے: "وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک۔" ان (اہل کتاب) کے درمیان خدا کے نازل کردہ فرمان کے مطابق حکم کرو اور ان کی ہوا و ہوس کی پیروی نہ کرو اور اس بات سے ڈرتے رہو کہ وہ تمھیں ان تعلیمات سے جو خدا نے تم پر نازل کی ہیں منحرف نہ کر دیں۔

"یدھنون"۔ "مداھنہ" کے مادہ سے اصل میں "دھن" بمعنی روغن لیا گیا ہے اور اس قسم کے موارد میں نرمی کرنے اور جھکاؤ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ تعبیر مذموم اور منافقانہ جھکاؤ کے موارد میں استعمال ہوتی ہے۔

* * *

اس کے بعد دوبارہ ان کی اطاعت سے منع کرتے ہوئے نو مذموم صفات کہ جن میں سے ہر ایک اکیلی ہی اطاعت اور پیروی کرنے سے مانع ہو سکتی ہے، ان کو شمار کرتا اور فرماتا ہے: "اور ایسے لوگوں کی جو پست اور بہت زیادہ قسمیں کھانے والے ہوں اطاعت نہ کرو" (ولا تطع کل حلاف مھین)۔

"حلاف" اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ قسمیں کھاتا ہو اور ہر چھوٹے بڑے کام کے لیے قسم کھانے لگے۔ عام طور پر اس قسم کے لوگ اپنی قسموں میں سچے نہیں ہوتے۔

"مھین"۔ "مھانت" سے حقارت و پستی کے معنی میں ہے۔ بعض نے اس کی کم عقل یا جھوٹے یا بہت

(حاشیہ صفحہ سابقہ) [1] فخر رازی جلد ۳۰ ص ۸۵ و مراغی جلد ۲۹ ص ۳۱

[1] تفسیر قرطبی جلد ۱۰ ص ۶۷۱۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زیادہ شریر افراد کے ساتھ تفسیر کی ہے۔

٭ ٭ ٭

اس کے بعد مزید کہتا ہے : "وہ شخص جو بہت ہی زیادہ عیب جُو اور چغلخور ہے" (ھمّاز مشّاء بنمیم)۔

"ھمّاز" - "ھمز" (بروزن طنز) کے مادہ سے غیبت اور عیب جُوئی کرنے کے معنی میں ہے۔

"مشّاء بنمیم" ایسا شخص جو تعلقات خراب کرنے، فساد پھیلانے اور لوگوں میں دشمنی پیدا کرنے کے لیے آمدورفت رکھتا ہو۔ (اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے کہ یہ دونوں اوصاف صیغۂ مبالغہ کی صورت میں آئے ہیں جو اس قسم کے قبیح کاموں میں ان کے انتہائی اصرار کی ترجمانی کرتے ہیں)

پانچویں چھٹی اور ساتویں صفت میں کہتا ہے : "وہ شخص جو نیک کاموں میں بہت زیادہ رکاوٹیں ڈالنے والا، تجاوز گر اور گنہگار ہے" (منّاع للخیر معتد اثیم)۔

نہ صرف خود کوئی اچھا کام نہیں کرتا اور اچھائی کا راستہ نہیں دکھاتا، بلکہ دوسروں کی خیر و برکت کے مقابلہ میں بھی ایک رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایک ایسا انسان ہے جو حدودِ الٰہی اور ان حقوق سے جو خدا نے ہر انسان کے لیے معین کر دیئے ہیں، تجاوز کرنے والا ہے۔ ان صفات کے علاوہ ہر قسم کے گناہ میں بھی آلودہ ہے۔ اس طرح کہ گناہ اس کی طبیعت اور مزاج کا جزو بن چکا ہے۔

٭ ٭ ٭

آخرکار ان کی آٹھویں اور نویں صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے : "وہ ان سب باتوں کے علاوہ پرخور و بدنام ہے" (عتلّ بعد ذالک زنیم)۔

"عتلّ" جیسا کہ "راغب" نے "مفردات" میں کہا ہے، ایسے شخص کو کہتے ہیں جو غذا بہت زیادہ کھاتا ہو، ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتا ہو اور دوسروں کو اس سے محروم کر دیتا ہو۔

بعض دوسروں نے "عتلّ" کو ایک بدخو، کینہ پرور، سخت مزاج انسان یا بے حیا اور بدخلق انسان کے معنی میں تفسیر کیا ہے۔

"زنیم" ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کا حسب و نسب واضح نہ ہو اور اسے کسی قوم کی طرف نسبت دیتے ہیں، حالانکہ وہ ان میں سے نہیں ہوتا۔ اصل میں "زنمہ" (بروزن قلم) گوسفند کے کان کے اس حصّہ کو کہتے ہیں جو لٹکا ہوا ہوتا ہے۔ گویا وہ کان کا جزء نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔

"بعد ذالک" کی تعبیر اس معنی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دونوں صفات سابقہ صفات سے زیادہ قبیح اور مذموم ہیں جیسا کہ مفسرین کی ایک جماعت نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں خدا نے جھٹلانے والوں، ان کی قبیح صفات اور اخلاقِ رذیلہ کی ایسی تصویر کشی کی ہے،

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کہ شاید سارے قرآن میں اس کی مثل و نظیر نہ ہو۔ وہ اس طرح سے یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ اسلام و قرآن کے مخالفین اور پیغمبرؐ کی ذات کے مخالفین خود کس قسم کے لوگ تھے۔ جھوٹے، پست، عیب جو، چغلخور، حد سے تجاوز کرنے والے، گنہگار اور بے اصل و نسب افراد اور واقعاً اس قسم کے افراد کے علاوہ اور کسی سے اس قسم کے عظیم مصلح کی مخالفت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

◆ ◆ ◆

بعد والی آیت میں خبردار کرتا ہے: "کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ زیادہ مال اور اولاد رکھتے ہیں، اس بناء پر تم ان کے مقابلہ میں نرم پڑ جاؤ اور سر تسلیم خم کر کے ان کی اطاعت کرنے لگو" (ان کان ذا مال و بنین)۔

اس میں شک نہیں کہ پیغمبرؐ ہرگز ان کی اطاعت و پیروی نہ کرتے، لیکن یہ آیات حقیقت میں اس امر پر ایک تاکید ہیں تاکہ آپ کے مکتب کی راہ اور عملی روش سب پر آشکار ہو جائے اور دوست و دشمن میں سے کوئی بھی شخص اس قسم کی توقع نہ رکھے۔

اس بناء پر اوپر والا جملہ آیت ولا تطع کل حلاف مھین کا تتمہ ہے، لیکن بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت حقیقت میں ان صفات کی پیدائش کی علت کا بیان ہے۔ یعنی دولت و ثروت اور افرادی قوت سے پیدا ہونے والا غرور و تکبر انہیں ان اخلاقی رذائل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ چنانچہ بہت سے بے ایمان دولت مندوں اور قدرت رکھنے والوں میں یہ صفات نظر آتی ہیں۔ لیکن آیات کا لب و لہجہ پہلی تفسیر کے ساتھ زیادہ مناسب ہے، اور اسی وجہ سے اکثر مفسرین نے بھی اس کو انتخاب کیا ہے۔

◆ ◆ ◆

بعد والی آیت میں اس قسم کی پست صفات کے حامل افراد کا آیات الٰہی کے مقابلہ میں عکس العمل دکھاتے ہوئے کہتا ہے: "جب ہماری آیات اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو گزرے ہوئے لوگوں کے بے فائدہ افسانے ہیں"۔ (اذا تتلی علیہ آیاتنا قال اساطیر الاولین)۔

وہ اس بہانے سے اور اس قبیح نسبت کی وجہ سے آیات خدا سے دور ہو جاتا ہے اور انہیں فراموش کر دیتا ہے۔ نیز دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ اسی بناء پر اس قسم کے افراد کی اطاعت و پیروی نہیں کرنا چاہیئے اور یہ اس قسم کے افراد کی اطاعت سے نہی میں ایک تکمیل ہے۔

آخری زیر بحث آیت، اس گروہ کی ایک سزا سے پردہ اٹھاتے ہوئے مزید کہتی ہے: "ہم عنقریب اس کی ناک پر ننگ و عار کا داغ اور نشانی لگا دیں گے"۔ (سنسمہ علی الخرطوم)۔

یہ ان کو انتہائی ذلیل کرنے کے لیے ایک منہ بولتی تعبیر ہے۔ کیونکہ اول تو ناک کی خرطوم سے تعبیر جو صرف سؤر اور ہاتھی کے لیے بولی جاتی ہے، ان کے لیے ایک واضح تحقیر و تذلیل ہے۔ دوسرے لغت عرب میں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ناک عام طور پر بزرگی اور عزت سے کنایہ ہوتا ہے، جیسا کہ فارسی میں بھی جس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کی ناک کو مٹی میں رگڑ دو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی عزت کو برباد کر دو۔ (اردو میں ناک کا کٹنا بے عزتی کے معنی میں آتا ہے۔) تیسرے نشان و علامت لگانا جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن جانوروں میں بھی ان کے چہرے خصوصاً ان کے ناک پر علامت نہیں لگائی جاتی۔ اور اسلام میں بھی اس کام سے روکا گیا ہے۔ یہ سب چیزیں واضح بیان کے ساتھ کہتی ہیں کہ خدا اس قسم کے طغیان گر، خود خواہ، متجاوز اور سرکش افراد کو اس طرح سے ذلیل کرتا ہے اور ہر جگہ ان کی رُسوائی کا ڈھنڈورا پٹوا دیتا ہے تاکہ سب کے لیے عبرت ہو۔

تاریخ اسلام بھی اس معنی پر گواہ ہے کہ ہٹ دھرم مخالفین کا یہ گروہ اسلام کی پیش رفت سے اس طرح ذلیل و رُسوا ہوا کہ جس کی کوئی مثال اور نظیر نہیں ملتی۔ آخرت کی رسوائی اس سے بھی زیادہ ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سورہ کی زیادہ تر آیات شرک کے ایک مشہور سرغنہ "ولید بن مغیرہ" کے بارے میں آئی ہیں۔ لیکن یہ بات آیات کی عمومیت، وسعت اور اس کی تعبیرات کے شمول سے مانع نہیں ہے۔[1]

⁂

چند نکات

۱: اخلاقی رذائل

اوپر والی آیات اگرچہ پیغمبر اسلامؐ کے سخت مخالفین کی صفاتِ رذیلہ کی تفصیلات کے بارے میں ہیں، لیکن اس کے باوجود ان صفات کی تشخیص کے لیے ایک نمونہ ہمارے ہاتھ میں دیتی ہیں۔ وہ ایسی بُری صفات ہیں جو انسان کو خدا سے دُور کر دیتی ہیں اور شقاوت و بدبختی کے گڑھے میں گرا دیتی ہیں۔ وہ ایسی صفات ہیں کہ جن سے سچے مومنین کو بچتے رہنا چاہیے اور ان سے آلودہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسی لیے اسلامی روایات میں بھی اس سلسلہ میں بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔ منجملہ:

---

[1] بعض نے کہا ہے کہ ناک پر علامت لگانا جنگ بدر میں عملی طور پر صورت پذیر ہو گیا کہ کفر کے بعض سرغنوں کی ناک پر اس طرح سے ضرب لگی کہ اس کی علامت باقی رہی۔ اگر یہاں ولید بن مغیرہ ہی مراد ہو تو تاریخ یہ کہتی ہے کہ وہ جنگ بدر سے پہلے ہی ذلت و خواری کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی اور شخص مراد ہو تو پھر یہ بات ممکن ہے جو امام علیؑ بن الحسینؑ کے شام کے مشہور خطبہ میں بھی آئی ہے انا ابن من ضرب خراطیم الخلق حتی قالوا لا الٰہ الا اللہ: میں اس کا بیٹا ہوں جس نے مشرکین کی ناکوں پر ضرب لگائی، یہاں تک کہ انہوں نے لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا۔ اس سے مراد امیرالمومنین علیؑ ہیں۔ (بحار الانوار جلد ۴۴ ص ۱۳۸) زیر بحث آیت کی طرف توجہ کرتے ہوئے خدا کہتا ہے ہم اس کی خرطوم پر علامت لگائیں گے یہ تعبیر ایک عمدہ معنی رکھتی اور بتاتی ہے کہ خدا کا یہ ارادہ اس کے مخصوص بندہ علیؑ کے ہاتھ سے پورا ہوا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱ : ایک حدیث میں رسول خدا سے آیا ہے :

"الا انبئکم بشرارکم قالوا بلی یا رسول اللہ (ص) قال : المشاؤن بالنمیمة المفرقون بین الاحبة الباغون للبراء المعایب"۔

"کیا میں تمھیں تمھارے شریر ترین افراد کے بارے میں خبر دوں؟ انھوں نے کہا جی ہاں! اے رسول خدا! فرمایا : وہ لوگ جو بہت زیادہ چغلخور ہیں، دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں اور پاکیزہ اور بے گناہ افراد میں عیوب کی جستجو میں لگے رہتے ہیں" [1]

۲ : پیغمبرؐ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ وصیت کیا کرتے اور فرماتے تھے :

لا یبلغنی احد عن احد من اصحابی شیئًا فانی احب ان اخرج الیکم و انا سلیم الصدر"

"تم میں سے کوئی بھی شخص میرے اصحاب میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی ایسی بات نہ کرے جو مجھے اس کی نسبت بدظن کر دے، کیونکہ میں دوست رکھتا ہوں کہ پاک و پاکیزہ دل کے ساتھ تم سے ملا کروں" [2]

۳ : نیز ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

"لا یدخل الجنة جواظ، ولا جعظری، ولا عتل زنیم"

"تین گروہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے "جواظ"، "جعظری" اور "عتل زنیم"۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا "جواظ" کون ہے؟ فرمایا : "کل جماع مناع" ہر وہ شخص جو زیادہ مال جمع کرتا ہے اور دوسروں سے بخل کرتا ہے۔ میں نے پوچھا : جعظری کون ہے؟ فرمایا : سخت مزاج اور تندخو۔ میں نے پوچھا : "عتل زنیم" کون ہے؟ فرمایا : شکم پرور اور بد اخلاق لوگ جو زیادہ کھاتے زیادہ پیتے اور بیدادگر اور ظالم ہیں" [3]

۲ : مداہنہ اور سازگاری

وہ واضح اختلافات جو راہ حق کے راہروؤں اور سیاسی بازی گروں کے درمیان موجود ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ دوسرا گروہ کسی خاص اصول پر ثابت قدم نہیں رہتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اس بات کے لیے تیار رہتے ہیں کہ ان امتیازات کے مقابلہ میں جو ان کو حاصل ہیں کچھ اور امتیازات حاصل کریں اور اپنے اصول

---

[1] اصول کافی جلد ۲ باب النمیمہ حدیث ۱

[2] سنن ابو داؤد و صحیح ترمذی (مطابق نقل فی ظلال القرآن جلد ۸ ص ۲۳۰)

[3] نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۹۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے کچھ منافع کی خاطر، صرف نظر کر لیں۔ ان کے اہداف وعقاید ان کیلئے کوئی مقدس چیز نہیں ہیں۔ اور وہ ہمیشہ ان کی قیمت پر معاملہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ ٹھیک اوپر والی آیت کا مضمون ہے جو کہتی ہے: (ودوا لو تدھن فیدھنون) وہ دوست رکھتے ہیں کہ تجھے بھی اپنے جتھے میں کھینچ لیں اور جس طرح وہ مداہنت اور معاملہ کرتے ہیں، تو بھی کرے۔"

لیکن پہلا گروہ ہرگز معاملہ گر نہیں ہوتا، وہ اپنے مقدس اہداف کو کسی بھی قیمت پر اپنے ہاتھ سے نہیں دیتے اور اس پر معاملہ نہیں کرتے۔ مداہنت و موافقت اور اس قسم کے سیاسی لین دین ان میں نہیں ہوتے۔ یہ ایک بہترین نشانی ہے جس سے پیشہ ور سیاست بازوں کو پہچانا جا سکتا ہے اور انھیں مردانِ خدا سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

❖ ❖ ❖

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۷) إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۝

(۱۸) وَلَا يَسْتَثْنُونَ ۝

(۱۹) فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِنْ رَبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۝

(۲۰) فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝

(۲۱) فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ۝

(۲۲) أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَارِمِينَ ۝

(۲۳) فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ۝

(۲۴) أَنْ لَا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِسْكِينٌ ۝

(۲۵) وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ۝

ترجمہ

(۱۷) ہم نے انھیں آزمایا جیسا کہ ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب انھوں نے یہ قسم کھائی کہ باغ کے پھلوں کو صبح کے وقت (حاجتمندوں کی نگاہوں سے بچاکر) چنیں گے۔

(۱۸) اور اس میں کسی چیز کا استثناء نہ کریں گے۔

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۹) لیکن ان کے سارے باغ پر (راتوں رات) ایک گھیر لینے والا عذاب نازل ہو گیا جبکہ وہ سورہے تھے

(۲۰) اور وہ ہرا بھرا باغ تاریک رات کی مانند ہو گیا۔

(۲۱) صبح کے وقت انھوں نے ایک دوسرے کو صدا دی۔

(۲۲) اگر تمھارا ارادہ پھلوں کو توڑنے کا ہو تو اپنے کھیت اور باغ کی طرف چلو۔

(۲۳) وہ چل پڑے اور ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے۔

(۲۴) اس بات کا خیال رکھو کہ ایک بھی فقیر تمھارے پاس نہ آنے پائے۔

(۲۵) انھوں نے صبح کے وقت یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ پوری قوت کے ساتھ حاجت مندوں کو روکیں گے۔

تفسیر

باغ والوں کی عبرت انگیز داستان

اس بحث کی مناسبت سے جو گزشتہ آیات میں مغرور، خودخواہ دولت مندوں کے بارے میں تھی اور وہ مال اور اولاد کی زیادتی کی وجہ سے ہر چیز کو ٹھکرا دیتے تھے۔ ان آیات میں پہلے زمانہ کے کچھ دولتمندوں کے بارے میں جو ایک سرسبز و شاداب باغ کے مالک تھے اور آخرکار وہ خودسری کی بناء پر نابود ہو گئے تھے، ایک داستان بیان کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ داستان اس زمانہ کے لوگوں میں مشہور و معروف تھی، اور اسی بناء پر اس کو گواہی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

پہلے فرماتا ہے، "ہم نے انھیں آزمایا، جیسا کہ ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی" (انا بلونٰھم کما بلونا اصحاب الجنة)۔

یہ باغ کہاں تھا، عظیم شہر صنعاء کے قریب سرزمین یمن میں؟ یا سرزمین حبشہ میں؟ یا بنی اسرائیل کی سرزمین شام میں؟ یا طائف میں؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ لیکن مشہور یمن ہی ہے۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ یہ باغ ایک بوڑھے مرد مومن کی ملکیت تھا۔ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے

www.ziaraat.com jabir.abbas@yahoo.com Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیا کرتا اور باقی مستحقین اور حاجت مندوں کو دے دیتا تھا۔ لیکن جب اس نے دُنیا سے آنکھ بند کر لی (اور مر گیا) تو اس کے بیٹوں نے کہا ہم اس باغ کی پیداوار کے زیادہ مستحق ہیں، چونکہ ہمارے عیال و اطفال زیادہ ہیں۔ لہٰذا ہم اپنے باپ کی طرح عمل نہیں کر سکتے۔ اس طرح انھوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ ان تمام حاجت مندوں کو جو ہر سال اس سے فائدہ اٹھاتے تھے محروم کر دیں۔ لہٰذا ان کی سرنوشت وہی ہوئی جو ان آیات میں بیان ہوئی۔

کہتا ہے: "ہم نے انھیں آزمایا، جب انھوں نے یہ قسم کھائی کہ باغ کے پھلوں کو صبح کے وقت حاجت مندوں کی نظریں بچا کر چنیں گے۔" (اذ اقسموا لیصرمنّھا مصبحین)۔[1]

"اور اس میں کسی قسم کا استثناء نہ کریں گے اور حاجت مندوں کے لیے کوئی چیز بھی نہ رہنے دیں۔" (و لا یستثنون)۔

ان کا یہ ارادہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہ کام ضرورت کی بناء پر نہیں تھا، بلکہ یہ ان کے بخل اور ضعف ایمان کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ انسان چاہے کتنا ہی ضرورت مند کیوں نہ ہو، اگر وہ چاہے تو کثیر پیداوار والے باغ میں سے کچھ نہ کچھ حصہ حاجت مندوں کے لیے مخصوص کر سکتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ عدم استثناء سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے "الا ان یشاء اللّٰہ" نہیں کہا تھا۔ یعنی وہ اس قدر مغرور تھے کہ انھوں نے کہا ہم جائیں گے اور یہ کام ضرور کریں گے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنے آپ کو انشاء اللہ کہنے سے بھی بے نیاز سمجھا۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح ہے۔[2]

اس کے بعد اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے: "رات کے وقت جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے، تیرے پروردگار کا ایک گھیر لینے والا عذاب ان کے سارے باغ پر نازل ہو گیا۔" (فطاف علیھا طائف من ربک و ھم نائمون)۔

ایک جلانے والی آگ اور مرگ بار بجلی اس طرح سے اس کے اوپر مسلط ہوئی کہ وہ سرسبز و شاداب باغ رات کی مانند سیاہ اور تاریک ہو گیا اور مٹھی بھر راکھ کے سوا کچھ بھی باقی نہ بچا۔" (فاصبحت کالصریم)۔

"طائف" "طواف" کے مادہ سے اصل میں اس شخص کے معنی میں ہے جو کسی چیز کے گرد گھومے لیکن بعض اوقات اس بلا و مصیبت سے کنایہ ہوتا ہے جو رات کو نمودار ہو اور اس جگہ یہی مراد ہے۔

"صریم" "صرم" کے مادہ سے قطع کرنے کے معنی میں ہے اور یہاں "تاریک رات" یا "پھل کے بغیر درخت" یا "سیاہ راکھ" کے معنی میں ہے۔ کیونکہ رات دن کے آجانے سے منقطع ہو جاتی ہے، جیسا کہ دن

---

[1] یصرمن "صرم" (بروزن شرم) کے مادہ سے پھل توڑنے کے معنی میں ہے اور مطلق طور پر قطع کرنے کے معنی میں بھی ہے۔ اسی طرح کام کو محکم کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

[2] کیونکہ خاص مناسبت کے علاوہ، جو پہلا معنی اصل قصہ کے ساتھ رکھتا ہے، اگر دوسرا معنی مراد ہوتا تو "ولا یستثنون" کے بجائے "ولم یستثنوا" کہا جاتا۔ (غور کیجیے)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رات کے آجانے سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بعض اوقات رات اور دن کو صریمان کہتے ہیں۔ بہرحال مُراد یہ ہے کہ یہ آسمانی بلا جو ظاہراً ایک عظیم صاعقہ (بجلی) تھی اس طرح سے اس باغ پر نازل ہوئی کہ جس نے سارے باغ کو ایک ساتھ آگ لگا دی اور مٹھی بھر کوئلوں اور سیاہ راکھ کے سوا کچھ بھی باقی نہ بچا۔ کیونکہ صاعقہ ا بجلیاں جب بھی کسی چیز پر پڑتی ہیں تو ان کا حال اسی طرح کا ہو جاتا ہے۔

* * *

بہرحال باغ کے مالکوں نے اس گمان سے کہ یہ لدے پھندے درخت اب تیار ہیں کہ ان کے پھل توڑ لیے جائیں: "صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کو پکارا۔" (فتنادوا مصبحین)[1]

* * *

اُنھوں نے کہا: "اگر تم اپنے باغ کے پھلوں کو توڑنا چاہتے ہو تو اپنے کھیت اور باغ کی طرف چلو": (ان اغدوا علیٰ حرثکم ان کنتم صارمین)۔

"اغدوا"۔ "غدوۃ" کے مادہ سے دن کے اوّل حصّہ کے معنی میں ہے۔ اسی لیے اس غذا کو جو صبح سویرے کھائی جاتی ہے۔ غذا (ناشتہ) کہتے ہیں۔ (اگرچہ عربی کے موجودہ روزمرہ کی تعبیرات میں غداء دن کے کھانے کو کہا جاتا ہے۔)

* * *

"اسی طرح سے وہ اپنے باغ کی طرف چل پڑے اور وہ آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے": (فانطلقوا وھم یتخافتون)۔

"کہ اس بات کا خیال رکھو کہ ایک بھی فقیر تمھارے پاس نہ آنے پائے": (ان لا یدخلنھا الیوم علیکم مسکین)۔

اور وہ اس طرح آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے کہ ان کی آواز کسی دوسرے کے کانوں تک نہ پہنچ جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی فقیر خبردار ہو جائے اور بچے کھچے پھل چننے کے لیے یا اپنا پیٹ بھرنے کے لیے تھوڑا سا پھل لینے ان کے پاس آجائے۔

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ان کے باپ کے سابقہ نیک اعمال کی بناء پر فقراء کا ایک گروہ ایسے دنوں کے انتظار میں رہتا تھا کہ باغ کے پھل توڑنے کا وقت شروع ہو تو اس میں سے کچھ حصّہ انھیں بھی ملے۔ اسی لیے یہ بخیل اور ناخلف بیٹے اس طرح سے مخفی طور پر چلے کہ کسی کو یہ احتمال نہ ہو کہ اس قسم کا دن آپہنچا ہے، اور

---

[1] "تنادوا" راغب مفردات میں کہتا ہے کہ "نداء" (بروزن حنا) اصل میں "ندی" سے لیا گیا ہے جو رطوبت کے معنی میں ہے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ جن لوگوں کے منہ میں کافی رطوبت ہوتی ہے وہ آرام اور سکون سے گفتگو کر سکتے ہیں اور ان کا کلام فصیح اور آواز صاف ہوتی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جب فقراء کو اس کی خبر ہو تو معاملہ ختم ہو چکا ہو۔

* * *

"اس طرح سے وہ صبح سویرے اپنے باغ اور کھیت میں جانے کے ارادے سے حاجت مندوں اور فقراء کو روکنے کے لیے پوری قوت اور پختہ ارادے کے ساتھ چل پڑے۔" (وغدوا علی حرد قادرین)۔

"حرد" (بروزن سرد) شدت وغضب سے توام ممانعت کے معنی میں ہے۔ ہاں! وہ فقراء و مساکین کی تمنا اور انتظار سے مبخ پاتے اور پختہ ارادہ کیے ہوئے تھے کہ پوری قوت کے ساتھ انھیں منع کریں گے۔

(اسی لیے یہ تعبیر ان سالوں کے لیے کہ جن میں بارش نہ ہو یا اس اونٹنی کے لیے جس کا دودھ ختم ہو جانے استعمال ہوتی ہے۔)

اب دیکھتے ہیں کہ ان کا انجام کیا ہوا۔

* * *

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۲۶) فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ۝

(۲۷) بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝

(۲۸) قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝

(۲۹) قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝

(۳۰) فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ۝

(۳۱) قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ۝

(۳۲) عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ ۝

(۳۳) كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

jabir.abbas@yahoo.com

ترجمہ

(۲۶) (جب باغ میں وارد ہوئے اور) اسے دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم تو راستہ بھول گئے ہیں۔

(۲۷) (ہاں ہر چیز مکمل طور پر ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہے) بلکہ ہم محروم ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۲۸) ان میں سے ایک (جو سب سے زیادہ عقلمند تھا) اس نے کہا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم خدا کی تسبیح کیوں نہیں کرتے؟

(۲۹) انھوں نے کہا: ہمارا پروردگار پاک و پاکیزہ اور منزہ ہے، یقیناً ہم ہی ظالم تھے۔

(۳۰) پھر انھوں نے ایک دوسرے کی طرف رُخ کیا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔

(۳۱) (اور ان کی فریاد بلند ہوئی) اور کہا: وائے ہو ہم پر ہم ہی طغیانگر اور سرکش تھے۔

(۳۲) ہم اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمیں بخش دے اور اس کے بجائے اس سے بہتر ہمیں دے دے، کیونکہ اب ہم نے اس سے دل لگا لیا ہے۔

(۳۳) خدا کا عذاب (دنیا میں) اسی طرح سے ہوتا ہے۔ اور اگر وہ جانتے تو آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے۔

تفسیر

سرسبز باغ کے مالکوں کا دردناک انجام

یہ آیات انھیں باغ والوں کی داستان کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جو گزشتہ آیات میں گزر چکی ہے۔ وہ باغ والے اس اُمید پر کہ باغ کی فراواں پیداوار کو چنیں اور مساکین کی نظریں بچا کر اسے جمع کر لیں اور یہ سب کچھ اپنے لیے خاص کر لیں، یہاں تک کہ خدا کی نعمت کے اس وسیع دسترخوان پر ایک بھی فقیر نہ بیٹھے۔ یوں صبح سویرے چل پڑے لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ رات کے وقت جب کہ وہ پڑے سو رہے تھے ایک مرگبار صاعقہ نے باغ کو ایک مٹھی بھر خاکستر میں تبدیل کر دیا ہے۔

قرآن کہتا ہے: "جب انھوں نے اپنے باغ کو دیکھا تو اس کا حال اس طرح سے بگڑا ہوا تھا کہ انھوں نے کہا یہ ہمارا باغ نہیں ہے۔ ہم تو راستہ بھول گئے ہیں۔" (فلما رأوها قالوا انا لضالون)۔

'ضالون' سے مراد ممکن ہے باغ کا راستہ بھول جانا ہو جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، یا راہ حق کو بھول جانا اور گمراہ ہو جانا ہو جیسا کہ بعض نے احتمال دیا ہے۔ لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پھر انھوں نے مزید کہا: "بلکہ ہم درحقیقت میں محروم ہیں۔" (بل نحن محرومون)۔

ہم چاہتے تھے کہ مساکین اور ضرورت مندوں کو محروم کریں لیکن ہم تو خود سب سے زیادہ محروم ہوگئے ہیں، مادی منافع سے بھی محروم ہو گئے ہیں اور معنوی برکات سے بھی کہ جو راہ خدا میں خرچ کرنے اور حاجت مندوں کو دینے سے ہمارے ہاتھ آتیں۔

* * *

"اس اثنا میں ان میں سے ایک جو سب سے زیادہ عقلمند تھا، اس نے کہا: "کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم خدا کی تسبیح کیوں نہیں کرتے۔" (قال اوسطھم الم اقل لکم لولا تسبحون)۔

کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ خدا کو عظمت کے ساتھ یاد کرو اور اس کی مخالفت سے بچو، اس کی نعمت کا شکر بجا لاؤ اور حاجت مندوں کو اپنے اموال سے بہرہ مند کرو! لیکن تم نے میری بات کو توجہ سے نہ سنا اور بدبختی کے گڑھے میں جا گرے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک مرد مومن تھا جو انھیں بخل اور حرص سے منع کیا کرتا تھا۔ چونکہ وہ اقلیت میں تھا لہٰذا کوئی بھی اس کی بات پر کان نہیں دھرتا تھا۔ لیکن اس دردناک حادثہ کے بعد اس کی زبان کھل گئی۔ اس کی منطق زیادہ تیز اور زیادہ کاٹ کرنے والی ہوگئی۔ اور وہ انھیں مسلسل ملامت اور سرزنش کرتا رہا۔

* * *

وہ بھی ایک لمحہ کے لیے بیدار ہوگئے اور انھوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا: انھوں نے کہا: ہمارا پروردگار پاک اور منزہ ہے۔ یقیناً ہم ہی ظالم و ستمگر تھے۔ ہم نے اپنے اوپر بھی ظلم کیا اور دوسروں پر بھی"۔ (قالوا سبحان ربنا انا کنا ظالمین)۔

"اوسط" کی تعبیر جو گزشتہ آیت میں آئی ہے، اس شخص کے معنی میں ہے جو عقل و خرد اور علم و دانش کے اعتبار سے سرحد اعتدال میں ہو، بعض نے اسے سن و سال میں متوسط کے معنی میں لیا ہے۔ لیکن یہ معنی بہت بعید نظر آتا ہے۔ کیونکہ سن و سال اور اس قسم کی پُر معنی گفتگو کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔ البتہ عقل و خرد اور اس قسم کی باتوں کے درمیان ارتباط ہے۔

"لولا تسبحون" (تم خدا کی تسبیح کیوں نہیں کرتے) کی تعبیر اس بناء پر ہے کہ تمام نیک اعمال کا ریشہ اور اصل، ایمان، معرفت خدا اور تسبیح و تنزیہ خدا ہے۔

بعض نے تسبیح خدا کا معنی شکر نعمت کیا ہے، جس کا لازمہ محروموں کو بہرہ مند کرنا اور فائدہ پہنچانا ہے۔ لیکن یہ دونوں تفاسیر ایک دوسرے کے ساتھ منافات نہیں رکھتیں اور آیت کے مفہوم میں جمع ہیں۔

لیکن گناہ کے اعتراف سے پہلے ان کی تسبیح ممکن ہے اس بناء پر ہو کہ وہ یہ چاہتے ہوں کہ یہ بلائے عظیم

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جو ان کے باغ پر نازل ہوئی اور جس نے اسے نابود کر دیا ہے خدا کو اس میں ہر قسم کے ظلم و ستم سے منزہ کہیں اور یہ کہیں کہ خداوندا یہ ہم ہی تھے جنہوں نے خود اپنے اوپر اور دوسروں پر ظلم کیا، اور اس قسم کے دردناک عذاب کے مستحق ہوئے ہیں، لیکن تیرا کام عین عدالت و حکمت ہے۔

قرآن کی بعض محل آیات میں بھی اپنے ظلم کا اقرار کرنے سے پہلے یہی تسبیح نظر آتی ہے جیسا کہ حضرت یونس کی داستان میں آیا ہے۔ جب وہ اس عظیم مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو کہا: لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین، تیرے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔ تو منزہ ہے میں ہی ظالموں اور ستمگروں میں سے تھا" (انبیاء/۸۷)

البتہ اس عظیم پیغمبرؑ کے بارے میں ظلم ترک اولیٰ کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ تفسیر نمونہ جلد ۱۴ میں ہم اس آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

* * *

لیکن مطلب یہیں پر ختم نہیں ہو گیا: "انھوں نے ایک دوسرے کی طرف رُخ کیا اور ایک دوسرے کو ملامت و سرزنش کرنے لگے۔ (فاقبل بعضھم علٰی بعض یتلاومون)۔

احتمال یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی خطا کے اعتراف کے باوجود اصلی گناہ کو دوسرے کے کندھے پر ڈالتا اور شدت کے ساتھ اس کو سرزنش کرتا تھا کہ ہماری بربادی کا اصل عامل تو ہے! ورنہ ہم خدا اور عدالت سے اس قدر بیگانہ نہیں تھے۔

ہاں! تمام ظالموں کی سرنوشت کہ جو عذاب الٰہی کے چنگل میں گرفتار ہوتے ہیں، اسی طرح ہے کہ گناہ کا اعتراف کرنے کے باوجود ہر ایک کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی بدبختی کا عامل دوسرے کو شمار کرے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس قسم کے مواقع پر ایک آدمی تجویز پیش کرتا ہے، دوسرا تائید کرتا ہے، تیسرا اس کا اجراء اپنے ذمہ لیتا ہے اور چوتھا اپنے سکوت اور خاموشی کے ذریعے اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ یہ سب کے سب شریک جرم اور گناہ میں پورا پورا دخل رکھتے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ جب وہ اپنی بدبختی کی انتہا سے آگاہ ہوئے تو ان کی فریاد بلند ہوئی اور انھوں نے کہا، "وائے ہو ہم پر کہ ہم ہی سرکشی اور طغیان کرنے والے تھے" (قالوا یاویلنا انا کنا طاغین)۔

انھوں نے پہلے مرحلہ میں تو ظلم و ستم کا اعتراف کیا اور یہاں طغیان و سرکشی کا اعتراف ہے۔ حقیقت میں طغیان ظلم سے بالاتر ایک مرحلہ ہے، کیونکہ ظالم ممکن ہے اصل قانون کو قبول کرے لیکن ہوائے نفس کے زیر اثر ہو کر ظلم و ستم کرے۔ لیکن طغیان کرنے والا تو اصلاً قانون کے زیر بار ہی نہیں ہوتا اور اسے قانون کی حیثیت سے تسلیم ہی نہیں کرتا۔

یہ احتمال بھی ہے کہ ظلم تو اپنے اوپر ظلم کرنے کی طرف اشارہ ہو اور طغیان "دوسروں کے حق میں تجاوز کرنے" کی طرف اشارہ ہو۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ عرب جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے یا کسی چیز سے نفرت کا اظہار کرنا چاہتے تھے تو کبھی "ویس" کہتے تھے اور کبھی 'ویح' اور کبھی 'ویل' جن میں سے پہلا مصیبت میں خفیف، دوسرا زیادہ شدید اور تیسرا سب سے زیادہ شدید ہے اور یہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ باغ والے اپنے آپ کو شدید ترین سرزنش کا مستحق سمجھتے تھے۔

* * *

انجام کار انھوں نے اس بیداری، گناہ کے اعتراف اور خدا کی طرف بازگشت کے بعد اس کی بارگاہ کی طرف مراجعہ کیا اور کہا۔ "امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش دے گا اور ہمیں اس سے بہتر باغ عطا فرمائے گا" (عسٰی ربنا ان یبدلنا خیرًا منہا)۔

"کیونکہ ہم نے اس کی طرف رُخ کر لیا ہے اور اس کی پاک ذات کے ساتھ لو لگالی ہے۔ لہٰذا اس مشکل کا حل بھی اسی کی بے پایاں قدرت سے طلب کرتے ہیں" (انا الٰی ربنا راغبون)[1]

کیا یہ گروہ واقعاً اپنے فعل پر پشیمان ہو گیا تھا، اس نے اپنے طرز عمل میں تجدید نظر کر لی تھی اور قطعی اور پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر خدا نے ہمیں آئندہ اپنی نعمتوں سے نوازا تو ہم اس کے شکر کا حق ادا کریں گے؟ یا وہ بھی بہت سے ظالموں کی طرح کہ جب وہ عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں تو وقتی طور پر بیدار ہو جاتے ہیں لیکن جب عذاب ختم ہو جاتا ہے تو وہ دوبارہ انھیں کاموں کی تکرار کرنے لگتے ہیں۔

اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعد والی آیت کے لب و لہجہ سے اجمالی طور پر جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی توبہ شرائط کے جمع نہ ہونے کی بنا پر قبول نہیں ہوئی۔ لیکن بعض روایات میں آیا ہے کہ انھوں نے خلوص نیت کے ساتھ توبہ کی، خدا نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا اور انھیں اس سے بہتر باغ عنایت کیا جس میں خاص طور پر بڑے بڑے خوشوں والے انگور کے پُرمیوہ درخت تھے۔

* * *

آخری زیر بحث آیت میں کلی طور پر نتیجہ نکالتے ہوئے سب کے لیے ایک درس کے عنوان سے فرماتا ہے: "خدا کا عذاب اس طرح کا ہوتا ہے اور اگر وہ جانیں تو آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے" (کذالک العذاب ولعذاب الأخرة اکبر لوکانوا یعلمون)۔

اگر تم بھی مال و ثروت اور مادی وسائل کی بنا پر مست و مغرور ہو گئے، ذخیرہ طلبی کی رُوح نے تم پر غلبہ کر لیا، ہر چیز کو اپنے لیے ہی طلب کرنے لگو اور حاجت مندوں کو محروم کر دو تو تمھاری سرنوشت بھی ان سے بہتر نہیں،

---

[1] "راغبون" "رغبت" کے مادہ سے ہے۔ یہ مادہ جب 'الٰی' یا 'فی' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے تو کسی چیز کی طرف تمایل کے معنی دیتا ہے۔ جب 'عن' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے کسی چیز سے انحراف اور بے اعتنائی کے معنی میں ہوتا ہے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوگی۔ البتہ وہ ایک روز تھا کہ "صاعقہ" (بجلی) آئی اور اس نے اس باغ کو آگ لگا دی۔ آج ممکن ہے کچھ اور آفتیں ہوں یا گھروں اور آبادیوں کو جلا دینے والی علاقائی یا عالمی جنگیں ان نعمتوں کو تباہ و برباد کر دیں۔

* * *

چند نکات

۱: انحصار طلبی: ثروت مندوں کی بہت بڑی مصیبت

انسان خواہ مخواہ مال دُنیا سے لگاؤ رکھتا ہے، کیونکہ اس کی زندگی کا گزارہ اسی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور یہ لگاؤ اعتدال کی حد میں مذموم نہیں ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ضرورت مندوں کو بھی اپنے اموال میں شریک کرے۔ نہ صرف الٰہی حقوق واجبہ کو ادا کرے بلکہ مستحب انفاق سے بھی ہاتھ نہ روکے۔

خصوصاً باغ اور زراعت کے بارے میں اسلامی روایات میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ حاضر آنے والے ضرورتمندوں کو ایک حصہ دیں، جو آیہ شریفہ (واٰتوا حقہ یوم حصادہ) اس کا حق فصل کاٹنے کے وقت دے دو، (انعام ۱۴۱) سے اقتباس کرتے ہوئے حق الحصاد کے عنوان سے مشہور ہوا ہے۔ وہ ایک ایسا حق ہے جو زکوٰۃ معروف کے حق سے الگ ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جو پھل توڑنے یا زراعت کاٹنے کے موقع پر حاضر آنے والے ضرورتمندان کو دی جاتی ہے اور اس کی کوئی حد معیّن نہیں ہے۔[1]

لیکن جب مال و ثروت سے لگاؤ افراط اور انحراف کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے تو انحصار طلبی کی صورت اختیار کر لیتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات اپنے لیے کسی چیز کی ضرورت نہ ہونے کے باوجود وہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس سے محروم رہیں۔ یہ وہ عظیم مصیبت ہے، خصوصیت کے ساتھ جس کے آج بھی انسانی معاشروں میں بہت سے نمونے موجود ہیں اور اس کو ایک قسم کی خطرناک بیماری شمار کیا جا سکتا ہے۔

باغ والوں کی داستان جو اوپر والی آیات میں بیان کی گئی ہے ثروت مندوں کے ایک گروہ کے انحصار طلبی کے جذبہ کی واضح طور پر تصویر کشی کرتی ہے۔ یعنی وہ کس طرح سے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔ ضرورت مندوں کے محروم کرنے کے لیے منصوبہ بناتے ہیں۔ اور ان کی نظریں بچا کر عظیم منافع اور بڑے بڑے فوائد حاصل کرتے ہیں، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان محروموں کی آہ جلانے والی بجلیوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور ان انحصار طلب ثروت مندوں کے خرمن زندگی کو آگ لگا دیتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ یہ بجلیاں انقلابوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں اور جس چیز کو وہ باور نہیں کرتے تھے اسے اپنی آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں۔ ان کی آہ و فریاد آسمان

---

[1] اس موضوع سے مربوط روایات کو وسائل الشیعہ کی جلد ۶ ابواب زکوٰۃ الغلات باب ۱۳ میں اور سنن بیہقی جلد ۴ ص ۱۳۳ میں مطالعہ فرمائیں۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تک بلند ہوتی ہے اور وہ گزشتہ خطاؤں اور گناہوں سے توبہ اور تلافی کا دم بھرتے ہیں لیکن معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔

* * *

۲ : گناہ اور قطع رزق کے درمیان رابطہ

اوپر والی آیات سے ضمنی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اور قطع رزق کے درمیان قریبی رابطہ ہے۔ اسی لیے ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے آیا ہے :

"ان الرجل لیذنب الذنب فیدرأ عنه الرزق وتلا هذه الأیة : اذ اقسموا لیصرمنها مصبحین ولا یستثنون فطاف علیها طائف من ربك وهم نائمون۔

"بعض اوقات انسان گناہ کرتا ہے تو اس کی روزی منقطع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد امام نے اوپر والی آیات کی تلاوت کی :

"جب ان لوگوں نے یہ قسم کھائی کہ ہم صبح سویرے پھلوں کو توڑ لیں گے اور اپنے سوا کسی کو بھی اس سے فائدہ نہیں اٹھانے دیں گے، لیکن اس وقت کہ جب وہ سوئے ہوئے تھے تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بلا اس باغ پر مسلط ہو گئی اور اسے نابود کر دیا۔"[1]

ابن عباس سے بھی یہ نقل ہوا ہے کہ گناہ اور روزی کے منقطع ہونے کا ربط سورج سے بھی زیادہ واضح ہے جیسا کہ خدا نے اسے سورۂ ن والقلم کی زیر بحث آیت میں بیان فرمایا ہے۔[2]

* * *

---

[1] تفسیر نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۹۵ (حدیث ۳۲)

[2] تفسیر المیزان جلد ۲۰ ص ۳۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۴ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝

۳۵ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝

۳۶ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝

۳۷ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝

۳۸ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۝

۳۹ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ۝

۴۰ سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ۝

۴۱ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ۝

ترجمہ

۳۴ پرہیزگاروں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس جنت کے پُرنعمت باغات ہیں۔

۳۵ کیا ہم مومنین کو مجرمین کی طرح قرار دے دیں؟

۳۶ تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کس قسم کے فیصلے کرتے ہو؟

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۳۷) کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے کہ جس سے تم درس پڑھتے ہو؟

(۳۸) کیا جسے تم انتخاب کرتے ہو وہ تمھارے لیے مخصوص ہے؟

(۳۹) یا تم نے قیامت کے دن تک کے لیے کوئی تاکیدی عہد وپیمان لے لیا ہے کہ جو کچھ تم اپنے نفع کے لیے اختیار کروگے وہ اسے تمھارے لیے قرار دے دے گا؟

(۴۰) ان سے پوچھ لیجئے ان میں سے کون اس قسم کی چیز کی ضمانت لیتا ہے؟

(۴۱) یا ان کے ایسے معبود ہیں (جنھیں انھوں نے خدا کا شریک قرار دیا ہے) اور وہ ان کے لیے شفاعت کرتے ہیں۔ اگر وہ سچ کہتے ہیں تو اپنے معبودوں کو سامنے لائیں۔

تفسیر

مکمل باز پرس

ہم جانتے ہیں کہ قرآن کی روش اور طریقہ یہ ہے کہ بُروں اور اچھوں کے حالاتِ زندگی کو ایک دوسرے کے مقابل لاتا ہے تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ میں بہتر طور پر پہچانے جائیں۔ یہ طریقہ تربیتی لحاظ سے بہت ہی مؤثر ہے۔

اسی روش کے مطابق "اصحاب الجنۃ" (سرسبز وشاداب باغ والوں) دردناک سرگزشت کے ذکر کے بعد، جو گزشتہ آیات میں گزری ہے، پرہیزگاروں کا حال بیان کرتے ہُوئے کہتا ہے: "پرہیزگاروں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس جنت کے پُرنعمت باغ ہیں" (ان للمتقین عند ربھم جنات النعیم)۔

جنت کے ایسے باغات، جن میں ہر وہ نعمت جس کا تصور کیا جائے اس کی کامل ترین نوع موجود ہے۔ اس کے علاوہ وہ نعمتیں بھی ہوں گی جو کسی انسان کے خواب وخیال میں بھی نہ آئی ہوں گی۔

چونکہ مشرکین اور ثروت مندوں کی ایک جماعت خود خواہ تھی، جن کا دعویٰ یہ تھا کہ جس طرح دنیا میں ہماری حالت بہتر اور اعلیٰ ہے اسی طرح قیامت میں بھی بہت اچھی ہوگی۔ خدا نے بعد والی آیت میں ان کا شدت کے ساتھ مواخذہ کیا ہے کہ فرماتا ہے: "کیا ہم مومنین کو جو حق وعدالت کے آگے سرِتسلیم خم کرتے ہیں،

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas
www.ziaraat.com jabir.abbas@yahoo.com Sabeel-e-Sakina

Presented by: Rana Jabir Abbas

مشرکین اور مجرمین کی مانند قرار دیں گے"۔ (افنجعل المسلمین کالمجرمین)۔

* * *

تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ یہ تم کس طرح کے فیصلے کرتے ہو؟؟ (مالکم کیف تحکمون)۔

کیا کوئی عقلمند انسان یہ باور کرلے گا کہ عادل و ظالم، مطیع و مجرم، ایثار گر اور انحصار طلب کی سرنوشت ایک جیسی ہو گی؟ وہ بھی اس خدا کی بارگاہ میں جس کے سارے کام بچے تلے اور حکیمانہ نظام کے ماتحت ہوتے ہیں۔

سورہ حٰم سجدہ کی (آیت ۵۰) میں بھی اسی قسم کے افراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: (و لئن اذقناہ رحمۃ منا من بعد ضراء مستہ لیقولن ھٰذا لی وما اظن الساعۃ قائمۃ ولئن رجعت الی ربی ان لی عندہ للحسنٰی)۔

جب ہم اسے اپنی طرف سے تکلیف و پریشانی کے بعد رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ کہتا ہے: یہ میری شائستگی اور استحقاق کی بناء پر تھا اور میں گمان نہیں کرتا کہ کوئی قیامت برپا ہو گی۔ اگر بالفرض قیامت ہوئی بھی تو جس وقت میں اپنے پروردگار کے پاس لوٹوں گا تو میرے لیے اس کے پاس اچھے اجر اور اچھے بدلے ہی ہوں گے۔ ہاں یہ خود پسند اور مغرور گروہ دُنیا و آخرت کو اپنے لیے ہی مخصوص سمجھتا ہے۔

* * *

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اگر عقل و خرد نے اس قسم کے حکم میں تمھاری رہنمائی نہیں کی ہے تو کیا اس پر کوئی "نقلی" دلیل تمھارے پاس ہے؟ کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے کہ جس سے تم درس لیتے ہو؟" (ام لکم کتاب فیہ تدرسون)۔

"کہ جسے تم انتخاب کرتے ہو اور اس کی طرف میلان رکھتے ہو وہ تمھارے لیے مخصوص ہے"۔ (ان لکم فیہ لما تخیرون)[1]

تم یہ توقع رکھتے ہو کہ تم جیسے مجرم بھی مسلمانوں کے ہم پلّہ ہو جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسی بات ہے کہ جس کا نہ عقل حکم کرتی ہے اور نہ ہی کسی معتبر کتاب میں آئی ہے۔

* * *

بعد والی آیت میں بات کو اس طرح جاری رکھے ہوئے ہے:

"اگر تمھارے پاس عقل و نقل سے کوئی مدرک اپنے دعوے کے لیے نہیں ہے تو کیا تم نے کوئی تاکیدی

---

[1] "ان لکم ..." کا جملہ "تدرسون" کا مفعول ہے۔ قاعدہ کی رو سے ان کو ہمزہ کی زبر کے ساتھ پڑھا جانا چاہیے لیکن لام کی مناسبت سے جو "ان" کے اسم کے اوپر آئی ہے "ان" زیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کیونکہ فعل عمل کرنے سے معلق ہو جاتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عہدوپیمان ہم سے لے لیا ہے جو قیامت تک برقرار رہے گا کہ تم جو کچھ بھی اپنے نفع میں فیصلہ کرلو، اسے وہ تمھارے لیے قرار دے دے گا۔" (ام لکم ایمان علینا بالغۃ الیٰ یوم القیامۃ ان لکم لما تحکمون)۔

کون شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس نے خدا سے یہ عہدوپیمان لے لیا ہے کہ وہ جو چاہیں گے خدا اسے تسلیم کرلے گا، جو مقام ومنصب وہ چاہیں گے وہ بے چون وچرا ان کو دے دے گا؟ یہاں تک کہ مجرمین مسلمانوں کے ہم پلہ ہو جائیں۔[1]

* * *

پھر انھیں سوالات کو جاری رکھتے ہوئے، جو ہر طرف سے ان پر راستوں کو بند کر رہے ہیں مزید کہتا ہے:

"ان سے پوچھ لیجیے کہ ان میں سے کون اس بات کا ضامن ہے کہ مجرمین اور مومنین برابر ہیں یا جو کچھ وہ چاہتے ہیں خدا ان کے اختیار میں دے دے گا۔" (سلھم ایھم بذالک زعیم)۔

* * *

آخری مرحلہ میں ان سے ایک عجیب سوال کرتے ہوئے فرماتا ہے: "یا ان کے ایسے معبود ہیں جو خدا کے ہاں ان کی شفاعت وحمایت کریں گے۔ اگر وہ سچ کہتے ہیں تو ان کو سامنے لائیں اور ان کا تعارف کرائیں": (ام لھم شرکاء فلیأتوا بشرکائھم ان کانوا صادقین)۔

کیا ان کے پاس کوئی معمولی سے معمولی دلیل ہے کہ یہ بے قدروقیمت اور بے شعور جمادات خدا کے شریک ہیں اور اس کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہاں شرکاء کو شہداء (گواہوں) کے معنی میں لیا ہے۔

اس طرح اوپر والی آیات کے مجموعہ سے یکجائی طور پر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ انھیں اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے، کہ وہ مومنین کے ہم پلہ بلکہ ان سے افضل وبرتر ہیں، چار میں سے کسی ایک وسیلہ کے ساتھ متمسک ہونا پڑے گا۔ یا عقل سے کوئی دلیل یا آسمانی کتابوں میں سے کوئی کتاب، یا خدا کی طرف سے کوئی عہدوپیمان، یا شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اور گواہوں کی گواہی۔ چونکہ ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے اس بناء پر مذکورہ دعویٰ کلی طور پر بے بنیاد اور بے قدروقیمت ہے۔

---

[1] "بالغۃ" کے لفظ کی تفسیر مؤکد کے معنی میں اور بعض نے جاری ومسلسل کے معنی میں کی ہے۔ لیکن دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے۔ اس بناء پر (الیٰ یوم القیامۃ) کا جار ومجرور اس کے متعلق ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴۲ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝

۴۳ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ۝

۴۴ فَذَرْنِي وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝

۴۵ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝

ترجمہ

۴۲ اس دن کو یاد کرو جس میں پاؤں کی پنڈلی وحشت سے برہنہ ہو جائے گی اور انھیں سجدے کی دعوت دی جائے گی لیکن وہ اس پر قادر نہیں ہوں گے۔

۴۳ حالت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں (ندامت اور شرمساری کی شدت سے) نیچے ہوں گی اور ذلت و خواری نے ان کے وجود کو گھیر رکھا ہوگا۔ انھیں اس سے پہلے بھی جبکہ وہ صحیح و سالم تھے سجدے کی دعوت دی جایا کرتی تھی۔ (لیکن آج تو ان میں اس کی توانائی ہی نہ ہوگی۔)

۴۴ جو لوگ اس بات کی تکذیب کرتے ہیں، مجھے ان کے لیے رہنے دے۔ ہم انھیں ایسی جگہ سے جسے وہ نہیں جانتے تدریجاً عذاب کی طرف لے جائیں گے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۴۵) اور میں انھیں ڈھیل دیتا رہوں گا، کیونکہ میرے منصوبے محکم اور دقیق ہیں۔

تفسیر

اس دن سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن قادر نہ ہوسکیں گے۔

گزشتہ آیات کے بعد جن میں مشرکوں اور مجرموں سے سخت بازپرس کی گئی تھی، زیربحث آیات میں قیامت میں ان کی سرنوشت کے ایک گوشہ کی نشان دہی کر رہا ہے، تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ خودخواہ اور بڑے بڑے دعوے کرنے والا گروہ، کس قدر ذلیل و خوار ہوگا۔

فرماتا ہے: "اس دن کو یاد کرو جس دن پنڈلیاں خوف و وحشت سے برہنہ ہو جائیں گی اور انھیں سجدہ کی دعوت دی جائے گی لیکن وہ اس پر قادر نہیں ہوں گے۔" (یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون)۔[1]

"یکشف عن ساق" (پنڈلیاں برہنہ ہو جائیں گی) کا جملہ مفسرین کی ایک جماعت کے قول کے مطابق ہول و وحشت کی شدت اور معاملہ کی سنگینی سے کنایہ ہے کیونکہ عربوں کے درمیان یہ معمول تھا کہ جب کوئی کسی مشکل کام سے دوچار ہوتا تھا تو وہ اپنا دامن کمر پر ڈال دیتا اور پنڈلیاں برہنہ کر دیتا تھا۔ اسی لیے جب مشہور مفسر ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا: جب تمھیں قرآن میں سے کوئی بات مخفی دکھائی دے تو اشعار میں عربوں کی تعبیرات کی طرف رجوع کرو۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ ایک شاعر کہتا ہے:

"وقامت الحرب بنا علی ساق"

"جنگ نے ہمیں پاؤں کی پنڈلی پر لا کھڑا کیا"

جو جنگ کے بحران کی شدت سے کنایہ ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ "ساق" کسی چیز کی اصل اور بنیاد کے معنی میں ہے جیسے درخت کا تنا۔ اس بناء پر "یکشف عن ساق" یعنی اس دن ہر چیز کی جڑیں اور ریشے آشکار ہو جائیں گے لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب

---

[1] "یوم" ظرف ہے اور ایک محذوف سے متعلق ہے اور تقدیر میں اذکروا یوم... ہے۔ بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ "فلیأتوا" سے متعلق ہے جو گزشتہ آیت میں آیا ہے، لیکن یہ معنی بعید نظر آتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور صحیح ہے۔

ہاں! اس دن سب کو پروردگار کے سامنے سجدہ اور خضوع کی دعوت دی جائے گی۔ مومنین تو سجدے میں گر پڑیں گے لیکن مجرموں میں سجدہ کی قدرت نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ غلط جذبات و نظریات جو دنیا میں ان کے وجود میں راسخ ہو چکے ہوں گے وہ اس دن ظاہر ہو جائیں گے اور اس بات سے مانع ہوں گے کہ وہ خدا کی پاک ذات کے سامنے کمر کو خم کریں۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ قیامت کا دن تکلیف اور ذمہ داریوں کا دن نہیں ہے تو پھر سجدہ کی دعوت کس بنا پر ہوگی؟

اس سوال کا جواب اس تعبیر سے حاصل کیا جا سکتا ہے جو احادیث میں آئی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے:

"قیامت میں نور الہٰی سے حجاب اٹھا دیا جائے گا اور مومنین اس کی عظمت کی بنا پر سجدہ میں گر پڑیں گے۔ لیکن منافقین کی پشت ایسی سخت ہو جائے گی کہ ان میں سجدہ کرنے کی قدرت نہ رہے گی۔[1]

دوسرے لفظوں میں اس دن خدا کی عظمت آشکار ہو جائے گی۔ یہ عظمت مومنین کو سجدہ کی دعوت دے گی لہٰذا وہ سجدہ میں گر پڑیں گے۔ لیکن کفار اس سعادت سے محروم رہ جائیں گے۔

* * *

بعد والی آیت کہتی ہے: "حالت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں شدت ندامت و شرمساری سے نیچے کی طرف جھکی ہوئی ہوں گی اور ذلت و خواری نے ان کے تمام وجود کو گھیر رکھا ہوگا۔" (خاشعة ابصارهم ترهقهم ذلة)۔[2]

مجرم افراد کے خلاف جب کسی عدالت میں فیصلہ ہو جاتا ہے تو عام طور پر وہ اپنا سر نیچے کر لیتے ہیں اور ذلت و خواری ان کے سارے وجود کو گھیر لیتی ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "انھیں اس سے پہلے دار دنیا میں جبکہ وہ صحیح و سالم تھے سجدہ کی دعوت دی جاتی تھی۔" (وقد کانوا یدعون الی السجود وهم سالمون)۔

لیکن انہوں نے بالکل سجدہ نہ کیا اور استکبار، سرکشی اور روگردانی کی روح کو اپنے ساتھ ہی میدان قیامت تک لے آئے، اس حالت میں ان میں سجدہ کرنے کی قدرت کیسے ہوگی۔

واضح ہے کہ دنیا میں سجدہ کی دعوت نماز کے موقع پر اذان دینے والوں کے پیام کے ذریعہ اور نماز جماعت

---

[1] نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۹۵ حدیث ۴۹

[2] "ترهقهم" "رهق" (بروزن شفق) کے مادہ سے چھپانے اور گھیر لینے کے معنی میں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے اجتماعات میں اور قرآن کی آیات، پیغمبرؐ اور آئمہ معصومینؑ کی احادیث کے ذریعہ بھی صورت پذیر ہوتی تھی۔ لہٰذا یہ دعوۃ ایک وسیع و عریض مفہوم رکھتی ہے جو ان سب کو شامل ہے۔

* * *

اس کے بعد روئے سخن پیغمبرؐ کی طرف کرتے ہوئے کہتا ہے: "مجھے اس بات (یعنی قرآن) کی تکذیب کرنے والوں کے لیے رہنے دے۔ میں ان سب کا حساب کتاب چکاوں گا" (فذرنی ومن یکذب بھذا الحدیث)۔
یہ خداوند قادر و قہار کی طرف سے ایک شدید اور سخت تہدید ہے کہ پیغمبرؐ سے کہتا ہے تمھیں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے، ان ہٹ دھرم، سرکش اور جھٹلانے والوں کے لیے مجھے ہی رہنے دے تاکہ وہ جس چیز کے مستحق ہیں میں وہ انھیں دے دوں۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ یہ بات وہ خدا کہہ رہا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔
یہ تعبیر ضمنی طور پر دشمنوں کی کارشکنیوں اور سازشوں کے مقابلہ میں پیغمبرؐ اور مومنین کی دلداری اور قوتِ قلب کا سبب ہے۔
اس کے بعد مزید کہتا ہے: "ہم عنقریب انھیں ایسی جگہ سے جسے وہ نہیں جانتے تدریجاً عذاب کی طرف لے جائیں گے۔" (سنستدرجھم من حیث لا یعلمون)۔

* * *

"اور میں انھیں مہلت دیتا رہوں گا اور ان کے عذاب میں جلدی نہ کروں گا۔ کیونکہ میرے منصوبے مستحکم اور دقیق ہیں اور میرا عذاب شدید ہے" (واملی لھم ان کیدی متین)۔
ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے آیا ہے:
"اذا احدث العبد ذنبا جدد لہ نعمۃ، فیدع الاستغفار فھو الاستدراج"
"بعض اوقات جب سرکش بندے گناہ کرتے ہیں تو خدا انھیں نعمت دیتا ہے اور وہ اپنے گناہ سے غافل ہو جاتے اور توبہ کو بھول جاتے ہیں۔ یہی استدراج اور تدریجی بلا و عذاب ہے۔"[1]
یہ حدیث اور بعض دوسری احادیث جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا بعض اوقات معاند اور ہٹ دھرم بندوں کی سزا اور عذاب کے لیے ان گناہوں کے مقابلہ میں جنھیں وہ انجام دیتے ہیں انھیں نعمت عطا کرتا ہے تو وہ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ یہ لطفِ الٰہی ہے جو ان کی شائستگی اور لیاقت کی بناء پر ان کے شاملِ حال ہوا ہے۔ لہٰذا وہ غرور اور غفلت میں غرق ہو جاتے ہیں لیکن پھر اچانک خدا ان کی گرفت کر لیتا ہے اور ناز و نعمت سے نکال کر انھیں عذاب و بلا کے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔ یہ عذاب کی دردناک ترین

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۴۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سکل ہے۔

البتہ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو طغیان و سرکشی کو اس کی آخری حد تک پہنچا دیتے ہیں لیکن وہ افراد جو ابھی اس حد تک نہیں پہنچے، خدا ان کے گناہوں کے مقابلہ میں ان کی گوشمالی اور تنبیہ کرتا ہے۔ پھر یہی چیز ان کی بیداری اور توبہ کا سبب بن جاتی ہے اور یہ ان کے حق میں لطفِ خدا ہے۔

دوسرے لفظوں میں جب انسان گناہ کرتا ہے تو وہ تین حالتوں سے باہر نہیں ہوتا، یا وہ خود ہی متوجہ ہو جاتا ہے اور واپس پلٹ آتا ہے، یا خدا اسے ابتلاء کا تازیانہ لگاتا ہے تاکہ وہ بیدار ہو جائے، یا وہ اس میں ان دونوں کے لیے کبھی میں بھی شائستگی نہیں ہوتی اور خدا بلاء و مصیبت کی بجائے اسے نعمت بخشتا ہے۔ پس یہ وہی "عذابِ استدراج" ہے جس کی طرف آیاتِ قرآنی میں اس تعبیر کے ساتھ یا دوسری تعبیروں کے ساتھ اشارہ ہوا ہے۔

لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ خدائی نعمتوں کی فراوانی کے موقع پر یہ دیکھے کہ کہیں امر جو ظاہر میں نعمت ہے، "عذابِ استدراج" ہی نہ ہو۔ اسی وجہ سے بیدار مغز مسلمان ایسے موقعوں پر سوچ میں پڑ جاتے ہیں اور اپنے اعمال کی دیکھ بھال کرتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام صادقؑ کے اصحاب میں سے ایک نے عرض کیا، میں نے خدا سے مال طلب کیا تو اس نے مجھے مال عطا کیا۔ میں نے اس سے اولاد طلب کی تو اس نے مجھے اولاد بخشی میں نے اس سے گھر طلب کیا تو اس نے مجھے گھر مرحمت فرمایا۔ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ استدراج ہو۔ امامؑ نے فرمایا:

آگر یہ سب کچھ حمد و شکرِ الٰہی کے ساتھ ہو تو پھر یہ استدراج نہیں ہے، (نعمت ہے)۔ [1]

املی لھم (میں انہیں مہلت دیتا رہوں گا) کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا ظالموں کی سزا میں عجلت اور جلد بازی سے کام نہیں لے گا۔ کیونکہ جلد بازی تو وہ کرتا ہے جسے فرصت کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہو لیکن خداوند قادر متعال جس وقت اور جو بھی ارادہ کرے وہ صورت پذیر ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ سے فرصت کے نکل جانے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ بہرحال یہ تمام ظالموں اور سرکشوں کو ایک تنبیہ ہے کہ سلامتی نعمت اور امن و امان ہرگز انہیں مغرور نہ کرنے پائے اور وہ ہر گھڑی و ہر لحظہ خدا کے شدید عذاب کے منتظر رہیں۔

---

[1] اصول کافی بہ نقل نور الثقلین جلد ۵ ص ۳۹۷
عذابِ استدراج کے سلسلہ میں ہم نے تفسیر نمونہ جلد ۳ (سورۂ اعراف کی آیت ۱۸۲ کے ذیل میں اور سورۂ آلِ عمران کی آیہ ۱۷۸ کے ذیل میں) بالتفصیل بیان کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۴۶) اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝

(۴۷) اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝

(۴۸) فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝

(۴۹) لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝

(۵۰) فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

ترجمہ

(۴۶) یا تو ان سے کچھ اُجرت مانگتا ہے کہ جس کا ادا کرنا ان کے لیے سنگین ہے؟

(۴۷) یا ان کے پاس غیب کے اسرار ہیں کہ جنہیں وہ لکھتے رہتے ہیں (اور ایک دوسرے کو دیتے ہیں؟)

(۴۸) اب جبکہ ایسا ہے تو تم صبر کرو اور اپنے پروردگار کے حکم کے منتظر رہو اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ بنو (جس نے اپنی قوم پر عذاب کے لیے تقاضا کرنے میں جلد بازی کی اور ترکِ اولیٰ کی سزا میں گرفتار ہوا) جب کہ اس نے خدا کو پکارا اور وہ غم و اندوہ کی حالت میں تھا۔

(۴۹) اگر خدا کی رحمت اس کی مدد کے لیے نہ آئی ہوتی تو (مچھلی کے پیٹ سے) اس حال میں باہر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پھینکا جاتا کہ وہ مذموم ہوتا۔

(۵۰) لیکن اس کے پروردگار نے اس کو برگزیدہ کر لیا اور صالحین میں سے قرار دیا۔

تفسیر

عذاب کا تقاضا کرنے میں جلدی نہ کرو

وہی باز پرس جو گزشتہ آیات میں مشرکین اور مجرموں سے ہوئی تھی اسے جاری رکھتے ہوئے ان آیات میں دو اور سوالوں کا اضافہ کرتا ہے۔ پہلے کہتا ہے: "یا تو ان سے کچھ اجرت مانگتا ہے کہ جس کا ادا کرنا ان کے لیے سنگین ہے؟" (ام تسئلھم اجرا فھم من مغرم مثقلون)۔

اگر ان کا بہانہ یہ ہے کہ تیری دعوت کو سننے کے لیے مال کی ضرورت ہے، انھیں اس کے مقابلہ میں بہت اجرت دینا پڑے گی اور ان میں اتنی طاقت نہیں ہے، تو یہ بات بالکل جھوٹ ہے اور تو ان سے بالکل کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ ہی خدا کے پیغمبروں میں سے کسی اور پیغمبر نے کسی اجرت کا مطالبہ کیا ہے۔

"مغرم"۔ "غرامت" کے مادہ سے اس ضرر کے معنی میں ہے جو انسان کو کسی جرم یا خیانت کے بغیر پہنچتا ہے۔ اور "مثقل" "ثقل" کے مادہ سے سنگینی اور بوجھ کے معنی میں ہے۔ اس طرح سے بہانہ جوئی کرنے والے لوگوں کے ہاتھ سے ایک اور بہانہ چھین لیتا ہے۔

اوپر والی اور اس کے بعد والی آیت بعینہٖ سورۂ طور (کی آیہ ۴۰-۴۱) میں آئی ہے۔

* * *

اس کے بعد اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے: "یا ان کے پاس غیب کے اسرار ہیں کہ جنہیں وہ لکھتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف منتقل کرتے رہتے ہیں۔ گویا ان اسرار میں آیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ یکساں ہیں"۔ (ام عندھم الغیب فھم یکتبون)۔

یہ حقیقت میں بہت بعید احتمالات میں سے ایک احتمال ہے اور ممکن ہے کہ کفار اس بات سے متمسک ہوں۔ لہٰذا قرآن نے اسے بھی فروگزاشت نہیں کیا۔ یعنی کفار یہ دعویٰ کرنے لگیں کہ وہ کاہنوں کے ذریعہ عالم غیب کے ساتھ مربوط ہیں، اس ذریعہ سے اسرارِ غیب معلوم کرتے ہیں اور انھیں لکھ لیتے ہیں، پھر وہ ایک دوسرے کو دیتے رہتے ہیں۔ یعنی اس طریقہ سے انھوں نے مسلمانوں پر اپنی برتری یا کم از کم ان کے ساتھ اپنی مساوات اور برابری کو معلوم کر لیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یقیناً ان کے پاس اس قسم کے دعوے پر بھی کوئی دلیل نہیں تھی اور یہ جملہ استفہام انکاری کے معنی دیتا ہے۔ بعض نے جو یہ احتمال دیا ہے کہ غیب سے مراد لوح محفوظ ہے اور لکھنے سے مراد تقدیر و قضا ہے تو یہ بہت بعید نظر آتا ہے کیونکہ ان کا ہرگز یہ دعویٰ نہیں تھا کہ قضاء و قدر اور لوح محفوظ کا معاملہ ان کے ہاتھ میں ہے۔

چونکہ مشرکین اور دشمنان اسلام کی سختی اور بے عقلی بعض اوقات پیغمبرؐ کے دل کو ایسا دکھ پہنچاتی تھی کہ ممکن تھا آپ ان کے لیے بد دعا اور نفرین کر دیں۔ لہٰذا خدا نے بعد والی آیت میں اپنے پیغمبرؐ کو تسلی دی اور انھیں صبر و شکیبائی کا حکم دیا ہے۔ جیسے فرماتا ہے: "صبر کرو اور اپنے پروردگار کے حکم کے منتظر رہو"۔ (فاصبر لحکم ربک)۔

منتظر رہو یہاں تک کہ خدا تیری اور تیرے اصحاب کی کامیابی اور تیرے دشمنوں کی شکست کے اسباب فراہم کر دے۔ تم ان کے عذاب کے لیے ہرگز جلدی نہ کرنا۔ جان لو کہ یہ مہلت جو انھیں دی جا رہی ہے ایک قسم کا عذاب استدراج ہے۔

اس بناء پر "حکم ربک" سے مراد مسلمانوں کی کامیابی کے بارے میں خدا کا آخری فرمان ہے۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم پروردگار کے احکام کی تبلیغ کی راہ میں صبر و استقامت سے کام لو۔
یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ تمھارے پروردگار نے حکم دیا ہے لہٰذا تم صبر کرو۔ [1]
لیکن پہلی تفسیر سب سے مناسب ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اور مچھلی والے (یونسؑ) کی طرح نہ ہو جاؤ کہ جس نے اپنی قوم کے عذاب کے لیے جلدی کی اور ترک اولیٰ کی سزا میں گرفتار ہو گیا تھا" (ولا تکن کصاحب الحوت)۔
"جب اس نے مچھلی کے پیٹ کے اندر سے خدا کو پکارا اور وہ محبوس تھا اور اس کا سینہ غم و اندوہ سے بھرا ہوا تھا" (اذ نادیٰ وھو مکظوم)۔
ندا سے مراد وہی ہے جو سورۂ انبیاء کی آیت ۸۷ میں آیا ہے: فنادیٰ فی الظلمات ان لا الٰہ الّا انت سبحانک انی کنت من الظالمین: "اس نے تاریکیوں کے درمیان سے پکارا کہ تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ تو منزہ ہے۔ بیشک میں ستمگاروں میں سے تھا"۔ اس طرح اپنے ترکِ اولیٰ کا اعتراف کیا اور خدا سے عفو و بخشش کا تقاضا کیا۔

یہ احتمال بھی ہے کہ ندا سے مراد وہی نفرین و بد دعا ہو جو اپنی قوم کے لیے کی تھی جبکہ وہ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ لیکن مفسرین نے پہلی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں "نادیٰ"

---

[1] اس صورت میں "لحکم ربک" کا لام تعلیل کا لام ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی تعبیر اس تعبیر کے ساتھ ہم آہنگ ہے جو سورہ انبیاء کی آیت ۸۷ میں آئی ہے۔ وہ یقیناً اس زمانہ کے ساتھ مربوط ہے جب یونسؑ شکم ماہی میں محبوس تھے۔

بہر حال مکظوم "کظم" (بروزن ہضم) کے مادہ سے حلق کے معنی میں ہے اور "کظم سقاء" مشک کے بھر جانے پر اس کے منہ کو باندھنے کے معنی میں ہے۔ اسی مناسبت سے وہ لوگ جو بہت خشمگین یا غمناک ہوتے ہیں اور خود کو قابو میں رکھتے ہیں "کاظم" کہا جاتا ہے۔ پھر اسی مناسبت سے یہ لفظ حبس کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس بناء پر اوپر والی آیت میں مکظوم کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ غصے اور غم و اندوہ میں بھرے ہوئے ہونا یا شکم ماہی میں محبوس ہونا، لیکن پہلا معنی جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، زیادہ مناسب ہے۔

⁂

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "اگر اس کے پروردگار کی نعمت اور رحمت اس کی مدد کے لیے آگے نہ بڑھتی تو وہ مچھلی کے پیٹ سے اس حال میں باہر پھینکا جاتا کہ وہ قابلِ مذمت ہوتا"۔ (لولا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ لنبذ بالعراء وھو مذموم)[1]

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ آخر کار یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے ایک خشک بیاباں میں ڈالے گئے جسے قرآن "عراء" سے تعبیر کرتا ہے لیکن یہ اس حالت میں ہوا کہ خدا نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا اور اپنی رحمت کا مشمول قرار دے دیا تھا۔ وہ ہرگز لائقِ مذمت نہیں تھے۔

سورۂ صافات کی آیت ۱۴۵، ۱۴۶ میں بھی یہ آیا ہے: فنبذناہ بالعراء وھو سقیم وانبتنا علیہ شجرۃ من یقطین، "ہم نے اسے خشک اور خالی سرزمین میں پھینک دیا جبکہ وہ بیمار تھا اور کدو کی بیل اس کے اوپر اگا دی (تاکہ وہ اس کے لیے اور مرطوب پتوں کے سائے میں آرام کرے) اور ظاہراً اوپر والی آیت میں نعمت سے مراد وہی توبہ کی توفیق اور رحمت الٰہی کا شمول ہوا ہے۔

یہاں دو سوال سامنے آتے ہیں: پہلا یہ کہ سورۂ صافات کی آیت ۱۴۳، ۱۴۴ میں آیا ہے: فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون۔ "اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتا"۔ یہ بیان اس چیز کے ساتھ منافات رکھتا ہے جو زیر بحث آیت میں آئی ہے۔

اس سوال کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دو مختلف سزائیں تھیں۔ ایک زیادہ شدید اور دوسری زیادہ خفیف، یونسؑ کے انتظار میں تھیں۔ پہلی یہ کہ وہ دنیا کے ختم ہونے تک مچھلی کے پیٹ میں رہیں لیکن یہ تسبیح اور حمد الٰہی کی برکت سے برطرف ہو گئی۔ دوسری یہ کہ جب وہ شکم ماہی سے باہر آتے تو مذموم اور لطفِ خدا سے دور ہوتے۔ تو وہ سزا بھی

---

[1] نعمت کے مؤنث ہونے کے باوجود اس کا فعل (تدارک) مذکر کی صورت میں آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل مؤنث لفظی ہے اور فعل و فاعل کے درمیان ضمیر منفول ہیں فاصلہ ہو گیا ہے۔ (غور کیجئے)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پروردگار کی نعمت اور اس کی رحمتِ خاص کی برکت سے برطرف ہوگئی۔

دوسرا سوال یہ کہ سورۂ صافات کی آیت ۱۴۲ میں آیا ہے: فالتقمه الحوت وهو مليم: "ایک بہت بڑی مچھلی نے اُسے نگل لیا جبکہ وہ قابلِ ملامت تھا۔ لیکن زیرِ بحث آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کوئی مذمت اور ملامت نہیں تھی۔

اس سوال کا جواب بھی ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ملامت اس زمانہ کے ساتھ مربوط ہے جبکہ وہ نئے نئے مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تھے۔ لیکن مذمت کی برطرفی اس زمانہ کے ساتھ مربوط ہے جب انہوں نے توبہ کرلی اور خدا نے ان کی توبہ کو قبول کرلیا اور انھوں نے مچھلی کے پیٹ سے نجات پائی۔

٭ ٭ ٭

اسی لیے بعد والی آیت میں فرماتا ہے: "اس کے پروردگار نے اُسے چُن لیا اور اُسے صالحین میں سے قرار دیا" (فاجتباه ربه فجعله من الصالحين)۔

اس کے بعد انھیں نئے سرے سے اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مامور کیا۔ وہ ان کی طرف آئے وہ سب ایمان لے آئے اور خدا نے بہت زیادہ مدت تک انھیں زندگی کی نعمتوں سے بہرہ مند کیا۔

ہم نے یونس اور ان کی قوم کے قصے اور اسی طرح ان کے ترکِ اولیٰ سے مربوط دوسرے مسائل یعنی ان کا مچھلی کے پیٹ میں جانا اور مختلف سوالات جو اس سلسلہ میں درپیش ہیں تفصیل کے ساتھ تفسیر نمونہ جلد ۱۰ (سورۂ صافات کی آیت ۱۳۹ تا ۱۴۸ کے ذیل میں) اور اسی طرح تفسیر نمونہ جلد ۷ (سورۂ انبیاء کی آیت ۸۷، ۸۸ کے ذیل میں بیان کیے ہیں۔

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۵۱) وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝

(۵۲) وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ ۝

ترجمہ

(۵۱) قریب ہے کہ کفار آیات قرآن کو سن کر تجھے اپنی آنکھوں سے ہلاک کردیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔

(۵۲) درآنحالیکہ یہ (قرآن) عالمین کے لیے پیام بیداری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

تفسیر

وہ تجھے نابود کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کرسکتے۔

اوپر والی دونوں آیات جو سورۂ قلم کی آخری آیات ہیں حقیقت میں اسی چیز کو بیان کررہی ہیں جو اس سورہ کے آغاز میں دشمنوں کی طرف سے پیغمبرؐ کے لیے جنون کی نسبت کے سلسلہ میں آئی تھی۔

پہلے فرماتا ہے: "قریب ہے کہ کفار آیاتِ قرآن کو سن کر تجھے اپنی آنکھوں سے ہلاک کردیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو دیوانہ ہے"۔ (وان یکاد الذین کفروا لیزلقونك بابصارهم لما سمعوا الذکر ویقولون انه لمجنون)۔

"لیزلقونك" "زلق" کے مادہ سے پھسلنے اور زمین پر گرنے کے معنی میں ہے اور ہلاکت و نابودی سے کنایہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں گوناگوں نظریات پیش کیے گئے ہیں:

www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱: بہت سے مفسرین نے کہا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب دشمن قرآن کی باعظمت آیات کو تجھ سے سنتے ہیں تو وہ خشمگیں اور پریشاں ہو جاتے ہیں اور دشمنی کے ساتھ تیری طرف دیکھتے ہیں گویا چاہتے ہیں کہ تجھے اپنی آنکھوں سے زمین پر گرا ئیں اور نابود کر دیں۔

اس معنی کی وضاحت میں ایک گروہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تجھے نظر بد کے ذریعہ، جس کا بنت سے لوگ عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ بعض آنکھوں میں ایک مرموز اثر چھپا ہوا ہوتا ہے: وہ ایک مخصوص نگاہ کے ساتھ طرف مقابل کو بیمار یا ہلاک کر سکتے ہیں، ہلاک و نابود کر دیں۔

۲: بعض نے کہا ہے یہ بہت زیادہ غضب آلود نگاہوں سے کنایہ ہے، جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اس طرح بری نگاہ سے میری طرف دیکھا کہ گویا چاہتا تھا کہ مجھے اپنی نگاہ سے کھا جائے یا مار ڈالے۔

۳: اس آیت کی ایک اور تفسیر نظر آتی ہے جو شاید اوپر والی تفاسیر سے زیادہ نزدیک ہو۔ وہ یہ ہے کہ قرآن چاہتا ہے اس عجیب و غریب تضاد کو جو دشمنان اسلام کی باتوں میں پایا جاتا ہے اس بیان کے ذریعہ ظاہر کر دے اور وہ یہ ہے: وہ جس وقت قرآنی آیات کو سنتے ہیں تو اس قدر مجذوب ہو جاتے ہیں اور اس پر تعجب کرتے ہیں، کہ چاہتے ہیں تجھے نظر لگائیں (کیونکہ نظر لگانا عام طور پر ایسے امور کے بارے میں ہوتا ہے جو بہت زیادہ تعجب میں ڈالنے والے ہوتے ہیں) لیکن اس کے باوجود کہتے ہیں کہ تو دیوانہ ہے۔ یہ واقعاً بڑی تعجب خیز بات ہے۔ دیوانہ اور پراگندہ باتیں کہاں اور یہ حیرت انگیز، جاذب اور پر اثر آیات کہاں؟

یہ دماغ کے ہلکے نہیں جانتے کہ کیا کہہ رہے ہیں اور کیسی کیسی متضاد و نقیض نسبتیں تیری طرف دے رہے ہیں۔

بہرحال اس بارے میں کہ اسلامی نظریہ کے مطابق اور موجودہ زمانہ کے علوم کے لحاظ سے نظر بد میں کچھ حقیقت ہے یا نہیں؟ انشاء اللہ نکات کی بحث میں گفتگو کریں گے۔

❖ ❖ ❖

انجام کار آخری آیت میں مزید کہتا ہے: "یہ قرآن عالمین کے لیے بیداری کا ذریعہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے" (وما ھو الا ذکر للعالمین)۔

اس کے معارف روشنی بخشنے والے، اس کے انذار آگاہ کرنے والے، اس کی مثالیں پرمعنی، اس کی تشویقیں اور بشارتیں روح پرور، سوتے ہوئے لوگوں کے لیے بیداری کا سبب اور غافلوں کے لیے یادآوری کا موجب؛ ان حالات میں اس کے لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کیسے دی جا سکتی ہے۔؟

اس تفسیر کے مطابق یہاں 'ذکر' (بروزن فکر) یادآوری کے معنی میں ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے اس کی تفسیر "شرف" کے معنی کے ساتھ کی اور کہا ہے کہ یہ قرآن تمام عالمین کے لیے ایک شرافت و بزرگی ہے، جیسا کہ سورۂ زخرف کی آیہ ۴۴ میں فرماتا ہے:

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

و انہ لذکر لک ولقومک : "قرآن تیرے اور تیری قوم کے لیے شرف اور آبرو کا موجب ہے۔"
لیکن جیسا کہ ہم نے مذکورہ آیت کے ذیل میں بھی کہا ہے کہ 'ذکر' وہاں بھی یاد آوری اور آگاہی بخشنے کے معنی میں ہے۔ نیز اصولی طور پر قرآن مجید کے ناموں میں سے ایک نام 'ذکر' ہے۔ اس بناء پر پہلی تفسیر زیادہ صحیح نظر آتی ہے۔

ایک نکتہ

کیا نظر بد کی کوئی حقیقت ہے؟

بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ بعض آنکھوں میں ایک خاص قسم کا اثر ہوتا ہے۔ جب وہ کسی چیز کی طرف توجہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ممکن ہے کہ اُسے نابود کر دیں یا درہم برہم کر دیں اور اگر کوئی انسان ہے، تو اسے بیمار یا دیوانہ کر دیں۔

یہ مسئلہ عقلی لحاظ سے کوئی امر محال نہیں ہے۔ کیونکہ موجودہ زمانہ کے بہت سے ماہرین کا نظریہ ہے کہ بعض آنکھوں میں ایک خاص قسم کی مقناطیسی قوت چھپی ہوئی ہوتی ہے جو بہت سارے کام کرتی ہے۔ یہاں تک کہ مشق کے ذریعے اس کی پرورش ہو سکتی ہے۔ آنکھوں کی اسی مقناطیسی قوت کے ذریعہ دوسرے آدمی پر مقناطیسی نیند طاری کی جاتی ہے۔

جس دنیا میں 'لیزر شعاعیں' جو غیر مرئی ہیں ایسا کام کر سکتی ہیں جو کسی انسانی خطرناک اور تباہ کن ہتھیار سے بھی نہیں نہیں ہو سکتا، تو بعض آنکھوں میں ایسی قوت کے وجود کو تسلیم کر لینا جو مخصوص لہروں کے ذریعے طرف مقابل میں اثر انداز ہو سکے، کوئی عجیب چیز نہیں ہو گی۔

بہت سے لوگ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے ایسے افراد دیکھے ہیں جو آنکھ کی اس مرموز توانائی کے حامل تھے، اور انہوں نے کچھ لوگوں، جانوروں یا پھر دوسری چیزوں کو اپنی آنکھوں کی اس خفیہ طاقت سے بیکار کر دیا تھا۔

لہٰذا نہ صرف یہ کہ ان امور کے انکار پر اصرار نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان کے وجود کے امکان کو عقل اور علم کے لحاظ سے قبول کر لینا چاہیے۔

اسلامی روایات میں بھی ایسی بہت سی مختلف تعبیریں نظر آتی ہیں جو اس امر کی اجمالاً تائید کرتی ہیں۔
ایک حدیث میں آیا ہے کہ اسماء بنت عمیس نے پیغمبرؐ کی خدمت میں عرض کیا: "بعض اوقات جعفر کے بیٹوں کو نظر لگ جاتی ہے، کیا میں ان کے لیے 'رقیہ' لے لوں۔ (رقیہ سے مراد وہ لکھی ہوئی دعائیں ہیں، جنہیں کچھ لوگ بری نظر سے بچنے کے لیے اپنے پاس رکھتے ہیں اور اسے تعویذ بھی کہتے ہیں)۔"

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پیغمبرؐ نے فرمایا:

"نعم، فلو كان شيء يسبق القدر لسبقة العين"

ہاں! کوئی حرج نہیں ہے، اگر کوئی چیز قضاء و قدر پر سبقت لے سکتی ہے تو وہ نظرِ بد کا لگنا ہے۔[1]

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا:

"پیغمبرؐ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے لیے ایک تعویذ بنایا اور آپ نے یہ دعا پڑھی:

"اعيذكما بكلمات التامة و اسماء الله الحسنیٰ كلها عامة، من شر السامة والهامة ومن شر كل عين لامة، ومن شر حاسد اذا حسد"

"میں تمہیں تمام کلمات اور خدا کے اسمائے حسنیٰ کے سپرد، موذی جانوروں کے شر اور ہر بُری آنکھ اور حسد کرنے والے کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے، سپرد کرتا ہوں۔

اس کے بعد پیغمبرؐ نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا: حضرت ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ کے لیے اسی طرح سے تعویذ بنایا تھا۔[2]

نہج البلاغہ میں بھی آیا ہے: "العين حق والرقى حق" نظرِ بد بھی حق ہے اور اس کے دفع کرنے کے لیے دعا و تعویذ سے متوسل ہونا بھی حق ہے۔[3]

اس نکتہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ یہ دعائیں اور وسیلے حکم خدا سے آنکھ کی مرموز مقناطیسی قوت و توانائی کی تاثیر کو روک دیں، جیسا کہ دعائیں بہت سے دوسرے مخرب عوامل پر اثر انداز ہوتی ہیں اور انھیں خدا کے حکم سے بے اثر کر دیتی ہیں۔

* * *

یہ بات بھی یاد دلانی ضروری ہے کہ اجمالی طور سے نظرِ بد کی تاثیر کو قبول کرنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس قسم کے موارد میں بیہودہ کاموں اور عامیانہ اعمال کی پناہ لی جائے جو احکام شریعت کے برخلاف ہیں اور اصل موضوع میں بے خبر لوگوں کے شک و تردد کا باعث بھی ہیں۔ جیسا کہ بہت سے حقائق کے ان خرافات کے ساتھ آلودہ

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۴۱

[2] نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۰۰

[3] نہج البلاغہ کلمات قصار جملہ ۴۰۰ (یہ حدیث صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۷۰، باب العین حق میں بھی اسی صورت میں نقل ہوئی ہے العین حق، "المعجم المفهرس لالفاظ الحدیث النبوی" میں یہی معنی مختلف منابع سے نقل ہوا ہے۔ (جلد ۴ ص ۴۵۱)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہونے سے یہ غیر مطلوب تاثیر ذہنوں میں بیٹھ گئی ہے۔

٭ ٭ ٭

خداوندا! ہمیں شرِاشرار اور دشمنوں کے مکروں سے اپنی پناہ میں محفوظ رکھ!

پروردگارا! ہمیں وہ صبر و استقامت مرحمت فرما جس کے سائے میں ہم تیری رضا کو حاصل کر سکیں۔

بارالٰہا! ہمیں اپنی بے پایاں نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت فرما، اس سے پہلے کہ ناشکریاں اسے ہم سے سلب کریں۔ آمین یا رب العالمین۔

سورۂ قلم کا اختتام

۲۸ رشوال المکرم ۱۴۰۶ھ

ترجمہ کا اختتام

۱۵ رذی الحجہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۱ راگست ۱۹۸۷ء

بروز منگل بوقت صبح ساڑھے پانچ بجے

۸۱، ای، ماڈل ٹاؤن

لاہور

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ حاقّہ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا اور اس کی ۵۲ آیات ہیں۔

تاریخ آغاز

۲۸ شوال المکرم ۱۴۰۶ھ

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ حاقہ کے مضامین

اس سورہ کے مباحث تین محوروں پر گردش کرتے ہیں :

پہلا محور : جو اس سورہ کی بحث کا اہم ترین موضوع ہے وہ قیامت سے مربوط مسائل اور اس کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ اسی لیے قیامت کے تین نام 'حاقہ' 'قارعۃ' اور 'واقعہ' اس سورہ میں آئے ہیں۔

دوسرا محور : وہ مباحث ہیں جو گزشتہ کافر اقوام خصوصاً قوم عاد، ثمود اور قوم فرعون کی سرگزشت کے بارے میں ہیں۔ جو تمام کفار اور منکرین قیامت کے لیے قوی اور تنوکد انداروں پر مشتمل ہیں۔

تیسرا محور : وہ مباحث ہیں جو قرآن کی عظمت، پیغمبرؐ کے مقام نیز تکذیب کرنے والوں کی سزا اور عذاب کے بارے میں ہیں۔

✦ ✦ ✦

تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر گرامیؐ سے آیا ہے :

"من قرأ سورة الحاقة حاسبه الله حسابا يسيرًا"

"جو شخص سورہ حاقہ کی تلاوت کرے گا خدا قیامت میں اس کے حساب کو آسان کر دے گا۔"[1]

ایک اور حدیث میں امام محمد باقرؑ سے آیا ہے :

"اكثروا من قراءة الحاقة، فان قراءتها في الفرائض والنوافل من الايمان بالله و رسوله ولم يسلب قارئها دينه حتى يلقى الله"

"سورہ حاقہ کی بہت زیادہ تلاوت کیا کرو، کیونکہ فرائض و نوافل میں اس کی قرأت خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان کی نشانی ہے، اور جو شخص اسے پڑھے گا اس کا دین محفوظ رہے گا یہاں تک کہ خدا سے جا ملے گا۔"[2]

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۴۲

[2] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۴۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) اَلْحَآقَّةُ ۝

(۲) مَا الْحَآقَّةُ ۝

(۳) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝

(۴) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۝

(۵) فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝

(۶) وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝

(۷) سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝

(۸) فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝

ترجمہ

رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے

(۱) وہ دن جو یقیناً واقع ہو گا۔

(۲) اور یہ واقع ہونے والا دن کیا ہے؟

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۳) اور تجھے کیا معلوم کہ وہ واقع ہونے والا دن کیا ہے؟

(۴) قوم ثمود و عاد نے خدا کے سرکوبی کرنے والے عذاب کا انکار کیا۔

(۵) تو قوم ثمود تو سرکش عذاب سے ہلاک ہوئی۔

(۶) اور قوم عاد طغیانی کرنے والی ٹھنڈی اور زور دار اور تیز آندھی سے ہلاک ہوئی۔

(۷) خدا نے بنیادوں کو اکھاڑنے والی اس تیز آندھی کو سات راتیں اور آٹھ دنوں تک پے در پے ان پر مسلط رکھا (اور اگر تو وہاں ہوتا تو دیکھتا کہ وہ قوم بوسیدہ تنوں اور کھجور کے کھوکھلے درختوں کی مانند اس تیز آندھی کے درمیان زمین پر پڑی ہے اور ہلاک ہو گئی ہے۔

(۸) کیا ان میں سے تو کسی کو باقی دیکھتا ہے۔

٭ ٭ ٭

تفسیر

سرکشی کرنے والی قوم کے لیے سرکش عذاب

یہ سورۃ مسئلہ قیامت سے اور وہ بھی ایک نئے عنوان کے ساتھ شروع ہوتا ہے فرماتا ہے:

"وہ تحقق پانے والا دن" (الحاقۃ)۔

٭ ٭ ٭

"وہ تحقق پانے والا دن کیا ہے؟" (ما الحاقۃ)۔[1]

٭ ٭ ٭

"اور تجھے کیا معلوم کہ وہ تحقق پانے والا دن کیا ہے؟" (وما ادراک ما الحاقۃ)۔

تقریباً تمام مفسرین نے "حاقۃ" کی قیامت کے دن کے معنی میں تفسیر کی ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسا دن ہے قطعی اور یقینی طور پر واقع ہو گا، جیسا کہ سورہ "واقعہ" میں "الواقعۃ" کی تعبیر ہے۔ یہی تعبیر اسی سورہ کی آیت ۱۶ میں بھی آئی ہے اور یہ سب اس عظیم دن کے یقینی ہونے کی مناسبت بیان کرتی ہیں۔

---

[1] اس جملہ کی ترکیب میں کئی احتمال دیے گئے ہیں جن میں سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے "الحاقۃ" مبتداء (بقیہ اگلے صفحہ پر)

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"ما الحاقۃ" کی تعبیر اس دن کی عظمت کے بیان کے لیے ہے، ٹھیک اسی طرح جیسا کہ ہم روزمرہ کی تعبیروں میں کہتے ہیں: فلاں شخص انسان ہے، کیا ہی انسان ہے؟ یعنی اس کی انسانیت کی تعریف و توصیف کے لیے کوئی حد نہیں ہے۔ (یعنی بہت اچھا انسان ہے)

* * *

"ما ادرٰئک ما الحاقۃ" کی تعبیر دوبارہ اس عظیم دن کے حوادث کی عظمت پر مزید تاکید ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر سے خطاب ہوتا ہے کہ تو نہیں جانتا وہ دن کس قسم کا ہے؟ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قیامت کے حقائق کو درک کرنا ہم دنیاوی زندان کے قیدیوں کے لیے امکان پذیر نہیں ہے، جیسا کہ دنیا سے مربوط مسائل کا درک کرنا شکم مادر کے جنین کے لیے کسی بھی بیان سے میسر نہیں ہے۔[1]

ایک اور احتمال جو ان آیات کی تفسیر میں ہے، اگرچہ بہت کم مفسرین نے اسے قبول کیا ہے، یہ ہے کہ "الحاقۃ" ان عذابوں کی طرف اشارہ ہے جو سرکش، طاغی، خود خواہ و خود پسند مجرموں کو اچانک اور ناگہانی طور پر اس دنیا میں دامن گیر ہو جاتے ہیں جیسا کہ بعد والی آیت میں "القارعۃ" بعض مفسرین کے کلام میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہی تفسیر آئندہ والی آیات کے ساتھ جو قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون اور قوم لوط کی سرکوبی کرنے والے عذابوں کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں، زیادہ مناسب نظر آتی ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی آیا ہے: "الحاقۃ، الحذر بنزول العذاب"۔ جیسا کہ (سورہ مومن کی آیت ۴۵ میں) آل فرعون کے بارے میں فرماتا ہے: وحاق بآل فرعون سوء العذاب۔ بُرا عذاب آل فرعون پر نازل ہوا اور اس نے انھیں گھیر لیا۔[2]

* * *

اس کے بعد ان قوموں کی سرنوشت کو بیان کرتا ہے جنھوں نے قیامت کے دن (یا دنیا میں عذاب الٰہی کے نزول) کا انکار کیا لہٰذا مزید کہتا ہے: "قوم عاد و ثمود نے خدا کے سرکوبی کرنے والے عذاب کا انکار کیا"۔ (کذبت ثمود وعاد بالقارعۃ)۔

* * *

(بقیہ صفحہ سابقہ) اور ما استفہامیہ دوسرا مبتدا ہے۔ اس کے بعد والا "الحاقۃ" خبر ہے دوسرے مبتدا کی اور ان کا مجموعہ خبر ہے پہلے مبتدا کی۔

[1] بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ "ما ادرٰئک" کا جملہ قرآن میں اس جگہ کہا گیا ہے جہاں مطلب معلوم اور مسلّم ہے۔ لیکن "وما یدریک" ان موارد میں آیا ہے جہاں مطلب نامعلوم ہے۔ (مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۴۳) بعض دوسرے مفسرین منجملہ قرطبی نے بھی اسی معنی کو نقل کیا ہے۔

[2] تفسیر علی بن ابراہیم جلد ۲ ص ۳۸۳۔

(توجہ رکھیں کہ "حاقۃ" اور "حاق" کا مادہ ایک ہی ہے)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"پس قوم ثمود تو سرکش عذاب کے ذریعہ ہلاک ہوئی" (فاما ثمود فاھلکوا بالطاغیۃ)۔

ثمود وہ قوم تھی جو حجاز وشام کے درمیان کوہستانی علاقہ میں آباد تھی۔ حضرت صالحؑ ان کی طرف مبعوث ہوئے لیکن وہ ہرگز ایمان نہ لائے اور ان سے مبارزہ کے لیے تیار ہو گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے حضرت صالحؑ سے کہا کہ اگر تو سچ کہتا ہے تو وہ عذاب جس کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے اسے نازل کر دے۔ اس وقت ایک تباہ کرنے والی بجلی ان پر مسلط ہو گئی جس نے چند لمحوں کے اندر ان کے مضبوط گھروں اور مستحکم محلوں میں لرزہ پیدا کر دیا۔ ان سب کو تہس نہس کر دیا اور ان کے بے جان جسم زمین پر پڑے رہ گئے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ قرآن اس نافرمان قوم کی نابودی کے عامل کو سرکش عذاب شمار کرتا ہے۔ "الطاغیۃ" اور یہ سرکش عذاب سورہ اعراف کی آیت ۷۸ میں "رجفۃ" (زلزلہ) کے عنوان سے ذکر ہوا۔ سورہ حٰم سجدہ کی آیت ۱۳ میں "صاعقۃ" اور سورہ ہود کی آیت ۶۷ میں "صیحۃ" کے نام سے مذکور ہے۔ یہ سب الفاظ حقیقت میں ایک ہی معنی کی طرف لوٹتے ہیں، کیونکہ صاعقہ (بجلی) ہمیشہ ایک مہیب آواز کے ساتھ ہوتی ہے (کڑکتی ہے)، جس جگہ آکر گرتی ہے اس میں لرزہ پیدا کر دیتی ہے اور وہ سرکش عذاب بھی ہے۔[1]

اس کے بعد قوم عاد کی سرگزشت بیان کرتا ہے: وہ قوم جو سرزمین احقاف (جزیرہ نمائے عرب یا یمن میں) میں آباد تھے۔ ان کے قد و قامت طویل، بدن قوی، شہر آباد، زمینیں سرسبز وشاداب اور ہرے بھرے باغات تھے۔ ان کے پیغمبر حضرت ہودؑ تھے۔ ان لوگوں نے بھی اپنے طغیان وسرکشی کو اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ خدا نے ایسے دردناک عذاب کے ساتھ جس کی تشریح انھیں آیات میں آئی ہے، ان کی زندگی کے دفتر کو لپیٹ دیا۔ پہلے فرماتا ہے: "باقی رہی قوم عاد تو وہ ایک تیز وسرکش، زناٹے دار، اونچی آواز والی سرد اور زہریلی آندھی کے ذریعہ ہلاک ہو گئی" (واما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ)۔

"صرصر" (بروزن دفتر) سرد یا زناٹے دار آواز والی یا زہریلی ہواؤں کو کہا جاتا ہے۔ مفسرین نے اس کی تفسیر میں یہ تینوں معانی ذکر کیے ہیں، اور ان کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

"عاتیۃ" "عتو" (بروزن غلو) کے مادہ سے سرکش کے معنی میں ہے۔ البتہ فرمانِ خدا سے سرکش نہیں بلکہ معمولی اور سبک رفتار ہواؤں کے معیار سے سرکش۔

* * *

اس کے بعد اس تیز سرکوبی کرنے والی آندھی کی ایک دوسری توصیف کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "خدا نے اس کو اس قوم پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن ان کی بنیادیں اکھاڑنے کے لیے مسلط کیے رکھا": (سخرھا علیھم سبع لیال وثمانیۃ ایام حسوما)۔

---

[1] قوم ثمود کی سرگزشت تفسیر نمونہ کی جلد ۴ میں تفصیل کے ساتھ آئی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حسوماً۔ حسوم (بروزن اسم) کے مادہ سے کسی چیز کے آثار ختم کرنے کے معنی میں ہے۔ اگر تلوار کو حسام (بروزن غلام) کہا جاتا ہے تو وہ اسی مناسبت سے ہے۔ بعض اوقات زخم کی جڑ کو جلانے کے لیے اس پر داغ لگانے کو بھی حسم کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ سخت آندھی نے سات راتوں اور آٹھ دنوں میں اس عظیم قوم کی وسیع اور بارونق زندگی کو یکسر تباہ و برباد کیا، اور ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پراگندہ کر دیا۔[1]

نتیجہ وہ ہوا کہ قرآن کہتا ہے: "اگر تو وہاں ہوتا تو مشاہدہ کرتا کہ وہ ساری کی ساری قوم منہ کے بل گری پڑی ہے: (فترى القوم فيها صرعى كانهم اعجاز نخل خاوية)۔

کتنی عمدہ تشبیہ ہے، جو ان کے طویل قد و قامت کو بھی مشخص کرتی ہے، ان کے جڑ سے اکھڑ جانے کو بھی ظاہر کرتی ہے اور خدا کے عذاب کے مقابلہ میں ان کے اندر سے خالی ہونے کو بھی بیان کرتی ہے۔ اس طرح کہ وہ تیز آندھی جدھر چاہتی ہے انھیں آسانی کے ساتھ لے جاتی ہے۔

"خاوية" "خواء" (بروزن ہواء) کے مادہ سے اصل میں خالی ہونے کے معنی میں ہے۔ یہ تعبیر بھوک کے شگون (زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے عقیدے کے مطابق) بارش سے خالی ستاروں اور بے مغز اخروٹ کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔

آخری آیت میں مزید کہتا ہے: "کیا تم ان میں سے کسی کو باقی دیکھتے ہو" (فهل ترى لهم من باقية)۔[2]

ہاں! آج نہ صرف قوم عاد کا کوئی نام و نشان باقی نہیں بلکہ ان کے آباد شہروں اور پُر شکوہ عمارتوں کے کھنڈرات اور ان کے سرسبز کھیتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں ہے۔

قوم عاد کی سرگزشت کے بارے میں ہم تفسیر نمونہ جلد ۵ (سورۂ ہود کی آیت ۵۸ تا ۶۰) اور اسی طرح جلد ۱۱ میں بھی تفصیل کے ساتھ بحث کر چکے ہیں۔

• • •

---

[1] توجہ رہے کہ "سبع ليال و ثمانية ايام" (سات راتیں اور آٹھ دن) کی صفت ہے اور بعض نے اسے ریح سے حال یا مفعول لہ سمجھا ہے۔

[2] "باقية" ایک مقدر موصوف کی صفت ہے اور اصل میں "نفس باقية" ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۹) وَجَآءَ فِرۡعَوۡنُ وَمَنۡ قَبۡلَهٗ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتُ بِالۡخَاطِئَةِ ۝

(۱۰) فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ فَاَخَذَهُمۡ اَخۡذَةً رَّابِيَةً ۝

(۱۱) اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ حَمَلۡنٰكُمۡ فِى الۡجَارِيَةِ ۝

(۱۲) لِنَجۡعَلَهَا لَـكُمۡ تَذۡكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝

ترجمہ

(۹) اور فرعون اور وہ لوگ جو اس سے پہلے تھے اور تہ و بالا ہونے والے شہروں کے لوگ (قوم لوط) بہت بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے۔

(۱۰) انھوں نے اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے رسول کی مخالفت کی اور خدا نے بھی انھیں شدید عذاب میں گرفتار کیا۔

(۱۱) ہم نے اس وقت، جب پانی میں طغیانی آئی، تو تمھیں کشتی میں سوار کر دیا۔

(۱۲) تاکہ ہم اسے تمھارے لیے تو تذکر کا وسیلہ قرار دیں اور سننے والے کان اسے یاد رکھتے ہیں۔

تفسیر

سننے والے کان کہاں ہیں؟

قوم عاد و ثمود کی سرگزشت کے ایک گوشہ کو بیان کرنے کے بعد دوسری اقوام جیسے قوم نوح اور قوم لوط کی طرف

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

توجہ کرتا ہے تاکہ ان کی زندگی سے بیدار دل افراد کو ایک اور درس عبرت دے، فرماتا ہے : فرعون اور وہ لوگ جو اس سے پہلے تھے اور تہ و بالا ہونے والے شہروں کے لوگ (قوم لوطؑ) بہت بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے: (وجاء فرعون ومن قبلہ والمؤتفکات بالخاطئۃ)۔

"خاطئۃ" خطا کے معنی میں ہے (دونوں مصدری معنی رکھتے ہیں۔) اور یہاں خطا سے مراد شرک و کفر، ظلم و فساد اور انواع و اقسام کے گناہ ہیں۔

"مؤتفکات"، "مؤتفکہ" کی جمع ہے۔ "ائتفاک" کے مادہ سے الٹ پلٹ اور تہ و بالا ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں قوم لوطؑ کے شہروں کی طرف اشارہ ہے جو ایک شدید زلزلے کی وجہ سے تہ و بالا ہو گئے۔

"من قبلہ" سے مراد وہ قومیں ہیں جو فرعون سے پہلے تھیں۔ مثلاً قوم شعیب اور قوم ثمود جیسے سرکش لوگ۔

* * *

اس کے بعد مزید کہتا ہے : "وہ اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے رسول کی مخالفت کے لیے کھڑے ہو گئے اور خدا نے انہیں شدید عذاب میں گرفتار کر لیا" (فعصوا رسول ربھم فاخذھم اخذۃ رابیۃ)۔

فرعونی، موسیٰ اور ہارون کی مخالفت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ سدوم کے شہروں میں رہنے والوں نے لوطؑ کی مخالفت کی اور دوسری اقوام نے بھی اپنے پیغمبروں کے فرمان سے روگردانی کی۔ ان سرکشوں میں سے ہر گروہ ایک خاص قسم کے عذاب میں گرفتار ہوا۔ فرعونی نیل کی موجوں میں، جو ان کی حیات و آبادی اور ملک کی برکت کا سبب تھا، غرق ہو گئے، اور قوم لوطؑ کے لوگ شدید زلزلہ اور اس کے بعد پتھروں کی بارش سے تباہ و برباد اور نابود ہو گئے۔

"رابیۃ" اور "ربا" ایک ہی مادہ سے ہیں اور آزمائش اور اضافہ کے معنی میں ہیں۔ یہاں وہ عذاب مراد ہے، جو بہت ہی سخت اور شدید تھا۔

قوم فرعون کی داستان کی تفصیل قرآن کی بہت سی سورتوں میں آئی ہے، سب سے زیادہ تفصیل تفسیر نمونہ جلد ۸ سورہ شعراء کی آیت (۱۰ تا ۶۸) میں، تفسیر نمونہ جلد ۴ (سورہ اعراف آیت ۱۰۳ تا ۱۳۷) میں اور تفسیر نمونہ جلد ۷ (سورہ طٰہٰ آیہ ۲۴ سے ۷۹) میں آئی ہے۔

قوم لوطؑ کی داستان بھی قرآن کی بہت سی سورتوں میں ہے، چنانچہ تفسیر نمونہ جلد ۶ (سورہ حجر آیت ۶۱ تا ۷۷) اور تفسیر نمونہ جلد ۵ (سورہ ہود آیت ۷۷ تا ۸۳) میں آیا ہے۔

آخر میں قوم نوحؑ کی سرگزشت اور ان کے دردناک عذاب کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے : "ہم نے اس وقت جب پانی میں طغیانی آئی تو تمہیں کشتی میں سوار کر دیا" (انا لما طغا الماء حملناکم فی الجاریۃ)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پانی کی طغیانی اس طرح تھی کہ تیرہ و تاریک بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسی بارش ہوئی کہ گویا آسمان کی طرف سے سیلاب کر رہا ہے اور زمین سے بھی چشمے اُبلنے لگے۔ پھر یہ دونوں طرف کے پانی ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے اور ہر چیز پانی میں ڈوب گئی۔ بس باغات، کھیتیاں اور سرکش قوم کے محلات اور مکانات سب غرقاب ہو گئے۔ جن لوگوں نے نجات پائی ان میں صرف وہ مومنین تھے جو نوحؑ کے ہمراہ کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔

"حملناکم" (تمہیں کشتی میں سوار کیا) کی تعبیر ہمارے اسلاف اور بڑوں سے کنایہ ہے، کیونکہ اگر انھوں نے نجات حاصل نہ کی ہوتی تو آج ہم موجود نہ ہوتے [1]

* * *

اس کے بعد ان سزاؤں کے ہدف اصلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "مقصد یہ تھا کہ اسے تمہاری یاد آوری اور تذکر کے لیے دلیل قرار دیں" (لنجعلها لکم تذکرۃ)۔

"اور سننے والے کان اس کی حفاظت کریں" (وتعیہا اذن واعیۃ)۔

ہم ہرگز ان سے انتقام لینا نہیں چاہتے تھے، بلکہ ہدف انسانوں کی تربیت اور راہِ کمال میں ان کی ہدایت، رشد و کمال اور مطلوب تک پہنچانا تھا۔

"تعیہا" "وعی" (بروزن سعی) کے مادہ سے ہے جس طرح راغب نے 'مفردات' میں اور ابن منظور نے "لسان العرب" میں کہا ہے۔ اصل میں کسی چیز کو دل میں محفوظ رکھنے کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد ہر برتن کو 'وعاء' کہا گیا، کیونکہ وہ اپنے اندر کسی چیز کو محفوظ رکھتا ہے۔

زیرِ بحث آیت میں یہ صفت کان کے لیے بیان ہوئی ہے۔ وہ کان جو حقائق کو سنتے ہیں اور اپنے اندر محفوظ رکھتے ہیں۔

یا دوسرے لفظوں میں بعض اوقات انسان ایک بات کو سنتا ہے اور فوراً اسے کان سے باہر نکال دیتا ہے، جیسا کہ عام لوگوں کی تعبیروں میں کہا جاتا ہے: "ایک کان سے سُنی اور دوسرے کان سے نکال دی" لیکن بعض اوقات وہ اس بات میں غور و فکر کرتا ہے، اسے اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور اس کو اپنی زندگی کی راہ کا چراغ شمار کرتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے 'وعی' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

* * *

---

[1] اس طرح بعض نے کہا ہے کہ آیت میں ایک محذوف ہے اور تقدیر میں حملنا آباءکم تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چند نکات

۱: علیؑ کے فضائل میں سے ایک اور فضیلت

بہت سی مشہور اسلامی کتابوں میں آیا ہے وہ تفسیر کی ہوں یا حدیث کی، یہ آیا ہے کہ پیغمبر گرامیؐ نے اوپر والی آیہ (وتعیھا اذن واعیۃ) کے نزول کے وقت فرمایا:

"سألت ربی ان یجعلہا اذن علیّ"

میں نے خدا سے سوال کیا ہے کہ علیؑ کے کان کو ان سننے والے حقائق کو محفوظ رکھنے والے کانوں میں سے قرار دے۔"

اس کے بعد امام علیؑ فرماتے تھے:

"ما سمعت من رسول اللّٰہ شیئًا قط فنسیتہ الا وحفظتہ"

"میں نے رسولِ خداؐ سے کوئی چیز نہیں سنی جسے بھول گیا ہوں، بلکہ وہ ہمیشہ میرے حافظہ میں رہی ہے۔"[1]

"غایۃ المرام" میں اس سلسلہ میں سولہ احادیث شیعہ اور اہلِ سنّت کے طرق سے نقل ہوئی ہیں، اور محدث بحرانی نے تفسیر "البرہان" میں محمد بن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس سلسلہ میں تیس احادیث عامہ اور خاصہ کے طرق سے نقل ہوئی ہیں۔

ہاں! یہ اسلام کے عظیم پیشوا اور امام علیؑ کی ایک عظیم فضیلت ہے کہ وہ اسرارِ پیغمبرؐ کے خزینہ اور رسولِ خداؐ کے تمام علوم کے وارث ہیں۔ اسی بناء پر آنحضرتؐ کے بعد ان مشکلات میں جو اسلامی معاشرے کو پیش آتی تھیں، موافق و مخالف سبھی لوگ آپ کی پناہ لیتے، اور آپ سے ہی مشکل کا حل چاہتے تھے۔ یہ واقعات کتبِ تواریخ میں تفصیل کے ساتھ آئے ہیں۔

* * *

۲: گناہ اور سزا میں تناسب

جو تعبیریں اوپر والی آیات میں آئی ہیں قابلِ توجہ ہیں۔ قومِ ثمود کے عذاب کے بارے میں "طاغیۃ"، قوم عاد

---

[1] تفسیر قرطبی جلد ۱۰ ص ۶۷۴۳۔ مجمع البیان، روح البیان، روح المعانی، ابوالفتوح رازی، المیزان میں زیرِ بحث آیات کے ذیل میں، نیز یہ حدیث "مناقب ابن مغازلی شافعی" ص ۲۶۵ (طبع اسلامیہ، ۲ م ھ) آئی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے بارے میں "عاتیۃ" قوم فرعون اور قوم لوط کے بارے میں "رابیۃ" اور قوم نوح کے بارے میں "طغا الماء" کی تعبیر لاتا ہے۔ ان سب میں طغیان اور سرکشی کا مفہوم پوشیدہ ہے۔ اس طرح سے اس سرکشی کرنے والی قوم کے عذاب میں زندگی کی بعض نعمتوں کے سرکش ہونے کو شمار کیا گیا ہے۔ چاہے وہ پانی ، ہوا یا مٹی اور آگ۔
یہ تعبیریں اس حقیقت پر ایک تاکید ہیں کہ دنیا و آخرت کے عذاب خود ہمارے اعمال ہی کا تجسم ہیں اور یہ خود انسانوں کا کردار ہی ہے جو انہیں کی طرف لوٹایا جائے گا۔

* * *

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۳) فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝

(۱۴) وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝

(۱۵) فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝

(۱۶) وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝

(۱۷) وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝

ترجمہ

(۱۳) جونہی کہ ایک مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا۔

(۱۴) اور زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھا لیے جائیں گے، اور وہ یکایک ٹکرا کر پارہ پارہ ہو جائیں گے۔

(۱۵) اس دن (یہ عظیم واقعہ) واقع ہوگا۔

(۱۶) آسمان پھٹ جائیں گے اور کمزور ہو کر گر پڑیں گے۔

(۱۷) فرشتے آسمانوں کی طرفوں اور کناروں پر ہوں گے۔ (اور مامورعینوں کی انجام دہی کے لیے تیار ہوں گے)، اور اس دن تیرے پروردگار کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائیں گے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

وہ دن جس میں وہ عظیم واقعہ رونما ہوگا۔

اس سورۃ کی ابتدائی آیات کو جاری رکھتے ہوئے جو معاد اور قیامت کے مسئلہ کو بیان کرتی تھیں، زیر بحث آیات اس عظیم قیامت کے حوادث کے مباحث کو پیش کرتی ہیں، ایسی ہلا دینے والی اور بیدار کرنے والی تعبیروں کے ساتھ جو انسان کو ان وقائع کی عظمت سے آشنا کرتی ہیں جو اسے درپیش ہوں گے۔

پہلے فرماتا ہے، "جب ایک دفعہ صور میں پھونکا جائے گا" (فاذا نفخ فی الصور نفخة واحدة)۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے، قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جہان کے اختتام اور دوسرے جہان کے آغاز میں، ناگہاں اور اچانک ایک عظیم صدا پیدا ہوگی، جسے "نفخ صور" (ناقوس میں پھونکنے سے) تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ زمانہ میں اور آج بھی لشکر کو اکٹھا اور تیار کرنے کے لیے یا اُسے آرام گاہ یا چھاؤنی کی طرف بھیجنے کے لیے بگل سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ جب آرام کرنے اور سونے کا بگل بجایا جاتا ہے تو سب سپاہی آرامگاہ میں چلے جاتے ہیں اور جب جمع کرنے اور تیاری کرنے کے لیے بجایا جاتا ہے تو تمام سپاہی اپنی جگہ سے چل پڑتے ہیں اور اپنی صفوں کو منظم کرتے ہیں۔ گویا خدا یہ کہنا چاہتا ہے کہ اس جہان کے ختم کرنے اور دوسرے جہان کے آغاز کا مسئلہ میری قدرت کے مقابلہ میں ایک بگل میں پھونکنے جتنا آسان ہے۔ ایک ہی فرمان سے ایک لمحہ کے اندر اندر تمام اہل آسمان اور سب اہل زمین مر جائیں گے۔ پھر ایک دوسرے فرمان کے ساتھ سب کے سب زندہ ہو جائیں گے اور حساب کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

"صور" کی خصوصیات اور اس میں "نفخ" کی کیفیت، پھونکنے کی تعداد اور ان کے درمیان فاصلہ کے بارے میں بہت سے مطالب ہیں۔ وہ ہم نے تفسیر نمونہ جلد ۱۱ سورہ زمر کی آیت ۶۸ کی تفسیر میں بیان کر دیئے ہیں۔ یہاں ان کے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک چیز کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ نفخ صور، جیسا کہ اوپر بھی اشارہ ہوا ہے دو نفخے ہیں، "موت کا نفخہ" اور "حیات جدید کا نفخہ"۔ اس بارے میں کہ زیر بحث آیت میں جو نفخہ آیا ہے پہلا نفخہ ہے یا دوسرا، مفسرین کا اس سلسلہ میں کوئی ایک نظریہ نہیں ہے کیونکہ جو آیات بعد میں آئی ہیں ان میں سے بعض موت کے نفخہ سے اور بعض حیات و معاد اور قبروں کے اُٹھنے کے نفخہ سے مناسبت رکھتی ہیں، لیکن مجموعی طور پر یہ آیات پہلے نفخہ کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہیں اور وہ اختتام جہان کا نفخہ ہے۔

* * *

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اور جب زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھا لیے جائیں گے اور ایک ہی ضرب

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے ساتھ درہم برہم اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔" (وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ)۔

"دک" جیسا کہ راغب، مفردات میں کہتا ہے: اصل میں صاف اور نرم زمین کے معنی میں ہے چونکہ ایک ناہموار زمین کو صاف کرنے کے لیے اسے کوٹنا پیٹنا پڑتا ہے۔ لہٰذا بہت سے موارد میں یہ لفظ شدت سے کوٹنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

لیکن بعض منابع لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ "دک" کا اصل معنی کوٹنا اور ویران کرنا ہے۔ چونکہ کوٹنے اور ویران کرنے کا لازمہ صاف اور ہموار کرنا ہے لہٰذا یہ لفظ اس معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔[1]

بہرحال زیر بحث آیت میں یہ لفظ پہاڑوں اور ناہموار زمینوں کے ایک دوسرے سے ٹکرانے اور کوٹے جانے کے معنیٰ میں ہے، اس طرح کہ ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ ہو کر ہموار ہو جائیں۔

* * *

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اس دن جہان میں واقعۂ عظیم رونما ہوگا اور قیامت برپا ہو گی۔" (فیومئذ وقعت الواقعۃ)۔

* * *

نہ صرف زمین اور پہاڑ بکھر کر پراگندہ ہو جائیں گے بلکہ "آسمانوں اور زمینوں میں بھی شگاف پڑ جائیں گے اور وہ کمزور اور غیر محکم ہو جائیں گے۔" (وانشقت السماء فھی یومئذ واھیۃ)۔

عظیم آسمانی کُرے بھی اس ہولناک اور وحشتناک حادثہ سے نہ کرنہیں رہ سکتے، وہ بھی شگافتہ اور پراگندہ ہو کر بکھر جائیں گے اور اپنی مضبوطی اور استحکام کے باوجود وہ اس قدر کمزور ہو جائیں گے کہ سورہ الرحمٰن کی آیت ۳۷ میں قرآن کے قول کے مطابق: "آسمان پھٹ کر پگھلے ہوئے روغن کی طرح سرخ ہو جائیں گے۔ فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان"۔

یا دوسرے لفظوں میں موجودہ زمین و آسمان ویران ہو جائیں گے اور ان کے ویرانوں اور کھنڈرات پر ایک نیا جہان برپا ہوگا جو موجودہ جہان سے برتر، بالاتر اور کامل تر ہوگا۔

* * *

"اور فرشتے آسمانوں کی طرفوں اور کناروں پر ہوں گے۔" (والملک علیٰ ارجائھا)۔

"ارجاء" "رجا" کی جمع ہے جو کسی چیز کے اطراف وجوانب کے معنی میں ہے۔ "ملک" اگرچہ یہاں صیغۂ مفرد میں آیا ہے، لیکن اس سے مراد جنس و جمع ہے۔

گویا فرشتے ان بدن مامورین کی طرح، جو کسی میدان کے اطراف میں کھڑے ہوں اور کام انجام دینے کے لیے

---

[1] اقرب الموارد مادہ "دک"۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فرمان کے منتظر ہوں، آسمان کے گرد، گروصف باندھے ہوئے ہوں گے اور حق تعالٰے کے فرمان کے منتظر ہوں گے۔

* * *

اس کے بعد فرماتا ہے: "اور اس دن آٹھ فرشتے اپنے پروردگار کا عرش اٹھائے ہوئے ہوں گے۔" (ویحمل عرش ربك فوقهم یومئذ ثمانیة)۔

یہ حاملین عرش اگرچہ صراحت کے ساتھ اس آیت میں متعین نہیں ہوئے ہیں کہ وہ فرشتوں میں سے ہوں گے یا ان کے علاوہ کوئی اور ہوں گے لیکن پوری آیت کی تعبیریں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ وہ فرشتوں میں سے ہوں گے، لیکن یہ مشخص نہیں ہے کہ وہ آٹھ فرشتے ہوں گے یا وہ فرشتوں کے آٹھ چھوٹے یا بڑے گروہ ہوں گے۔

البتہ اسلامی روایات میں آیا ہے کہ اس وقت بھی حاملین عرش چار نفر ہیں۔ لیکن قیامت میں وہ دوگنے ہو جائیں گے۔ جیسا کہ پیغمبر گرامیؐ سے ایک حدیث میں آیا ہے:

"انهم الیوم اربعة فاذا کان یوم القیامة ایدهم باربعة اخرین، فیکونون ثمانیة"

"وہ اس وقت چار افراد ہیں اور قیامت کے دن دوسرے چار افراد سے ان کو تقویت دے گا اور وہ آٹھ ہو جائیں گے۔"[1]

لیکن عرش کیا ہے؟ اور یہ فرشتے کون ہیں؟ مسلمّہ طور پر عرش سے مراد ایک جسمانی تخت سلطنت نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی لفظ عرش کی تفسیر میں بیان کیا ہے وہ جہان ہستی کے مجموعہ کے معنی میں ہے جو خدا کی حکومت کا عرش ہے۔ پس ان فرشتوں کے ذریعہ، جو خدا کے حکم و فرمان کو جاری کرتے ہیں، اس کا ارادہ و تدبیر کی جاتی ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ایک روایت میں آیا ہے قیامت میں عرش خدا کے اٹھانے والے چار افراد اوّلین میں سے اور چار آخرین میں سے ہوں گے۔ اوّلین میں سے تو نوحؑ، ابراہیمؑ، موسٰیؑ و عیسٰیؑ ہوں گے اور آخرین میں سے محمدؐ، علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ ہوں گے۔[2]

یہ تعبیر ممکن ہے ان حضرات کے اوّلین و آخرین میں مقام شفاعت کی طرف اشارہ ہو، لیکن یہ شفاعت ایسے افراد کے بارے میں ہو گی جو شفاعت کے لائق ہوں گے۔ بہرحال یہ تعبیر عرش کے مفہوم کی وسعت کو بتاتی ہے۔

البتہ اگر عرش کے اٹھانے والے آٹھ گروہ ہوں تو پھر ممکن ہے کہ کچھ گروہ تو فرشتوں کے ہوں اور کچھ گروہ انبیاء اور اولیاء کے ہوں کہ جو اس اہم مقام کے عہدہ دار ہوں گے۔ گویا اس طرح اس دن کے نظام کی تدبیر کے ایک حصّہ کو تو فرشتے چلا رہے ہوں گے اور ایک حصّہ کے عہدہ دار انبیاء و اولیاء ہوں گے۔ لیکن یہ سب حکم خدا کے ساتھ ہو گا۔

---

[1] تفسیر علی بن ابراہیم جلد ۲ ص ۳۸۳

[2] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۴۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس بارے میں کہ فوقھم (ان کے اوپر) میں ھم کی ضمیر انسانوں کی طرف لوٹتی ہے یا فرشتوں کی طرف، کئی احتمال دیئے گئے ہیں۔ چونکہ اس سے قبل کے جملہ میں گفتگو فرشتوں کے بارے میں ہے لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر انہیں کی طرف لوٹتی ہے۔ اس طرح سے فرشتے سارے جہان کو ہر طرف سے گھیر لیں گے۔ اور (مقام کے لحاظ سے) ان کے اوپر آٹھ فرشتے خدا کے عرش کو اٹھانے والے ہوں گے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ خدا کے عرش کو اٹھانے والے ایسے افراد ہیں جو فرشتوں سے برتر و بالاتر ہیں۔ اس صورت میں یہ بیان گزشتہ حدیث جو خدا کے عرش کو اٹھانے والے انبیاء و اولیاء میں سے آٹھ افراد کو شمار کرتی ہے کے مطابق ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ اس دن عرش کو اٹھانے والوں کا تو کہنا ہی کیا قیامت سے مربوط حوادث بھی اس قسم کی چیز نہیں ہیں جو ہم اس محدود و تاریک جہان کے رہنے والوں کے لیے دقیق طور پر واضح و روشن ہوں، جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ ایک شبح (سایہ یا ہیولا سا) ہے جسے ہم آیات الٰہی کے سائے میں بہت دور سے دیکھتے ہیں، ورنہ ان کی حقیقت تو ہمیں وہاں جانے کے بعد ہی نظر آئے گی۔[1]

اس نکتہ کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ پہلے "نفخ صور" میں آسمانوں اور زمین کے تمام ذی روح مر جائیں گے۔ اس بنا پر عرش کے اٹھانے والوں کے بارے میں جو بحث ہے وہ نفخۂ دوم کے ساتھ مربوط ہے جس میں سب زندہ ہو جائیں گے۔ اگرچہ آیت میں دوسرے نفخ کے بارے میں گفتگو نہیں ہے۔ لیکن قرائن سے واضح ہوتا ہے کہ جن مطالب کو ہم بعد والی آیات میں پڑھتے ہیں وہ بھی اسی نفخۂ دوم کے ساتھ ہی مربوط ہیں۔[2]

---

[1] "لغت" اور "قرآن مجید" کے لحاظ سے عرش کے معانی کے بارے میں ہم نے تفسیر نمونہ میں کئی مرتبہ بحث کی ہے۔ منجملہ ان کے جلد ۶ سورۂ اعراف آیت ۵۴ کے ذیل میں گفتگو کی گئی ہے۔

[2] حقیقت میں آیت میں ایک محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے: "ثم نفخ فیہ اخریٰ" (پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۸) يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ○

(۱۹) فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ○

(۲۰) إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ○

(۲۱) فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○

(۲۲) فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ○

(۲۳) قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ○

(۲۴) كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ○

www.ziaraat.com jabir.abbas@yahoo.com Sabeel-e-Sakina

ترجمہ

(۱۸) اس دن تم سب کے سب بارگاہِ خداوندی میں پیش کیے جاؤ گے اور تمھارے کاموں میں سے کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی۔

(۱۹) لیکن وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ (وہ فرطِ مسرت اور فخر کے ساتھ پکار اُٹھے گا کہ (اے اہلِ محشر) لو میرا نامۂ اعمال پڑھو۔

(۲۰) مجھے یقین تھا کہ (قیامت آکے رہے گی اور) میرے اعمال کا حساب ہوگا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۱ وہ ایک کامل پسندیدہ زندگی میں قرار پائے گا۔

۲۲ ایک عالی جنت

۲۳ جس کے پھل دسترس میں ہوں گے۔

۲۴ (اور ان سے کہا جائے گا) مزے مزے سے کھاؤ اور پیو، یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جنھیں تم نے گذشتہ ایام میں انجام دیا تھا۔

تفسیر

اے اہل محشر میرا نامۂ اعمال پڑھو

گذشتہ آیات کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ نفخ صور دو مرتبہ رونما ہوگا۔ پہلی دفعہ سب ذی روح مر جائیں گے اور نظام زندگی بکھر کر رہ جائے گا۔ دوسری مرتبہ ایک نیا جہان اور ایک نیا عالم برپا ہوگا، انسان اور فرشتے ایک نئی زندگی حاصل کریں گے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ان آیات کا آغاز تو پہلے نفخہ کی اور ان کا آخر دوسرے نفخہ کی خبر دیتا ہے۔

اسی مطلب کو جاری رکھتے ہوئے زیر بحث آیات میں فرماتا ہے: "اس دن تم سب کے سب بارگاہِ خداوندی میں پیش کیے جاؤ گے اور تمھارے اعمال میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی" (یومئذ تعرضون لا تخفٰی منکم خافیۃ)۔

تعرضون، عرض کے مادہ سے کسی چیز کو دکھانے اور پیش کرنے کے معنی میں ہے۔ چاہے معاملہ کے وقت مال اور جنس ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو۔ البتہ انسان اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اس دنیا میں بھی ہمیشہ اس کے سامنے ہیں۔ لیکن یہ بات قیامت میں زیادہ سے زیادہ نمایاں اور ظاہر ہو گی جیسا کہ خدا کی حاکمیت عالم ہستی پر دائمی ہے لیکن یہ حاکمیت اس دن ہر زمانہ اور وقت سے زیادہ واضح اور آشکار ہو گی۔

"لا تخفٰی منکم خافیۃ" کا جملہ ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اس دن غیب اور لوگوں کے اسرار، شہود و ظہور میں بدل جائیں گے، جیسا کہ قرآن قیامت کے بارے میں کہتا ہے: یوم تبلی السرائر: وہ ایسا دن ہوگا جس میں سارے پوشیدہ صفات ظاہر ہو جائیں گے۔ (طارق۔۹)

نہ صرف انسانوں کے مخفی اعمال، بلکہ ان کے صفات، جذبات، اخلاق اور نیتیں، سب کھل کر سامنے آجائیں گی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ ایک عظیم حادثہ ہے اور بعض مفسرین کے مطابق پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے اور آسمانوں کے کرتوں کے پھٹ جانے سے زیادہ عظیم، بدکاروں کی عظیم رسوائی اور مؤمنین کی بے مثال سربلندی کا دن ہے۔ وہ ایسا دن ہوگا جس میں انسان اس میدان میں، اعمال اور اندرونی اسرار کے لحاظ سے عریاں ظاہر ہوگا۔ ہاں! اس دن ہمارے وجود کی کوئی چیز پنہاں اور مخفی نہیں رہے گی۔

ممکن ہے کہ یہ اس دن خدا کے ہر چیز پر احاطۂ علمی کی طرف اشارہ ہو۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

* * *

لہٰذا اس کے بعد کہتا ہے: "لیکن وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں ہوگا وہ فرطِ مسرت میں پکار اٹھے گا، لو آؤ اور میرا نامۂ اعمال پڑھو" (فاما من اوتی کتابه بیمینه فیقول هاؤم اقرءوا کتابیه)۔[1]

گویا خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور ان سب نعمتوں، توفیقات اور ہدایت کی وجہ سے جو خدا نے اسے دی ہیں اس کے وجود کا ہر ہر ذرہ شکرگزار ہے اور وہ بے ساختہ 'الحمد للہ' پکار رہا ہے۔

* * *

اس کے بعد اپنے عظیم ترین افتخار کو اس کلام میں خلاصہ کرتے ہوئے کہتا ہے: "مجھے یقین تھا کہ قیامت آکے رہے گی اور مجھے اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا" (انی ظننت انی ملاق حسابیه)۔[2]

'ظن' اس قسم کے موارد میں 'یقین' کے معنی دیتا ہے۔ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ مجھے جو کچھ نصیب ہوا ہے، وہ [illegible] پر ایمان کی وجہ سے ہے۔ واقعاً بات یہی ہے کہ حساب و کتاب پر ایمان، انسان کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی روح عطا کرتا ہے، تعہد اور مسئولیت کا احساس پیدا کرتا ہے اور انسان کی تربیت کا اہم ترین عامل ہے۔

* * *

بعد والی آیت میں اس قسم کے افراد کے اجر و ثواب کے ایک گوشہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہ ایک کامل اور پسندیدہ زندگی میں قرار پائے گا" (فهو فی عیشة راضیة)۔[3]

---

[1] 'ھاؤم' ارباب لغت کے قول کے مطابق، 'لے لو' کے معنی میں ہے۔ اگر مخاطب مردوں کی جماعت ہو تو 'ھاؤم' کہا جاتا ہے۔ عورتوں کی جماعت ہو تو 'ھاؤن' اور اگر مفرد مذکر ہو تو 'ھاء' (زبر کے ساتھ) اور مفرد مؤنث ہو تو "ھاءِ" (زیر کے ساتھ) اور تثنیہ کے لیے "ھاؤما" کہا جاتا ہے۔ راغب مفردات میں کہتا ہے۔ "ھا" لینے کے معنی میں اور 'ھات' دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

[2] "حسابیه" میں ھاء استراحت کی یا سکتہ کی ہے اور اس کا کوئی خاص معنی نہیں ہے، جیسا کہ کتابیہ میں بھی ایسا ہی ہے۔

[3] اگرچہ "رضایت اور خوشی" اس زندگی والوں کی ایک صفت ہے لیکن اوپر والی آیت میں اسے خود زندگی کی صفت قرار دیا ہے۔ یہ چیز انتہائی تاکید کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی وہ ایک ایسی زندگی ہے جو ساری کی ساری رضایت و خوشی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اگرچہ اس نے اسی ایک جملہ کے ساتھ تمام کہنے کی باتیں کہہ دی ہیں لیکن مزید وضاحت کے لیے کہتا ہے:

"وہ عالی مرتبہ بہشت میں ہوگا" (فی جنۃ عالیۃ)۔

وہ بہشت جو اتنی بلند و بالا اور رفیع و والا قدر ہے کہ نہ کسی شخص نے دیکھی ہے نہ سنی ہے اور نہ ہی کبھی اس کا تصور کیا ہے۔

* * *

ایسی بہشت جس کے پھل دسترس میں ہوں گے" (قطوفھا دانیۃ)۔

نہ پھلوں کو توڑنے کی زحمت اٹھانا پڑے گی، نہ ہی اس کے لمبے چوڑے درختوں کے قریب ہونے میں کوئی مشکل ہوگی اور اصولی طور پر اس کی تمام نعمتیں بغیر کسی استثنار کے دسترس میں ہوں گی۔[1]

* * *

آخری زیر بحث آیت میں ان بہشتیوں کے لیے خدا کے محبت آمیز خطاب کو اس طرح بیان کیا ہے:

مزے مزے سے کھاؤ اور پیو، یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جنہیں تم نے گزشتہ ایام میں انجام دیا تھا" (کلوا واشربوا ھنیئا بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ)۔

ہاں! یہ عظیم نعمتیں بے حساب نہیں ملیں گی، یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جنہیں تم نے دنیا میں آج کے لیے ذخیرہ کیا اور آگے بھیجا ہے۔ لیکن یہ ناچیز اعمال جب فضل و رحمت الٰہی کے افق میں قرار پاتے ہیں تو اس قسم کے ثمرات و نتائج تک منتہی ہوتے ہیں۔

چند نکات

۱: لفظِ عرش کی ایک اور تفسیر

ایک حدیث میں امام جعفر صادق سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

حملۃ العرش ۔ والعرش العلم ۔ ثمانیۃ اربعۃ منا، و اربعۃ ممن شاء اللہ۔

حاملین عرش ۔ عرش سے مراد علم خدا ہے ۔ آٹھ افراد ہیں چار تو ہم میں سے ہیں اور چار ان میں سے جنہیں خدا نے چاہا ہے۔[2]

---

[1] قطوف، قطف (بروزن حزب) کی جمع ہے جو چنے ہوئے پھلوں کے معنی میں ہے اور کبھی چننے کے لیے تیار پھلوں کے لیے بھی آیا ہے۔

[2] نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۰۶ حدیث ۲۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک اور حدیث میں امیر المومنین علیؑ سے آیا ہے :

"فالذین یحملون العرش ، هم العلماء ، الذین حملهم الله علمه."

"حاملین عرش وہ علماء اور دانش مند ہیں جنہیں خدا نے اپنے علم کی تعلیم دی ہے۔"[1]

ایک اور حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضاؑ سے آیا ہے :

"العرش لیس هو الله والعرش اسم علم وقدرة."

"عرش خدا نہیں ہے ، بلکہ اس کے علم و قدرت کا نام ہے۔"[2]

ان احادیث سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ عرش کی اس تفسیر کے علاوہ ، جو ہم نے پہلے بیان کی تھی ، ایک اور تفسیر بھی ہے ، یعنی وہ خدا کے "علم وقدرت" جیسی صفات ہیں ۔ اس بناء پر عرش الٰہی کے حامل اس کے علم کے حامل ہیں ۔ پس انسان یا فرشتے جتنا زیادہ علم رکھتے ہوں گے ، اتنا ہی زیادہ حصہ اس عظیم عرش کا اٹھائے ہوئے ہوں گے ۔

اس طرح یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے ، کہ عرش تختِ سلطنت کے مشابہ کسی جسمانی تخت کے معنی میں نہیں ہے بلکہ یہ جب خدا کے بارے میں استعمال ہوتا ہے تو مختلف کنائی معانی رکھتا ہے ۔

۲ : علیؑ اور ان کے شیعوں کا مقام

کئی روایات میں آیا ہے آیت فاما من اوتی کتابہ بیمینہ ... علیؑ کے بارے میں ہے ، یا علیؑ اور ان کے شیعوں کے بارے میں ہے ۔[3]

حقیقت میں یہ واضح مصادیق کے بیان کے قبیل سے ہے ۔ اس سے آیت کے مفہوم کو محدود نہیں کیا جا سکتا ۔

۳ : ایک سوال کا جواب

ممکن ہے یہاں ایک سوال کیا جائے کہ کیا وہ مومنین جو اوپر والی آیات کے مطابق پکاریں گے ۔ "اے

---

[1] نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۰۵ حدیث ۲۹

[2] نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۰۵ حدیث ۲۸

[3] تفسیر المیزان جلد ۲۰ ص ۹۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اہل محشر آؤ اور ہمارے نامۂ اعمال کو پڑھو، تو کیا ان کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

اس سوال کا جواب بعض احادیث سے معلوم کیا جا سکتا ہے، منجملہ ان کے پیغمبر گرامیؐ سے منقول ہے:

"خدا قیامت میں پہلے اپنے بندوں سے ان کے گناہوں کا اقرار لے لے گا پھر فرمائے گا، میں نے تمہارے یہ گناہ دنیا میں بھی مستور اور پوشیدہ رکھے ہیں اور آج بھی میں انھیں بخشتا ہوں" اس کے بعد (صرف) ان کے حسنات اور نیکیوں کا دفتر ان کے دائیں ہاتھ میں دے دے گا۔ ؎

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس دن خدا مومنین کے سیئات اور برائیوں کو حسنات اور نیکیوں میں بدل دے گا۔ اسی وجہ سے ان کے سارے نامۂ اعمال میں کوئی ضعیف نقطہ نہیں ہوگا۔

؎ فی ظلال القرآن جلد ۸ ص ۲۵۶

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۲۵) وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۚ

(۲۶) وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۚ

(۲۷) یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ

(۲۸) مَاۤ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ

(۲۹) هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ

ترجمہ

(۲۵) لیکن وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: اے کاش! میرا نامۂ اعمال مجھے ہرگز نہ دیا جاتا۔

(۲۶) اور میں یہ نہ ہی جانتا کہ میرا حساب کیا ہے؟

(۲۷) اے کاش! مجھے تو موت ہی آجاتی۔

(۲۸) میرے مال و دولت نے مجھے ہرگز بے نیاز نہیں کیا۔

(۲۹) میری قدرت بھی ہاتھ سے نکل گئی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

اے کاش مجھے موت آجاتی۔

گزشتہ آیات میں گفتگو "اصحاب الیمین" اور ان مومنین کے بارے میں تھی کہ جن کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ فخریہ اہلِ محشر کو پکاریں گے اور انہیں اپنے اعمال کو پڑھنے کی دعوت دیں گے۔ اس کے بعد بہشت جاوداں میں پہنچ جائیں گے۔

لیکن زیرِ بحث آیات ٹھیک ان کے نقطۂ مقابل یعنی "اصحابِ شمال" کو پیش کرتی ہیں اور ایک موازنہ میں ان دونوں کی کیفیت کو کامل طور پر واضح کر دیتی ہیں۔ پہلے فرماتا ہے: "لیکن جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: اے کاش میرا نامۂ اعمال کبھی بھی مجھے نہ دیا جاتا" (واما من اوتی کتابہ بشمالہ فیقول یالیتنی لم اوت کتابیہ)۔[1]

"اور اے کاش! میں اپنے حساب کتاب سے ہرگز خبردار نہ ہوا ہوتا" (ولم ادر ما حسابیہ)۔

"اور اے کاش مجھے موت آجاتی جو میری اس حسرت ناک زندگی کو ختم کر دیتی" (یالیتہا کانت القاضیۃ)۔[2]

ہاں! اس عظیم عدالت میں، اس "یوم البروز" اور "یوم الظہور" میں جب اپنے تمام قبیح اعمال کو برملا دیکھے گا تو اس کی فریاد بلند ہوگی۔ وہ دل سے پے در پے آہِ سوزاں کھینچے گا۔ ایسی آہ جو حسرت بار ہوگی اور ایسا نالہ جو شرربار ہوگا۔ وہ یہ آرزو کرے گا کہ اس کا اپنے ماضی سے کلی طور پر رابطہ ختم ہو جائے۔ وہ خدا سے موت و نابودی اور اس عظیم رسوائی سے نجات کی آرزو کرے گا۔ جیسا کہ سورۂ "نباء" کی آیت ۴۰ میں بھی آیا ہے: "ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا" "کافر اس دن یہ کہے گا۔ اے کاش! میں مٹی ہوتا اور ہرگز انسان نہ بنتا۔"

"یالیتہا کانت القاضیۃ" کے جملہ کی اور تفاسیر بھی بیان کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ "قاضیۃ" سے

---

[1] کتابیہ میں اور اسی طرح حسابیہ و مالیہ و سلطانیہ میں "ھا" جو بعد میں آیات میں آئے گا ھاء سکت یا ھاء استراحت ہے۔ نیز جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس کا کوئی خاص معنی نہیں ہے بلکہ یہ اس قسم کے کلمات میں ایک خوبصورت وقف شمار ہوتا ہے۔ یہ اس شخص کے حالات اور نفس کی کیفیت کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت رکھتا ہے، جو یہ بات کریں گے۔

[2] "کانت القاضیۃ" کے جملہ میں ایک محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے۔ (کانت ہذہ الحالۃ القاضیۃ)

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مراد پہلی موت ہے۔ یعنی اے کاش! جب ہم دنیا میں مر ہی گئے تھے تو پھر دوبارہ زندہ نہ ہوتے۔ نیز اس حالت میں ہے کہ دنیا میں کوئی چیز اس کی نظر میں موت سے زیادہ ناخوش آئند نہیں تھی۔ لیکن قیامت میں آرزو کرے گا، اے کاش وہ موت ہی برقرار رہتی۔

بعض نے اسے صُور کے پہلے نفخ کے بارے میں سمجھا ہے، جسے قارعۃ سے بھی تعبیر کیا گیا۔ یعنی اے کاش! دوسرا نفخ واقع ہی نہ ہوتا۔

لیکن وہ تفسیر جو ہم نے ابتداء میں بیان کی ہے سب سے زیادہ مناسب ہے۔

* * *

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "یہ گنہگار مجرم اعتراف کرتے ہوئے کہے گا: "میرے مال و دولت نے مجھے ہرگز بے نیاز نہیں کیا، اور آج کی مصیبت میں جو میری بیچارگی کا دن ہے، میرے کچھ کام نہ آیا" (ما اغنیٰ عنی مالیہ)۔

* * *

نہ صرف میرے مال و دولت نے مجھے بے نیاز نہیں کیا اور میری کسی مشکل کو حل نہیں کیا، "بلکہ میری قدرت و سلطنت بھی نابود ہو گئی اور ہاتھ سے چلی گئی" (ھلک عنی سلطانیہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو مال ہی کام آیا اور نہ ہی مقام و منصب، آج خالی ہاتھ، انتہائی ذلت و شرمساری کے ساتھ دادگاہِ عدلِ الٰہی میں حاضر ہوں، نجات کے تمام اسباب منقطع ہو گئے ہیں، میری طاقت و قدرت برباد ہو گئی ہے اور میری اُمید ہر جگہ سے ختم ہو چکی ہے۔

بعض نے یہاں سلطان کو دلیل و بُرہان کے معنی میں سمجھا ہے جو انسان کی کامیابی کا سبب ہوتا ہے یعنی آج میرے پاس کوئی ایسی دلیل اور حجت نہیں ہے جس کے ذریعے میں بارگاہِ خدا میں اپنے اعمال کی توجیہ کر سکوں۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں "سلطان" سے مُراد سلطہ و حکومت نہیں ہے، کیونکہ وہ سب لوگ جو دوزخ میں وارد ہوں گے کسی مُلک کے بادشاہ یا کچھ شہروں کے امیر تو نہیں تھے بلکہ اس سے مُراد انسان کا اپنے نفس اور اپنی زندگی پر تسلط ہے۔ لیکن اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ بہت سے دوزخی اس جہان میں تسلط و نفوذ رکھتے تھے یا وہ سردار اور امیر کبیر لوگ تھے، لہٰذا یہ صحیح نظر آتا ہے۔

ایک نکتہ

چند عبرت انگیز داستانیں

یہاں بہت سے واقعات نقل ہوئے ہیں جو سب کے سب اوپر والی آیات کے مضمون پر ایک تاکید اور

Contact :.jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان لوگوں کے لیے ایک درس عبرت ہیں جنہوں نے مال و مقام اور منصب پر تکیہ کیا اور سراپا غرور و غفلت اور گناہ میں آلودہ ہیں، منجملہ :

۱ : سفینۃ البحار میں کتاب نصائح سے اس طرح سے نقل ہوا ہے۔ "خراسان میں جب ہارون الرشید کی بیماری شدید ہوگئی تو اس نے طوس سے کسی طبیب کو بلانے کا حکم دیا۔ پھر اس نے کہا کہ اس کا پیشاب دوسرے چند بیماروں اور کچھ صحیح و سالم افراد کے پیشاب کے ساتھ طبیب کے سامنے پیش کیا جائے طبیب ان شیشیوں کو یکے بعد دیگرے دیکھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ وہ ہارون الرشید کے پیشاب والی شیشی تک پہنچ گیا چنانچہ یہ جانے بغیر کہ یہ شیشی کس کی ہے اس نے کہا : اس شیشی والے سے کہہ دیں کہ وہ اپنی وصیت کر دے۔ کیونکہ اس کی طاقت و قوت مضمحل ہو چکی ہیں اور اس کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ ہارون الرشید طبیب کی اس بات کو سن کر اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا، اور یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے۔

ان الطبیب بطبہ و دوائہ

لا یستطیع دفاع خب قد اتی

ما للطبیب یموت بالداء الذی

قد کان یبرء مثلہ فیما مضی

"طبیب اپنی طبابت اور دواؤں کے ذریعے اس موت کا دفاع کرنے کی قدرت نہیں رکھتا جو آپہنچی ہے۔

اگر وہ یہ قدرت رکھتا ہوتا تو پھر وہ خود اسی بیماری سے کیوں مرتا کہ جس کا وہ پہلے علاج کیا کرتا تھا۔"

اسی اثناء میں اُسے خبر ملی کہ لوگوں نے اس کی موت کی خبر پھیلا دی ہے۔ اس شہرت کو ختم کرنے کے لیے اس نے ایک سواری لانے کا حکم دیا اور کہا کہ مجھے اس پر سوار کر دو۔ لیکن اچانک اس جانور کا زانو کمزور ہوگیا۔ تب اس نے کہا : مجھے سواری سے اُتار دو کیونکہ اس خبر کو اُڑانے والے سچ کہتے ہیں تو اس کے بعد اس نے وصیت کی کہ اس کے لیے کئی کفن لائے جائیں، ان میں سے اس نے ایک کو پسند کر کے رکھ لیا اور کہا "میرے بستر کے قریب ہی میری قبر تیار کرو"۔ پھر اس نے قبر کی طرف دیکھا اور ان آیات کی تلاوت کی : ما اغنی عنی مالیہ۔ ھلک عنی سلطانیہ اور اسی دن دنیا سے رخصت ہوگیا۔[1]

---

[1] سفینۃ البحار جلد اول ص ۵۲۲ مادہ رشد

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲ : اسی کتاب میں عالمِ بزرگوار شیخ بہائیؒ سے بھی اسی طرح نقل ہوا ہے :

"ایک شخص جس کا نام 'توبہ' تھا اور غالباً وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہتا تھا، ایک دن اس نے اپنی گزری ہوئی عمر کا حساب لگایا تو وہ ۲۱۵۰۰ دن تھے۔ تب اس نے کہا : وائے ہو مجھ پر! اگر میں نے ہر دن کے مقابلہ میں صرف ایک ہی گناہ کیا ہو تو وہ بھی اکیس ہزار سے زیادہ بنتے ہیں۔ تو کیا میں خدا سے اکیس ہزار گناہوں کے ساتھ ملاقات کروں گا۔ اسی وقت اس نے ایک چیخ ماری، زمین پر گر پڑا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔[1]

۳ : 'ثعالبی' کی کتاب 'یتیمہ' میں اس طرح آیا ہے :

"جب عضد الدولہ کی موت کا وقت آن پہنچا تو اس کی زبان سے سوائے اس آیت کی تلاوت کے کچھ نہ نکلتا تھا : ما اغنی عنی مالیہ، ھلک عنی سلطانیہ۔ "میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا اور میری سلطنت بھی برباد ہو گئی"

[1] سفینۃ البحار جلد اول ص ۴۰۸ مادہ ذنب (اقتباس کے ساتھ)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۳۰) خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝

(۳۱) ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝

(۳۲) ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝

(۳۳) اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝

(۳۴) وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

(۳۵) فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝

(۳۶) وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝

(۳۷) لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ۝

ترجمہ

(۳۰) اسے پکڑو اور طوق و زنجیر میں جکڑ دو۔

(۳۱) پھر اسے جہنم میں پھینک دو۔

(۳۲) اس کے بعد اسے ایسی زنجیر میں باندھ دو جو ستر ہاتھ ہے۔

(۳۳) کیونکہ وہ ہرگز خداوند عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا۔

(۳۴) اور مساکین کو کھانا کھلانے کی لوگوں کو تشویق نہیں کرتا تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۳۵) لہٰذا آج یہاں اس کا کوئی مہربان اور یار و یاور نہیں ہے۔

(۳۶) اور نہ ہی پیپ اور خون کے علاوہ کوئی اور کھانا ہے۔

(۳۷) ایسی غذا جسے خطاکاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں کھاتا۔

تفسیر

اسے پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ دو۔

گزشتہ آیات کو جاری رکھتے ہوئے جو اصحاب شمال کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں کہ ان کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، ان کے آہ و نالہ کی فریاد بلند ہوگی اور وہ موت کی آرزو کریں گے۔ زیر بحث آیات میں ان کے عذاب کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اس وقت عذاب کے فرشتوں کو حکم دیا جائے گا: "اسے پکڑ لو اور طوق و زنجیر میں جکڑ دو" (خذوہ فغلوہ)۔

غلوہ، غل کے مادہ سے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے ایسی زنجیر کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ بعض اوقات مجرموں کے ہاتھ پاؤں ان کی گردن کے ساتھ باندھ دیئے جاتے ہیں اور وہ بہت ہی تکلیف دہ ہوتی ہے۔

* * *

اس کے بعد کہا جائے گا: "اس کو جہنم کی آگ میں داخل کر دو" (ثم الجحیم صلوہ)۔

* * *

"پھر اسے اتنی لمبی زنجیر میں جکڑ دو جو ستر ہاتھ ہے" (ثم فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعا فاسلکوہ)۔

"سلسلۃ" زنجیر کے معنی میں ہے اور اصل میں تسلسل کے مادہ سے لیا گیا ہے جو ہلنے اور لرزنے کے معنی میں ہے کیونکہ زنجیر کے حلقے اور کڑیاں لرزتی اور ہلتی رہتی ہیں۔

"ستر ہاتھ" کی تعبیر ممکن ہے تکثیر کے عنوان سے ہو، کیونکہ ستر کا عدد ایسے اعداد میں سے ہے جو عام طور پر کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ستر کا عدد ہی مراد ہو۔ بہرحال اس قسم کی زنجیر کو مجرموں کے گرد اس طرح سے لپیٹ دیں گے کہ وہ انھیں سر سے لے کر پاؤں تک گھیر لے گی۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ طولانی زنجیریں ایک ہی شخص کے لیے نہیں ہوں گی، بلکہ ہر گروہ کو ایک

jabir.abbas@yahoo.com www.ziaraat.com Saqeel-e-Karim

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زنجیر میں باندھیں گے۔ گزشتہ آیات میں غل و زنجیر کے ذکر کے بعد اس سزا کا ذکر اسی معنی کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

ذراع کہنی سے لے کر انگلیوں کی نوک تک کے فاصلہ کے معنی میں ہے (جو تقریباً آدھا میٹر ہوتا ہے) اور یہ عربوں کے نزدیک ایک ہی طول تھا جو ایک طبیعی پیمانہ ہے لیکن بعض نے کہا ہے کہ یہ عام ذراع سے مختلف ہے۔ اس طرح کہ اس کی ایک ذراع بہت زیادہ فاصلوں کو گھیر لیتی ہے اور سارے کے سارے دوزخیوں کو اسی ایک زنجیر کے ساتھ باندھ دیں گے۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ قیامت سے مربوط مسائل کو ہم دُنیا کے رہنے والوں کی زبان میں پورے طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جو کچھ آیات و روایات میں آیا ہے وہ صرف اس کی ایک شبح (سایہ یا ہیولے) کی تصویر کشی کرتا ہے۔

اس آیت میں ثُمّ کی تعبیر اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ وہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد ستر ذراع کی زنجیر میں جکڑے جائیں گے اور یہ ان کے لیے ایک نئی سزا ہوگی۔ یہ احتمال بھی ہے کہ یہ تمام انفرادی اور اجتماعی زنجیریں جہنم میں وارد ہونے سے پہلے ہوں گی اور ثُمّ اصطلاح کے مطابق ذکر میں تاخیر کے لیے ہے۔

٭ ٭ ٭

بعد کی دو آیات میں اس سخت و شدید عذاب کی اصلی علت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "کیونکہ وہ خدائے عظیم پر ایمان نہ لانے پر مصر تھا" (انه کان لا یؤمن بالله العظیم)۔

انبیاء و اولیاء اور پروردگار کے رسول اسے جس قدر خدا کی طرف دعوت دیتے تھے وہ اسی قدر انکار کرتا اور قبول نہیں کرتا تھا۔ اس طرح اپنے خالق سے اس کا رشتہ کلی طور پر منقطع ہو گیا تھا۔

٭ ٭ ٭

"اور وہ لوگوں کو، مساکین کو کھانا کھلانے کی تشویق نہیں کرتا تھا" (ولا یحض علی طعام المسکین)۔

اس طرح سے اس نے مخلوق سے بھی اپنا رشتہ توڑا ہوا تھا۔

اس بناء پر اس کی بدبختی کا سبب سے بڑا عامل خالق و مخلوق سے رابطے کا منقطع ہونا تھا۔

اس تعبیر سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ عمدہ اطاعتوں، عبادتوں اور شرعی احکام کو انھیں دو اعمال میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز "اطعام مساکین" کا ایمان پر عطف، اس عظیم انسانی عمل کی حد سے زیادہ اہمیت کی طرف اشارہ ہے اور واقعاً ایسا ہی ہے، کیونکہ بعض کے قول کے مطابق بدترین عقیدہ کفر ہے اور رذائل اخلاق میں سے بدترین بخل ہے۔

قابل توجہ بات ہے کہ یہ نہیں کہتا، "وہ کھانا نہیں کھلاتا تھا" بلکہ یہ کہتا ہے کہ دوسروں کو کھانا کھلانے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پر آمادہ نہیں کرتا تھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے:

اولاً: صرف ایک شخص کا کھانا کھلانا فقراء و مساکین کی مشکل کو حل نہیں کر سکتا، لہٰذا دوسروں کو بھی اس کارِ خیر کی دعوت دینا چاہیے تاکہ وہ عمومیت کا پہلو اختیار کرلے۔

ثانیاً: ممکن ہے کہ انسان شخصی طور پر کھانا کھلانے کی توانائی اور قدرت نہ رکھتا ہو لیکن ہر شخص دوسروں کو ترغیب دلانے کی قدرت تو رکھتا ہے۔

ثالثاً: بخیل افراد اس قسم کے ہوتے ہیں جو نہ صرف خود عطاء اور بخشش نہیں کرتے بلکہ دوسروں کے عطاء اور بخشش سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

بعض قدماء سے نقل ہوا ہے جو اپنی بیوی کو یہ حکم دیا کرتے تھے کہ وہ کھانا زیادہ پکایا کرے تاکہ وہ فقراء و مساکین کو بھی دے سکیں، اس کے بعد یہ کہا کرتے:

"اس زنجیر کا آدھا حصہ خدا پر ایمان لانے کی وجہ سے ہم نے باہر نکال دیا ہے اور اس کا دوسرا آدھا حصہ کھانا کھلوا کر باہر نکالتے ہیں۔"[1]

* * *

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "چونکہ اس کا کوئی عقیدہ و عمل ایسا نہ تھا، لہٰذا آج یہاں اس کا کوئی مہربان اور مددگار نہیں ہے۔" (فلیس له الیوم ههنا حمیم)۔

اور نہ ہی پیپ اور خون کے علاوہ اس کے لیے یہاں کوئی اور کھانا ہے۔" (ولا طعام الا من غسلین)۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان کی جزا اور عمل کامل طور پر ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ خالق سے رشتہ توڑنے کی وجہ سے وہاں ان کا کوئی گرم جوش اور گہرا دوست نہیں ہوگا۔ نیز فقراء اور مساکین کو کھانا نہ کھلانے کی وجہ سے، پیپ اور خون کے سوا اور کوئی کھانے کی چیز ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی، کیونکہ وہ سالہا سال تک لذیذ ترین کھانے کھاتے رہے تھے جبکہ بے نوا اور بے کس لوگوں کے پاس خونِ دل کے سوا اور کوئی کھانا نہیں تھا۔

"راغب" مفردات میں کہتا ہے کہ "غسلین" اس پانی کے معنی میں ہے جو کفار کے بدن کو دھونے سے جہنم میں گرے گا۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد وہ پیپ اور خون ہے جو دوزخیوں کے بدن سے گرے گی، شاید راغب کی مراد بھی یہی ہو اور طعام کی تعبیر بھی اسی معنی کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ سورہ غاشیہ کی آیت ۶ میں آیا ہے: لیس لهم طعام الا

---

[1] روح المعانی جلد ۲۹ ص ۵۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

من ضریع : ان کا کھانا "ضریع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔" اور ضریع کی تفسیر ایک قسم کے کانٹے سے کی ہے۔ سورہ دخان کی آیت ۴۳، ۴۴ میں آیا ہے : ان شجرت الزقوم طعام الاثیم: "درخت زقوم گنہگاروں کا کھانا ہے۔ اور "زقوم" کی ایک کڑوے بدبودار اور بدذائقہ نبات کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔ جس کا نمونہ سرزمین 'تہامہ' میں اگا کرتا تھا جو تلخ اور جلانے والا شیرہ رکھتا تھا۔ پس ان آیات اور زیر بحث آیت کو کیسے جمع کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں بعض نے تو یہ کہا ہے : یہ تینوں الفاظ 'ضریع'، 'زقوم'، 'غسلین' ایک ہی چیز کی طرف اشارہ ہیں۔ (اور وہ ایک سخت اور ناگوار نبات ہے جو اہل دوزخ کی غذا ہے۔)

بعض دوسروں نے یہ کہا ہے : دوزخیوں کے مختلف طبقات ہیں، ان تینوں چیزوں میں سے ایک ایک چیز ایک گروہ کی غذا ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ ان کی غذا تو 'زقوم وضریع' ہے، پینے کے لیے غسلین ہے اور مشروب کے بارے میں 'طعام' کی تعبیر نئی نہیں ہے۔

* * *

آخری زیر بحث آیت میں تاکید کے لیے مزید کہتا ہے : "اس غذا کو خطاکاروں کے سوا اور کوئی نہیں کھائے گا۔" (لا یأکلہ الا الخاطئون)۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ خاطی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو جان بوجھ کر غلط کام کرے، لیکن "مخطی" عمداً خطا کرنے والے اور سہواً خطا کرنے والے کو بھی کہا جاتا ہے ——— اس بناء پر دوزخ کی یہ غذا ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے، جو جانتے بوجھتے عمداً طغیان وسرکشی کے عنوان سے شرک وکفر اور بخل کی راہ پر چلتے ہیں۔

* * *

ایک نکتہ

حروفِ قرآن پر اعراب لگانے کی ابتداء

ایک حدیث میں آیا ہے کہ "صعصعہ بن صوحان جو امام علیؑ کے اصحاب میں سے تھے کہتے ہیں : "ایک عرب امام علیؑ کی خدمت میں آیا اور آیت " لا یأکلہ الا الخاطئون" کے بارے میں سوال کیا اور اس نے خاطئون یعنی خطاکاروں کی بجائے "خاطون" (جو قدم اٹھانے والوں کے معنی میں ہے) پڑھا اور پوچھا کہ قدم تو سب ہی لوگ اٹھاتے ہیں، تو کیا خدا ان سب ہی کو یہ غذا دے گا؟

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امام نے تبسم فرمایا، کہا: اے مردِ عرب! اس آیت کے صحیح الفاظ لا یأکلہ الّا الخاطئون ہیں۔ اس نے عرض کیا، اے امیرالمومنینؑ! آپ نے سچ فرمایا ہے، خدا کسی بے خطا بندے کو عذاب کے سپرد نہیں کرے گا۔ اس کے بعد امامؑ نے "ابوالاسود" کی طرف جو ایک ادیب شخص تھا رُخ کیا اور فرمایا: اس وقت عربی زبان سے بیگانہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے ہیں۔ ایسا کام کرو کہ وہ اپنی زبان کی اصلاح کر سکیں۔ اس حکم کے بعد ابوالاسود نے الفاظِ قرآن پر نصب اور کسر (زبر، زیر، پیش) کی علامت لگائی۔

◆ ◆ ◆

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۳۸) فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ۙ

(۳۹) وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ۙ

(۴۰) اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۙۚ

(۴۱) وَّمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ ۙ

(۴۲) وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍ‌ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ؕ

(۴۳) تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ‏ ۝

ترجمہ

(۳۸) قسم کھاتا ہوں میں اس کی جسے تم دیکھ رہے ہو۔

(۳۹) اور اس کی جسے تم نہیں دیکھتے۔

(۴۰) کہ یہ قرآن، ایک بزرگوار رسُول کی زبان سے نکلا ہوا کلام ہے۔

(۴۱) اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے، لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔

(۴۲) اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ لیکن تم بہت ہی کم متذکر ہوتے ہو۔

(۴۳) (بلکہ یہ وہ کلام ہے جو) عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل ہُوا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

یہ قرآن یقیناً خدا کا کلام ہے۔

ان مباحث کے بعد جو گذشتہ آیات میں قیامت اور مومنین وکفار کی سرنوشت کے بارے میں بیان ہوئے تھے، ان آیات میں قرآن مجید اور نبوت کے بارے میں ایک فصیح و بلیغ بحث کرتا ہے تاکہ "نبوۃ" اور "معاد" کی بحث ایک دوسرے کی تکمیل کریں۔

پہلے فرماتا ہے: "قسم کھاتا ہوں میں اس کی جسے تم دیکھتے ہو" (فلا اقسم بما تبصرون)۔

"اور اس کی جسے تم نہیں دیکھتے" (وما لا تبصرون)۔

مشہور یہ ہے کہ لفظ لا اس قسم کے موارد میں زائدہ اور تاکید کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ لا یہاں بھی نفی کے معنی دیتا ہے۔ یعنی میں ان امور کی قسم نہیں کھاتا، کیونکہ اولاً تو اس قسم کی ضرورت نہیں اور ثانیاً، قسم خدا کے نام کی ہونا چاہیے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مناسب وہی پہلا معنی ہے کیونکہ قرآن مجید میں خدا کے نام اور غیر خدا کے نام کی قسمیں بہت زیادہ ہیں۔

ما تبصرون وما لا تبصرون کا جملہ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے جو ان تمام چیزوں کو جنہیں انسان دیکھتے ہیں اور نہیں دیکھتے، گھیر لیتا ہے، دوسرے لفظوں میں یہ سارے عالم "شہود" اور "غیب" کو شامل ہے۔

ان دو آیات کی تفسیر میں دیگر احتمال بھی دیئے گئے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے: "ما تبصرون" سے مراد عالم خلقت ہے اور "ما لا تبصرون" سے مراد خالق ہے، یا یہ کہ اس سے مراد ظاہری اور باطنی نعمتیں، یا انسان اور فرشتے، یا اجسام و ارواح، یا دنیا و آخرت ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے ان دونوں تعبیروں کے مفہوم کی وسعت اس کے معنی کو محدود کرنے سے مانع ہے۔ اس بناء پر افق نگاہ میں جو کچھ آتا ہے اور جو نہیں آتا وہ سب اس سوگند و قسم میں داخل ہے لیکن اس کا شمول خدا کی نسبت بعید نظر آتا ہے، کیونکہ خالق کو مخلوق کے ساتھ قرار دینا مناسب نہیں ہے، خصوصاً "ما" کی تعبیر کے ساتھ کہ جو عام طور پر غیر ذوی العقول کے لیے آتی ہے۔

ضمنی طور پر اس تعبیر سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ جو کچھ انسان آنکھ سے نہیں دیکھتا وہ بہت کچھ ہے: موجودہ علم و دانش نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے کہ محسوسات، موجودات کے ایک محدود دائرے کو ہی شامل ہوتے ہیں اور جو کچھ افق حس میں نہیں آتا، چاہے وہ رنگ ہوں یا آوازیں، ذائقے ہوں یا امواج وغیرہ، وہ کئی درجے زیادہ ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہ ستارے جو کرۂ ارض کے دونوں آدھے حصّوں کے مجموعہ میں آنکھ سے دکھائی دیتے ہیں، ماہرین کے حساب کے مطابق تقریباً پانچ ہزار ستارے ہیں جبکہ وہ ستارے جو آنکھ سے دیکھے نہیں جاتے وہ اربوں کھربوں سے بھی زیادہ ہیں۔

وہ صوتی امواج (آواز کی لہریں) جن کا ادراک کرنے پر انسان کے کان قدرت رکھتے ہیں بہت ہی محدود لہریں ہیں جبکہ ہزارہا دوسری ایسی صوتی لہریں موجود ہیں کہ جن کے سننے کی انسانی کان قدرت نہیں رکھتے۔

وہ رنگ جنھیں ہم دیکھ سکتے ہیں سات مشہور رنگ ہیں لیکن آج یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بنفشی اور قرمزی رنگوں کے علاوہ بے شمار دوسرے ایسے رنگ ہیں کہ جن کے مشاہدے کی ہماری آنکھ میں بالکل ہی قدرت نہیں ہے۔

ان چھوٹے چھوٹے جانداروں کی تعداد جو آنکھ سے دیکھے نہیں جا سکتے اس قدر زیادہ ہے کہ اس نے تمام دنیا کو پُر کر رکھا ہے، بعض اوقات وہ پانی کے ایک قطرے میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہوتے ہیں۔ اس حال میں یہ بات کتنی دردناک ہے کہ ہم اپنے آپ کو محسوسات کے زندان میں قید کرلیں اور محسوسات کی دنیا کے باہر سے بے خبر ہو جائیں یا اس کا انکار کر دیں؟

عالمِ ارواح ایک ایسا عالم ہے جو دلائلِ عقلی بلکہ تجرباتی دلائل سے بھی ثابت ہو چکا ہے۔ وہ عالم ہمارے عالمِ جسم سے کہیں زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں محسوسات کی چار دیواری میں کس طرح قید رہا جا سکتا ہے؟

◆ ◆ ◆

اس کے بعد والی آیہ میں اس عظیم و بے نظیر سوگند و قسم کے نتیجہ اور جواب کو ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"یہ قرآن ایک بزرگوار رسُول کی گفتگو ہے" (انه لقول رسول کریم)۔

"رسُول" سے مراد یہاں بلاشبہ وشبہ اسلام کے پیغمبر گرامیؐ ہیں نہ کہ جبریل، کیونکہ بعد والی آیات وضاحت کے ساتھ اس معنی کی گواہی دیتی ہیں۔

اور یہ جو کہتا ہے کہ یہ ایک بزرگوار رسُول کی گفتگو ہے حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ اس کی تبلیغ کرنے والے ہیں، خصوصاً جبکہ ان کی 'رسالت' کے وصف کا ذکر ہوا ہے جیسا کہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ رسُول جو کچھ لاتا ہے وہ بھیجنے والے کی بات ہوتی ہے، اگرچہ وہ رسُول کی زبان سے جاری اور اس کے لب ہائے مبارک سے سُنا جاتا ہے۔

◆ ◆ ◆

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو" (وما هو بقول شاعر قليلاً ما تؤمنون)[1]

(حاشیہ [1] اگلے صفحہ پر)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں ہے ۔ اگرچہ تم بہت ہی کم متذکر ہوتے ہو۔" (ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون)۔

حقیقت میں یہ دونوں آیات ان ناروا نسبتوں کی نفی ہیں ، جو مشرکین اور مخالفین ذات پیغمبرؐ کی طرف دیتے تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ وہ شاعر ہے اور یہ آیات اس کے اشعار ہیں ، کبھی کہتے کہ وہ کاہن ہے اور یہ آیات اس کی کہانت ہیں کیونکہ کاہن ایسے لوگ ہوتے تھے جو بعض اوقات جن یا شیاطین سے ارتباط کی بناء پر غیب کے بعض اسرار بیان کیا کرتے ۔ اور خصوصیت کے ساتھ اپنے الفاظ کو سجع اور موزوں جملہ بندی کے ساتھ پیش کرتے تھے ، چونکہ قرآن میں غیب کے اخبار بھی ہیں اور مخصوص نظم و ترتیب بھی ہے ، لہٰذا وہ پیغمبرؐ پر یہ تہمت لگاتے تھے ، حالانکہ کہانت اور قرآن کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے ۔

بعض نے ان آیات کے شان نزول میں نقل کیا ہے کہ جس شخص نے پیغمبرؐ کی طرف شعر و شاعری کی نسبت دی وہ ابوجہل تھا اور کہانت کی نسبت دینے والا "عقبہ" یا "عتبہ" تھا اور دوسرے لوگ ان کی پیروی کرتے ہوئے ان تہمتوں کی تکرار کرتے تھے ۔

یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کے الفاظ میں ہم آہنگی اور ایسی خوبصورت موزونیت ہے ، جو کانوں کو بھلی لگتی ہے اور روح کو سکون بخشتی ہے ۔ لیکن یہ چیز نہ تو شاعروں کے شعر سے کوئی ربط رکھتی ہے اور نہ ہی کاہنوں کے سجع و قوافی سے اس کا واسطہ ہے ۔

"شعر" عام طور پر تخیلات کی پیداوار اور بر افروختہ احساسات و عاطفی ہیجانات کو بیان کرنے والے ہوتے ہیں ۔ اسی وجہ سے ان میں نشیب و فراز اور اٹھنے اور گرنے کا عمل زیادہ ہوتا ہے ، جبکہ قرآن زیبائی اور جاذبیت کے باوجود ، کامل طور پر استدلالی ، منطقی اور عقلاتی مضامین کا حامل ہے ۔ اگر بعض اوقات یہ آئندہ کی پیش گوئیاں کرتا ہے تو یہ پیش گوئیاں قرآن کی اصلیت نہیں ہیں ، نیز یہ کاہنوں کی خبروں کے برخلاف سب کی سب سچی ہوتی ہیں ۔

"قلیلا ما تؤمنون" اور "قلیلا ما تذکرون" کے جملے ایسے افراد کی توبیخ و سرزنش کے لیے ہیں جو اس آسمانی وحی کو واضح نشانیوں کے ساتھ دیکھتے ہیں ، لیکن کبھی اسے شعر قرار دیتے ہیں اور کبھی کہانت اور بہت کم ایمان لاتے ہیں ۔

◆ ◆ ◆

آخری زیر بحث آیت میں تاکید کے عنوان سے صراحت کے ساتھ کہتا ہے : "یہ قرآن عالمین کے پروردگار

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

قلیلا اس آیت اور اس کے بعد والی آیت میں ایک محذوف "مفعول مطلق" کی صفت ہے اور "ما" زائدہ ہے ، تقدیر میں اس طرح ہے : (تؤمنون ایماناً قلیلاً)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی طرف سے نازل ہوا ہے: (تنزیل من رب العالمین)۔[1]

اس بناء پر قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت، نہ پیغمبر اسلامؐ کے ذہن کی پیداوار اور نہ ہی جبریل کا کلام ہے، بلکہ وہ خدا کا کلام ہے جو بیشک وحی کے ذریعہ پیغمبر کے پاک دل پر نازل ہوا ہے۔ یہی تعبیر تھوڑے سے فرق کے ساتھ قرآن مجید میں گیارہ مقامات پر آئی ہے۔

◆ ◆ ◆

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

[1] تنزیل مصدر ہے، اسم مفعول کے معنی میں اور ایک محذوف مبتدا کی خبر ہے۔ تقدیر میں اس طرح ہے "ھو منزل من رب العالمین"۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ (۴۴)

لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ (۴۵)

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ (۴۶)

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ (۴۷)

وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (۴۸)

وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ۝ (۴۹)

وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ (۵۰)

وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ۝ (۵۱)

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝ (۵۲)

ترجمہ

(۴۴) اگر وہ ہم پر جھوٹ باندھتا

(۴۵) تو ہم اسے پوری قدرت کے ساتھ پکڑ لیتے۔

(۴۶) اس کے بعد ہم اس کے دل کی رگ کو کاٹ دیتے۔

(۴۷) اور تم میں سے نہ کوئی روک سکتا نہ اس کی حمایت کرتا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۴۸) یہ یقیناً پرہیزگاروں کے لیے ایک تذکرہ ہے۔

(۴۹) اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

(۵۰) اور یہ کافروں کے لیے مایۂ حسرت ہے۔

(۵۱) اور وہ خالص یقین ہے۔

(۵۲) (اب جبکہ ایسا ہے تو) تم اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کرو۔

تفسیر

اگر وہ ہم پر جھوٹ باندھتا تو ہم اسے مہلت نہ دیتے۔

قرآن سے مربوط مباحث کو جاری رکھتے ہوئے ان آیات میں اس کی اصالت پر ایک واضح دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اگر وہ ہم پر جھوٹ باندھتا ہے" (ولو تقول علینا بعض الاقاویل)۔

* * *

"تو ہم پوری قدرت کے ساتھ اس کو پکڑ لیتے" (لاخذنا منہ بالیمین)۔

* * *

"پھر ہم اس کے دل کی رگ کو کاٹ دیتے۔" (ثم لقطعنا منہ الوتین)۔

* * *

"اور تم میں سے کوئی بھی اس کام میں مانع نہ ہوتا اور نہ ہی اس کی حمایت کرتا۔" (فما منکم من احد عنہ حاجزین)[1]

اقاویل جمع ہے اقوال کی اور اقوال اپنی نوبت میں جمع ہے قول کی تو اس بناء پر اقاویل جمع ہے اور یہاں اس سے مراد جھوٹی باتیں ہیں۔

"تقوّل" "تقوّل" (بروزن تکلّف) کے مادہ سے ان باتوں کے معنی میں ہے جنھیں انسان خود اپنی طرف سے گھڑے اور ان کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

لاخذنا منہ بالیمین (ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور سزا دیتے۔ کیونکہ انسان بہت سے کام

[1] "من احد" میں "من" زائدہ اور تاکید کے لیے ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

و دایاں ہاتھ سے انجام دیتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں زیادہ قدرت ہوتی ہے۔ اس طرح "یمین" قدرت سے کنایہ ہے۔ [1]

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں اور احتمالات بھی دیئے ہیں، چونکہ وہ غیر مانوس اور غیر موزوں تھے لہٰذا ہم نے ان سے صرف نظر کیا ہے۔

"وتین" "دل کی رگ" کے معنی میں ہے، یعنی شہ رگ جو تمام اعضاء میں خون پہنچاتی ہے، اگر وہ کٹ جائے تو انسان کو فوراً اور ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر موت آجاتی ہے، یہ وہ سریع ترین سزا ہے جو کسی شخص کے بارے میں انجام پا سکتی ہے۔

بعض نے اس کی تفسیر اس رگ سے کی جس کے ساتھ دل آویزاں ہوتا ہے یا اس رگ سے جو جگر کو خون پہنچاتی ہے یا رگ نخاع جو مہروں کے ستون کے وسط میں ہوتی ہے۔ لیکن پہلی تفسیر سب سے صحیح نظر آتی ہے۔

"حاجزین" حاجز کی جمع ہے جو مانع اور رکاوٹ کے معنی میں ہے۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا پر جھوٹ بولے اور خدا فوراً اس کو سزا دے اور اسے ہلاک کر دے تو پھر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کو تیزی کے ساتھ نابود ہو جانا چاہیے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، اور ان میں بہت سے سالہا سال زندہ رہے ہیں، یہاں تک کہ ان کا باطل مذہب ان کے بعد بھی باقی رہا ہے۔

اس سوال کا جواب ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن یہ نہیں کہتا کہ "ہر مدعی" بلکہ یہ کہتا ہے کہ اگر پیغمبر اسلامؐ اس طرح کا کام کرے، یعنی وہ پیغمبرؐ جسے خدا نے معجزہ دیا، اور حقانیت کے دلائل نے اس کی تائید کی ہے، اگر وہ طریق حق سے منحرف ہو جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی اُسے مہلت نہیں دی جائے گی، کیونکہ یہ چیز لوگوں کی گمراہی اور ضلالت کا سبب بنے گی۔ [2]

لیکن جو شخص باطل دعویٰ کرتا ہے اور کوئی معجزہ یا واضح دلیل اپنی حقانیت پر نہیں رکھتا تو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ خدا اُسے فوراً ہلاک کرے۔ کیونکہ اس کی باتوں کا بطلان ہر اس شخص کے لیے جو حق کا طالب ہے واضح اور روشن ہے۔ مشکل وہاں آپڑتی ہے جہاں نبوت کا مدعی دلائل و معجزات کے ہمراہ ہو اور وہ حق کی راہ سے منحرف ہو جائے۔

اِس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جو بعض گمراہ فرقے اپنے پیشواؤں کے دعوے کے اثبات کے لیے اس

---

[1] اوپر والے جملہ میں "مِن" زائدہ اور تاکید کے لیے ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے۔ "لاخذناہ بالیمین"

[2] یہ وہی چیز ہے جو علم کلام کی کتب میں جھوٹے کے ہاتھ میں معجزہ قرار دینے کے عنوان سے پیش ہوتی ہے اور اس کو قبیح قرار دیا جاتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آیت سے تمسک کرتے ہیں وہ بالکل غلط ہے، ورنہ مسیلمہ کذاب جیسے افراد اور دوسرے جھوٹے مدعی بھی اس آیت سے اپنی حقانیت پر استدلال کر سکتے ہیں۔

* * *

بعد والی آیت میں تاکید اور یاد آوری کے لیے فرماتا ہے: "یہ قرآن یقینی طور پر پرہیزگاروں کے لیے ایک نصیحت ہے۔" (وانه لتذكرة للمتقين)۔

ان کے لیے جو اپنے آپ کو گناہ سے پاک کرنے کے لیے تیار ہوں، راہِ حق کو طے کرنے پر آمادہ ہوں، ان کے لیے جو جستجو میں لگے رہتے ہیں، حقیقت کے طالب ہیں، قرآن ان کے لیے ذکر اور نصیحت ہے۔ لیکن جو لوگ تقوٰی کی یہ حد نہیں رکھتے وہ یقیناً قرآنی تعلیمات سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

اس لحاظ سے قرآن جو گہری، عمیق اور حد سے زیادہ تاثیر رکھتا ہے وہ اس کی حقانیت کی ایک اور دلیل ہے۔

* * *

اس کے بعد کہتا ہے: "اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے ایک گروہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔" (و انّا لنعلم انّ منكم مكذبين)۔

لیکن ہٹ دھرم جھٹلانے والوں کا وجود ان کے حق پر نہ ہونے کی دلیل میں رکاوٹ نہیں بن سکتا ہے، کیونکہ پرہیزگار اور حقیقت کے طالب ہی اس سے متذکر ہوتے ہیں۔ وہ اس میں حق کی نشانیاں دیکھتے ہیں اور راہِ خدا میں قدم رکھ دیتے ہیں۔

اس بناء پر جس طرح ایک روشن چراغ سے فائدہ اٹھانے کے لیے کم از کم یہ ضروری ہے کہ انسان اپنی آنکھ کو کھلا رکھے اسی طرح نورِ قرآن سے فائدہ اٹھانے کے لیے بھی دل کی آنکھ اس کے اوپر کھلی رکھنی چاہیے۔

* * *

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "اور یہ قرآن کافروں کے لیے حسرت کا باعث ہے۔" (و انه لحسرة على الكافرين)۔

آج یہ اس کی تکذیب کر رہے ہیں لیکن کل جو "یوم الظہور" اور "یوم البروز" ہونے کے ساتھ ساتھ "یوم الحسرت" بھی ہے وہ سمجھ لیں گے کہ انھوں نے ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے کتنی عظیم نعمت کو ہاتھ سے دے دیا ہے اور کیسے کیسے دردناک عذاب اپنے لیے خرید لیے ہیں، وہ دن جس میں وہ مومنین کی بلندیاں اور پستیاں دیکھیں گے اور ان کا آپس میں موازنہ کریں گے تو حسرت کے ساتھ انگلی منہ میں داب لیں گے اور غصہ اور غصہ کی شدت سے اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹیں گے۔ "ويوم يعض الظالم على يديه يقول ياليتني اتخذت مع الرسول سبيلا۔" اس دن کو یاد کرو جب ظالم اپنے دونوں ہاتھوں کو شدتِ حسرت سے کاٹے گا اور کہے گا کہ اے کاش! میں رسول کے راستے پر چلتا۔" (فرقان۔ ۲۷)

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس بناء پر کہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ منکرین کا شک و تردید یا تکذیب، قرآن کے مفاہیم کے ابہام کی وجہ سے ہے، لہٰذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "یہ قرآن یقینِ خالص اور حق یقین ہے۔" (و انہ لحق الیقین)۔

بعض مفسرین کے قول کے مطابق حق الیقین کی تعبیر کسی چیز کی اپنی ذات کی طرف نسبت کی قبیل سے ہے کیونکہ "حق" عین یقین ہے اور یقین عین حق ہے، جیسا کہ ہم کہتے ہیں "مسجد الجامع" اور "یوم الخمیس" اور یہ اضافت اصطلاح کے مطابق اضافت بیانیہ ہے۔

لیکن بہتر ہے یہ کہا جائے کہ یہ موصوف کی صفت کی طرف اضافت کے قبیل سے ہے۔ یعنی قرآن ایک خالص یقین ہے، یا دوسرے لفظوں میں یقین کے کئی مراحل ہوتے ہیں۔

کبھی وہ دلیلِ عقلی سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ہم دھوئیں کو دور سے دیکھتے ہیں تو اس سے آگ کے وجود کا یقین حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ ہم نے آگ کو نہیں دیکھا، اس کو "علم الیقین" کہتے ہیں۔

بعض اوقات ہم اور نزدیک جا کر آگ کے شعلوں کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں۔ اس سے یقین اور زیادہ محکم ہو جاتا ہے اور اس کو عین الیقین کا نام دیتے ہیں۔

بعض اوقات ہم اس سے بھی زیادہ نزدیک چلے جاتے ہیں، آگ کے پاس یا آگ کے اندر داخل ہو جاتے ہیں اور اس کی سوزش کو اپنے ہاتھ سے لمس کرتے ہیں۔ یقیناً یہ یقین کا بالاتر مرحلہ ہے اور اس کو حق الیقین کہتے ہیں۔

اوپر والی آیت کہتی ہے کہ قرآن یقین کے اس قسم کے مرحلہ میں ہے۔ لیکن اس کے باوجود دل کے اندھے اس کا انکار کرتے ہیں۔

* * *

پھر آخری زیر بحث آیت جو سورۂ حاقہ کی آخری آیت ہے، اس میں فرماتا ہے: "اب جبکہ ایسا ہے، تو اپنے عظیم پروردگار کی تسبیح کر اور اس کو ہر قسم کے عیب و نقص سے منزّہ شمار کر (فسبح باسم ربک العظیم)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس آیت اور اس سے پہلے والی آیت کا مضمون تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ سورۂ واقعہ کے آخر میں بھی آیا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ یہاں گفتگو قرآن مجید کے بارے میں ہے اور اس کی توصیف "حق الیقین" کے ساتھ ہوئی ہے۔ لیکن سورۂ واقعہ کے آخر میں قیامت میں نیکوکاروں کے مختلف گروہوں کے بارے میں گفتگو ہے۔

* * *

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک نکتہ

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان آیات میں قرآن کی توصیف چار صفات کے ساتھ کی گئی ہے۔
پہلے کہتا ہے: یہ رب العلمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔
اس کے بعد کہتا ہے: یہ متقین کے لیے یاد آوری اور تذکر ہے۔
پھر کہتا ہے: کافروں کے لیے حسرت و ندامت کا باعث ہے۔
اور آخری مرحلہ میں مزید کہتا ہے: یہ حق الیقین ہے۔
ان میں سے پہلی صفت تمام لوگوں کے لیے ہے۔
دوسری صفت پرہیزگاروں کے لیے ہے۔
تیسری صفت کفار کے ساتھ مربوط ہے۔
اور چوتھی صفت خاصانِ خدا اور مقربین سے مربوط ہے۔

◆ ◆ ◆

خداوندا! تو خود جانتا ہے کہ کوئی چیز سرمایۂ یقین سے برتر نہیں ہے، ہمیں ایسا ایمان اور یقین مرحمت فرما جو حق الیقین کا مصداق ہو۔

پروردگارا! قیامت کا دن یوم الحسرت ہے، ہمیں کم از کم ان لوگوں میں سے قرار دے کہ جنہیں طاعتوں کی کمی پر حسرت ہو، نہ کہ کثرتِ گناہ اور ترکِ طاعت پر حسرت و ندامت ہو۔

بارِ الٰہا! ہمارا نامۂ اعمال ہمارے دائیں ہاتھ میں دینا اور ہمیں اپنی جنت عالیہ اور عیشۂ راضیہ (پسندیدہ زندگی) میں داخل فرما۔ آمین یا رب العالمین۔

◆ ◆ ◆

سورۂ حاقہ کا اختتام ۵ ذی القعدہ ۱۴۰۶ھ
تفسیر نمونہ جلد ۲۴ کا اختتام

اختتامِ ترجمہ
بروز اتوار بوقت ساڑھے پانچ بجے دوپہر
بتاریخ ۱۰ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۸۷
بدست حقیر پُر تقصیر سید صفدر حسین نجفی فرزند سید غلام سرور نقوی مرحوم
بر مکان سینہ نوازش علی ۸۱، ۱۱ ای ماڈل ٹاؤن، لاہور
الحمد للہ اولاً و آخراً و صلی اللہ علی محمد و آلہ سرمداً ابداً

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورہ معارج

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی

اور

اس کی ۴۴ آیات ہیں

تاریخ شروع

۵ ذی قعدہ ۱۴۰۶ ھ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سُورۂ معارج کے مطالب

مفسرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ سورہ معارج مکی سورتوں میں سے ہے اور "فہرست ابن ندیم" و "کتاب نظم الدرر" و "تناسق الآیات والسور" کی بنیاد پر، ابو عبداللہ زنجانی کی "تاریخ القرآن" کے مطابق، یہ سورہ (۷۷) ستترہواں سورہ ہے جو مکہ میں نازل ہوا۔

لیکن یہ چیز اس سے مانع نہیں ہے کہ اس کی بعض آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور یہ بات سورہ معارج پر ہی منحصر نہیں ہے کیونکہ قرآن کے بہت سے سورے ایسے ہیں جو مکی ہیں لیکن ان میں ایک یا کئی آیات ایسی ہیں جو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور اسی طرح اس کے برعکس بعض مدنی سورتوں میں مکی آیات موجود ہیں۔

اس موضوع کے بہت سے نمونے "علامہ امینی" نے "الغدیر" میں پیش کیے ہیں [1]

اس بات کی دلیل کہ اس سورہ کی ابتدائی آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں، وہ بہت سی روایات ہیں جو ان شاء اللہ ان آیات کی تفسیر میں بیان کی جائیں گی۔

بہرحال مکی سورتوں کی خصوصیات، مثلاً اصول دین کے بارے میں بحث، خاص طور پر معاد اور مشرکین و مخالفین کو ڈرانے کے بارے میں اس سورہ میں کامل طور سے نمایاں ہے اور مجموعی طور سے یہ سورہ چار حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلا حصہ: اس شخص کے لیے جلدی ہونے والے عذاب کی بات کرتا ہے جس نے پیغمبر کے بعض ارشادات کا انکار کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ اگر یہ بات حق ہے تو مجھ پر عذاب نازل فرما اور عذاب نازل ہو گیا۔ (آیہ ۱ تا ۳)

دوسرا حصہ: قیامت کی بہت سی خصوصیات اور اس کے مقدمات، اور اس دن کفار کے حالات کے بارے میں آیا ہے (آیہ ۴ تا ۱۸)۔

تیسرا حصہ: اچھے اور بُرے انسانوں کی صفات کے ان حصوں کو بیان کرتا ہے جو انہیں جنتی اور دوزخی بنا دیتے ہیں۔ (آیہ ۱۹ تا ۳۴)

چوتھا حصہ: مشرکین و منکرین کو ڈرانے والی باتوں پر مشتمل ہے اور پھر دوبارہ مسئلہ قیامت کی طرف لوٹتا اور سورہ کو ختم کرتا ہے۔

اس سُورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر سے آیا ہے:

---

[1] الغدیر جلد اص ۲۵۵ تا ۲۵۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"من قرأ "سأل سائل" اعطاه الله ثواب الذین هم لاماناتهم و عهدهم راعون و الذین هم علی صلواتهم یحافظون"

"جو شخص سورہ "سأل سائل" کو پڑھے تو خدا اسے ان لوگوں کا ثواب دے گا جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں"[1]

ایک اور حدیث میں امام باقرؑ سے منقول ہے:

"من ادمن قرأته "سأل سائل" لم یسأله الله یوم القیامة عن ذنب عمله واسکنه جنته مع محمد (ص)"

جو ہمیشہ سورہ "سأل سائل" کو پڑھے تو خدا قیامت کے دن اس سے اس کے گناہوں کی بازپرس نہیں کرے گا اور اس کو جنت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سکونت عطا فرمائے گا۔[2]

یہی مضمون امام صادقؑ سے نقل ہوا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ وہ بات جو انسان کو ان عجیب عظیم ثوابوں کا مشمول قرار دیتی ہے وہ ایسی تلاوت ہے جو عقیدہ و ایمان کے ساتھ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ عمل بھی ہو، نہ یہ کہ وہ آیات اور سورہ کو تو پڑھے لیکن اس کی روح اور فکر و عمل میں کسی قسم کا انعکاس نہ ہو۔

---

[1] مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۳۵۰

[2] مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۳۵۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

۱۔ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ○

۲۔ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ دَافِعٌ ○

۳۔ مِّنَ اللّٰہِ ذِی الۡمَعَارِجِ ○

رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے

ترجمہ

۱۔ ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا جو واقع ہو گیا۔

۲۔ یہ عذاب کفار کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی بھی شخص اسے دفع نہیں کر سکتا۔

۳۔ یہ ذی المعارج خدا کی طرف سے ہے (وہ خدا جس کے فرشتے آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں)۔

شانِ نزول

بہت سے مفسرین اور محدثین نے ان آیات کی ایک شانِ نزول بیان کی ہے، جس کا ماحصل اس طرح ہے:

"جب رسولِ خدا نے علی کو "غدیر خم" کے دن خلافت پر منصب فرمایا تو ان کے بارے میں یہ ارشاد کیا من کنت مولاہ فعلی مولاہ " "جس جس کا میں مولیٰ و ولی ہوں، اس اس کے علی مولیٰ و ولی ہیں" زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ یہ بات سارے شہروں اور بستیوں میں پھیل گئی۔ نعمان بن حارث فہری، پیغمبرؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم یہ گواہی دیں کہ خدا واحد و یگانہ ہے اور آپ اس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں تو ہم نے گواہی دی۔ اس کے بعد آپ نے ہمیں جہاد، حج، روزہ، نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہم نے ان سب کو قبول کر لیا لیکن آپ ان سب چیزوں پر راضی نہ ہوئے، یہاں تک کہ اس جوان کو (علی کی طرف اشارہ کیا) اپنی جانشینی اور خلافت پر نصب فرمایا اور یہ کہا کہ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کیا یہ بات خود آپ نے اپنی طرف سے کہی ہے یا یہ خدا کی جانب سے ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے یہ بات خدا کی طرف سے ہے"

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نعمان نے منہ پھیر لیا اور یہ کہتا جاتا تھا:

اللّٰھم ان کان ھٰذا ھو الحق من عندك فامطر علینا حجارۃ من السماء؛

خداوندا! اگر یہ بات حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا۔"

اسی وقت ایک پتھر آسمان سے اس کے سر پر گرا اور اسے مار ڈالا، اسی موقع پر آیہ سأل سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہ دافع" نازل ہوئی۔

ہم نے جو کچھ اوپر بیان کیا ہے، یہ اس عبارت کا خلاصہ ہے جو مجمع البیان" میں "ابوالقاسم حسکانی" سے اس کے سلسلہ سند کے ساتھ "امام صادق" سے نقل ہوئی ہے۔[1]

اس مضمون کو اہل سنت کے بہت سے مفسرین اور راویانِ حدیث نے بھی مختصر فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔

مرحوم "علامہ امینیؒ" نے "الغدیر" میں اسے اہلِ سنت کے تیس مشہور علماء سے نقل کیا ہے (حوالہ اور اصل عبارت کے ساتھ) منجملہ ان کے:

- تفسیر "غریب القرآن"۔ حافظ ابوعبید ہروی۔
- تفسیر "شفاء الصدور"۔ ابوبکر نقاش موصلی۔
- تفسیر "الکشف والبیان"۔ ابواسحاق ثعالبی۔
- تفسیر "ابوبکر یحیٰی"۔ القرطبی۔
- تذکرہ "ابواسحاق"۔ ثعلبی۔
- کتاب "فرائد السمطین"۔ حموینی۔
- کتاب "درر السمطین"۔ شیخ محمد زرندی۔
- تفسیر "سراج المنیر"۔ شمس الدین شافعی۔
- کتاب "سیرۂ حلبی"
- کتاب "نور الابصار"۔ سید مومن شبلنجی۔
- کتاب "شرح جامع الصغیر سیوطی"۔ شمس الدین شافعی۔ وغیرہ[2]

ان کتابوں میں سے بہت سی میں یہ تصریح ہوئی ہے کہ اوپر والی آیات اسی سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں، البتہ اس سلسلہ میں کہ یہ شخص حارث بن نعمان" تھا یا "جابر بن نضر" یا "نعمان بن حارث فہری" اختلاف ہے، اور ہم یہ جانتے ہیں کہ اس بات کا اصل مطلب پر کوئی مختلف اثر نہیں پڑتا۔

---

[1] مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۳۵۲

[2] الغدیر، جلد ۱ ص ۲۳۹ تا ۲۴۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

البتہ بعض مفسرین و محدثین جو علی کے فضائل کو خوشی سے قبول نہیں کرتے، انھوں نے اس شانِ نزول پر مختلف اعتراضات کیے ہیں جن کی طرف انشاء اللہ بحث کے آخر میں اشارہ ہوگا۔

تفسیر

فوری عذاب

سورۂ معارج یہاں سے شروع ہوتی ہے: "ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا تقاضا کیا جو واقع ہوگیا (سأل سائل بعذاب واقع)۔

یہ سوال کرنے والا جیسا کہ ہم نے شانِ نزول میں بیان کیا ہے "نعمان بن حارث" یا "نضر بن حارث" جو علی کے "غدیر خم" کے مقام پر خلافت وولایت پر منصوب ہونے، اور اس خبر کے تمام شہروں میں منتشر ہونے پر بہت غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ پیغمبرؐ کی خدمت میں آیا اور کہا: کیا یہ بات آپ نے اپنی طرف سے کہی ہے یا خدا کی طرف سے ہے؟ پیغمبرؐ نے صراحت کے ساتھ فرمایا: یہ بات خدا کی طرف سے ہے تو وہ اس سے اور بھی زیادہ پریشان ہوگیا اور اس نے کہا: خداوندا! اگر یہ بات حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر نازل فرما، اسی وقت ایک پتھر گرا اور اس کے سر پر لگا اور اسے مار ڈالا[1]

اس تفسیر کے مقابلے میں ایک اور تفسیر بھی ہے۔ اس تفسیر کے مطابق مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے پیغمبرؐ سے سوال کیا کہ یہ عذاب جو آپ کہتے ہیں کس پر واقع ہوگا تو بعد والی آیت جواب دیتی ہے کہ کافروں کے لیے ہوگا۔

اور تیسری تفسیر کے مطابق یہ سوال کرنے والے خود پیغمبر ہی تھے جنھوں نے کفار کے لیے عذاب کا تقاضا کیا اور وہ نازل ہوا۔

لیکن پہلی تفسیر علاوہ اس کے کہ خود آیت کے ساتھ سازگار ہے، ان متعدد روایات پر منطبق بھی ہے جو شانِ نزول میں وارد ہوئی ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "یہ عذاب کافروں کے لیے مخصوص ہے اور کوئی بھی اسے نہیں روک سکتا" (للکافرین لیس لہ دافع)۔[2]

بعد والی آیت میں اس ذات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس کی طرف سے یہ عذاب ہے، کہتا ہے: "یہ عذاب اس خدا کی طرف

---

[1] اس تفسیر کے مطابق "بعذاب واقع" میں "باء" زائد اور تاکید کے لیے ہے اور بعض کے نظریہ کے مطابق "عن" کے معنی میں ہے اور یہ دوسری تفسیر کے مطابق ہے (اس پر توجہ رہے کہ اگر سوال، تقاضا اور درخواست کے معنی میں ہو تو پھر دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا اور اگر "استفہام" کے معنی میں ہو تو پھر اس کا دوسرا مفعول یقیناً "عن" کے ساتھ ہوگا)

[2] "واقع" "عذاب" کی صفت ہے اور "للکافرین" دوسری صفت ہے اور "لیس لہ دافع" تیسری صفت۔ یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ "للکافرین" "عذاب" سے متعلق ہو اور اگر "لام" "علی" کے معنی میں ہو تو پھر "واقع" سے متعلق ہوگا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے ہے، جو ان آسمانوں کا مالک ہے جن کی طرف فرشتے صعود کرتے ہیں (من اللہ ذی المعارج)۔

"معارج" "معرج" کی جمع ہے، جو سیڑھی یا اس جگہ کے معنی میں ہے جہاں سے صعود کرتے اور اوپر جاتے ہیں اور چونکہ خدا نے فرشتوں کے لیے مختلف مقامات قرار دیئے ہیں کہ وہ مراتب کے لحاظ سے قرب خدا کی طرف پیش رفت کرتے ہیں، لہٰذا خدا کی "ذی المعارج" کے ساتھ توصیف کی گئی ہے۔

یہ فرشتے ہی کافروں اور مجرموں کے عذاب پر مامور ہوتے ہیں اور وہ بھی فرشتے ہی تھے جو ابراہیم خلیل پر نازل ہوئے تھے اور انھیں یہ خبر دی تھی کہ ہم قوم لوط کی بربادی پر مامور ہوئے ہیں اور صبح کے وقت انھوں نے اس آلودہ جرائم قوم کے شہروں کو تہ و بالا کر دیا۔ لہٰذا یہی فرشتے دوسرے مجرموں پر عذاب نازل کرنے کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔

بعض مفسرین نے "معارج" کو فضائل و مواہب الٰہیہ کے معنی میں اور بعض نے "فرشتوں" کے بارے میں تفسیر کی ہے لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب اور اس لفظ کے لغوی معنی کے ساتھ زیادہ سازگار ہے۔

ایک نکتہ

بہانہ تراشوں کے بے ہودہ اعتراضات

عام طور پر وہ موارد، جن میں آیات و روایات، امیر المومنین علیؑ کے مخصوص فضائل کی طرف اشارہ کرتی ہیں، ان میں بعض لوگ اتنا اصرار کرتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے مطلب کو اہمیت نہ دی جائے، یا تو اسے نظر انداز کر دیا جائے یا اس کی کوئی انحرافی توجیہ کر دی جائے لا اقل یہ کہ خاص طور سے اور باریکی کے ساتھ مسئلہ کو بیان کیا جائے، حالانکہ اگر یہ فضائل دوسرے لوگوں کے ہوتے تو وہ بڑی فراخدلی اور سہولت کے ساتھ انھیں قبول کرتے۔

اس بات کا زندہ ثبوت اور واضح نمونہ وہ سات اعتراضات ہیں جو "ابن تیمیہ" نے کتاب "منہاج السنہ" میں ان احادیث کے بارے میں کیے ہیں جو اوپر والی آیات کے شان نزول میں آئی ہیں، جنھیں ہم اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ غدیر کا واقعہ، پیغمبرؐ کے حجۃ الوداع سے لوٹنے کے بعد یعنی سن دس ہجری میں واقع ہوا جبکہ سورۂ معارج مکی سورتوں میں سے ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔

جواب: جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں بہت سے سورے ایسے ہیں جو مکی کے نام سے موسوم ہیں جبکہ ان کی بعض ابتدائی آیات مفسرین کی تصریح کے مطابق مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور اس کے برعکس کچھ سورتیں ایسی ہیں جو مدنی کے نام سے موسوم ہیں لیکن ان کی بعض آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔[1]

۲۔ اس حدیث میں آیا ہے کہ "حارث بن نعمان" پیغمبرؐ کی خدمت میں "ابطح" میں پہنچا اور ہم جانتے ہیں کہ "ابطح"

۱۔ تفسیر نمونہ جلد ۶ ص ۲۰۲ تا ۲۱۰ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کر میں ایک مقام ہے اور یہ امر واقعہ غدیر کے بعد آیت کے نزول کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

جواب: اوّلاً: "ابطح" کی تعبیر صرف بعض روایات میں ہے نہ کہ سب میں۔ ثانیاً: ابطح "و" بطحاء ہر اس گزرگاہ کے معنی میں ہے جس میں سیلاب کا پانی جاتا ہو اور اتفاقاً مدینہ کی سرزمین میں ایسے علاقے موجود ہیں جنہیں "ابطح" یا "بطحاء" کہا جاتا ہے اور اشعار عرب اور روایات میں ان کی طرف بہت زیادہ اشارہ ہوا ہے۔

۳۔ آیہ (واذ قالوا اللّٰھم ان کان ھٰذا ھو الحق من عندك فامطر علینا حجارة من السماء (انفال ــــ ۳۲) سورۂ طور پر جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی اور یہ واقعہ غدیر سے کئی سال پہلے ہے۔

جواب: کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ مذکورہ آیت کا شانِ نزول واقعہ غدیر ہے۔ بلکہ بحث آیہ (سأل سائل بعذاب واقع) کے بارے میں ہے۔

لیکن سورۂ انفال کی آیہ ۳۲ ایک ایسی چیز ہے جس سے حارث بن نعمان نے اپنے کلام میں استفادہ کیا ہے اور اس بات کا شانِ نزول کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے، لیکن داخلی تعصبات کے سبب سے، انسان ایسے واضح مطلب سے غافل ہو جاتا ہے۔

۴۔ قرآن مجید کہتا ہے: وما کان اللّٰہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللّٰہ معذبھم وھم یستغفرون)۔ خدا انہیں عذاب نہیں کرے گا جبکہ تم ان میں موجود ہو اور خدا انہیں عذاب نہیں کرے گا، درآنحالیکہ وہ استغفار کرتے ہوں۔ (انفال ــــ ۳۳)۔ یہ آیت کہتی ہے کہ پیغمبرؐ کی زندگی میں ہرگز کوئی عذاب نازل نہیں ہوگا۔

جواب: وہ بات جو قابلِ قبول ہے، یہ ہے کہ پیغمبر کے ہوتے ہوئے عمومی اور سب لوگوں کے لیے عذاب نہیں تھا۔ لیکن خصوصی اور شخصی عذاب بارہا بعض لوگوں پر نازل ہوئے، جیسا کہ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ کئی افراد مثلاً "ابو زمعہ" و "مالک بن طلالہ" و "حکم بن ابی العاص" وغیرہ پیغمبرؐ کی نفرین سے یا اس کے بغیر عذاب میں گرفتار ہوئے۔

علاوہ ازیں اوپر والی آیت کی اور تفاسیر بھی ہیں، جن کے مطابق اس مقام پر اس آیت سے استدلال ممکن نہیں ہے (تفسیر نمونہ جلد ۷ ص ۱۵۰ میں اسی آیہ ۳۳ انفال کے ذیل میں رجوع کیا جائے)۔

۵۔ اگر اس قسم کا شانِ نزول صحیح ہوتا تو اصحابِ فیل کی داستان کی طرح مشہور ہوتا۔

جواب: یہ شانِ نزول بقدر کافی مشہور و معروف ہے اور ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ کم از کم تیس کتب تفسیر و حدیث میں آیا ہے اور پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ ہم یہ توقع رکھیں کہ ایک شخصی واقعہ، اصحابِ فیل جیسے عمومی واقعہ کی طرح مشہور ہو، کیونکہ وہ داستان ایک سیاسی پہلو رکھتی تھی سارا مکہ اس کی لپیٹ میں تھا اور ایک بہت بڑا لشکر اس کے نتیجہ میں نابود ہوا تھا۔ لیکن "حارث بن نعمان" کا واقعہ صرف ایک ہی شخص کے ساتھ مربوط تھا۔

۶۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ "حارث بن نعمان" کہ صحابی تھا اسلام قبول کئے ہوئے تھے، تو کسی مسلمان کا عصرِ پیغمبرؐ میں، اس قسم کے عذاب میں گرفتار ہو جانا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

جواب: یہ اعتراض بھی شدید تعصب کی پیداوار ہے کیونکہ اوپر والی احادیث اچھی طرح سے بتاتی ہیں کہ وہ نہ صرف پیغمبرؐ کے ارشاد کو قبول نہیں کرتا تھا بلکہ خدا پر بھی معترض تھا کہ اس نے اس قسم کا حکم علیؑ کے بارے میں کیوں دیا ہے۔ یہ کفر و ارتداد کا شدید ترین مرتبہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شمار ہوتا ہے۔

۷۔ "استیعاب" جیسی مشہور کتاب، جس میں "صحابہ" کے نام آئے ہیں "حارث بن نعمان" کا نام نہیں ہے۔

جواب: اس کتاب میں یا اسی جیسی دوسری کتابوں میں صحابہ کے جتنے نام آئے ہیں وہ صحابہ کے صرف ایک حصّہ کی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً کتاب "اسد الغابہ" میں جو ایک اہم ترین کتاب ہے جس نے اصحاب پیغمبرؐ کو شمار کیا ہے صرف سات ہزار پانچ سو چون (۷۵۵۴) افراد کے نام آئے ہیں۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ صرف حجۃ الوداع میں ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ افراد بارگاہ پیغمبرؐ میں حاضر تھے۔ اس بناء پر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بہت سے اصحاب پیغمبرؐ کے نام ان کتب میں نہیں آئے ہیں[1]

---

[1] اوپر والے جوابات کے سلسلے میں، اور ہر ایک کے تاریخی یا روایتی شواہد کے بارے میں کتاب نفیس "الغدیر" کی جلد ا ص ۲۴۷ تا ۲۶۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

jabir.abbas@yahoo.com www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴۔ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ ۚ

۵۔ فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِيۡلًا

۶۔ اِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًا ۙ

۷۔ وَّنَرٰٮهُ قَرِيۡبًا ؕ

ترجمہ

۴۔ فرشتے اور روح (مخصوص فرشتے) اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ اس کی طرف عروج کریں گے۔

۵۔ اس بناء پر صبر جمیل اختیار کر۔

۶۔ کیونکہ وہ تو اس دن کو دور سمجھتے ہیں۔

۷۔ اور ہم اسے نزدیک سمجھتے ہیں۔

تفسیر

پچاس ہزار سال کے برابر دن

ایک شخص کے دنیاوی عذاب کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد۔ جس نے عذاب الٰہی کا تقاضا کیا تھا۔ نعاوا جد مجرموں کے اس دن کے اخروی عذابوں کے مباحث کا بیان شروع کرتا ہے، پہلے فرماتا ہے: وہ فرشتے اور روح، اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی اس (خدا) کی طرف عروج کریں گے (تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ)۔

مسلّم طور سے "فرشتوں کے عروج" سے مراد جسمانی عروج نہیں ہے بلکہ اس سے مراد روحانی عروج ہے، یعنی وہ خدا کے مقام قرب کی طرف بڑھیں گے، اور اس دن، جو قیامت کا دن ہے، فرمان خداوندی کو حاصل کرنے اور اس کے اجراء کے لیے آمادہ ہوں گے۔ جیسا کہ ہم نے سورہ "حاقہ" کی آیہ ۱۷ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ "والملک علی ارجائھا" (فرشتے آسمان کے اطراف میں قرار پائیں گے) کے جملے سے مراد یہ ہے کہ اس دن وہ آسمانوں کے گرداگرد کھڑے ہوں گے اور ہر قسم کے فرمان کو انجام دینے کے لیے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آمادہ ہوں گے[1]

"روح" سے مراد "روح الامین" ہے جو سب فرشتوں سے بزرگ ہے اور جس کی طرف سُورۂ "قدر" میں بھی اشارہ ہوا ہے، جہاں کہتا ہے: تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر:

"شب قدر میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے امور کی تقدیر کے لیے نازل ہوتے ہیں" (قدر ـــــ ۴)

البتہ "روح" کے مختلف معانی ہیں اور ممکن ہے کہ وہ ہر موقع پر موجود قرائن کی مناسبت سے ایک خاص مفہوم رکھے۔ روح انسان، روح بمعنی قرآن، روح بمعنی روح القدس اور روح بمعنی فرشتۂ وحی، یہ سب روح کے معانی ہیں۔ جن کی طرف قرآن کی دوسری آیات میں اشارہ ہوا ہے[2]

اب رہی پچاس ہزار سال کی تعبیر تو وہ اس لحاظ سے ہے کہ زیر بحث دن دنیا کے سالوں کے حساب سے اتنا طولانی ہوگا اور یہ بات اس چیز سے کہ جو سُورۂ سجدہ کی آیہ ۵ میں آئی ہے کہ اس کی مقدار ایک ہزار سال ہے، اختلاف نہیں رکھتی، کیونکہ ـــــ جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے ـــــ قیامت میں پچاس موقف ہوں گے اور ہر موقف ایک ہزار سال کی مقدار کے برابر ہوگا[3]

بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ "پچاس ہزار سال" کا عدد تکثیر کے لیے ہے نہ کہ تعدد کے لیے، یعنی وہ دن بہت طولانی ہوگا ہر حال یہ مجرموں، ظالموں اور کافروں کے لیے ہوگا، اسی لیے ایک حدیث میں "ابو سعید خدری" سے آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کسی نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! وہ دن کتنا طولانی ہوگا؟ تو آپؐ نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ انہ لیخف علی المؤمن حتی یکون اخف علیہ من صلاۃ مکتوبۃ یصلیھا فی الدنیا

"اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے وہ دن مومن کے لیے بہت ہی ہلکا اور آسان ہوگا، یہاں تک کہ وہ ایک واجب نماز سے بھی زیادہ آسان ہوگا، جو وہ دنیا میں پڑھا کرتا تھا"[4]

بعد والی آیت میں پیغمبر اکرمؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: صبر جمیل اختیار کر اور ان کے استہزاء، تکذیب اور آزار کے مقابلہ میں صبر سے کام لے (فاصبر صبراً جمیلاً)۔

---

[1] مفسرین نے "روح" کی اور بھی تفاسیر بیان کی گئی ہیں جن میں سے کوئی بھی مناسب نظر نہیں آتی ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کے نزول و صعود کا زمانہ ہے جو آغاز دنیا سے لے کر اس کے اختتام تک ہے جو مجموعی طور پر پچاس ہزار سال ہے یعنی دنیا کی تمام عمر ہے لیکن بعد والی آیات اس طرح بتاتی ہیں کہ گفتگو قیامت کے دن کے بارے میں ہے نہ کہ دنیا کے متعلق (غور کیجئے)۔

[2] تفسیر نمونہ جلد ۱۲ ص ۲۵۰ تا ۲۵۲ کی طرف رجوع کریں۔

[3] یہ حدیث اہل تشیع میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے مطابق نقل نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۲۲

[4] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۵۲، اور "قرطبی" جلد ۱۰ ص ۶۷۴۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"صبر جمیل" کا معنی خوبصورت اور قابلِ توجہ صبر و شکیبائی ہے اور وہ وہی صبر و استقامت ہے جس میں دوام و استمرار ہو جس میں یاس و ناامیدی نہ ہو، اور وہ بے تابی، جزع و فزع و شکوہ اور آہ و نالہ سے توأم نہ ہو، اس صورت کے علاوہ وہ جمیل نہیں ہے۔[1]

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "کیونکہ وہ اس قسم کے دن کو بعید اور دور سمجھتے ہیں (انھم یرونه بعیداً)۔"

اور ہم اسے قریب اور نزدیک سمجھتے ہیں (ونراہ قریباً)۔

وہ بالکل باور ہی نہیں کرتے کہ اس قسم کا دن بھی ہوگا جس میں تمام مخلوق کا حساب لیا جائے گا اور ان کی چھوٹی سے چھوٹی گفتار و رفتار کا بھی محاسبہ ہوگا۔ وہ بھی ایسے دن میں جو پچاس ہزار سال طولانی ہوگا لیکن حقیقت میں ایسے لوگوں نے خدا کو پہچانا نہیں اور وہ اس کی قدرت میں شک اور تردد رکھتے ہیں۔

وہ یہ کہتے ہیں: کیا یہ ممکن ہے کہ بوسیدہ ہڈیاں اور وہ مٹی جس کا ہر ذرہ مختلف گوشوں میں پراگندہ ہو چکا ہوگا، دوبارہ جمع ہو کر زندگی کا لباس زیب تن کر لیں گی۔ (جیسا کہ قرآن نے اپنی آیات میں یہ تعبیریں ان سے نقل کی ہیں)۔ اس کے علاوہ کیا پچاس ہزار سال کا دن ممکن ہے؟!

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کا علم یہ کہتا ہے کہ آسمانی کرات میں، دن کی مقدار ہر کرہ کی دوسرے کرہ سے مختلف ہے، کیونکہ وہ اس زمانہ کی مقدار کے تابع ہوتی ہے، جس میں وہ کرہ اپنے محور کے گرد ایک مرتبہ چکر لگاتا ہے، اسی لیے چاند کے کرہ کا دن زمین کے دو ہفتوں کے برابر ہے، یہاں تک کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ زمین زمانہ کے گزرنے کے ساتھ اپنی وضعی حرکت کی سرعت اور تیزی میں کمی کر دے اور اس کے ایک دن کی مقدار ایک ماہ یا ایک سال یا کئی سو سال کے برابر ہو جائے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ قیامت کا دن اس طرح ہوگا، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ پچاس ہزار سال کے برابر دن، اس دنیا کے معیاروں کے ساتھ بھی کوئی عجیب و غریب چیز نہیں ہے۔

---

[1] "صبر جمیل" کے سلسلے میں ہم نے تفسیر نمونہ (جلد ۵) میں یعقوب و یوسف کی داستان میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۸۔ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ

۹۔ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ

۱۰۔ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۚ ۖ

۱۱۔ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ ۙ

۱۲۔ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ

۱۳۔ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۙ

۱۴۔ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ

۱۵۔ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۙ

۱۶۔ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ ۖ

۱۷۔ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ

۱۸۔ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى

ترجمہ

۸۔ اس دن آسمان پگھلی ہوئی دھات کی طرح ہو جائے گا۔

۹۔ اور پہاڑ رنگین بکھری ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔

۱۰۔ اور کوئی مخلص دوست اپنے دوست کی خبر گیری نہیں کرے گا۔

۱۱۔ وہ انھیں دکھلائے جائیں گے (لیکن ہر شخص اپنے کام میں گرفتار ہو گا) گنہگار چاہے گا کہ اس دن کے عذاب کے بدلے میں اپنی اولاد کو فدا کر دے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۲۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی (کو بھی)

۱۳۔ اور اپنے اس قبیلہ کو بھی جو ہمیشہ اس کی حمایت کرتا تھا۔

۱۴۔ اور روئے زمین کے تمام لوگوں کو بھی، تاکہ وہ اس کی نجات کا سبب بن جائے۔

۱۵۔ لیکن ہرگز ایسا نہیں ہوگا، آگ کے جلانے والے شعلے ہوں گے۔

۱۶۔ جو ہاتھ پاؤں اور سر کے چمڑے کو اکھاڑ کرلے جائیں گے۔

۱۷۔ اور وہ ان لوگوں کو، جنھوں نے حکم خدا کی طرف سے روگردانی کی تھی، پکاریں گے؛

۱۸۔ اور انھیں بھی کہ جنھوں نے مال کو جمع کیا اور ذخیرہ کیا

تفسیر

وہ دن کہ جس میں کوئی مخلص دوست اپنے دوست کی خبرگیری نہیں کریگا

ان آیات میں، قیامت کے بارے میں، گزشتہ مباحث کو، مزید تشریح و توضیح کے ساتھ جاری رکھا گیا ہے، فرماتا ہے:

"اس دن آسمان پگھلی ہوئی دھات کے مانند ہو جائے گا (یوم تکون السماء کالمھل)[1]

اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کے مانند ہو جائیں گے (وتکون الجبال کالعھن)۔

"مھل" (بروزن قفل) پگھلی ہوئی دھات کے معنی میں ہے اور کبھی ایک خاص قسم کی تلچھٹ کے معنی میں ہوتا ہے جو زیتون کے تیل کی تہ میں بیٹھ جاتا ہے اور یہاں وہی پہلا معنی ہی مناسب ہے، اگرچہ تشبیہ کے اعتبار سے آپس میں کوئی خاص فرق نہیں رکھتے۔

"عھن" دھنکی ہوئی رنگین اون کے معنی میں ہے۔

ہاں! اس دن آسمان ایک دوسرے سے جدا ہو کر پگھل جائیں گے اور پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور پھر تیز آندھی سے فضا میں بکھر جائیں گے، اس اون کی طرح جسے تیز ہوا اپنے ساتھ اڑا کرلے جاتی ہے، اور چونکہ پہاڑوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، اس لیے انھیں رنگین اون سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس ویرانی کے بعد، ایک نیا عالم ایجاد ہوگا اور انسان اپنی حیات نو کو نئے سرے سے حاصل کرے گا۔

---

[1] "یوم" کے محل اعراب میں کئی احتمال دیئے گئے ہیں لیکن ان میں سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ "قریباً" سے جو گزشتہ آیت میں آیا ہے بدل ہو یا ایک فعل محذوف سے متعلق ہو، مثلاً "اذکر"

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جب اس جہانِ نو میں قیامت برپا ہوگی تو اس طرح سے حساب کتاب اور اعمال کی جانچ پڑتال کی کیفیت وحشت ناک ہوگی، اور ہر شخص کو اپنی ہی فکر ہوگی، کوئی دوسرے کی خبر نہیں لے گا اور کوئی گہرا اور مخلص دوست اپنے دوست کا حال تک نہیں پوچھے گا (ولا یسئل حمیم حمیما)[1]

سب کے سب اپنے کام میں مشغول ہوں گے، ہر ایک کو اپنی ہی نجات کی فکر ہوگی، جیسا کہ سورۂ عبس کی آیہ ۳۷ میں آیا ہے:
(لکل امرئ منھم یومئذ شأن یغنیہ) اس دن ان میں سے ہر ایک اس طرح گرفتار ہوگا کہ اسے صرف اپنی ہی اپنی فکر ہوگی۔[2]

ایسا نہیں ہوگا کہ دوست وہاں پر دوستوں کو پہچانیں گے نہیں بلکہ خصوصیت کے ساتھ "ان کے دوست انہیں دکھائے جائیں گے، لیکن اس کے باوجود ہر شخص اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہوگا" (یبصرونھم)[3]

مسئلہ یہ ہے کہ ہول و وحشت اس سے کہیں زیادہ ہوگی کہ کوئی دوسرے کی فکر کرسکے۔

گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے اور اس وحشت ناک منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: حالت یہ ہوگی کہ مجرم و گنہگار یہ چاہے گا کہ اپنی اولاد کو اس دن کے عذاب کے بدلے میں فدا کردے (یود المجرم لو یفتدی من عذاب یومئذ ببنیہ)۔

نہ صرف اپنی اولاد کو، بلکہ وہ یہ چاہے گا کہ "اپنی بیوی کو بھی اور اپنے بھائی کو بھی فدا کردے (وصاحبتہ واخیہ)۔

اور اسی بناء پر اس خاندان اور قبیلہ کو بھی جو اس سے تعلق رکھتا تھا اور اس کی حمایت کیا کرتا تھا (وفصیلتہ التی تؤویہ)۔

بلکہ تمام لوگوں کو جو روئے زمین میں ہیں، سب کو فدا کردے تاکہ اس کی نجات ہو جائے (ومن فی الارض جمیعا

---

[1] "حمیم" جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے، اصل میں گرم اور جلانے والے پانی کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد یہ لفظ گرم جوشی دکھانے والے مخلص اور دلی دوستی پر بھی بولا جانے لگا۔

[2] اوپر والی آیت کے لیے اور دوسری تفاسیر بھی بیان کی گئی ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے حالات کے متعلق سوال نہیں کرے گا، کیونکہ سب کی وضع و کیفیت ان کے چہرے سے عیاں ہوگی (دیگر عیاں است چہ حاجت بہ بیان است)، دوسری یہ کہ کوئی شخص دوسرے سے یہ نہیں کہے گا کہ وہ اس کے اعمال کی ذمہ داری اٹھائے، لیکن یہ بات بہت بعید نظر آتی ہے، لیکن پہلی تفسیر ہی زیادہ مناسب ہے۔

[3] باوجود اس کے کہ "حمیم" دونوں موقعوں میں مفرد کی صورت میں ہے، لیکن "یبصرونھم" میں حضمیر جمع کی صورت میں آئی ہے، کیونکہ وہ جنس کے معنی میں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ثم ینجیه)۔

ہاں! اس دن خدا کا عذاب اتنا ہولناک ہوگا، کہ انسان یہ چاہے گا کہ وہ اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کو ـــــ جن کا یہاں چار گروہوں (اولاد، بیویاں، بھائی اور قریبی رشتہ دار جو اس کے یار و مددگار تھے) میں ذکر کیا گیا ہے ـــــ اپنی نجات کے لیے قربان کر دے، نہ صرف انہیں کو، بلکہ وہ تو اس بات کے لیے بھی تیار ہوگا کہ روئے زمین کے تمام انسان اس کی عذاب سے رہائی کے لیے قربان ہو جائیں۔!

"یود" "ود" کے مادہ سے (جو حسب کے وزن پر ہے)۔ "تمنی" سے توأم "دوست رکھنے" کے معنی میں ہے اور بقول "راغب" ان دونوں معانی میں سے ہر ایک کے لیے (بلکہ دونوں معانی میں) بھی استعمال ہوتا ہے۔

"یفتدی" "فداء" کے مادہ سے، کوئی چیز دے کر اپنے آپ کو مصائب و مشکلات سے محفوظ کرنے کے معنی میں ہے۔

"فصیلة" بر معنی "عشیرہ" اس خاندان اور قبیلہ کو کہتے ہیں جس سے انسان متصل اور جدا ہوا ہو۔

"تئویه" "ایواء" کے مادہ سے، ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ضم کرنے کے معنی میں ہے، اس کے بعد پناہ دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

بہت سے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ "ثم ینجیه" کے جملہ میں "ثم" کی تعبیر یہ بتاتی ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ان فدیوں اور قربانیوں کا اثر کرنا بہت بعید ہے (کیونکہ "ثم" عام طور پر، بعد، فاصلہ اور تراخی کے لیے آتا ہے)۔

لیکن ان تمام تمناؤں اور آرزوؤں کے مقابلہ میں فرماتا ہے: "ہرگز ایسا نہیں ہوگا" کوئی فدیہ اور قربانی قبول نہیں کی جائے گی۔ (کلا)۔ "وہ تو آگ کے جلانے والے شعلے ہیں" (انها لظی)۔

ہمیشہ اس کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں اور جو چیز بھی اس کے پاس یا اس کی راہ میں آتی ہے اسے جلا دیتی ہے۔ "ہاتھ، پاؤں اور سر کے چمڑے کو اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے جاتی ہے" (نزاعة للشوی)۔

"لظی" آگ کے خالص شعلہ کے معنی میں ہے اور جہنم کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے، اور اوپر والی آیات میں دونوں معنی ممکن ہیں۔

"نزاعة" اس چیز کے معنی میں ہے جو پے در پے جدا کرتی ہے۔

اور "شوی" ہاتھ، پاؤں اور اطرافِ بدن کے معنی میں ہے اور بعض اوقات بریاں کرنے اور بھوننے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ لیکن یہاں وہی پہلا معنی مراد ہے، کیونکہ جس وقت جلانے والی اور شعلہ ور آگ کسی چیز کو لگتی ہے تو پہلے اس کے اطراف و جوانب اور شاخ و برگ کو جلاتی ہے اور اس سے جدا کر دیتی ہے۔

بعض مفسرین نے یہاں "شوی" کی بدن کی جلد کے معنی میں، اور بعض نے سر کی جلد کے معنی میں، اور بعض نے پنڈلی کے گوشت کے معنی میں تفسیر کی ہے، اور یہ سب معانی، اس وسیع مفہوم میں جو ہم نے بیان کیا ہے، جمع ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اس ساری مصیبت اور تکلیف کے باوجود موت اور مرنا درمیان میں نہیں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے لیے آمادگی کی ایک آسمانی دعوت ہے کہ جسے پہلے سے خود کو تیار کیے بغیر انجام دینا ممکن نہیں ہے، فرماتا ہے: "اے اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے" (یا ایھا المزمل)۔[1]

"رات کو تھوڑے سے حصہ کے سوا قیام کیا کر" (قم الّیل الّا قلیلًا)۔

"آدھی رات یا اس میں سے تھوڑا سا کم کر دے" (نصفہ او انقص منہ قلیلًا)۔

"یا آدھی رات پر کچھ اضافہ کر دے" (او زد علیہ)۔

"اور قرآن کو انتہائی غور و خوض سے اور انتہائی وضاحت و فصاحت کے ساتھ تلاوت کیا کر" (و رتل القراٰن ترتیلًا)۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان آیات میں مخاطب پیغمبرؐ ہیں لیکن "یا ایھا الرسول" اور "یا ایھا النبی" کے عنوان سے نہیں بلکہ "یا ایھا المزمل" کے عنوان سے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اپنے اوپر کپڑا لپیٹ کر گوشۂ تنہائی میں بیٹھ رہنے کا دور نہیں ہے، بلکہ یہ کھڑے ہونے اور خود کو تیار کرنے اور عظیم رسالت کو انجام دینے کے لیے آمادگی کا دور ہے۔

اور اس کام کے لیے رات کا انتخاب اس بناء پر ہے کہ:

اولاً دشمنوں کی آنکھ اور کان نیند کی حالت میں ہیں، اور

ثانیاً زندگی کے کاروبار بند ہیں، اور اس بناء پر انسان غور و فکر اور تربیتِ نفس کے لیے زیادہ سے زیادہ آمادگی رکھتا ہے۔

اسی طرح اس پروگرام کے لیے متنِ اصلی کے عنوان سے "قرآن" کا انتخاب اس بناء پر ہے کہ یہ اس سلسلہ کے تمام ضروری اسباق کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور یہ ایمان کی تقویت، استقامت، تقویٰ اور پرورشِ نفوس کا بہترین وسیلہ ہے۔

"ترتیل" کی تعبیر جو اصل میں موزوں "تنظیم" و "ترتیب" کے معنی میں ہے اور یہاں آیاتِ قرآنی کو تأنی (ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا) ضروری نظم، حروف کی صحیح ادائیگی، الفاظ کو وضاحت کے ساتھ پڑھنا، آیات کے مفاہیم میں دقت و تأمل اور ان کے نتائج میں غور و فکر کرنا ہے۔

واضح رہے کہ قرآن کی اس طرح سے تلاوت انسان کو معنوی نشو و نما، اخلاقی شہامت اور تقویٰ و پرہیزگاری سرعت کے ساتھ بخش سکتی ہے اور اگر بعض مفسرین نے اس کی نماز پڑھنے کے معنی میں تفسیر کی ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کا ایک اہم حصہ "تلاوتِ قرآن" ہی ہے۔

"قم اللیل" کے جملہ میں "قیام" کی تعبیر، سونے کے مقابلہ میں کھڑا ہونے کے معنی میں ہے، نہ کہ صرف پاؤں پر

---

[1] "مزمل" اصل میں "متزمل" تھا، "تزمل" کے مادہ سے جس کا معنی اپنے اوپر کپڑا لپیٹنا ہے اور "زمیل" جو ہم ردیف کے معنی میں ہے (وہ شخص جو کسی کے پیچھے سواری پر ہو) اور اس کے بعد رفیق اور ساتھی کے معنی میں آیا ہے۔ یہ اس بناء پر ہے کہ وہ ارتباط اور قریبی تعلق رکھتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کھڑا ہونے کے معنی میں ہے۔

لیکن ان آیات میں "شب زندہ داری" کی مقدار کے بارے میں جو مختلف تعبیریں آئی ہیں، وہ حقیقت میں "اختیار" کو بیان کرنے کے لیے ہیں، اور وہ پیغمبر کو یہ اختیار دیتی ہیں کہ آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ بیدار رہیں اور قرآن کی تلاوت کریں، پہلے مرحلہ میں "ساری رات" سوائے تھوڑی سی مقدار کے ذکر کرتا ہے، اور اس کے بعد اس میں تخفیف کرکے آدھی رات تک پہنچاتا ہے، اور اس کے بعد آدھے سے بھی کم۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے "دو تہائی" "آدھی" اور "ایک تہائی" رات کے درمیان تخییر مراد ہے۔ اس آیت کے قرینہ سے جو اسی سورہ کے آخر میں آئے گی جس میں فرماتا ہے: (ان ربك يعلم انك تقوم ادنىٰ من ثلثي الّيل و نصفه و ثلثه)

ضمنی طور پر سورہ کے آخر کی اسی آیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ پیغمبرؐ اس رات کے قیام میں اکیلے نہیں تھے، بلکہ مومنین کا ایک گروہ بھی اس خود سازی و تربیتی اور آمادگی کے پروگرام میں پیغمبر کے ساتھ تھا اور انھوں نے اس راہ میں آپ کو ایک اسوہ اور نمونہ کے طور پر قبول کیا ہوا تھا۔

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ "قم الّيل الّا قليلاً" کے جملہ سے مراد یہ ہے کہ بعض راتوں کے سوا تمام راتوں میں قیام کیا کر، اور اس طرح سے استثناء رات کے حصول میں نہیں ہے، بلکہ راتوں کے افراد میں ہے۔ لیکن یہ تفسیر "   " کے مفرد ہونے اور "نصف" (آدھی) اور اس سے کمتر کی تعبیر کے ساتھ درست نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد اس سخت اور اہم حکم کے "جنبہ تہائی" اور "مقصد اصلی" کو اس طرح بیان کرتا ہے: ہم عنقریب ایک سخت بات تجھ کو القا کریں گے "(انا سنلقى عليك قولاً ثقيلاً)۔

اگرچہ مفسرین "قول ثقيل" کے بارے میں الگ الگ بیان رکھتے ہیں، جو مسئلہ کے ایک ہی پہلو کو پیش کرتے ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کا سنگین ہونا، جس سے بلاشک و شبہ قرآن مجید مراد ہے، مختلف پہلوؤں سے ہے۔

آیات کے مفہوم اور مطالب کے لحاظ سے سنگین۔

دلوں پر تحمل کے لحاظ سے سنگین، یہاں تک کہ خود قرآن کہتا ہے: لو انزلنا هٰذا القرأن علىٰ جبل لرأيته خاشعا متصدعا من خشية الله: "اگر ہم اس قرآن کو پہاڑوں پر نازل کرتے، تو تُو اسے خاشع اور شگافتہ دیکھتا" (حشر — ۲۱)

وعدوں اور وعیدوں، ذمہ داریوں اور مسئولیتوں کے بیان کے لحاظ سے سنگین۔

تبلیغ اور دعوت کی راہ کی مشکلات کے لحاظ سے سنگین۔

ترازوئے عمل اور عرصۂ قیامت میں سنگین

اور آخر میں پروگرام پیش کرنے اور اس کے عمل اجراء کے لحاظ سے سنگین۔

ہاں! اگرچہ قرآن کا پڑھنا سہل و آسان اور زیادہ دلنشیں ہے لیکن اس کے مفاد اور معانی کو عمل میں لانا اسی نسبت سے سنگین اور مشکل ہے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۷۔ اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

۲۸۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو پروردگار کے عذاب سے ہرگز امان میں نہیں سمجھتے۔

تفسیر

شائستہ انسانوں کے اوصاف

قیامت کے عذابوں کے ایک گوشہ کا ذکر کرنے کے بعد، بے ایمان افراد کے اوصاف' اور ان کے مقابلہ میں سچے مومنین کے اوصاف بیان کرتا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایک گروہ اہلِ عذاب کیوں ہے اور ایک گروہ اہلِ نجات کیوں ہے؟

پہلے فرماتا ہے: "انسان حریص اور کم طاقت پیدا کیا گیا ہے" (ان الانسان خلق هلوعًا)۔

جب اسے کوئی برائی پہنچے تو جزع و فزع اور بیتابی کرتا ہے (اذا مسه الشر جزوعًا)۔

اور جب اسے کوئی بھلائی پہنچے تو دوسروں سے دریغ کرتا ہے (اور روکتا ہے)۔ (واذا مسه الخير منوعًا)۔

بہت سے مفسرین اور اربابِ لغت نے "هلوع" کا معنی حریص کیا ہے اور ایک گروہ نے اس کی "کم طاقت" کے معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ پہلی تفسیر کی بناء پر یہاں اس قسم کے انسانوں کے وجود میں تین منفی اخلاقی صفتوں کی طرف اشارہ ہوا ہے "حرص" و "جزع" و "بخل"، کیونکہ دوسری اور تیسری آیت "هلوع" کے معنی کی تفسیر ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ اس لفظ میں دونوں معانی اکٹھے مراد ہوں، کیونکہ یہ دونوں صفات ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں، حریص افراد عام طور پر بخیل ہوتے ہیں اور برے حوادث میں کم تحمل ہوتے ہیں اور اس کا عکس بھی صادق اور سچا ہے۔

یہاں ایک یا کئی سوالات سامنے آتے ہیں، کہ اگر خدا نے انسان کو سعادت و کمال کے لیے پیدا کیا ہے، تو پھر اس کی طبیعت میں شر اور بدی کو کیوں قرار دیا ہے؟

اور پھر یہ بات بھی ہے، کہ اگر خدا کسی چیز کو، کسی صفت کے ساتھ پیدا کرے، تو کیا یہ ممکن ہے کہ پھر اپنی خلقت کی مذمت بھی کرے؟

اور ان تمام باتوں سے قطع نظر، قرآن سورہ "تین" کی آیہ ۴ میں صراحت کے ساتھ کہتا ہے: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقويم) "ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت اور ساخت میں پیدا کیا ہے"۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مسلّم طور پر اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان کا ظاہر تو اچھا ہے لیکن اس کا باطن قبیح اور بُرا ہے، بلکہ انسان کی تمام کی تمام خلقت "احسن تقویم" کی صورت میں ہے اور اسی طرح وہ دوسری آیات جو انسان کے بلند مقام کی تعریف کرتی ہیں، تو یہ سب کا سب آیات زیر بحث آیت کے ساتھ کس طرح سازگار ہیں؟

ان تمام سوالات کا جواب ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا نے انسان میں ایسی قوتیں، طرز اور صفات خلق فرمائی ہیں، جو اس کے تکامل وارتقاء اور سعادت کا بالقوہ ذریعہ شمار ہوتی ہیں۔ اس بنا پر مذکورہ صفات و غرائز ذاتی طور پر بُری نہیں ہیں، بلکہ کمال کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں، لیکن جب یہی صفات انحرافی راہ اختیار کریں اور ان سے سوء استفادہ ہونے لگے، تو نکبت، بدبختی اور شر و فساد کا سبب بن جاتی ہیں۔

مثلاً یہ حرص ایک ایسی قوت ہے جو انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ جلد ہی سعی و کوشش سے رُک جائے اور کسی نعمت تک پہنچ کر سیر ہو جائے۔ یہ تو ایک بجھی ہوئی پیاس ہے، جو انسان کے وجود پر مسلط ہے۔ اگر یہی صفت تحصیل علم و دانش کی راہ میں استعمال ہو اور انسان علم کے حصول میں حریص ہو جائے یا دوسرے لفظوں میں علم کا پیاسا اور عاشق بے قرار ہو جائے تو مسلّم طور پر یہ بات، اس کے کمال کا سبب بنے گی، لیکن اگر وہ مادیات کی راہ میں استعمال ہونے لگے، تو پھر شر و بدبختی اور بخل کا سبب بنے گی۔

دوسرے لفظوں میں، یہ صفت حُبِ ذات کی ایک شاخ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ حُبِ ذات ایک ایسی چیز ہے، جو انسان کو کمال کی طرف لے جاتی ہے، لیکن اگر یہ انحرافی راہ پر پڑ جائے تو انحصار طلبی (خود غرضی)، بخل و حسد وغیرہ کی طرف لے جاتی ہے۔

دوسرے مواہب کے بارے میں بھی مطلب اسی طرح سے ہے اور خدا تعالیٰ نے ایٹم کے اندر ایک عظیم قدرت پیدا کی ہے، جو مسلّم طور پر مفید اور سود مند ہے لیکن اگر ایٹم کی اس اندرونی قوت سے سوء استفادہ ہونے لگے اور اس سے ویران و تباہ کرنے والے ایٹم بم بنائے جانے لگیں، نہ کہ بجلی کے پاور ہاؤس اور دوسری صنعتوں کے وسائل، تو پھر یہی شر و فساد کا سبب بن جائے گا۔

اوپر والے بیان کی طرف توجہ کرتے ہوئے، ان تمام آیات کے معانی و مطالب کو ـــــ جو قرآن مجید میں انسان کے بارے میں آئی ہیں ـــــ جمع کیا جاسکتا ہے [1]

اس کے بعد شائستہ اور لائق انسانوں کا بیان ـــــ ایک استثنائی صورت میں ـــــ نو (۹) عمدہ صفات کے ضمن میں پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

"مگر نماز پڑھنے والے" (الا المصلّین)۔

وہی نماز گزار جو اپنی نمازوں کو دوام بخشتے ہیں (الذین ھم علٰی صلاتھم دائمون)۔

---

[1] ہم نے تفسیر نمونہ جلد ۵ کے ص ۹۶ تا ۹۸ پر "انسان در قرآن عظیم" کے عنوان کے تحت (یونس آیہ ۱۲ کے ذیل میں) ایک اور وضاحت بھی کی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایمان کی پہلی خصوصیت ہے، جو خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلسل اور دائمی طور پر ارتباط رکھتے ہیں اور یہ ارتباط نماز کے ذریعے پیدا ہوتا ہے وہ نماز جو انسان کو فحشاء و منکر سے روکتی ہے، وہ نماز جو انسان کی روح اور جان کی پرورش کرتی ہے، اور اس کو ہمیشہ خدا کی یاد دلاتی رہتی ہے اور یہ مسلسل اور دائمی توجہ، غفلت و غرور اور دنیائے شہوات میں ڈوب جانے، اور شیطان اور ہوائے نفس کے چنگل میں اسیر ہونے سے باز رکھتی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ نماز پر مداومت سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ حالت نماز میں رہیں، بلکہ مراد یہ ہے، کہ وہ معین اوقات میں نماز کو انجام دیتے ہیں۔

اصولی طور پر ہر کار خیر اسی وقت انسان میں مثبت اثر کرتا ہے، جب کہ اس کی مداومت ہو، اور اسی لیے پیغمبر اکرمؐ سے ایک حدیث میں آیا ہے:

ان احب الاعمال الی اللہ ما دام و ان قل

خدا کے ہاں محبوب ترین عمل وہ ہے کہ جس میں مداومت ہو چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔[1]

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث میں امام باقرؑ سے یہ آیا ہے کہ: "اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی انسان نوافل میں سے کوئی چیز اپنے اوپر فرض کرے تو ہمیشہ اس کی مداومت کرتا ہے"۔[2]

ایک اور حدیث میں اسی امام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

یہ آیت نافلہ کی طرف اشارہ ہے اور آیہ والذین ھم علیٰ صلاتھم یحافظون (جو کچھ آیات کے بعد آئے گی) نماز فریضہ کو بیان کرتی ہے۔[3]

یہ فرق ممکن ہے اس بناء پر ہو کہ محافظت کی تعبیر تو واجب نمازوں کے ساتھ مناسب ہے اور انھیں خاص طور پر معین اوقات میں ہی انجام دینا چاہیے۔ باقی رہی دام کی تعبیر تو یہ مستحب نمازوں کے ساتھ مناسب ہے، کیونکہ انسان انھیں انجام بھی دے سکتا ہے اور کبھی چھوڑ بھی سکتا ہے۔

بہرحال نماز کے ذکر کے بعد ـــــــ جو بہترین عمل اور مومنین کی بہترین حالت ہے ـــــــ ان کی دوسری خصوصیت پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "وہ لوگ کہ جن کے اموال میں ایک حق معلوم ہے" (والذین فی اموالھم حق معلوم)۔

"سوال کرنے والوں اور محروموں کے لیے" (للسائل والمحروم)۔

---

[1] المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث، جلد ۲ ص ۱۶۰ (مادہ دوام)

[2] نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۱۵

[3] نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۱۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس طرح سے وہ خالق سے اپنے ارتباط کی بھی حفاظت کرتے ہیں، اور مخلوقِ خدا کے ساتھ بھی اپنے رشتہ اور تعلق کو برقرار رکھتے ہیں۔

بعض مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ یہاں "حق معلوم" سے مراد ہی "زکات" ہے۔ جس کی ایک مقدار معین ہے اس کے مصارف میں سے "سائل" اور "محروم" ہیں، جبکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ سورہ مکی ہے، اور زکوٰۃ کا حکم مکہ میں نازل نہیں ہوا تھا یا اگر نازل ہوا تھا تو اس کی کوئی مقدار معین نہیں تھی، لہٰذا بعض دوسروں کا نظریہ یہ ہے کہ "حق معلوم" سے مراد زکات کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، جسے انسان اپنے اوپر لازم قرار دیتا ہے کہ وہ حاجت مندوں کو دے گا۔ اس تفسیر کا شاہد و گواہ وہ حدیث ہے جو امام صادقؑ سے نقل ہوئی ہے، کہ جس وقت لوگوں نے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا کہ کیا وہ زکات کے علاوہ کوئی چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

"هو الرجل يؤتيه الله الثروة من المال فيخرج منه الالف و الالفين والثلاثة الاف و الاقل و الاكثر، فيصل به رحمه، و يحمل به الكل عن قومه"

ہاں! یہ اس شخص کے بارے میں ہے، جسے خدا مال و ثروت عطا فرماتا ہے، اور وہ اس میں سے ایک ہزار، دو ہزار اور تین ہزار یا اس سے زیادہ یا کم الگ کر دیتا ہے اور اس سے صلۂ رحمی کرتا ہے، اور اس کے ذریعے اپنی قوم سے مشقت اور بوجھ کو اٹھا لیتا ہے[1]

"سائل" اور "محروم" کے درمیان فرق یہ ہے کہ سائل تو اس شخص کو کہتے ہیں، جو اپنی حاجت پیش کر کے تقاضا اور سوال کرتا ہے اور "محروم" وہ شخص ہے جسے شرم و حیا، سوال و تقاضا کرنے سے مانع ہوتی ہے، اور ایک حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

"محروم" وہ شخص ہے جو کسب و کار میں زحمت و تکلیف اٹھاتا ہے لیکن اس کی زندگی پیچیدہ ہو گئی ہے[2]

مذکورہ حق کی مزید تشریح اور "سائل" و "محروم" کی تفسیر، تفسیر نمونہ کی جلد ۱۲ ص ۲۰۵ میں آچکی ہے۔ (ذاریات آیہ ۱۹ کے ذیل میں)۔

بہرحال اس کام کا انجام دینا ایک طرف تو اجتماعی اثر رکھتا ہے اور فقر و فاقہ اور محرومیت کے ساتھ مبارزہ کرتا ہے، اور دوسری طرف ان لوگوں پر جو اس پر عمل کرتے ہیں، اخلاقی اثر چھوڑتا ہے اور ان کے دل و جان کو حرص و بخل اور دنیا پرستی سے پاک کرتا ہے۔

بعد والی آیت ان کی تیسری خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتی ہے: "وہ لوگ جو روزِ جزا پر ایمان رکھتے ہیں" (والذين يصدقون بيوم الدين)۔

اور چوتھی خصوصیت میں کہتا ہے: "اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے ہیں" (والذين هم من

---

[1] "نور الثقلین" جلد ۵ ص ۴۱۷ (حدیث ۲۵ - ۲۶)

[2] ایضاً

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عذاب ربھم مشفقون)۔

"کیونکہ وہ کسی شخص کو پروردگار کے عذاب سے امان میں نہیں سمجھتے" (ان عذاب ربھم غیر مأمون)۔

وہ ایک طرف تو روز جزا پر ایمان رکھتے ہیں، اور "یصدقون" کی تعبیر کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جو فعل مضارع ہے اور استمرار پر دلالت کرتا ہے، وہ ہمیشہ اس بات پر توجہ رکھتے ہیں کہ حساب و کتاب اور جزا و سزا سے واسطہ پڑے گا۔

بعض مفسرین نے اس کی "تصدیق عملی" کے معنی میں، یعنی انجام وظائف اور ترک محرمات سے تفسیر کی ہے، لیکن آیت کا ظاہر مطلق ہے جو علمی اور عملی دونوں تصدیقوں کو شامل ہے۔

لیکن چونکہ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص روز جزا پر ایمان تو رکھتا ہو، لیکن وہ اپنے آپ کو سزا کا مشمول نہ سمجھتا ہو، اس لیے کہتا ہے: وہ ہرگز اپنے آپ کو امان میں نہیں سمجھتے۔ یعنی وہ ہمیشہ باز پرس کا احساس رکھتے ہیں۔ اپنے حسنات اور نیکیوں کو ناچیز اور اپنی برائیوں کو بڑا شمار کرتے ہیں۔ اسی لیے ایک حدیث میں امیر المومنین علیؑ سے آیا ہے کہ آپ نے اپنے فرزند کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

خف الله خوفاً انك لو اتيته بحسنات اهل الارض لم يقبلها منك و ارج الله رجاءً انك لو اتيته بسيئات اهل الارض غفرها لك،

اے میرے فرزند! تو خدا سے اس طرح خائف رہ کہ گویا روئے زمین کے لوگوں کی نیکیاں لے کر بھی آئے تو بھی یہ احتمال دے کر (شاید) خدا تجھ سے قبول نہ کرے، اور اس طرح اس سے امیدوار رہ کہ اگر تو تمام اہل زمین کے گناہ بھی رکھتا ہو تو بھی یہ احتمال دے کر وہ تجھے بخش دے گا۔[1]

یہاں تک کہ خود پیغمبرؐ یہ فرمایا کرتے تھے:

لن يدخل الجنة احداً عمله قالوا ولا انت يارسول الله؟ قال ولا انا، الا ان يتغمدني الله برحمته!

"کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا، لوگوں نے عرض کیا اے رسولِ خدا کیا آپ بھی؟ فرمایا: ہاں! میں بھی اسی طرح ہوں مگر یہ کہ خدا کی رحمت میرے شاملِ حال ہو"

---

[1] جامع الاخبار، ص ۱۱۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۹۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ

۳۰۔ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ

۳۱۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ

۳۲۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ

۳۳۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۙ

۳۴۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۭ

۳۵۔ اُولٰٓئِكَ فِىْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۭ

ترجمہ

۲۹۔ اور وہ لوگ جو اپنے دامن کو بے عفتی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

۳۰۔ اور اپنی بیویوں اور کنیزوں کے سوا (جو بیویوں کے حکم میں ہیں) وہ کسی سے جنسی آمیزش نہیں رکھتے، اور ان سے بہرہ مند ہونے پر ان کی کوئی ملامت نہیں ہوگی۔

۳۱۔ اور جو شخص اس سے زیادہ طلب کرے تو وہ تجاوز کرنے والا ہے۔

۳۲۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی رعایت کرتے ہیں۔

۳۳۔ اور وہ لوگ جو شہادتِ حق کے ادا کرنے کے لیے قیام کرتے ہیں۔

۳۴۔ اور وہ لوگ جو نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

۳۵۔ یہی لوگ جنت کے باغات میں عزت و تکریم سے رہیں گے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

بہشتیوں کی خصوصیات کا ایک اور حصہ

گزشتہ آیات میں مومنین اور ان لوگوں کی، جو قیامت میں اہل جنت ہوں گے، مخصوص اوصاف میں سے چار صفات کا بیان ہوا تھا اور ان آیات میں دوسری پانچ صفات کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو مجموعی طور پر نو صفات ہو جاتی ہیں۔

پہلی توصیف کے بارے میں فرماتا ہے: "وہ لوگ جو اپنی عفت[1] کی حفاظت کرتے ہیں" (والذین ھم لفروجھم حافظون)۔

"مگر اپنی بیویوں اور کنیزوں کی نسبت، جن سے فائدہ اٹھانے میں انھیں کسی قسم کی ملامت اور سرزنش نہیں ہے (الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین)۔

اس میں شک نہیں ہے کہ خواہش جنسی، انسان کی سرکش خواہشات میں سے ہے اور بہت سے گناہوں کا سرچشمہ ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ تمام اہم جرائم کے اعمال ناموں میں، اسی خواہش کا اثر نظر آتا ہے، اس لیے اس پر کنٹرول کرنا اور اس کے حدود کی حفاظت کرنا، تقویٰ و پرہیزگاری کی اہم نشانیوں میں سے ہے، اسی بناء پر نماز، حضرت منعل کی مدد، قیامت کے دن پر ایمان اور عذاب الٰہی سے خوف کے ذکر کے بعد، اسی خواہش پر کنٹرول کا ذکر ہوا ہے۔

وہ استثناء جو اس کے ذیل میں بیان ہوا ہے، وہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام کی ہرگز یہ منطق نہیں ہے کہ یہ غریزہ اور خواہش کلی طور پر محو اور نابود ہو جائے اور کوئی شخص راہبوں اور پادریوں کی طرح قانون خلقت کے برخلاف قدم اٹھائے، کیونکہ یہ عمل غالباً غیر ممکن ہے اور یہ فرض امکان غیر منطقی ہے، اسی لیے راہب بھی اس خواہش کو زندگی کے منظر سے حذف نہیں کر سکے اور اگر وہ رسمی طور پر شادی بیاہ نہیں کرتے، تو ان میں سے بہت سے "چون بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند" (جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو پھر دوسرا ہی کام کرتے ہیں)۔

اور اس طریقہ سے جو رسوائیاں ہوئی ہیں وہ کم نہیں ہیں، جیسی مورخین "ول دورانت" وغیرہ نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔

"ازدواج" کی تعبیر دائمی اور موقت دونوں بیویوں کے لیے استعمال ہوتی ہے اور یہ جو بعض نے گمان کیا ہے کہ یہ آیت "ازدواج موقت جو متعہ" کی نفی کرتی ہے، اس بناء پر ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ وہ (عقد متعہ) بھی ازدواج (و شادی) کی ایک قسم ہے۔

بعد والی آیت میں اس موضوع پر مزید تاکید کے لیے اضافہ کرتا ہے: "اور جو لوگ اس کے علاوہ طلب کریں وہ تجاوز کرنے والے، اور خدائی حدود سے خارج ہیں" (فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک ھم العادون)۔

---

[1] "فروج" "فرج" کی جمع ہے۔ عضو تناسل کی طرف کنایہ ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور اس طرح سے اسلام ایک ایسے معاشرے کی داغ بیل ڈالتا ہے کہ جس میں فطری غرائز و خواہشات کا جواب بھی مل سکے اور وہ فحشا و فساد جنسی اور اس سے پیدا ہونے والے مفاسد سے بھی آلودہ نہیں ہے۔

البتہ کنیزیں باسلام کے نقطۂ نظر سے بیوی کے بہت سے شرائط اور قانونی ضابطوں کی حامل ہیں، اگرچہ ہمارے زمانے میں ان کا موضوع نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس کے بعد ان کے دوسرے اور تیسرے اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے، "وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی رعایت کرتے ہیں" (والذین هم لاماناتهم و عهدهم راعون)۔

البتہ "امانت" کا ایک وسیع معنی ہے، جو صرف لوگوں کی ہر قسم کی مادی امانتوں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، بلکہ خدا، پیغمبروں اور ائمہ معصومین کی امانتوں کو بھی شامل ہے۔

خدا کی نعمتوں میں سے ہر نعمت اس کی ایک امانت ہے، اجتماعی مناصب خصوصاً حکومت کا منصب اہم ترین امانتوں میں سے ہے، اسی لیے امام باقرؑ اور امام صادقؑ کی مشہور حدیث میں آیۂ ان الله یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها "کی تفسیر میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ "ولایت و حکومت کو اس کے اہل کے سپرد کرو"۔[1]

سورۂ احزاب کی آیہ ۷۲ میں بھی یہ آیا ہے کہ تکلیف و مسئولیت (فرائض و واجبات) کا مسئلہ، خدا کی ایک عظیم امانت ہے (انا عرضنا الامانة علی السماوات و الارض) اور سب سے اہم ترین، خدا کا دین و آئین اور اس کی کتاب قرآن، اس کی عظیم امانت ہے، جس کی حفاظت کی کوشش کرنا چاہیے۔

"عہد" بھی ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، جو لوگوں کے عہد اور پیمانوں کو بھی شامل ہے اور خدا کے عہد و پیمانوں کو بھی۔ کیونکہ "عہد" ہر وہ اقرار اور وعدہ ہے جو انسان دوسرے کے ساتھ کرتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاتا ہے، تو اس نے اس ایمان کے ساتھ ہی بہت وسیع ذمہ داریوں کو قبول کر لیا ہے۔

اسلام میں امانت کی حفاظت اور معاہدوں کا پابند ہونے کو بہت ہی زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اسے اسلام کی اہم ترین نشانیوں میں سے بتایا گیا ہے۔

ہم اس سلسلہ میں تفسیر نمونہ کی جلد ۳ سورۂ نساء کی آیہ ۵۸ کے ذیل میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

چوتھی صفت کے بارے میں مزید کہتا ہے، "وہ لوگ جو شہادت حق کی ادائیگی کے لیے قیام کرتے ہیں" (والذین هم بشهاداتهم قائمون)۔

کیونکہ عادلانہ شہادت کو قائم کرنا اور اس کو نہ چھپانا انسانی معاشرے میں قیام عدالت کی اہم ترین بنیادوں میں سے ہے۔

---

[1] تفسیر برہان، جلد ۱ ص ۳۸۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں، کہ ہم کسی کے خلاف گواہی دے کر ان کی عداوت و دشمنی مول کیوں لیں، اور اپنے لیے دردِ سر کیوں پیدا کریں، ایسے لوگ حقوق انسانی کی طرف سے بے اعتنا، روحِ اجتماعی کے فاقد اور اجرائے عدالت کے سلسلہ میں غیر ذمہ دار ہوتے ہیں۔

اسی لیے قرآن نے مسلمانوں کو کئی آیات میں شہادتِ حق کی دعوت دی ہے اور شہادت کے چھپانے کو گناہ قرار دیا ہے[۱]۔ فقہ اسلامی میں بھی شہادت ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، اور بہت سے انفرادی اور اجتماعی حقوق کے اثبات کے لیے بنیاد شمار ہوتی ہے، اور اس کے لیے خاص احکام ہیں۔

آخری صفت میں جو حقیقت میں اس مجموعہ صفات کی نویں صفت ہے، پھر دوبارہ نماز کے مسئلہ کی طرف لوٹتا ہے، جیسا کہ ان کا آغاز بھی نماز ہی سے ہوا تھا، فرماتا ہے: "وہ لوگ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں" (والذین ھم علٰی صلاتھم یحافظون)۔

اور جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں، بعض قرائن کی طرف توجہ کرتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "نماز" "واجب نماز" کی طرف اشارہ ہے اور گزشتہ آیت میں "نماز نافلہ" کی طرف اشارہ ہے۔

البتہ پہلی صفت میں، نماز کے ہمیشہ قائم رکھنے کی طرف اشارہ تھا، لیکن یہاں اس کے آداب و شرائط، ارکان خصوصیات کی حفاظت کے متعلق گفتگو ہے۔ ایسے آداب جو نماز کے ظاہر کو بھی اس چیز سے کہ جو باعثِ فساد ہے، محفوظ رکھتے ہیں اور روحِ نماز کو بھی، جو حضورِ قلب ہے۔ تقویت دیتے ہیں اور اخلاقی رکاوٹوں کو بھی جو اس کی قبولیت کی راہ میں مانع ہوتے ہیں، دور کر دیتے ہیں، تو اس بناء پر یہ ہرگز تکرار شمار نہیں ہوگا۔

یہ آغاز و اختتام اس بات کی نشاندہی کرتا ہے، کہ ان تمام اوصاف میں، نماز کی طرف توجہ، ان سب سے زیادہ برتر اور سب سے زیادہ اہم ہے، ایسا کیوں نہ ہو، جبکہ "نماز تربیت کا اعلیٰ مکتب" اور تہذیبِ نفوس اور معاشرے کی پاکسازی کا اہم ترین وسیلہ ہے۔

اور اس گفتگو کے آخر میں، ان اوصاف والوں کی اصلی راہ کو بیان کرتا ہے، جیسا کہ گزشتہ آیات میں مجرموں کی اصلی راہ کی تشریح کی تھی یہاں ایک مختصر اور پُر معنی جملہ میں فرماتا ہے: "وہ لوگ جو ان اوصاف کے حامل ہیں، ان کا ٹھکانا جنت کے باغات میں اور انہیں ہر لحاظ سے عزت و احترام رکھا جائے گا۔ (اولٰئک فی جنات مکرمون)۔[۲]

وہ محترم اور معزز کیوں نہ ہوں؟ جبکہ وہ خدا کے مہمان ہیں اور خدائے قادر و رحمٰن نے، تمام ضروری وسائل ان کے لیے فراہم کر دیے ہیں، اور حقیقت میں یہ دونوں تعبیریں ("جنات" و "مکرمون") مادی و معنوی دونوں قسم کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جو اس گروہ کے شاملِ حال ہوں گی۔

۱۔ بقرہ ۲۸۳ - ۱۴۰ مائدہ ۱۰۶ و طلاق ۲

۲۔ "فی جنات"، "اولٰئک" کی خبر ہے اور "مکرمون" دوسری خبر ہے، یا یہ کہ "مکرمون" خبر ہے اور "فی جنات" اس سے متعلق ہے (غور کیجیے)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۶۔ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝

۳۷۔ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝

۳۸۔ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۝

۳۹۔ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

۴۰۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝

۴۱۔ عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝

ترجمہ

۳۶۔ ان کفار کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ سرعت کے ساتھ تیرے پاس آتے ہیں۔

۳۷۔ دائیں طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی (جنت کی طمع ہے)۔

۳۸۔ کیا ان میں سے ہر ایک کو یہ طمع ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں والی جنت میں داخل ہوجائے۔

۳۹۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا، ہم نے انھیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جس کا انھیں خود علم ہے۔

۴۰۔ مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم، ہم اس بات پر قادر ہیں۔

۴۱۔ کہ ہم ان کی جگہ ایسے لوگوں کو دے دیں، جو ان سے بہتر ہیں اور ہم ہرگز مغلوب نہیں ہوں گے۔

تفسیر

کس منہ سے جنت کی طمع؟

اس سورہ کی گزشتہ آیات میں، مومنین اور کفار کی نشانیوں اور ان دونوں گروہوں کی سرنوشت کے بارے میں مختلف مباحث آئے ہیں، اور پر والی آیات میں پھر کفار کی وضع و کیفیت اور مقدسات اسلام کے بارے میں ان کے استہزاء اور تمسخر کی تفصیل کی طرف لوٹتا ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ آیات مشرکین کے ان گروہوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، اس وقت جبکہ پیغمبرؐ معاد کی آیات کو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مسلمانوں کے سامنے پڑھتے تھے، تو وہ ہر گوشہ و کنار سے آجاتے تھے اور یہ کہتے تھے، کہ اگر معاد ہوئی تو ہماری وضع و کیفیت اس عالم میں بھی، ان افراد سے جو محمد پر ایمان لائے ہیں، بہتر ہوگی، جیسا کہ اس دنیا میں بھی ہماری وضع و کیفیت ان سے بہتر ہے۔

قرآن ان کے جواب میں اس طرح کہتا ہے،

"ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے، جو سرعت کے ساتھ تیرے پاس آتے ہیں۔ (فمال الذین کفروا قبلک مھطعین)۔

دائیں طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی گروہ در گروہ آتے ہیں اور جنت کی طمع رکھتے ہیں"۔ (عن الیمین وعن الشمال عزین)۔

"کیا ان میں سے ہر ایک یہ طمع رکھتا ہے کہ وہ خدا کی نعمتوں والی جنت میں داخل ہو جائے گا" (ایطمع کل امرئ منھم ان یدخل جنة نعیم)۔

یہ کون سے ایمان اور کون سے عمل کی بناء پر اپنے لیے اس قسم کی شائستگی اور لیاقت کے قائل ہیں؟!

"مھطعین" "مھطع" کی جمع ہے جو اس شخص کے معنی میں ہے، جو گردن اٹھا کر تیزی کے ساتھ چلتا ہے اور کسی چیز کی جستجو میں ہوتا ہے اور کبھی صرف خبر معلوم کرنے کے لیے گردن اٹھانے کے معنی میں آتا ہے۔

"عزین" "عزة" (بروزن ہبہ) کی جمع ہے، جو پراگندہ جماعتوں اور گروہوں کے معنی میں ہے اور اس کا ریشہ اور اصلی جڑ "عزو" (بروزن مذہب) نسبت دینے کے معنی میں ہے اور چونکہ وہ گروہ جو ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے ساتھ نسبت اور ارتباط رکھتے ہیں، یا ان کا ہدف اور مقصد ایک ہی ہوتا ہے لہٰذا جماعت اور گروہ کو "عزہ" کہا گیا ہے۔

بہر حال خود غرض اور خود پرست مشرکین اس قسم کے بہت سے بے بنیاد دعوے رکھتے تھے اور اپنی مادی زندگی کے مرفہ اور خوش حال ہونے کو ـــــ جو عموماً ناجائز اور لوٹ مار وغیرہ کے طریقوں سے حاصل ہوتی تھی، خدا کی بارگاہ میں اپنے مقام کی بلندی اور پروردگار کے نزدیک اپنی محبوبیت کی دلیل سمجھتے تھے، اور اس کے بعد ایک بے معنی موازنہ کے ساتھ قیامت میں اپنے لیے بلند مقامات کے قائل تھے۔

یہ ٹھیک ہے کہ وہ "معاد" پر اس طرح سے جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے، عقیدہ نہیں رکھتے تھے، لیکن کبھی کبھی احتمال کی بناء پر معاد پر بحث کیا کرتے تھے کہ اگر ایسا ہوا تو ہم اس دوسرے جہان میں اس طرح اور ایسے ہوں گے، شاید وہ یہ بات استہزاء اور تمسخر کے طور پر بھی کہتے تھے۔

یہاں قرآن ان کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے: "ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ وہ بہشت میں داخل ہو جائیں، کیونکہ ہم نے انھیں جس چیز سے پیدا کیا ہے، اس کا انھیں خود علم ہے"۔ (کلا انا خلقناھم مما یعلمون)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

درحقیقت خدا یہ چاہتا ہے کہ پہلے تو اس جملہ کے ذریعہ ان کا غرور اور تکبر توڑ دے، کیونکہ وہ کہتا ہے: تم خود اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم نے تمھیں کس چیز سے پیدا کیا ہے"؟ ایک بے قدر وقیمت نطفہ سے، ایک گندے اور پست پانی سے، تو پھر یہ اتنا غرور و نخوت کس بناء پر ہے؟

دوسرے معاد کا مذاق اڑانے والوں کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر تم معاد و قیامت کے بارے میں شک رکھتے ہو، تو جاؤ اور نطفہ کی حالت کی تحقیق کرو اور دیکھو کہ ہم ایک بے قدر وقیمت پانی کے قطرے سے کس طرح ایک نیا اور عمدہ وجود پیدا کر دیتے ہیں، جو جنین کی صورت میں ہر روز ایک نئی خلقت اختیار کرتا ہے۔

تو کیا نطفہ سے انسان کو پیدا کرنے والا، اس بات پر قادر نہیں ہے، کہ وہ مٹی ہو جانے کے بعد، انسان کے بدن پر لباسِ حیات پہنا دے۔

"تیسرے" یہ لوگ کس طرح جنت کی طمع رکھتے ہیں، جبکہ وہ اپنے صحیفۂ اعمال میں یہ اس قدر افعال گناہ رکھتے ہیں، کیونکہ وہ موجود جو ایک بے قدر وقیمت نطفہ سے پیدا ہوا ہے، مادی لحاظ سے تو کوئی شرافت و عظمت نہیں رکھتا، اگر کوئی شرف ہے تو وہ ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے ہے اور وہ ان کے پاس نہیں ہے، تو پھر یہ لوگ کس طرح توقع رکھتے ہیں کہ وہ جنت کے باغوں میں قدم رکھیں گے۔[1]

اس کے بعد اس مطلب کی تاکید کے لیے مزید کہتا ہے: "مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم ہم اس بات پر قادر ہیں ......"

(فلا اقسم برب المشارق والمغارب انا لقادرون)۔

"کہ ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آئیں جو ان سے بہتر ہیں، اور ہم ہرگز بھی اس کام میں مغلوب نہیں ہوں گے" (علی ان نبدل خیرًا منھم وما نحن بمسبوقین)۔

یہ جملہ ممکن ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ہم نہ صرف اس بات پر قادر ہیں کہ انھیں مٹی ہو جانے کے بعد نئی زندگی اور حیات کی طرف پلٹا دیں، بلکہ ہم انھیں ایک زیادہ کامل اور بہتر موجودات میں بھی تبدیل کر سکتے ہیں، اور اس کام میں کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔

اس طرح سے اوپر والی تعبیر قیامت کی بحث کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

یا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ہمارے لیے کوئی مانع نہیں ہے کہ ہم تمھیں تمھارے کیفرِ کردار کی بناء پر نابود کریں اور شائستہ، آگاہ اور مومن افراد کو تمھارا جانشین بنا دیں، تاکہ وہ ہمارے پیغمبر کے یار و مددگار ہوں، ہمیں اس کام سے کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔

اس بناء پر اگر ہم تم سے یہ اصرار کرتے ہیں کہ تم ایمان لے آؤ، تو وہ کسی حاجت یا عجز کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ بشر کے لیے

---

[1] اوپر والی آیت کی تفسیر میں دوسرے احتمال بھی دیئے گئے ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ "مما یعلمون" کے جملہ سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انھیں عقل و شعور کے ساتھ پیدا کیا ہے، نہ کہ حیوانات اور بہائم کی طرح، اس بناء پر وہ اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انھیں ایسے اہداف و مقاصد کے لیے جنھیں وہ خود جانتے ہیں۔ یعنی انھیں فرائض کی ادائیگی اور اطاعت کے لیے پیدا کیا ہے۔ لیکن یہ سب احتمال بعید نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اکثر مفسرین نے وہی معنی جسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے، قبول کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہدایت وتربیت کی مصلحت کلی کا تقاضا ہے۔

"رب المشارق والمغارب" "(مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار) کی تعبیر ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کر دہی خدا جو اس بات پر قادر ہے، کہ اتنے عظیم سورج کو ہر روز ایک نئے مشرق اور ایک نئے مغرب میں قرار دیتا ہے، اور یہ حساب کتاب اتنا دقیق ہو کر وہ کئی ملین سال سے اپنے سالانہ دورے کو بے کم وکاست طے کرے، تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ایک دفعہ پھر انسان کو زندگی کی طرف لوٹا دے، اور اسے ایک نئی زندگی بخش دے، یا ایک گروہ کو لے جائے اور کسی دوسرے شائستہ اور لائق گروہ کو ان کا جانشین بنا دے۔

ایک نکتہ

"مشارق" و "مغارب" کا مفہوم

قرآن مجید کی آیات میں کبھی تو "مشرق و مغرب" کی تعبیر مفرد کی صورت میں آئی ہے، مثلاً سورۂ بقرہ کی آیہ ۱۱۵ میں و للہ المشرق والمغرب "مشرق و مغرب خدا ہی کے لیے ہے" اور کبھی تثنیہ کی صورت میں آئی ہے۔ مثلاً سورۂ رحمٰن کی آیہ ۱۷ میں " رب المشرقین ورب المغربین، "دو مشرقوں کا پروردگار اور دو مغربوں کا پروردگار" اور کبھی "جمع" کی صورت میں المشارق و المغارب جیسے زیر بحث آیت ہے۔

بعض کوتاہ نظر لوگوں نے ان تعبیروں کو متضاد خیال کیا ہے، حالانکہ وہ سب ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں، اور ہر ایک کسی ایک نکتہ کی طرف اشارہ ہے، اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ سورج ہر روز ایک نئے نقطہ سے طلوع اور ایک نئے نقطہ میں غروب کرتا ہے، اس بناء پر سال کے دنوں کی تعداد کے برابر مشرق و مغرب ہیں اور دوسری طرف ان تمام مشرقوں اور مغربوں میں دو مشرق اور دو مغرب ممتاز ہیں، جن میں سے ایک موسم گرما کے آغاز میں یعنی مدار شمالی میں، خورشید کی بلندی کی زیادہ سے زیادہ حد کے موقع پر اور ایک موسم سرما کے آغاز میں، یعنی مدار جنوبی میں سورج کے پہنچنے کی آخری حد (جن میں سے ایک کو "مدار راس السرطان" سے اور دوسرے کو "مدار راس الجدی" سے تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ یہ دونوں پورے سال پر مشتمل ہیں لہٰذا خصوصیت کے ساتھ ان کی بات ہوئی ہے، ان کے علاوہ دوسری دو مشرقیں اور دو مغربیں بھی ہیں، جنہیں مشرق اعتدال اور مغرب اعتدال کا نام دیتے ہیں (اوائل بہار اور اوائل خزاں میں جبکہ ساری دنیا میں رات دن برابر ہوتے ہیں) یہ بھی مشخص ہیں اور بعض نے "رب المشرقین و رب المغربین" کو اس کی طرف اشارہ سمجھا ہے، اور یہ بھی قابل توجہ ہے۔

لیکن جہاں یہ مفرد کی صورت میں ہے تو وہاں جنس کا معنی رکھتا ہے، کہ توجہ صرف اصل مشرق و مغرب پر ہے، قطع نظر اس سے کہ افراد پر نظر کی جائے، اس طرح سے اوپر والی مختلف تعبیروں میں، ہر کوئی ایک نکتہ رکھتی ہے! اور انسان کو سورج کے طلوع و غروب کے مختلف تغیرات، اور سورج کے مداروں کے منظم تغیرات کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴۲۔ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ۝

۴۳۔ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝

۴۴۔ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝

ترجمہ

۴۲۔ انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دے، تاکہ وہ اپنے باطل میں غوطہ زن رہیں اور کھیل کود میں لگے رہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے یوم موعود سے ملاقات کریں۔

۴۳۔ وہی دن جب وہ اپنی قبروں سے تیزی کے ساتھ نکلیں گے، گویا وہ اپنے بتوں کی طرف دوڑ رہے ہیں۔

۴۴۔ درآنحالیکہ ان کی آنکھیں شدت وحشت سے نیچے کی طرف جھکی ہوئی ہوں گی اور ذلت وخواری کے پردہ نے انھیں ڈھانپ رکھا ہوگا (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہی دن ہے جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

تفسیر

گویا اپنے بتوں کی طرف دوڑ رہے ہیں

ان آیات میں جو سورہ معارج کی آخری آیات ہیں، ہٹ دھرم، ٹھٹھہ کرنے والے اور سخت کافروں کو انذار وتہدید کے عنوان سے فرماتا ہے: "انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دے، تاکہ وہ اپنے باطل مطالب میں ڈوبے رہیں اور کھیل کود میں لگے رہیں یہاں تک کہ وہ اپنے یوم موعود سے ملاقات کریں" (فذرھم یخوضوا ویلعبوا حتّٰی یلاقوا یومھم الذی یوعدون)۔[1]

---

[1] "یخوضوا" "خوض" (بروزن حوض) کے مادہ سے اصل میں پانی میں چلنے کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد کنایہ کے طور پر ان موارد میں جہاں انسان باطل مطالب میں غوطہ زن ہو، استعمال ہوا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس سے زیادہ استدلال اور موعظہ کی ضرورت نہیں ہے، وہ نہ تو اب منطق میں اور نہ ہی بیدار ہونے کے لیے آمادگی رکھتے ہیں، بہتر ہے انھیں ان کے اپنے باطل اور بے ہودہ باتوں میں غوطہ زن رہیں اور بچوں کی طرح کھیل کود میں لگے رہیں، یہاں تک کہ ان کا موعود دن، قیامت کا دن آن پہنچے اور وہ ہر چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیں۔

یہ آیت اسی تعبیر کے ساتھ اور کسی قسم کی تبدیلی کے بغیر سورہ زخرف کی آیہ ۸۳ میں بھی آئی ہے۔

اس کے بعد اس موعود دن کا تعارف کراتے ہوئے اس وحشت ناک اور ہولناک دن کی نشانیاں بیان کرتا ہے، اور فرماتا ہے: وہی دن جس میں وہ اپنی قبروں سے تیزی کے ساتھ خارج ہوں گے اور اس طرح تیزی سے چل رہے ہوں گے، گویا کہ وہ اپنے بتوں کی طرف جا رہے ہیں" (یوم یخرجون من الاجداث سراعًا کانھم الی نصب یوفضون)۔

کیسی عجیب تعبیر ہے؟ قیامت میں ان کی حالت کی کیفیت کی، جبکہ وہ تیزی کے ساتھ دادگاہ عدل الٰہی کی طرف چل رہے ہوں گے ان کے کسی جشن یا عزا کے دن بتوں کی طرف، ہجوم کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، لیکن وہ کہاں اور یہ کہاں؟ اور حقیقت میں یہ ان بے ہودہ عقائد کے بارے میں، جو وہ دنیا میں رکھتے تھے، ایک تمسخر اور استہزاء ہے۔

"اجداث" "جدث" (بروزن عبث) کی جمع ہے جو "قبر" کے معنی میں ہے۔

"سراع" "سریع" کی جمع ہے (بروزن ظراف وظریف) اس شخص یا چیز کے معنی میں ہے، جو جلدی سے چلے۔

"نصب" "نصیب" کی جمع ہے اور وہ بھی بعض کے قول کے مطابق "نصب" (بروزن سقف) کی جمع ہے، یہ اصل میں اس چیز کے معنی میں ہے جو کسی جگہ نصب ہوئی ہو اور ان بتوں کو بھی کہتے ہیں جنھیں ایک پتھر کے ٹکڑے کی صورت میں کسی جگہ نصب کر کے اس کی پرستش کرتے تھے، اور اس کے اوپر قربانی کر کے اس کا خون اس پر ڈال دیتے تھے اور اس میں اور "صنم" میں یہ فرق تھا کہ "صنم" تو وہ بت تھا، جس کی کوئی خاص شکل وصورت ہوتی تھی، لیکن "نصب" پتھر کے ایسے ٹکڑے ہوتے تھے جن کی کوئی شکل وصورت نہیں ہوتی تھی جن کی وہ کسی سبب سے پرستش کرتے تھے، جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیہ ۳ میں آیا ہے کہ وہ حرام گوشتوں میں سے اس جانور کے گوشت کو بھی شمار کرتے تھے جو ان بتوں پر ذبح ہوتے تھے (وما ذبح علی النصب)

"یوفضون" "افاضہ" کے مادہ سے، تیز چلنے کے معنی میں ہے، پانی کے چشمے سے بہنے کی تیزی سے مشابہ۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ زیر بحث آیت میں نصب سے مراد وہ پرچم ہیں جنھیں لشکروں یا قافلوں کے درمیان کسی ایک جگہ نصب کر دیتے ہیں اور ہر شخص تیزی سے اپنے آپ کو ان تک پہنچاتا ہے، لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

اس کے بعد دوسری نشانیاں پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "یہ اس حالت میں ہوگا کہ ان کی آنکھیں ہول اور وحشت کی وجہ سے نیچے کی طرف جھکی ہوئی ہوں گی اور وہ خضوع کے ساتھ دیکھ رہے ہوں گے" (خاشعۃ ابصارھم)۔

"اور ذلت وخواری کے پردے نے انھیں ڈھانپ رکھا ہوگا" (ترھقھم ذلۃ)[1]

---

[1] "ترھقھم" "رھق" (بروزن شفق) کے مادہ سے، جبری طور پر ڈھانپنے کے معنی میں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آیت ۔کہ آخر میں مزید کہتا ہے : یہ وہی دن ہے جس کا انھیں وعدہ دیا جاتا تھا" (ذالك اليوم الذى كانوا يوعدون)۔

ہاں ! یہ وہی موعود دن ہے ، جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے اور بعض اوقات یہ کہا کرتے تھے : فرض کریں کوئی ایسا دن ہو بھی تو پھر بھی ہماری حالت مومنین سے بہتر ہوگی ، لیکن اس دن ان میں شدت خوف ، وحشت و شرمساری کی وجہ سے سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوگی ، ذلت کا گرد و غبار ان کے سر اور چہرہ پر پڑا ہوا ہوگا ، اور وہ غم واندوہ کے دائرے میں گھرے ہوئے ہوں گے ، یقیناً اس دن وہ نادم و پشیمان ہوں گے ، لیکن کیا فائدہ ؟

خداوندا ! اس ہولناک دن ہمیں اپنی رحمت کے پردے میں ڈھانپ لینا ۔

پروردگارا ! شیطان کے جال سخت ، ہمارے نفس غالب اور لمبی چوڑی آرزوئیں فریب دینے والی ہیں ، تو خود ہی بیداری و آگاہی اور صدا و بلاغت سے عدم انحراف کی ہمیں توفیق مرحمت فرما ۔

بارِ الٰہا : ہمیں ان مومنین میں سے قرار دے ، جنھوں نے اپنے عہد کو وفا کرنے ، اور تیری اطاعت کے لیے کمر ہمت باندھی ہوئی ہے

آمین یا رب العالمین

اختتام سورۂ معارج ۔ ۲۱ ذی الحجۃ الحرام

۱۴۰۶ ھ

اختتام ترجمہ ۱۵ محرم ۱۴۰۸ مطابق ۹ ستمبر ۱۹۸۷ء بروز بدھ

بوقت تقریباً ساڑھے سات بجے صبح ۔ ۱۸۰ ای ماڈل ٹاؤن

لاہور

صفدر حسین نجفی

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sakeena-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ نوح

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی
اور
اس کی ۲۸ آیات ہیں

تاریخ شروع

۲۲ ر ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۶ھ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ نوح کے مطالب ومضامین

یہ سورہ جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے، نوح پیغمبر کی سرگزشت بیان کرتی ہے، قرآن مجید کی کئی سورتوں میں اس عظیم پیغمبر کی سرگزشت کی طرف اشارہ ہوا ہے، ان میں سے سورۂ شعراء، مومنون، اعراف اور انبیاء ہیں، اور سب سے زیادہ تفصیل سورۂ ہود میں آئی ہے، جس میں تقریباً ۲۵ آیات اس "اولوالعزم" پیغمبر کے بارے میں ہیں (آیہ ۲۵ تا ۴۹)۔

لیکن سورۂ نوح میں جو کچھ آیا ہے، وہ ان کی زندگی کا ایک خاص حصہ ہے، جو دوسری جگہ پر اس طرح سے نہیں آیا، اور یہ حصہ ان کی توحید کی طرف دعوت دینے، اس کی کیفیت، اس دعوت کے عناصر، اور ان جزئیات کے بارے میں جو اس اہم مسئلہ میں ہوتے کار آتے ہیں ——— اور وہ بھی اس ہٹ دھرم، خود غرض اور متکبر قوم کے مقابلہ میں جو حق کے سامنے سر جھکانے کے لیے بالکل تیار نہ تھی ——— پے در پے اور مسلسل دعوتِ حق دینے کے ساتھ مربوط ہے۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور پیغمبر اکرمؐ اور اس زمانہ کے تھوڑے سے مسلمان، نوح اور ان کے اصحاب کے زمانہ کے حالات سے مشابہ حالات رکھتے تھے، انھیں بہت سے مسائل کی تعلیم دیتا ہے اور اس واقعہ کے بیان کرنے کے اہداف ومقاصد میں سے ایک یہی ہے، منجملہ ان کے:

۱۔ انھیں یہ بتاتا ہے کہ منطقی استدلال کے طریقے سے، جو دشمنوں کے ساتھ محبت اور مکمل دلسوزی سے توأم ہو، کس طرح تبلیغ کریں اور اس راہ میں ہر مفید اور مؤثر ذریعہ سے کیسے فائدہ اٹھائیں۔

۲۔ انھیں یہ سکھاتا ہے کہ خدا کی طرف دعوت دینے کی راہ میں ہرگز نہ تھکیں، چاہے سالہا سال گزر جائیں اور دشمن کتنا ہی مصر اور مستدام کیوں نہ ہو۔

۳۔ انھیں یہ سبق دیتا ہے کہ ایک طرف تو شوق دلانے کے وسائل ہوں اور دوسری طرف ڈرانے کے عوامل، اور دعوت کرنے کے لیے دونوں طریقوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۴۔ اس سورہ کی آخری آیات، ہٹ دھرم مشرکین کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ اگر وہ حق کے سامنے نہ جھکے اور خدا کے حکم کے سامنے انھوں نے گردن خم نہ کی، تو ان کا انجام بہت دردناک ہوگا۔

۵۔ ان سب باتوں کے علاوہ یہ سورۂ پیغمبر اور پہلے مومنین اور ان سے مشابہ افراد کے لیے دل کی تسلی کا سبب ہے کہ وہ خدا کے لطف وکرم سے اپنے پروگراموں میں سرگرم اور مشکلات اور سختیوں میں صابر وشکیبا رہیں۔

دوسرے لفظوں میں یہ سورہ، حق وباطل کے طرف داروں میں دائمی مبارزہ کے بیان اور ان پروگراموں کی، جن پر حق کے طرف داروں کو اپنی راہ میں کاربند ہونا چاہیے، تصویر کشی کرتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر گرامی اسلام ؐ سے آیا ہے:

"من قرأ سورة نوح كان من المؤمنين الذين تدركهم دعوة نوح"

جو شخص سورۂ "نوح" کو پڑھے گا، وہ ان مومنین میں سے ہو جائے گا جنھیں نوح کی دعوت کی شعاع ڈھانپ لیتی ہے۔[1]

ایک اور حدیث میں امام صادق ؑ سے آیا ہے:

"من كان يؤمن بالله واليوم الأخر ويقرأ كتابه فلا يدع ان يقرأ سورة "انّا ارسلنا نوحًا" فاى عبد قرأها محتسبا صابرًا فى فريضة او نافلة اسكنه الله مساكن الابرار واعطاه ثلاث جنان مع جنته كرامة من الله"

جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی کتاب کو پڑھتا ہے، وہ سورۂ نوح کی تلاوت کو ترک نہ کرے، جو شخص اس سورہ کو، صبر و استقامت کے ساتھ، خدا کے لیے، واجب یا مستحب نماز میں پڑھے گا تو خدا اسے نیک افراد کی منازل میں جگہ دے گا اور جنت کے باغوں میں سے تین باغ، اس کے اپنے باغ کے علاوہ، اس کے احترام میں اسے مرحمت فرمائے گا۔[2]

یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ اس کی تلاوت کا ہدف اور مقصد یہ ہے کہ اس عظیم پیغمبر کے طور طریقوں، اور حق کی طرف دعوت کی راہ میں ان کے یار و انصار کے صبر و استقامت سے ہدایت حاصل کرے اور اس کی دعوت کی شعاع سے روشنی حاصل کرے، نہ کہ ایسا پڑھنا کہ جس میں غور و فکر نہ ہو، اور نہ ہی ایسا غور و فکر کہ جس میں عمل نہ ہو۔

---

[1] مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۳۵۹

[2] ایضاً

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

۲۔ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ

۳۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ

۴۔ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ

رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے

۱۔ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، اور ہم نے ان سے کہا: اس سے پہلے کہ دردناک عذاب ان کی طرف آئے، اپنی قوم کو ڈراؤ۔

۲۔ انھوں نے کہا اے قوم! میں تمھارے لیے ایک واضح ڈرانے والا ہوں۔

۳۔ کہ تم خدا کی عبادت کرو اور اس کی مخالفت سے پرہیز کرو، اور میری اطاعت کرو۔

۴۔ ۔۔۔ تم ایسا کرو گے تو خدا تمھارے گناہوں کو بخش دے گا اور ایک معین وقت تک کیلئے تمھیں زندہ رکھے گا، لیکن جب خدائی اجل آگئی تو پھر تاخیر نہیں ہوگی، اگر تم سمجھو!

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

نوح کا پہلا پیغام

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ سورۂ نوح کے حالات کے اس حصّہ کو بیان کرتا ہے، جو ان کی دعوت سے مربوط ہے، اور وہ راہِ حق کے تمام راہ رووں کو، خصوصاً ہٹ دھرم قوموں کے مقابلہ میں، حق کی طرف دعوت کے سلسلہ میں، بہت سے عمدہ نکات سکھاتی ہے۔

سب سے پہلے ان کی بعثت کے مسئلہ کو شروع کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، اور ہم نے اس سے کہا: اس سے پہلے کہ دردناک عذاب ان کی طرف آئے تم اپنی قوم کو ڈراؤ" (انا ارسلنا نوحًا الی قومه ان انذر قومك من قبل ان یأتیهم عذاب الیم)۔

یہ دردناک عذاب، ممکن ہے دنیا کا عذاب ہو، یا آخرت کا عذاب ہو، اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ دونوں مراد ہوں، اگرچہ اس سورہ کی آخری آیات کے قرینہ سے زیادہ تر مراد دنیا کا عذاب ہے۔

"انذار" (اور ڈرانے) پر تکیہ، باوجود کیہ انبیاء ڈرانے والے بھی تھے، اور بشارت دینے والے بھی، اس بناء پر ہے کہ انذار اور ڈرانا، غالباً زیادہ قوی تاثیر رکھتا ہے، جیسا کہ تمام دنیا میں قوانین کے اجراء کی ضمانت کے لیے انذار اور سزا پر تکیہ ہوتا ہے۔

نوح ایک "اولو العزم" پیغمبر، جو پہلی شریعت اور دینِ الٰہی کے حامل تھے، عالمی دعوت رکھتے تھے، یہ فرمان حاصل کرنے کے بعد اپنی قوم کی طرف آئے اور ان سے کہا: "اے میری قوم! میں تمھارے لیے ایک واضح ڈرانے والا ہوں"۔ (قال یا قوم انی لکم نذیر مبین)۔

ہدف و مقصد یہ ہے کہ تم خدائے یکتا و یگانہ کی پرستش کرو، اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے اسے دور پھینک دو، تقوٰی اختیار کرو اور میرے احکام کی جو خدا کے احکام ہیں اطاعت کرو (ان اعبدوا الله واتقوه واطیعون)۔

حقیقت میں نوح نے اپنی دعوت کے مضمون کا تین جملوں میں خلاصہ بیان کیا: خدائے یکتا کی پرستش، تقوٰی کی رعایت اور ان قوانینُ احکام کی، جو وہ خدا کی طرف سے لائے تھے اور جو عقائد و اخلاق و احکام کا مجموعہ تھے، اطاعت۔

اس کے بعد انھیں شوق دلاتے ہوئے، اور اس دعوت کو قبول کرنے کے اہم نتائج کو دو مختصر سے جملوں میں بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: اگر تم میری دعوت کو قبول کرو تو خدا تمھارے گناہوں کو بخش دے گا (یغفر لکم من ذنوبکم)[1]

---

[1] "من" اس جملہ میں زائدہ اور تاکید کے لیے ہے، کیونکہ خدا پر ایمان تمام گزشتہ گناہوں کے بخشے جانے کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حقیقت میں مشہور قاعدہ کلیہ "الاسلام یجب ما قبلہ" (اسلام اپنے سے پہلے کی چیزوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور انھیں ختم کر دیتا ہے) ایک ایسا قانون ہے جو تمام توحیدی اور الٰہی دینوں میں ہے اور اسلام پر ہی منحصر نہیں ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے، اور تمھیں ایک معین زمانہ تک تاخیر میں ڈالتا ہے اور تمھاری عمر کو طولانی کر کے تم سے عذاب کو دور رکھتا ہے (و یؤخرکم الی اجل مسمّٰی)۔

"کیونکہ جب خدا کی طرف سے اصلی اور آخری اجل آجاتی ہے، تو اس میں تاخیر نہیں ہوتی، اگر تم جانتے ہو" (ان اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر لو کنتم تعلمون)۔

اس آیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ "اجل" اور انسانی عمر کی مدت دو قسم کی ہے، "اجل مسمّٰی" اور "اجل نہائی یا آخری" یا دوسرے لفظوں میں "اجل ادنیٰ" (نزدیک کی مدت والی) اور "اجل اقصیٰ" (دور کی مدت والی) یا "اجل معلق" (مشروط) اور "اجل حتمی" (مطلق)

پہلی قسم کی عمر کی مدت تو وہ ہے جو قابلِ تغیر ہے اور وہ انسان کے غلط اعمال کے نتیجے میں ممکن ہے کہ بہت جلدی آجائے جن میں سے ایک خدائی عذاب بھی ہے اور اس کے برعکس تقویٰ نیکو کاری اور تدبیر کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ بہت پیچھے اور تاخیر میں پڑ جائے۔

لیکن عمر کی اصلی اور آخری مدت کسی طرح بھی قابلِ تغیر نہیں ہے۔ اس موضوع کو ایک مثال کے ذریعے مشخص کیا جا سکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسان عمر جاودانی اور ہمیشہ کی زندگی کی استعداد نہیں رکھتا، اگر انسانی بدن کے تمام کل پرزے اور مشینری اچھی طرح سے کام کرتے رہیں تو آخر کار ایک ایسا وقت آجائے گا، جب کہ فرسودہ اور کہنہ ہونے کی وجہ سے اس کا دل خود بخود کام کرنے سے رک جائے گا، لیکن حفظانِ صحت کے اصولوں کی رعایت، اور بیماریوں کو وقت پر روکنے سے، انسان کی عمر کو طولانی کر سکتے ہیں، جبکہ ان امور کی رعایت نہ کرنے سے ممکن ہے کہ اس کی عمر بہت کم ہو جائے اور بہت جلدی اس کو ختم کر دے[1]

بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا:

باعث ہے، مگر وہ کہ جو حق الناس سے مربوط ہے، لیکن گناہ کے لحاظ سے اور حرمت کے حکم کی وجہ سے بخشا جانا اس کو بھی شامل ہے اور یہ جو بعض مفسرین نے (مثلاً فخر رازی نے تفسیر کبیر میں اور علامہ طباطبائی نے المیزان میں) احتمال دیا ہے کہ "من" تبعیضیہ ہے۔ یہ گزشتہ گناہوں کے بارے میں ہے، نہ کہ آئندہ والے گناہوں کے بارے میں، یہ بعید نظر آتا ہے، کیونکہ آیت میں آئندہ کے گناہوں کے بارے میں تو بات ہی نہیں ہو رہی۔

[1] حاشیہ صفحہ ھذا: "اجل نہائی" اور "اجل معلق" کے بارے میں ہم نے سورۂ انعام کی آیہ ۲ (جلد ۵ ص ۱۶۸) کے ذیل میں ایک اور بحث کی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک نکتہ

عمر کی زیادتی اور کمی کے معنوی اسباب

ایک دوسرا نکتہ جو اس آیت سے بخوبی معلوم ہوتا ہے، وہ عمر کے کم ہونے میں گناہوں کی تاثیر ہے، کیونکہ ارشاد ہوتا ہے، اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو، تو خدا تمہاری عمر کو طولانی کر دے گا اور تمہاری موت کو تاخیر میں ڈال دے گا۔ اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ہمیشہ انسان کے جسم اور روح پر ہولناک ضربیں وارد کرتے ہیں، اس مطلب کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

روایات اسلامی میں بھی اس معنی پر بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک پر معنی حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

من یموت بالذنوب اکثر ممن یموت بالاجال، ومن یعیش بالاحسان اکثر ممن یعیش بالاعمار۔

وہ لوگ جو گناہ کے سبب سے مرتے ہیں ان سے بہت زیادہ ہیں، جو طبعی موت سے دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، اور وہ لوگ جو نیکوکاری کی بناء پر طولانی عمر پاتے ہیں، ان سے بہت زیادہ ہیں، جن کی عمر طبیعی عوامل کی بناء پر زیادہ ہوتی ہے:

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۵۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ۙ

۶۔ فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ۝

۷۔ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ۚ

۸۔ ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُہُمۡ جِہَارًا ۙ

۹۔ ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَہُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَہُمۡ اِسۡرَارًا ۙ

ترجمہ

۵۔ "نوح" نے کہا، پروردگارا! میں نے اپنی قوم کو رات دن (تیری طرف) دعوت دی۔

۶۔ لیکن میری دعوت نے حق سے فرار کے علاوہ ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔

۷۔ اور میں نے جب بھی انھیں دعوت دی کہ وہ ایمان لے آئیں تاکہ تو انھیں بخش دے، تو انھوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں، اور اپنے لباس سے چہروں کو ڈھانپ لیا، اور مخالفت پر اصرار کیا، اور شدت کے ساتھ استکبار کیا۔

۸۔ اس کے بعد میں نے انھیں ظاہر بظاہر (توحید اور تیری بندگی کی طرف) دعوت دی۔

۹۔ پھر میں نے علی الاعلان بھی اور پوشیدہ طور پر بھی انھیں تیری طرف بلایا۔

تفسیر

ان کی ہدایت کیلئے ہر طرح سے کوشش کی، مگر......

ان آیات میں، اپنی قوم کو دعوت دینے کے لیے، نوح کی رسالت اور ماموریت کے بیان کو جاری رکھتے ہوئے، خود انھیں کی زبان سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کچھ باتیں نقل ہوئی ہیں، جو انھوں نے خدا کی بارگاہ میں شکایت کے طور پر کہی تھیں، جو بہت ہی سبق آموز ہیں۔
نوحؑ کی باتیں ایسی باتوں کے سلسلہ میں ہیں، جو تمام دینی مبلغین کے لیے رہنما بن سکتی ہیں، ارشاد ہوتا ہے: "نوحؑ نے کہا: پروردگارا! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف دعوت دی ہے" (قال رب انی دعوت قومی لیلاً و نهاراً)۔
اور ان کی ہدایت و تبلیغ میں ایک لمحہ کے لیے بھی کوتاہی نہیں کی۔

لیکن میری اس دعوت وارشاد نے، حق سے فرار کرنے کے سوا، ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا" (فلم یزدهم دعاءی الا فراراً)۔
اور یہ عجیب بات ہے کہ کسی چیز کی دعوت، اسی سے بھاگنے کا سبب بن جائے، لیکن اس بات کی طرف توجہ کرنے سے کہ دعوتوں کی تاثیر، ایک قسم کی آمادگی اور کشش متقابل کی محتاج ہے، تعجب کی کوئی بات باقی نہیں رہ جاتی کہ وہ غیر آمادہ دلوں میں معکوس اور منفی اثر ڈالے دوسرے لفظوں میں ہٹ دھرم اور حق کے دشمن افراد، جب مردانِ حق کی دعوت کو سنتے ہیں تو وہ اس کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور ان کا یہی مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جانا، انھیں راہِ حق سے زیادہ دور کر دیتا ہے، اور ان کے کفر و نفاق کو اور بھی زیادہ راسخ بنا دیتا ہے۔
یہ بات ٹھیک اسی چیز کے مانند ہے جو سورۂ اسراء کی آیہ ۸۲ میں آئی ہے: "و ننزل من القراٰن ما هو شفاء و رحمة للمؤمنین ولا یزید الظالمین الا خساراً) ہم نے قرآن میں ایسی آیات نازل کی ہیں جو مومنین کیلیے شفا اور رحمت کا سبب ہیں، لیکن ظالموں میں سوائے خسارے اور نقصان کے کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتیں"۔
اور قرآنی آیات میں جو یہ آیا ہے کہ یہ آسمانی کتاب پرہیزگاروں کے لیے باعثِ ہدایت ہے "هدی للمتقین" (بقرہ — ۲)
اسی وجہ سے ہے کہ انسان میں کچھ نہ کچھ تقویٰ کا وجود ہونا چاہیے تاکہ وہ حق کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو، یہ مرحلہ وہی "حقیقت جوئی کی روح" اور حق کی گفتگو کو قبول کرنے کی آمادگی ہے۔

اس کے بعد نوحؑ اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتے ہیں "خداوندا! میں نے جب بھی انھیں دعوت دی کہ وہ ایمان لے آئیں اور تو انھیں بخش دے، تو انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں، اپنے لباسوں کو اپنے اوپر لپیٹ لیا اور مخالفت کرنے اور ایمان نہ لانے پر اصرار کیا اور شدت کے ساتھ استکبار کیا" (و انی کلما دعوتهم لتغفر لهم جعلوا اصابعهم فی اٰذانهم واستغشوا ثیابهم واصروا واستکبروا استکباراً)۔
کانوں میں انگلیاں ڈالنا اس لیے تھا کہ حق کی آواز کو نہ سنیں، اور ان کا اپنے اوپر لباس لپیٹ لینا، یا تو اس معنی میں تھا کہ وہ لباس کو سر پر ڈال لیتے تھے تاکہ وہ کانوں میں ڈالی ہوئی انگلیوں کو ڈھانپ لیں اور آواز کی معمولی سے معمولی لہر بھی کانوں کے پردے سے نہ ٹکرائے، اور وہاں سے کوئی پیغام دماغ کی طرف منتقل نہ ہو، یا وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنے چہرے کو ڈھانپ لیں، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نگاہیں اس بزرگ پیغمبر نوحؑ کے ملکوتی چہرے پر جا پڑیں۔ حقیقت میں انھیں یہ اصرار تھا، کہ نہ تو وہ اپنے کانوں سے ان کی کوئی بات سنیں، اور نہ ہی اپنی آنکھوں سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انھیں دیکھیں۔

واقعاً یہ ایک حیرت انگیز چیز ہے کہ انسان حق کی عداوت اور دشمنی میں اس حد تک پہنچ جائے کہ خود کو دیکھنے، سننے اور سوچنے تک کی بھی اجازت نہ دے۔

بعض اسلامی تفاسیر میں آیا ہے کہ اس منحرف قوم میں سے بعض لوگ اپنے بیٹوں کے ہاتھ پکڑ کر نوح کے پاس لے جایا کرتے تھے اور ان سے کہتے تھے: اس شخص سے ڈرتے رہنا کہیں یہ تمہیں گمراہ نہ کردے، یہ وہ وصیت ہے جو میرے باپ نے مجھے کی تھی اور میں اب وہی وصیت تمہیں کر رہا ہوں (تاکہ میں وصیت اور خیر خواہی کا حق ادا کر دوں)۔[1]

یہ آیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ نوح اپنی طولانی عمر میں، کئی نسلوں کے درمیان اسی طرح دعوتِ الٰہی کی تبلیغ کرتے رہے تھے اور بالکل نہیں تھکے تھے۔

اور ضمنی طور پر اس بات کی بھی نشاندہی کرتی ہے کہ ان کی بدبختی کا ایک اہم عامل استکبار اور غرور تھا، کیونکہ وہ اپنے آپ کو اس سے بالاتر سمجھتے تھے کہ اپنے جیسے انسان کے سامنے سر تسلیم خم کریں، چاہے وہ خدا کا نمائندہ ہو اور اس کا دل علم و دانش اور تقویٰ و پرہیزگاری کا مرکز ہو۔ یہ کبر و غرور ہمیشہ ہی حق کی راہ میں ایک اہم رکاوٹ رہا ہے اور ہم نے بشر کی تمام تاریخ میں اس کا شوم و منحوس نتیجہ بے ایمان افراد کی زندگی میں مشاہدہ کیا ہے۔

نوح اپنی باتوں کو پروردگار کی بارگاہ میں جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

"خداوندا! میں نے انھیں آشکار اور ظاہر طور پر تیری توحید اور عبادت کی طرف دعوت دی۔ (ثم انی دعوتهم جهاراً)۔

میں نے انھیں عمومی جلسوں میں اور بلند آواز کے ساتھ ایمان کی طرف بلایا۔

اس پر ہی قناعت نہیں کی۔ "آشکار او پنہاں۔ توحید و ایمان کی حقیقت ان سے بیان کی ہے": (ثم انی اعلنت لهم واسررت لهم اسراراً)۔

بعض مفسرین کے قول کے مطابق، نوح نے اس ہٹ دھرم اور خود غرض جمعیت میں اپنی دعوت کے نفوذ کے لیے تین مختلف طریقے اختیار کیے۔ کبھی تو صرف مخفی طور پر دعوت کرتے تھے، تو چار قسم کے رد عمل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ (کانوں میں انگلیاں ڈال لیں، اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیے، کفر پر اصرار کیا اور استکبار و غرور سے کام لیا)۔ کبھی علی الاعلان اور آشکارا دعوت دیتے اور کبھی آشکار اور پنہاں دونوں طریقوں کی دعوت سے فائدہ اٹھاتے، لیکن ان میں سے کوئی بھی موثر ثابت نہیں ہوئی۔[2]

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۶۱

[2] تفسیر "فخر رازی" جلد ۳۰ ص ۱۳۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اصولی طور پر انسان کی ساخت اور بناوٹ کچھ اس قسم کی ہے کہ اگر وہ باطل کی راہ میں اس قدر آگے بڑھ جائے، کہ فساد کی جڑیں اس کے وجود میں مستحکم ہو جائیں، اور اس کے وجود کی گہرائیوں میں نفوذ کرتے ہوئے طبیعت ثانوی کی شکل اختیار کریں، تو پھر نہ تو مردانِ حق کی دعوت کچھ اثر کرتی ہے اور نہ ہی خدا کے پیغامہائے رسان کے لیے فائدہ مند ہوتے ہیں۔

چند نکات

۱۔ تبلیغ کے طریقے:

اوپر والی آیات میں، نوح کی دعوت کے سلسلہ میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ پیغمبر اور مکہ میں رہنے والے ان تھوڑے سے مومنین کے لیے، جو آپ کے ساتھ مل گئے تھے، دلی تسلی کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ راہ خدا کے تمام مبلغین کے لیے ایک عمومی پروگرام بھی پیش کیا گیا ہے۔

نوح کو ہرگز اس بات کی توقع نہ تھی کہ لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے شہر کے ایک عمومی مرکز میں جمع ہو جائیں گے، پھر وہ اطمینانِ قلب کے ساتھ، اس حالت میں کہ وہ سب کے سب آپ کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے اور کان آپ کی باتوں پر لگائے ہوئے ہوں گے اور پھر وہ خدا کا پیغام انھیں پہنچائیں گے۔ بلکہ آیات کے لب ولہجہ سے معلوم ہوتا ہے (اور بعض روایات میں آیا بھی ہے) کہ آپ بعض اوقات لوگوں کے گھروں میں ان کے پاس جاتے، یا کوچہ وبازار میں خصوصی طور پر انھیں آواز دیتے اور حوصلہ کے ساتھ اور محبت آمیز لب ولہجہ میں انھیں تبلیغ کرتے اور کبھی آپ ان عمومی مجالس میں، جو دوسرے مقاصد مثلاً جشن یا عزت کے لیے قائم ہوئی تھیں چلے جاتے اور بلند آواز میں آشکارا خدا کا فرمان ان کے سامنے پڑھتے، لیکن ہمیشہ نامطلوب ردِ عمل، توہین واستہزاء اور بعض اوقات مارنے اور زخمی کرنے کا سامنا ہوتا لیکن اس کے باوجود وہ ہرگز اپنے کام سے دستبردار نہیں ہوئے۔

یہ عجیب وغریب حوصلہ اور اتنی عجیب دلسوزی اور بے نظیر استقامت اور کام کی لگن، دین حق کی راہ میں دعوت کے لیے ان کا سرمایہ تھی۔

اور سب سے بڑھ کر تعجب انگیز بات یہ ہے کہ آپ کی دعوت وتبلیغ سے نوسو سال کی طویل مدت میں، تقریباً (۸۰) اسی افراد آپ پر ایمان لائے۔ اگر ہم ان دونوں اعداد کو ایک دوسرے پر تقسیم کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ ایک شخص کی ہدایت کے لیے اوسطاً تقریباً ۱۲ سال تبلیغ کی۔

اگر مبلغین اسلام اس قسم کی استقامت اور کام کی لگن رکھتے ہوں، تو کیا اسلام ایسے مالامال اور عمدہ مطالب ومضامین کے ہوتے ہوئے، عالمگیر نہیں ہو جائے گا؟!

۲۔ حقیقت سے فرار کیوں؟

بعض اوقات انسان اس بات پر تعجب کرتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اس آسمان کے نیچے ایسے لوگ بھی پیدا ہو جائیں، جو حق کی بات

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تک سننے کے لیے تیار نہ ہوں، اور اس سے دور بھاگیں؟ بات قبول کرنے کی نہیں ہے، بات صرف سننے کی ہے۔
لیکن تاریخ بتلاتی ہے کہ اس قسم کے افراد بہت زیادہ تھے۔

صرف قوم نوح ہی ایسی نہیں تھی کہ جب آپ انہیں توحید کی دعوت دیتے تھے، تو وہ کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے، اور سر اور چہرے کو کپڑے سے ڈھانپ لیتے تھے، تاکہ نہ تو حق کی بات کو سنیں اور نہ ہی آپ کو دیکھیں، بلکہ قرآن کی صراحت کے مطابق، پیغمبر اسلام کے زمانہ میں بھی ایسا گروہ موجود تھا، جب پیغمبر دل انگیز بلند آواز کے ساتھ آیات قرآنی کی تلاوت کرتے، تو وہ شور و غوغا کرکے اور سیٹیاں بجاکر اس قسم کا ہنگامہ کھڑا کر دیتے تھے کہ کوئی شخص آپ کی آواز کو نہ سُن پائے، وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهٰذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون " کافروں نے کہا: اس قرآن پر کان نہ دھرو اور اس کی تلاوت کے وقت شور و غوغا بلند کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (حٰم السجدہ ــــ ۲۶)

کربلا کی خونی تاریخ میں بھی یہ آیا ہے کہ جب امام حسینؑ سالار شہیدان نے منحرف اور کج فہم دشمنوں کو، ہدایت و ارشاد، اور بیدار کرنا چاہا، تو انھوں نے اس طرح شور و غوغا کیا، کہ امام کی آواز اس میں گم ہو کر رہ گئی [1]

آج بھی یہ پروگرام اسی طرح جاری و ساری ہے۔ البتہ دوسری شکلوں اور صورتوں میں، باطل کے طرفداروں نے، قسم قسم کی غلط سرگرمیوں، فاسد اور خراب کرنے والی موسیقیوں، خراب مواد اور منشیات کے ذریعہ، اس قسم کی فضا فراہم کر رکھی ہے، کہ لوگ خصوصاً نوجوان، مردانِ حق کی دلنواز آواز سُن ہی نہ سکیں۔

---

[1] "بحار الانوار" جلد ۴۵ ص ۸۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۰۔ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝

۱۱۔ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝

۱۲۔ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝

۱۳۔ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝

۱۴۔ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝

ترجمہ

۱۰۔ میں نے ان سے کہا: اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو، وہ بہت بخشنے والا ہے۔

۱۱۔ تاکہ وہ آسمان کی پُر برکت بارشیں پے در پے تم پر بھیجے۔

۱۲۔ اور تمھاری فراواں مال و دولت سے مدد کرے، اور تمھارے لیے سرسبز باغات اور نہریں جاری کرے۔

۱۳۔ تم خدا کی عظمت کے قائل کیوں نہیں ہوتے؟

۱۴۔ حالانکہ اس نے تمھیں مختلف مرحلوں میں پیدا کیا ہے۔

تفسیر

ایمان کی دنیاوی جزا

نوحؑ اس ہٹ دھرم اور سرکش قوم کی ہدایت کے لیے، اپنے مؤثر بیانات کو جاری رکھتے ہوئے، اس مرتبہ بشارت و تشویق پر تکیہ کرتے ہیں اور انھیں تاکید کے ساتھ یہ وعدہ دیتے ہیں کہ اگر وہ شرک و گناہ سے توبہ کر لیں، تو خدا ان پر اپنی رحمت کے دروازے ہر طرف سے کھول دےگا ارشاد ہوتا ہے: "خداوندا! میں نے ان سے کہا ہے کہ تم اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو وہ بہت ہی بخشنے والا ہے (فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا)۔

نہ صرف یہ کہ وہ تمھیں گناہوں سے پاک کر دےگا، بلکہ "اگر تم ایسا کرو تو وہ تم پر آسمان سے برکت والی بارشیں پے در پے نازل

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرے گا" (یرسل السمآء علیکم مدرارًا)۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ اس کی معنوی رحمت کی بارش بھی، اور مادی برکت پر برکت بارش بھی تم پر نازل ہوگی۔
قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ کہتا ہے: "آسمان کو تم پر بھیجے گا" یعنی اس قدر بارش ہوگی کہ گویا آسمان برس رہا ہے! لیکن چونکہ وہ رحمت کی بارش ہوگی، لہٰذا نہ تو اس سے کوئی ویرانی اور تباہی ہوگی، اور نہ ہی کوئی تکلیف پہنچے گی، بلکہ وہ ہر جگہ خوشی وخرمی اور سرسبزی وشادابی کا باعث ہوگی۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اور تمہارے مال واولاد میں زیادتی کرے گا" (ویمددکم باموال وبنین)۔
"اور تمہارے لیے سرسبز وشاداب باغ، اور رواں پانی کی نہریں قرار دے گا" (و یجعل لکم جنات و یجعل لکم انھارًا)۔

اس طرح سے انہیں ایک عظیم معنوی نعمت، اور پانچ عظیم مادی نعمتوں کی وعدہ دی ہے۔ معنوی عظیم نعمت تو گناہوں کی بخشش اور کفر و عصیان کی آلودگی سے پاک ہونا ہے۔ باقی رہی مادی نعمتیں تو وہ مفید، برموقع اور پُر برکت بارشوں کا نازل ہونا۔ مال کی زیادتی، اولاد کی فراوانی، (انسانی سرمایہ) پُر برکت باغات اور جاری پانی کی نہریں۔

ہاں قرآن مجید کی گواہی کے مطابق، ایمان و تقویٰ، دنیا کی آبادی کا سبب بھی ہے اور آخرت کی آبادی کا موجب بھی۔
بعض روایات میں آیا ہے کہ جب اس ہٹ دھرم قوم نے نوحؑ کی دعوت کو قبول کرنے سے منہ پھیر لیا، تو خشک سالی اور قحط نے انہیں گھیر لیا، اور ان کے بہت سے اموال واولاد تباہ وہلاک ہو گئے، عورتیں بانجھ ہو گئیں اور ان کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا تو نوحؑ نے ان سے کہا: اگر تم ایمان لے آؤ تو یہ تمام مصیبتیں اور بلائیں تم سے دور ہو جائیں گی۔ لیکن انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور اسی طرح سے سختی پر قائم رہے، یہاں تک کہ آخری عذاب آپہنچا جس نے سب کا خاتمہ کر دیا۔

اس کے بعد پھر دوبارہ ڈرانے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں: "تم خدا سے ڈرتے کیوں نہیں اور خدا کی عظمت کے قائل کیوں نہیں ہوتے"؟! (مالکم لا ترجون للہ وقارًا)۔[2]

"حالانکہ خدا نے تمہیں گوناگوں طریقے کی خلقتیں دی ہیں" (وقد خلقکم اطوارًا)۔

---

[1] "مدرار" "در" (بروزن حر) کے مادہ سے اصل میں پستان مادر سے "دودھ" کے گرنے کے معنی میں ہے اور پھر بارش برسنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ "مدرار" مبالغہ کا صیغہ ہے۔

[2] "وقار" وزن اور عظمت کے معنی میں ہے اور "ترجون" "رجاء" کے مادہ سے، امید کے معنی میں ہے جو بعض اوقات خوف سے توأم ہوتا ہے۔ اور سارے جملہ کا معنی یہ ہے کہ تم عظمت خدا کے مقابلہ میں خضوع کیوں نہیں کرتے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلے تم ایک بے قدر و قیمت "نطفہ" تھے، زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ تمہیں "علقہ" بنادیا اور اس کے بعد "مضغہ" کی صورت میں لے آیا، اس کے بعد اس نے تمہیں انسانی شکل و صورت اور جسم عطا کیا، پھر تمہارے جسم کو لباس حیات پہنایا اور تمہیں روح اور حس و حرکت دی، اسی طرح سے تم نے یکے بعد دیگرے مختلف جنینی مراحل طے کیے، یہاں تک کہ تم ایک مکمل انسان کی شکل و صورت میں، ماں سے پیدا ہو گئے اس کے بعد زندگی کے مختلف اطوار اور زندگی کی مختلف شکلیں شروع ہو گئیں۔ تم ہمیشہ اس کی ربوبیت کے ماتحت رہے ہو اور ہمیشہ نئی سے نئی حالت اختیار کرتے ہو اور ایک جدید خلقت حاصل کرتے ہو، تو پھر تم اپنے خالق کے باعظمت آستانے پر سر تعظیم کیوں نہیں جھکاتے۔

نہ صرف جسمانی لحاظ سے تم مختلف شکلیں بدلتے ہو بلکہ تمہاری روح اور جان بھی ہمیشہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تم میں سے ہر ایک، ایک نئی استعداد رکھتا ہے، اور ہر سر میں ایک نیا ذوق اور ہر دل میں ایک نیا شوق ہے اور تم سب کے سب ہمیشہ بدلتے رہتے ہو۔ بچپنے کے احساسات اپنی جگہ جوانی کو دے دیتے ہیں اور جوانی اپنے احساسات ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کے احساسات کے حوالے کر دیتی ہے۔

اس طرح وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے اور ہر قدم پر تمہاری رہبری اور ہدایت کرتا ہے اور اس کے اس سارے لطف و عنایت کے باوجود یہ کفران اور بے حرمتی کس بناء پر ہے۔؟

ایک نکتہ

"تقویٰ" اور "عمران و آبادی" میں ربط:

قرآن کی مختلف آیات سے، منجملہ ان کے اوپر والی آیات سے یہ نکتہ اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے، کہ ایمان و عدالت، معاشروں کی آبادی کا باعث ہیں اور کفر، ظلم اور گناہ ویرانی و تباہی کا سبب ہیں۔

سورۂ اعراف کی آیہ ۹۶ میں آیا ہے، ولو ان اهل القرىٰ اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیهم برکات من السماء والارض "اگر شہروں اور بستیوں میں رہنے والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتے۔

اور سورۂ روم کی آیہ ۴۱ میں آیا ہے، ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔ خشکی اور سمندر میں، لوگوں کے اعمال کی وجہ سے فساد برپا ہو گیا ہے۔

اور سورۂ شوریٰ کی آیت ۳۰ میں آیا ہے: وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم۔ "جو مصیبت بھی تمہیں پہنچتی ہے، وہ تمہارے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے"۔

اور سورۂ مائدہ کی آیہ ۶۶ میں آیا ہے ولو انهم اقاموا التوراة والانجیل وما انزل الیهم من ربهم لاکلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم۔ "اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوا ہے اسے قائم رکھتے، تو وہ آسمان و زمین سے روزی کھاتے" (اور آسمان اور زمین کی برکتیں انہیں گھیر لیتیں)، اور اسی قسم کی دوسری آیات مزید ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ "رابطہ" صرف ایک باطنی و معنوی رابطہ ہی نہیں ہے، بلکہ معنوی رابطہ کے علاوہ ——— جس کے آثار ہمیں اچھی طرح دکھائی دیتے ہیں ——— ایک واضح مادی رابطہ بھی ہے۔

کفرو بے ایمانی، مسئولیت کے عدم احساس، قانون شکنی اور اخلاق اقدار کو فراموش کرنے کا سرچشمہ بھی ہے اور یہ امور معاشروں کی وحدت کے ختم ہونے، اعتماد و اطمینان کے پایوں کے متزلزل ہونے، اقتصاد و انسانی قوتوں کے ضائع ہونے، اور اجتماعی اعتدال کے درہم برہم ہونے کا سبب بھی ہیں۔

واضح رہے کہ وہ معاشرہ جس پر ان امور کی حکمرانی ہو وہ بہت جلد پیچھے چلا جاتا ہے، اور سقوط و نابودی کی راہ پر چل پڑتا ہے اور اگر ہم کچھ معاشروں کو دیکھتے ہیں، کہ وہ ایمان و تقویٰ کے نہ ہونے کے باوجود، مادی حالت کے سلسلہ میں، پیش رفت کر رہے ہیں تو اسے بھی بعض اخلاقی اصولوں کی رعایت کا مرہونِ منت سمجھنا چاہیے، جو گزشتہ انبیاء کی میراث اور خدائی رہبروں، علماء اور دانش مندوں کی صدیوں کی طویل زحمتوں کا نتیجہ ہے۔

اوپر والی آیات کے علاوہ اسلامی روایات میں بھی اس معنی پر بہت زیادہ تکیہ ہوا ہے کہ استغفار اور ترکِ گناہ، روزی کی کثرت اور زندگی کی بہبود کا سبب ہیں، منجملہ ان کے:

ایک حدیث میں علیؑ سے آیا ہے، کہ آپ نے فرمایا:

اكثر الاستغفار تجلب الرزق

زیادہ استغفار کر، تاکہ تو روزی کو جلب کرے[1]

ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے اس طرح نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

من انعم الله عليه نعمة فليحمد الله تعالى، ومن استبطأ الرزق فليستغفر الله، ومن حزنه امر فليقل: لاحول ولا قوة الا بالله

"جسے خدا نے کوئی نعمت بخشی ہے، وہ خدا کا شکر بجا لائے، اور جس کی روزی میں کچھ تاخیر ہو تو وہ استغفار اور طلبِ بخشش کرے، اور جو کسی حادثہ کی وجہ سے غمگین ہو تو وہ " لاحول ولا قوة إلا بالله " کہے[2]

نہج البلاغہ میں بھی یہ آیا ہے کہ:

وقد جعل الله سبحانه الاستغفار سببًا لدرور الرزق ورحمة الخلق، فقال سبحانه استغفروا ربكم انه كان غفارًا يرسل السماء عليكم مدرارًا .....

---

[1] تفسیر نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۲۴

[2] ایضاً

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"خداوند سبحان نے استغفار کو روزی کی زیادتی، اور مخلوق کے لیے رحمت قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو، کہ وہ بہت بخشنے والا ہے، اور وہ آسمانوں کی برکتوں والی بارش تم پر برساتا ہے"۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ بہت سے گناہوں کی سزا، اسی جہان کی محرومیاں ہیں اور جب انسان اس سے توبہ کرکے پاکیزگی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرلیتا ہے تو خدا اس عذاب اور سزا کو اس سے برطرف کردیتا ہے۔[2]

---

[1] "نہج البلاغہ" خطبہ ۱۴۳

[2] ہم نے اس سلسلہ میں "گناہ اور معاشروں کی تباہی" کے عنوان کے تحت سورۂ ہود کی آیہ ۲ ھ کے ذیل میں، ایک دوسری تشریح بھی کی ہے تفسیر نمونہ جلد ۹ ص ۱۲۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۵۔ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ

۱۶۔ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا

۱۷۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ

۱۸۔ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا

۱۹۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ

۲۰۔ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ع

ترجمہ

۱۵۔ کیا تم دیکھتے نہیں، کہ خدا نے سات آسمانوں کو، ایک دوسرے کے اوپر کس طرح سے خلق کیا ہے؟

۱۶۔ اور چاند کو آسمانوں کے درمیان روشنی کا باعث اور سورج کو چراغ فروزاں قرار دیا۔

۱۷۔ اور خدا نے تمھیں نباتات کی طرح سے زمین سے اگایا ہے۔

۱۸۔ پھر تمھیں اسی زمین کی طرف لوٹائے گا اور پھر تمھیں دوبارہ نکال کھڑا کرے گا۔

۱۹۔ اور خدا نے زمین کو تمھارے لیے بچھا ہوا فرش قرار دیا ہے۔

۲۰۔ تاکہ تم اس کے وسیع راستوں اور دروں سے گزرو (اور جہاں جانا چاہو..... چلے جاؤ)۔

تفسیر

باغبانِ ہستی نے تمھیں ایک پھول کی طرح پالا ہے

حضرت "نوح" ہٹ دھرم مشرکین کے مقابلہ میں، اپنے گہرے اور استدلالی بیانات کے ذریعہ، پہلے تو ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کے وجود کی گہرائیوں میں لے گئے، تاکہ وہ آیات انفسی کا مشاہدہ کریں (جیسا کہ گزشتہ آیات میں گزر چکا ہے۔ اس کے بعد جیسا کہ زیر بحث آیات میں بیان ہوا ہے، انھیں خلقت و آفرینش کے عالم بزرگ میں خدا کی نشانیوں کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔ اور انھیں آفاق کی سیر کی طرف لے جاتے ہیں[1]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلے آسمان سے شروع کرتے ہوئے کہتا ہے: "کیا تم دیکھتے نہیں کہ خدا نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر کس طرح سے پیدا کیا ہے" (الم تروا کیف خلق اللہ سبع سماوات طباقا)[1]

"طباق" "باب" "مفاعلہ" کا مصدر ہے جو "مطابقہ" کے معنی میں ہے جو بعض اوقات ایک چیز کے دوسری چیز پر قرار پانے کے معنی میں آتا ہے، اور کبھی دو چیزوں کی ایک دوسرے سے ہم آہنگی اور مطابقت کے معنی میں ہوتا ہے، اور یہاں دونوں معنی صادق آتے ہیں۔

پہلے معنی کے مطابق ساتوں آسمان ایک دوسرے کے اوپر قرار پاتے ہیں، اور ساتوں آسمانوں کی تفسیر میں جس طرح پر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، ایک قابلِ توجہ تفسیر یہ ہے کہ وہ تمام ثوابت و سیار ستارے، جنھیں ہم خوردبینوں کے ذریعے یا بغیر خوردبینوں کے آنکھ سے دیکھتے ہیں، وہ سب کے سب پہلے آسمان کا حصہ ہیں اور دوسرے چھ عالم اس کے بعد ایک دوسرے کے اوپر قرار پاتے ہیں، جو موجودہ زمانہ کے انسان کی پہنچ سے باہر ہیں اور ممکن ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں انسان یہ لیاقت و استعداد پیدا کرے کہ وہ ان عجیب اور وسیع عوالم کو بھی ایک دوسرے کے بعد معلوم کرے[2]

اور دوسرے احتمال کی بناء پر، قرآن سات آسمانوں کی، نظم و ضبط اور عظمت و زیبائی میں، ایک دوسرے سے ہم آہنگی اور مطابقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: خدا نے چاند کو سات آسمانوں کے درمیان، تمہارے لیے نور اور روشنی کا سبب اور سورج کو چراغ فروزاں قرار دیا ہے۔ (وجعل القمر فیھن نورا و جعل الشمس سراجا)۔

یہ ٹھیک ہے کہ سات آسمانوں میں لاکھوں اور اربوں چمکنے والے ستارے ہیں، جو ہمارے سورج اور چاند سے بھی زیادہ روشن ہیں، لیکن جو ہمارے لیے اہم ہے اور ہماری زندگی میں اثر انداز ہے وہ نظام شمسی کا یہی سورج اور چاند ہے، جن میں سے ایک تو ہماری فضائے زندگی کو دنوں میں اور دوسرا راتوں میں روشن کرتا ہے[3]

(حاشیہ پہلے صفحہ کا) [1] اس بارے میں کہ یہ باتیں نوح کے کلام کا تتمہ اور آخری حصہ ہے یا ایسے مستقل جملے ہیں جو خدا کی طرف سے مسلمانوں کے خطاب کے لیے بطور جملہ معترضہ کے صادر ہوتے ہیں۔ مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، لیکن ان میں سے بعض نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ نوح کے کلام کا تتمہ ہے اور آیات کا ظاہر بھی اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اگر ان آیات کے بعد "و قال نوح" کا جملہ آیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نوح لوگوں سے اپنی بات ختم کرنے کے بعد بارگاہِ خدا کی طرف رخ کرکے ان کی شکایت کرتے ہیں۔

حاشیہ صفحہ ھذا: [1] "طباقا" ممکن ہے مفعول مطلق ہو، یا حال ہو۔

[2] سات آسمانوں کی گوناگوں تفاسیر کے بارے میں ہم سورۂ بقرہ کی آیہ ۲۹ کے ذیل میں (جلد اول تفسیر نمونہ میں) تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

[3] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ "فیھن" کی ضمیر جو کہ "سبع سماوات" کی طرف لوٹتی ہے کوئی مشکل پیدا نہیں کرتی، کیونکہ گفتگو ہمارے لیے نور اور روشنی کی ہے۔ اس لیے ہمارے لیے لازم نہیں ہے کہ ہم "فی" کو "مع" کے معنی میں یا "ھن" کی ضمیر کو "پہلے آسمان" کے معنی میں لیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"سراج" (چراغ) کی سورج کے لیے تعبیر اور "نور" کی "چاند" کے لیے تعبیر اس بناء پر ہے کہ "سورج" کی روشنی تو خود چراغ کی طرح اسی کے اندر سے پھوٹتی ہے، لیکن چاند کا نور خود اسی میں سے نہیں ہے، بلکہ وہ اس عکس کے مشابہ ہے جو آئینہ سے منعکس ہوتا ہے اسی لیے لفظ "نور" جو ایک عام مفہوم رکھتا ہے اس کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔

تعبیر کا یہ فرق قرآن کی دوسری آیات میں بھی نظر آتا ہے۔

ہم اس سلسلے میں سورۂ یونس کی آیہ ۵ کے ذیل میں (جلد ۸ ص ۴۰۶) بہت زیادہ تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

اس کے بعد دوبارہ انسان کی خلقت کی طرف لوٹتا ہے اور مزید کہتا ہے: "خدا نے تمہیں نباتات کی طرح زمین سے اگایا ہے" (واللہ انبتکم من الارض نباتاً)۔[1]

انسان کے بارے میں "انبات" کی تعبیر اس بناء پر ہے کہ اوّلاً انسان کی پہلی خلقت مٹی سے ہے اور ثانیاً تمام غذائیں جو انسان کھاتا ہے اور جن کی وجہ سے نشوونما پاتا ہے، وہ سب زمین سے ہیں۔ یا تو وہ براہ راست زمین سے ہوتی ہیں جیسے سبزیاں، غلے اور پھل یا غیر مستقیم طور پر مثلاً جانوروں کے گوشت اور ثالثاً انسان اور نباتات کے درمیان بہت زیادہ مشابہت ہے اور بہت سے ایسے قوانین جو نباتات کی غذا، تولید مثل اور نشوونما میں کارفرما ہیں وہ انسان پر بھی لاگو ہیں۔

یہ تعبیر انسان کے بارے میں بہت پُر معنی ہے اور یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ مسئلہ ہدایت میں خدا کا کام صرف ایک معلم و استاد کا کام ہی نہیں ہے، بلکہ اس کا کام ایک باغبان کی طرح ہے جو نباتات کے بیج کو ایک مساعد ماحول میں قرار دیتا ہے تاکہ ان میں چھپی ہوئی استعداد ظہور میں آئے۔

سورۂ آل عمران کی آیہ ۳۷ میں حضرت مریم کے بارے میں بھی یہ آیا ہے: وانبتھا نباتاً حسناً: "خدا نے بہت ہی اچھے طریقے سے مریم کے وجود کو پیدا کیا اور اس کی پرورش کی" یہ سب اسی لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد مسئلہ معاد کی طرف، جو مشرکین کے لیے پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے، متوجہ ہوتا ہے اور فرماتا ہے: "اس کے بعد وہ تمہیں اسی زمین کی طرف، جس سے اس نے تمہیں اگایا تھا، دوبارہ پلٹا دے گا اور پھر دوبارہ تمہیں اس سے نکال کھڑا کرے گا (ثم یعیدکم فیھا و یخرجکم اخراجاً)۔

ابتداء میں بھی تم مٹی ہی سے تھے، پھر دوبارہ مٹی کی طرف لوٹ جاؤ گے اور وہی ذات جس میں یہ قدرت تھی کہ تمہیں ابتداء میں مٹی سے پیدا کرے، یہ قدرت رکھتی ہے کہ دوبارہ مٹی ہو جانے کے بعد تمہارے جسم پر دوبارہ لباس حیات پہنا دے۔

مسئلہ "توحید" سے "معاد" کی طرف یہ انتقال، جو اوپر والی آیات میں بہت ہی عمدہ طریقہ پر منعکس ہوا ہے، ان دونوں مسئلوں کے نزدیکی ربط کو بیان کرتا ہے اور اس طرح نوحؑ، مخالفین کے مقابلہ میں، نظام آفرینش کے طریق سے، توحید پر بھی استدلال کرتے ہیں،

---

[1] اس آیت میں ایک قاعدے کے لحاظ سے تو "انباتاً" کہا جانا چاہیے تھا، لیکن آیت میں کچھ مقدر ہے اور وہ اس طرح ہے انبتکم من الارض فنبتم نباتاً" (تفسیر فخر رازی و ابوالفتوح رازی)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور اسی طریقہ سے معاد پر بھی استدلال کرتے ہیں۔

اس کے بعد پھر نئے سرے سے آیات آفاقی اور عالم کبیر میں توحید کی نشانیوں کی طرف لوٹتا ہے اور زمین کے وجود کی نعمت کے متعلق گفتگو کرتا ہے، فرماتا ہے: "خدا نے زمین کو تمھارے لیے بچھا ہوا فرش قرار دیا، (و الله جعل لکم الارض بساطًا)۔[1]

یہ نہ تو ایسی سخت ہے کہ اس پر آرام اور آمدورفت ہی نہ کر سکو اور نہ ایسی نرم کہ تم اس میں دھنس جاؤ اور اس پر چل پھر ہی نہ سکو۔
اور نہ یہ ایسی گرم اور جلانے والی ہے کہ اس پر گرمی کی وجہ سے تکلیف اٹھاؤ اور نہ ایسی سرد اور بے حرارت ہے کہ اس پر زندگی بسر کرنا تمھارے لیے مشکل ہو جائے۔ اس کے علاوہ وہ ایک ایسا وسیع آمادہ و تیار فرش ہے۔ جس میں تمھاری زندگی کی تمام ضروریات موجود ہیں۔

نہ صرف ہموار زمینیں ہی فرش کی طرح بچھی ہوئی ہیں بلکہ پہاڑ بھی، ان دروں اور شگافوں کی وجہ سے، جو ان کے درمیان موجود ہیں اور عبور کرنے کے قابل ہیں، بچھے ہوئے فرش ہی ہیں، ہدف و مقصد یہ ہے کہ تم ان وسیع راستوں اور دروں سے، جو اس زمین میں موجود ہیں، گزر سکو اور جس علاقہ میں جانا چاہو جا سکو" (لتسلکوا منها سبلًا فجاجا)۔
"فجاج" (بروزن مزاج) جمع ہے "فج" (بروزن حج) کی، اس درہ کے معنی میں ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اور وسیع و کشادہ راستہ کو بھی کہا جاتا ہے۔[2]
اس طرح "نوح" اپنی گفتگو کے اس حصہ میں، کبھی تو آسمانوں اور آسمان کے ستاروں میں خدا کی نشانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کبھی کرۂ زمین میں اس کی گوناگوں نعمتوں کی طرف، اور کبھی انسان کی ساخت اور اس کی حیات کے مسئلہ کی طرف جو خدا کی شناخت کی بھی ایک دلیل ہے اور مسئلہ معاد کے اثبات کے لیے بھی۔
لیکن نہ تو پہلے انذاروں، بشارتوں اور تشویقوں نے اس ہٹ دھرم قوم کے سیاہ دل میں کوئی اثر کیا اور نہ ہی کسی منطقی استدلال نے، وہ اسی طرح سے مخالفت اور کفر پر ٹکے رہے اور حق کو قبول کرنے سے پہلو تہی کرتے رہے، جیسا کہ بعد والی آیات میں ان کی خیرہ سری کا انجام بیان ہوا ہے۔

---

[1] "بساط" "بسط" کے مادہ سے کسی چیز کو پھیلانے کے معنی میں ہے، اس لیے لفظ "بساط" ہر پھیلی ہوئی وسیع چیز کو کہا جاتا ہے جس کا ایک مصداق فرش ہے۔

[2] مفردات "راغب" مادہ "فج"

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۱۔ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝

۲۲۔ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝

۲۳۔ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۙ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝

۲۴۔ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝

۲۵۔ مِمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ۝

ترجمہ

۲۱۔ نوحؑ نے (ان کی ہدایت سے مایوس ہونے کے بعد) عرض کیا: پروردگارا! انھوں نے میری نافرمانی کی اور ان لوگوں کی پیروی کی، جن کے مال اور اولاد نے خسارے کے سوا ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔

۲۲۔ اور (ان گمراہ راہبروں نے) ایک عظیم مکر کیا۔

۲۳۔ اور انھوں نے یہ کہا کہ: اپنے خداؤں اور بتوں سے دستبردار نہ ہونا خصوصاً "ود" و "سواع" و "یغوث" و "یعوق" و "نسر" کو نہ چھوڑنا۔

۲۴۔ اور انھوں نے بہت سے گروہوں کو گمراہ کر دیا۔ خداوندا! ظالموں میں ضلالت اور گمراہی کے علاوہ کسی چیز کا اضافہ نہ کرنا۔

۲۵۔ (ہاں! آخر کار) وہ سب کے سب اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق ہوگئے اور جہنم کی آگ میں داخل ہوئے اور انھیں اپنے لیے خدا کے سوا اور کوئی یار و مددگار نہ ملا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

خدا کا لطف تجھ سے مدارات کرتا ہے

جب نوح نے سینکڑوں سال تک اپنی پوری کوشش کرکے دیکھ لی اور وہ قوم ایک چھوٹے سے گروہ کے سوا، اسی طرح کفر بت پرستی، گمراہی اور فساد پر ڈٹی رہی، تو وہ ان کی ہدایت سے مایوس ہو گئے اور بارگاہ خدا کی طرف رخ کیا، اور ایک استدلالی مناجات کے ضمن میں خدا سے ان کے لیے عذاب کا تقاضا کیا، جیسا کہ زیر بحث آیت میں آیا۔

نوح نے کہا: پروردگارا! انھوں نے میری نافرمانی کی اور ایسے شخص کی پیروی کی جس کے مال و اولاد نے خسارے کے سوا اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا (قال نوح رب انهم عصونی واتبعوا من لم یزده ماله وولده الا خسارا)۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس قوم کے رہبر ایسے لوگ ہیں جن کا امتیاز مال و اولاد کی زیادتی ہے اور وہ مال و اولاد بھی ایسے جو فساد و خسرانی کے سوا کسی کام نہیں آتے، نہ تو وہ مخلوق ہی کی خدمت کرتے ہیں اور نہ ہی خالق کے سامنے خضوع و خشوع کرتے ہیں اور یہ کثرت وسائل و امکانات ان کے غرور و طغیان اور سرکشی کا سبب بن گئے ہیں۔

اگر ہم نوعِ بشر کی تاریخ کی طرف نگاہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ مختلف قوموں کے بہت سے رہبر اسی قماش کے تھے، وہ ایسے لوگ تھے جن کا تنہا امتیاز، مالِ حرام جمع کرنا اور غیر صالح اولاد کو وجود میں لانا اور اس کے بعد سرکشی اور طغیان اور آخر میں اپنے افکار و نظریات، مستضعف اور کمزور لوگوں پر لادنا اور انھیں زنجیروں میں جکڑنا تھا۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "ان گمراہ راہبروں نے مکرِ عظیم کیا" (و مکروا مکرا کبارا)۔

"کبار" "کبیر" سے مبالغہ کا صیغہ ہے اور یہاں نکرہ کی صورت میں ذکر ہوا ہے، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انھوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے اور نوح کی دعوت کو قبول کرنے سے روکنے کے لیے بہت عظیم اور وسیع شیطانی منصوبے بنا رکھے تھے۔ لیکن وہ منصوبے کیا تھے، ٹھیک طور پر مشخص نہیں ہیں۔

احتمال یہ ہے کہ وہی بت پرستی کا مسئلہ ہوگا، کیونکہ بعض روایات کے مطابق، بت پرستی نوح سے پہلے موجود نہیں تھی۔ بلکہ نوح کی قوم نے ہی اسے ایجاد کیا تھا۔ اس مسئلہ کا سرچشمہ یہ تھا کہ آدم اور نوح کے درمیانی زمانہ میں کچھ ایسے نیک اور صالح افراد ہو گزرے تھے۔ جن سے لوگ اظہار محبت کیا کرتے تھے۔ شیطان (اور شیطان صفت انسانوں) نے لوگوں کے اس لگاؤ اور محبت سے سوء استفادہ کیا اور انھیں ان بزرگوں کے مجسمے بنانے، اور ان مجسموں کی عزت و احترام کرنے کا شوق دلایا۔

لیکن کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ بعد میں آنے والی نسلیں اس موضوع کے رابطہ تاریخی کو بھول گئیں اور انھوں نے خیال کیا کہ یہ مجسمے ایسے محترم موجودات ہیں، جن کی پرستش اور عبادت کرنا چاہیے اور اس طرح سے وہ بتوں کی پرستش میں سرگرم ہو گئے اور ظالم مستکبرین نے انھیں غفلت میں رکھ کر اس طریقے سے انھیں اپنی قید و بند میں لے لیا اور ایک عظیم مکر و فریب واقع ہوا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوسکتا ہے کہ بعد والی آیت اس مطلب کی گواہ ہو۔ کیونکہ اس عظیم مکر کی طرف ایک اجمالی اشارہ کرنے کے بعد مزید کہتا ہے، "ان کے رؤسا نے کہا، اپنے خداؤں اور بتوں سے دستبردار نہ ہو (و قالوا لا تذرن الھتکم)۔

اور خدائے یگانہ کے بارے میں نوح کی دعوت ہرگز قبول نہ کرنا، وہ خدا جو نہ تو دکھائی ہی دیتا ہے اور نہ ہی ہاتھ کے ساتھ چھونے کے قابل ہے۔

انھوں نے خصوصیت کے ساتھ انہیں پانچ بتوں کے بارے میں تاکید کی اور کہا: "ود" "سواع" "یغوث" "یعوق" اور "نسر" کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ان کے دامن کو چھوڑنا" (ولا تذرن ودًّا ولا سواعًا ولا یغوث ویعوق ونسرًا)۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچوں بت کچھ خاص امتیازات رکھتے تھے اور وہ گمراہ قوم ان کی طرف خاص طور پر متوجہ تھی اور اسی بناء پر ان کے فرصت طلب رہبر بھی ان کی عبادت پر تکیہ کرتے تھے۔

یہ بات کہ یہ پانچ بت کہاں سے آئے؟ اس سلسلہ میں گوناگوں روایات ہیں۔

۱۔ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ پانچ نیک اور صالح افراد کے نام ہیں، جو نوح سے پہلے دنیا میں ہو گزرے ہیں۔ جب وہ دنیا سے چل بسے تو ابلیس کی تحریک پر لوگوں نے یادگار کے طور پر ان کے مجسمے بنا لیے اور ان کا احترام و عزت کرنے لگے اور آہستہ آہستہ بت پرستی کی صورت اختیار کرلی۔

۲۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ آدم کے پانچ بیٹوں کے نام ہیں، ان میں سے جب بھی کوئی دنیا سے جاتا تو اس کا مجسمہ یادگار کے طور پر بنا لیتے۔ لیکن کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد یہ تعلقات فراموش ہو گئے اور نوح کے زمانہ میں ان کی پرستش کی لہر دوڑ گئی۔

۳۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ یہ ان بتوں ہی کے نام ہیں جو خود نوح کے ہی زمانہ میں بنائے گئے تھے، اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ نوح لوگوں کو آدم کی قبر کے گرد طواف کرنے سے روکتے تھے تو ایک گروہ نے ابلیس کی تحریک پر اس کے کچھ مجسمے بنا لیے اور ان کی پرستش میں مشغول ہو گئے۔[1]

اتفاقاً یہ پانچوں بت زمانہ جاہلیت کے عربوں کی طرف منتقل ہو گئے، پھر ہر قبیلہ نے ان بتوں میں سے ایک کو اپنے لیے انتخاب کرلیا، البتہ یہ بات بہت بعید نظر آتی ہے کہ خود وہ بت منتقل ہوئے ہوں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کے نام منتقل ہوئے، اور انھوں نے ان ناموں کے بت بنا لیے، لیکن بعض مفسرین نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ پانچوں بت طوفانِ نوح میں دفن ہو گئے تھے اور عربوں کے زمانۂ جاہلیت میں شیطان نے انھیں باہر نکالا اور لوگوں کو ان کی پرستش کی دعوت دی۔[2]

پھر اس بارے میں کہ زمانہ جاہلیت کے عرب قبائل میں یہ بت کس طرح تقسیم ہوئے، اختلاف ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ "ود" بت تو "بنی کلب" کے قبیلہ سے متعلق تھا جو سرزمین "دومۃ الجندل" میں رہتا تھا (وہ شہر جو تبوک کے نزدیک ہے اور جسے موجودہ زمانہ میں "جوف" کہتے ہیں) اور "سواع" "قبیلہ" ہذیل" سے جو سرزمین "رہاط" میں تھا، متعلق تھا، اور

---

[1] مجمع البیان، تفسیر علی بن ابراہیم، تفسیر ابوالفتوح رازی اور دوسری تفاسیر (زیر بحث آیات کے ذیل میں)

[2] تفسیر قرطبی جلد ۱۰ ص ۶۷۰۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"یغوث" بت "بنی قطیف" کے قبیلہ سے یا "بنی مذحج" کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اور "یعوق" قبیلہ ہمدان سے، اور "نسر" "ذی الکلاع" قبیلہ سے جو حمیر کے قبائل میں سے تھا۔[1]

مجموعی طور پر ان پانچ بتوں میں سے تین بت (یغوث، یعوق اور نسر) سرزمین یمن میں تھے۔ جو "ذونواس" کے یمن پر تسلط سے ختم ہوگئے اور اس علاقہ کے لوگ دین یہود سے وابستہ ہو گئے۔[2]

"واقدی" مشہور مورخ کہتا ہے کہ "ود" بت مرد کی شکل میں تھا اور "سواع" عورت کی شکل میں "یغوث" شیر کی صورت میں اور "یعوق" گھوڑے کی شکل اور "نسر" "باز" کی صورت میں (جو ایک معروف پرندہ ہے)۔[3]

البتہ زمانہ جاہلیت کے عربوں ــــ خصوصاً اہل مکہ ــــ کے پاس اور بت بھی تھے۔ جن میں سے ایک بت "ہبل" تھا۔ جو ان کے بتوں میں سے سب سے بڑا تھا اور وہ خانہ کعبہ کے اندر رکھا ہوا تھا۔ اس کا طول ۱۸ ہاتھ تھا۔ بت "اساف" حجر اسود کے مقابل تھا، اور بت "نائلہ" (خانہ کعبہ کے جنوبی کونہ میں) رکن یمانی کے سامنے تھا اور اسی طرح "لات" و "عزیٰ" بت تھے۔

اس کے بعد نوح مزید کہتے ہیں: "خداوندا! ان گمراہ اور خود غرض رہبروں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا"۔ (وقد اضلوا کثیرا)[4]۔

خداوندا! ظالموں میں ضلالت و گمراہی کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہ کر" (و لا تزد الظالمین الا ضلالا)۔

ظالموں اور ستمگروں میں ضلالت و گمراہی کو زیادہ کرنے سے مراد وہی ان سے توفیق الٰہی کا سلب ہونا ہے جو ان کی بدبختی کا سبب بن جاتا ہے جسے وہ اپنے ظلم کی وجہ سے پاتے ہیں، کیونکہ خدا نور ایمان کو ان سے چھین لیتا ہے اور کفر کی تاریکی کو اس کا جانشین بنا دیتا ہے۔

یہ ان کے اعمال کی خاصیت ہے، جس کی خدا کی طرف نسبت دی گئی ہے، کیونکہ ہر موجود جو تاثیر بھی رکھتا ہے، وہ اسی کے حکم سے ہے (غور کیجیے)۔

جو کچھ بھی ہو، کفر و ایمان اور ہدایت و ضلالت کے سلسلہ میں وہ خداوند تعالیٰ کی حکمت کے ساتھ کسی قسم کی منافات نہیں رکھتا اور اختیار کے سلب ہونے کا سبب نہیں بنتا۔

آخرکار آخری زیر بحث آیت میں، اس سلسلہ میں آخری بات خدا یہ فرماتا ہے: "وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق ہو گئے اور انھیں آگ میں

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۶۴ و اعلام القرآن ص ۶۲۱

[2] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۶۴

[3] ...

[4] "اضلوا" کی ضمیر اس گروہ کے دولت مند رؤسا اور رہبروں کی طرف لوٹتی ہے اور قرینہ اس کا گزشتہ آیت ہے جو یہ کہتی ہے: و قالوا لا تذرن آلھتکم "انھوں نے کہا کہ اپنے بتوں کو نہ چھوڑو"۔ لیکن بعض مفسرین نے یہ احتمال دیا ہے کہ یہ ضمیر بتوں کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہی گمراہی کا سبب تھے (اسی کے مشابہ سورۂ ابراہیم کی آیہ ۳۶ میں بھی آیا ہے، لیکن جمع مذکر کی صورت میں نہیں بلکہ جمع مونث کی ضمیر کی صورت میں) لیکن یہ احتمال زیر بحث آیت میں بہت بعید نظر آتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

داخل کر دیا گیا اور انھیں خدا کے سوا اور کوئی یار و مددگار نہ ملا۔ جو اس کے خشم و غضب سے ان کا دفاع کرے"۔ (مما خطیئاتھم اغرقوا فادخلوا نارا فلم یجدوا لھم من دون اللہ انصارا)[1]

آیت کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ وہ غرق ہونے کے بعد بلا فاصلہ آگ میں داخل کر دیئے گئے اور یہ عجیب بات ہے کہ پانی میں سے فوراً آگ میں داخل ہوں، اور یہ آگ وہی برزخ والی آگ ہے، چونکہ قرآن مجید کی آیات کی گواہی کے مطابق ایک گروہ کو موت کے بعد عالم برزخ میں سزا ملے گی اور بعض روایات کے مطابق "قبر" یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد قیامت کی آگ ہے لیکن چونکہ قیامت کا وقوع قطعی اور یقینی ہے اور اس میں کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لہٰذا فعل ماضی کی صورت میں ذکر ہوا ہے[2]

بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ اس سے مراد دنیا کی آگ ہے، کہتے ہیں کہ خدا کے حکم سے، طوفان کی بعض موجوں کے درمیان ایک آگ ظاہر ہوئی اور انھیں نگل گئی[3]

---

[1] "مما خطیئاتھم" میں "من" "سببیت" یا "لام تعلیل" کے معنی میں ہے اور "ما" یہاں زائدہ اور تاکید کے لیے ہے۔

[2] "فخر رازی" نے اپنی تفسیر میں اسے ایک قول کے عنوان سے نقل کیا ہے جلد ۳۰ ص ۱۴۵

[3] تفسیر "ابو الفتوح رازی" جلد ۱۱ ص ۳۰۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۶۔ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ۝

۲۷۔ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝

۲۸۔ رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۖ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۝

ترجمہ

۲۶۔ نوح نے کہا: پروردگارا! روئے زمین پر کفار میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ رہنے دے۔

۲۷۔ کیونکہ اگر تو انھیں رہنے دے گا، تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کردیں گے اور ایک فاجر و کافر نسل کے سوا کچھ وجود میں نہیں لائیں گے۔

۲۸۔ پروردگارا! مجھے بخش دے، اور اسی طرح میرے ماں باپ کو اور ان تمام لوگوں کو، جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ وارد ہوئے، اور تمام مومن مرد اور مومن عورتوں کو بخش دے، اور ظالموں میں ہلاکت کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ فرما۔

تفسیر

اس فاسد و مفسد قوم کو چلے جانا چاہیے!

یہ آیات اسی طرح ہے، نوح کی گفتگو اور خدا کی بارگاہ میں قوم کی شکایت اور ان کے بارے میں بددعا اور نفرین کو جاری رکھتے ہوئے، فرماتا ہے: "پروردگارا! کفار میں سے کسی کو روئے زمین پر زندہ نہ رہنے دے" (وقال نوح رب لا تذر علی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الارض من الکافرین دیارًا)۔

یہ بات انھوں نے اس وقت کہی جب وہ مکمل طور پر ان کی ہدایت سے مایوس ہو گئے تھے اور اپنی آخری کوشش ان کے ایمان لانے کے سلسلہ میں کر چکے تھے۔ لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، اور صرف تھوڑے سے لوگ ان پر ایمان لائے۔

"علی الارض" (صفحہ زمین پر) کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ نوح کی دعوت بھی عالمی اور جہانی تھی اور وہ طوفان اور عذاب بھی جو بعد میں آیا عالمی تھا۔

"دیار" (بروزن سیار) "دار" کے مادہ سے، اس شخص کے معنی میں ہے جو گھر میں رہائش رکھتا ہو، یہ لفظ عام طور پر نفی عموم کے موارد میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے (ما فی الدار دیار) (گھر میں کوئی نہیں رہتا) [1]

اس کے بعد نوح اپنی نفرین اور بددعا کرنے کے بارے میں استدلال کرتے ہیں اور مزید کہتے ہیں: "کیونکہ اگر تو انھیں چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور فاجر و کافر نسل کے سوا اور کچھ وجود میں نہیں لائیں گے"۔ (انك ان تذرهم يضلوا عبادك ولا يلدوا الا فاجرًا كفارًا)۔

یہ گفتگو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انبیاء کی نفرین و بددعا، جن میں نوح بھی ہیں، غیظ و غضب، انتقام جوئی اور کینہ پروری کی بناء پر نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ وہ ایک منطقی حساب کی صورت میں ہوتی تھی اور نوح کم حوصلہ افراد کی طرح نہیں تھے کہ تھوڑی سی بات کے لیے آپے سے باہر ہو جائیں اور نفرین و بددعا کرنے لگ جائیں، بلکہ آپ نے نوسو پچاس (۹۵۰) سال کی دعوت، صبر و شکیبائی اور خون دل پینے اور مکمل مایوسی کے بعد نفرین کے لیے زبان کھولی تھی۔

اس بارے میں کہ نوح نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اب یہ ایمان نہیں لائیں گے اور اس کے ساتھ وہ ان بندگانِ خدا کو جو اس ماحول میں رہتے تھے گمراہ کریں گے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کی آنے والی نسل بھی فاسد و مفسد ہو گی۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ اس غیب پر اطلاع و آگاہی کی بناء پر تھا جو خدا نے انھیں دیا تھا۔ یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ نوح نے اس مطلب کا وحی الٰہی سے استفادہ کیا تھا، جہاں فرماتا ہے: واوحی الی نوح انه لن يؤمن من قومك الا من قد امن۔ "نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے کوئی بھی شخص سوائے ان کے جو ایمان لا چکے ہیں، ایمان نہیں لائیں گے" (سورہ ہود آیہ ۳۶) [2]

لیکن یہ احتمال بھی قابلِ قبول ہے کہ نوح نے، فطری عادت اور عمومی حساب سے اس حقیقت کو معلوم کر لیا تھا، کیونکہ وہ قوم جسے ساڑھے نوسو سال تک مؤثر ترین بیانات کے ساتھ تبلیغ کی گئی ہو، اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے ہوں، اس کی ہدایت کی امید نہ تھی اور چونکہ یہ کافر گروہ

---

[1] بعض کا کہنا ہے کہ اصل میں "دیوار" (بروزن حیوان) تھا، اس کے بعد "واؤ" "یاء" میں بدل گئی، اور یاء کا یاء میں ادغام ہو گیا (البیان فی غرائب القرآن جلد ۹ ص ۹۵ و تفسیر فخر رازی، زیر بحث آیات کے ذیل میں۔

[2] اس معنی کی طرف بہت سی روایات میں اشارہ ہوا ہے (نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۲۸)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معاشرے میں قطعی اکثریت رکھتا تھا اور تمام وسائل وامکانات ان کے اختیار میں تھے۔ لہٰذا طبعاً وہ دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور اس قسم کی قوم کی آئندہ نسل قطعی طور پر فاسد اور خراب ہوتی۔ ان تینوں احتمالات کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔

" فاجر " اس شخص کے معنی میں ہے جو بُرے اور قبیح گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور " کفار " " کفر " میں مبالغہ ہے۔ اسی بناء پر ان دو الفاظ کے درمیان فرق یہ ہے کہ ان میں سے ایک عملی کاموں سے مربوط ہے اور دوسرا اعتقادی پہلوؤں سے ۔

ان آیات کے مجموعہ سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کے عذاب "حکمت" کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ وہ جمعیت جو فاسد و مفسد ہو اور ان کی آئندہ آنے والی نسلیں بھی فساد و گمراہی کے خطرے سے دوچار ہوں، وہ خدا کی حکمت میں زندگی اور حیات کا حق نہیں رکھتیں، طوفان یا صاعقہ (بجلی) یا زلزلہ یا کوئی اور دوسری بلا نازل ہوگی اور انھیں صفحہ ہستی سے مٹا دے گی، جیسا کہ طوفانِ نوح نے زمین کو اس بری قوم کے وجود کی گندگی سے پاک کر دیا۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ قانونِ الٰہی کسی خاص زمانہ اور مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ہمیں متوجہ رہنا چاہیے کہ اگر اس وقت بھی کوئی فاسد و مفسد قوم اور اس کی اولاد " فاجر " " کفار " ہو تو انھیں بھی عذابِ الٰہی کا منتظر رہنا چاہیے، کیونکہ ان امور میں کوئی تبعیض نہیں ہے اور یہ ایک سنت الٰہی ہے ۔

" یضلوا عبادک " (تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے) کی تعبیر ممکن ہے اس چھوٹے سے مومنین کے گروہ کی طرف اشارہ ہو، جو اس طویل مدت میں نوح پر ایمان لایا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ عامۃ الناس میں سے مستضعف لوگوں کی طرف اشارہ ہو جو گمراہ رہبروں کے دباؤ اور فشار سے ان کے دین و مذہب کی پیروی کرتے ہیں ۔

آخر میں نوح اپنے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو ان پر ایمان لائے تھے اس طرح دعا کرتے ہیں: پروردگارا! مجھے بخش دے اور اسی طرح میرے ماں باپ اور ان تمام لوگوں کو جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہوئے تھے اور تمام مومنین و مومنات کو بھی بخش دے اور ظالموں کے لیے ہلاکت کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہ کر" (رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمنا وللمؤمنین والمؤمنات ولا تزد الظالمین الا تبارا)[1]۔

یہ طلب مغفرت اس لیے ہے کہ نوح یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ میں نے صدہا سال مسلسل تبلیغ کی ہے، اور اس راہ میں ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت جھیلی ہے، لیکن چونکہ ممکن ہے کہ اس مدت میں مجھ سے کوئی ترکِ اولیٰ سرزد ہو گیا ہو، تو میں اس کے بارے میں بھی عفو و بخشش کا تقاضا کرتا ہوں، اور تیری بارگاہ مقدس میں ہرگز خود کو بری قرار نہیں دیتا۔

اور " اولیاء اللہ " کی حالت اسی طرح ہے کہ وہ راہِ خدا میں ہر قسم کی زحمت و تکلیف اور سعی و کوشش کے بعد بھی اپنے آپ کو مقصر سمجھتے ہیں اور ہرگز غرور و تکبر اور خود کو بڑا سمجھنے میں گرفتار نہیں ہوتے۔

نوح حقیقت میں چند افراد کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں۔

---

[1] " تبار " ہلاکت کے معنی میں ہے اور " زیان اور خسارے " کے معنی میں بھی اس کی تفسیر ہوئی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اول: اپنے لیے، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی قصور یا ترکِ اولیٰ ان سے سرزد ہو گیا ہو۔
دوم: اپنے ماں باپ کے لیے، ان کی زحمتوں کی قدردانی کے باعث اور حق شناسی کے پیشِ نظر۔
سوم: تمام ان لوگوں کے لیے جو ان پر ایمان لائے، اگرچہ وہ بہت تھوڑے سے تھے اور پھر وہ آپ کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے کہ وہ کشتی بھی نوح کا گھر تھی۔

چہارم: تمام جہان اور طول تاریخ میں ایمان لانے والے مردوں اور عورتوں کے لیے، اور یہاں سے اپنا رابطہ سارے عالم کے مومنین سے برقرار کرتے ہیں۔
لیکن آخر میں پھر ظالموں کی نابودی کی تاکید کرتے ہیں، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے ظلم کی بناء پر اسی قسم کے عذاب کے مستحق ہیں۔

چند نکات

نوحؑ پہلے اولوالعزم پیغمبر

قرآن مجید بہت سی آیات میں نوح کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور مجموعی طور پر قرآن کی انتیس سورتوں میں اس عظیم پیغمبر کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے، اور ان کا نام ۴۲ مرتبہ قرآن میں آیا ہے۔

قرآن مجید نے ان کی زندگی کے مختلف حصوں کی باریک بینی کے ساتھ تفصیل بیان کی ہے ایسے حصے جو زیادہ تر تعلیم و تربیت اور پند و نصیحت حاصل کرنے کے پہلوؤں سے مربوط ہیں۔

مورخین و مفسرین نے لکھا ہے کہ نوح کا نام "عبدالغفار" یا "عبدالملک" یا "عبدالاعلیٰ" تھا اور "نوح" کا لقب انہیں اس لیے دیا گیا ہے، کیونکہ وہ سالہا سال اپنے اوپر یا اپنی قوم پر نوحہ گری کرتے رہے۔ آپ کے والد کا نام "لمک" یا "لامک" تھا۔ اور آپ کی عمر کی مدت میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں ۱۴۹۰ اور بعض میں ۲۵۰۰ سال بیان کی گئی ہے، اور ان کی قوم کے بارے میں بھی طولانی عمریں تقریباً ۳۰۰ سال تک لکھی ہیں، جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بہت طولانی عمر پائی ہے، اور قرآن کی صراحت کے مطابق آپ ۹۵۰ سال اپنی قوم کے درمیان رہے (اور تبلیغ میں مشغول رہے)۔

نوح کے تین بیٹے تھے "حام" "سام" "یافث" اور مورخین کا نظریہ یہ ہے کہ کرۂ زمین کی اس وقت کی تمام نسلِ انسانی کی بازگشت انہیں تینوں فرزندوں کی طرف ہے۔ ایک گروہ "حامی" نسل ہے، جو افریقہ کے علاقہ میں رہتے ہیں۔ دوسرا گروہ "سامی" نسل ہے جو شرقِ اوسط اور مشرقِ قریب کے علاقوں میں رہتے ہیں اور "یافث" کی نسل کو چین کے ساکنین سمجھتے ہیں۔

اس بارے میں بھی، کہ نوح طوفان کے بعد کتنے سال زندہ رہے، اختلاف ہے، بعض نے ۵۰ سال لکھے ہیں اور بعض نے ۶۰ سال۔

یہود کے منابع (موجودہ تورات میں بھی نوح کی زندگی کے بارے میں تفصیلی بحث آئی ہے، جو کئی لحاظ سے قرآن سے مختلف ہے، اور تورات کی تحریف کی نشانیوں میں سے ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbás

یہ مباحث تورات کے سفر "تکوین" میں فصل ۶، ۷، ۸، ۹ اور ۱۰ میں بیان ہوئے ہیں۔

نوح کا ایک اور بیٹا بھی تھا جس کا نام "کنعان" تھا۔ جس نے باپ سے اختلاف کیا، یہاں تک کہ کشتی نجات میں ان کے ساتھ بیٹھنے کے لیے بھی تیار نہ ہوا۔ اس نے بُرے لوگوں کے ساتھ صحبت رکھی اور خاندانِ نبوت کی قدر وقیمت کو ضائع کر دیا اور قرآن کی صراحت کے مطابق آخرکار وہ بھی باقی کفار کے مانند طوفان میں غرق ہو گیا۔

اس بارے میں کہ اس طویل مدت میں کتنے افراد نوحؑ پر ایمان لائے، اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے، اس میں بھی اختلاف ہے بعض نے ۸۰ اور بعض نے ۱۰ افراد لکھے ہیں۔

نوح کی داستان عربی اور فارسی ادبیات میں بہت زیادہ بیان ہوئی ہے، اور زیادہ تر طوفان اور آپ کی کشتی نجات پر تکیہ ہوا ہے۔[1]

نوحؑ صبر، شکر اور استقامت کی ایک داستان تھے، اور محققین کا کہنا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے انسانوں کی ہدایت کے لیے وحی کی منطق کے علاوہ عقل و استدلال کی منطق سے بھی مدد لی (جیسا کہ اس سورہ کی آیات سے اچھی طرح ظاہر ہے) اور اسی بناء پر آپ اس جہان کے تمام خدا پرستوں پر ایک عظیم حق رکھتے تھے۔

ہم نوحؑ کے حالات کی تشریح کو امام باقرؑ کی ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: نوح غروبِ آفتاب اور صبح کے وقت یہ دعا اور مناجات پڑھا کرتے تھے۔

"امسیت اشھد انہ ما امسی بی من نعمۃ فی دین او دنیا فانھا من اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الحمد بھا علی والشکر کثیرًا فانزل اللّٰہ، "انہ کان عبدًا شکورًا" فھذا کان شکرہ"

میں نے اس حالت میں شام کی ہے کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ دین و دنیا کی جو نعمت میں رکھتا ہوں، وہ اس خدائے یگانہ کی طرف سے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور میں اس کی نعمتوں پر اس کی حمد و ثناء کرتا ہوں اور اس کا بہت بہت شکر کرتا ہوں۔

اسی بناء پر خدا نے قرآن میں یہ نازل فرمایا ہے کہ وہ شکر گزار بندہ تھا اور نوح کا شکر اسی طرح کا تھا۔[2]

۲۔ "رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومنا" "پروردگارا! مجھے، میرے ماں باپ کو اور جو شخص میرے گھر میں مومن وارد ہو بخش دے"۔ کے جملہ میں لفظ "بیت" کے معنی میں اختلاف ہے مجموعی طور پر اس کے چار معانی بیان کیے گئے ہیں بعض نے اسے شخصی اور ذاتی گھر کے معنی میں لیا ہے

---

[1] "اعلام القرآن"، "فرہنگ قصص قرآن"، "دائرۃ المعارف دھخدا" مادہ "نوح" و "بحار الانوار جلد ۱۱"

[2] بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۲۹۱ حدیث ۲

jabir.abbas@yahoo.com
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعض مسجد کے معنی میں لیتے ہیں۔
بعض کشتی نوحؑ کے معنی میں لیتے ہیں اور
بعض ان کے دین وآئین وشریعت کے معنی میں جانتے ہیں۔
ایک حدیث میں امام صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:
"یہاں بیت سے مراد ولایت ہے، جو شخص ولایت میں داخل ہوا وہ انبیاء کے گھر میں داخل ہوا ہے":
"من دخل فی الولایۃ دخل فی بیت الانبیاء علیہم السلام"

خداوندا! ہمیں توفیق مرحمت فرما کہ ہم ولایت آئمہ اہل بیت کو قبول کرنے کے طریق سے بیت انبیاء میں داخل ہوں۔
پروردگارا! ہمیں ایسی استقامت عطا فرما کہ ہم نوحؑ جیسے بزرگ انبیاء کے مانند تیرے دین وآئین کی طرف دعوت کی راہ میں خستہ نہ ہوں، اور ہرگز تھک ہار کر نہ بیٹھ جائیں۔
بارالٰہا! جس وقت تیرے خشم وغضب کا طوفان آئے تو ہمیں اپنے لطف ورحمت کی نجات کی کشتی کے ذریعہ رہائی بخش دے۔

آمین یارب العالمین
اختتام سورۂ نوح
اوّل ماہ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ

اختتام ترجمہ بوقت تقریباً پونے سات بجے صبح
۲۱ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۸۷ء
۱۰۸ اے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
صفدر حسین نجفی

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sahifa-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ جن

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اور

اس کی ۲۸ آیات ہیں

شروع

۲، محرم الحرام ۱۴۰۷ھ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ جن کے مضامین ومطالب

یہ سورہ جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے، زیادہ تر ایک دکھائی نہ دینے والی مخلوق کے بارے میں گفتگو کرتی ہے جسے "جن" کہتے ہیں۔ یہ گفتگو ان کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے، قرآن مجید کے مقابلہ میں خضوع کرنے، معاد پر ان کے ایمان و اعتقاد، ان کے درمیان مومن وکافر گروہ کے وجود اور اسی قسم کے دوسرے مسائل سے متعلق ہے۔ سورہ کا یہ حصہ ابتدائیں آیات میں سے انیس آیات میں پھیلا ہوا ہے۔ اور "جن" کے بارے میں بہت سے بے ہودہ عقائد کی اصلاح کرتا ہے، اور انھیں باطل قرار دیتا ہے۔

اس سورہ کے دوسرے حصہ میں توحید ومعاد کے مسئلہ کے بارے میں اشارہ آیا ہے۔

اور اس سورہ کے آخری حصہ میں علم غیب کے مسئلہ کے متعلق گفتگو ہے، کہ کوئی بھی شخص اس سے آگاہ نہیں ہے، سوائے اس فرد جس کا خدا نے ارادہ کر لیا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر گرامی اسلامؐ سے آیا ہے:

"من قرأ سورة الجن اعطى بعدد كل جني وشيطان صدق بمحمد وكذب به عتق رقبة"

"جو شخص سورۂ جن کو پڑھے تو اسے ہر جن اور شیطان کی تعداد کے برابر جس نے محمدؐ کی تصدیق یا تکذیب کی ہے، غلام آزاد کرنے کا ثواب دیا جائے گا"[1]

ایک اور حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

"من اكثر قراءة قل اوحى لم يصبه فى الحيٰوة الدنيا شىء من اعين الجن ولا نفثهم ولا سحرهم، ولا كيدهم، وكان مع محمد (ص) فيقول يارب لا اريد منه بدلا ولا ابغى عنه حولا"

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۲۶۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"جو شخص سورۂ جن کو بکثرت پڑھے، تو وہ دنیا کی زندگی میں، ہرگز جنوں کی نظر بد، ان کے جادو، سحر اور مکر و فریب سے نقصان نہیں اٹھائے گا، اور وہ محمدؐ کے ہمراہ ہوگا اور کہے گا: "پروردگارا! میں اس کی بجائے کسی اور کو نہیں چاہتا اور نہ ہی اس سے کسی دوسرے کی طرف مائل ہوتا ہوں"۔[1]

البتہ یہ تلاوت، اس سورہ کے مضامین و مطالب پر آگاہ ہونے اور پھر اس پر عمل کرنے کا ایک مقدمہ ہے۔

---

[1] تفسیر برہان، جلد ۴ ص ۳۹۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

۱۔ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ○

۲۔ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ○

۳۔ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ○

۴۔ وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ○

۵۔ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ○

۶۔ وَّاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ○

رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے

ترجمہ

۱۔ کہہ دیجیے کہ مجھے وحی ہوئی ہے کہ "جن" کی ایک جماعت نے کان دھر کے میری باتیں سنیں تو انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔

۲۔ جو سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لے آئے، اور ہم ہرگز کسی کو اپنے پروردگار کا شریک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قرار نہیں دیتے۔

۳۔ اور بے شک ہمارے باعظمت پروردگار کا مقام بلند ہے، اور اس نے ہرگز اپنے لیے بیوی اور اولاد کا انتخاب نہیں کیا ہے۔

۴۔ اور بے شک ہمارے بے وقوف لوگ خدا کے بارے میں ناروا باتیں کیا کرتے تھے۔

۵۔ اور ہم نے تو یہ گمان کر لیا تھا کہ جن اور انسان ہرگز خدا پر جھوٹ نہیں باندھتے۔

۶۔ اور بے شک انسانوں میں سے کچھ لوگ، جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے، اور وہ ان کی گمراہی اور طغیان میں زیادتی کا سبب بنا کرتے تھے۔

شانِ نزول

سورۂ احقاف کی آیہ ۲۹ تا ۳۲ کی تفسیر میں کچھ شانِ نزول بیان ہو چکی ہیں، جو زیر بحث سورہ (سورۂ جن) کے مطالب سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں، اور وہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں، کہ دونوں سورتوں کی آیات ایک ہی واقعہ سے مربوط ہیں۔ وہ شانِ نزول مختصر طور پر اس طرح ہے:

۱۔ پیغمبرؐ مکہ سے طائف کے بازار "عکاظ" کی طرف آئے تاکہ اس عظیم مرکز اجتماع میں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں، لیکن کسی نے آپ کی دعوت کا کوئی مثبت جواب نہ دیا۔ واپسی پر آپ ایک ایسی جگہ پہنچے جسے "وادی جن" کہتے تھے، رات آپ وہیں رہے اور قرآن کی آیات کی تلاوت فرماتے رہے، جنوں کے ایک گروہ نے سنا تو وہ ایمان لے آئے اور تبلیغ کے لیے اپنی قوم کی طرف پلٹ گئے۔[1]

۲۔ "ابن عباس" کہتے ہیں "پیغمبر صبح کی نماز میں مشغول ہوئے اور اس میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، جنوں کا ایک گروہ آسمانی خبروں کے ان سے منقطع ہو جانے کی علت کی تحقیق کر رہا تھا۔ انھوں نے محمدؐ سے قرآن کی تلاوت کی آواز سنی تو انھوں نے کہا کہ آسمانی اخبار کے ہم سے منقطع ہو جانے کی علت یہی ہے لہٰذا وہ اپنی قوم کی طرف پلٹ گئے اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دی"[2]

۳۔ "ابو طالبؑ کی وفات کے بعد جب رسولِ خدا پر معاملہ سخت ہو گیا تو آپ نے "طائف" کی طرف جانے کا ارادہ کیا تاکہ کوئی مددگار پیدا کریں۔" طائف کے رؤسا نے شدت کے ساتھ آپ کی تکذیب کی اور انھوں نے پیغمبر کی پشت پر اس قدر پتھر مارے کہ آپ کے پائے مبارک سے خون جاری ہو گیا، تھکے ماندے زخمی حالت میں ایک باغ کے پاس آئے اور انجام کار اس باغ کے مالکوں کا غلام جس کا

---

[1] تفسیر علی بن ابراہیم مطابق نقل "نور الثقلین" جلد ۵ ص ۱۹ (تلخیص کے ساتھ)

[2] صحیح بخاری، مسلم و مسند احمد مطابق نقل "فی ظلال" جلد ۸، ص ۲۹۹ (تلخیص کے ساتھ)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نام "عداس" تھا، آنحضرتؐ پر ایمان لے آیا، آپ وہاں سے مکہ کی طرف لوٹے، رات ہوتے ایک کھجور کے درخت کے قریب پہنچے اور نماز میں مشغول ہوگئے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے "نصیبین" یا "یمن" کے "جنوں" کا ایک گروہ گزر رہا تھا۔ انھوں نے صبح کی نماز میں آنحضرت کی تلاوت قرآن کی آواز سنی تو وہ ایمان لے آئے۔[1]

بہت سے مفسرین نے اسی قسم کے شانِ نزول سورۂ جن کے آغاز میں بھی نقل کیے ہیں۔

لیکن یہاں ایک اور شانِ نزول بھی بیان کی گئی ہے۔ جو ان سب سے مختلف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لوگوں نے "عبد اللہ بن مسعودؓ" سے پوچھا: کیا تم اصحاب پیغمبرؐ میں سے، کوئی شخص "جن" والی رات کے واقعہ میں، پیغمبرؐ کی خدمت میں تھا، اس نے کہا، کہ ہم میں سے کوئی نہیں تھا۔ ہم نے ایک رات حضرت پیغمبرؐ کو نہ پایا۔ ہم جس قدر ہم سے ممکن ہوا، تلاش کی، آپ کا کوئی پتہ نہ چلا۔ ہم ڈرے کہ کہیں پیغمبرؐ کو دشمنوں نے قتل نہ کردیا ہو، ہم پیغمبرؐ کو تلاش کرتے ہوئے مکہ کے دروں کی طرف نکل گئے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ آپ کوہ "حرا" کی طرف سے آرہے ہیں۔ ہم نے عرض کیا، اے رسولِ خدا! آپ کہاں تھے؟ ہم سخت پریشان تھے اور کل رات ہماری زندگی کی بدترین رات تھی۔ آپ نے فرمایا: جنوں کی طرف سے ایک دعوت کرنے والا میرے پاس آیا تھا اور میں ان کے لیے قرآن پڑھنے کے لیے گیا تھا۔[2]

تفسیر

ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے

اب جو کچھ بیان ہو چکا، اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے، آیات کی تفسیر کی طرف لوٹتے ہیں۔

پہلی آیت میں فرماتا ہے: "کہہ دیجیے کہ میری طرف وحی ہوئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے میری باتوں کو کان لگا کر سنا، تو انھوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے"۔ (قل اوحی الی انه استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرانا عجبا)۔[3]

"اوحی الی" (میری طرف وحی کی گئی ہے) کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ پیغمبرؐ نے بذاتِ خود اس واقعہ میں جنوں کو مشاہدہ نہیں کیا تھا، بلکہ آپ وحی کے ذریعے آگاہ ہوئے ہیں کہ انھوں نے قرآن مجید کو کان دھر کے سنا ہے۔

ضمنی طور پر یہ آیت، اچھی طرح سے، اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ گروہ "جن" صاحبانِ عقل و شعور، فہم و ادراک والے اور تکلیف و مسئولیت کے حامل ہیں، اور زبان سے آشنائی اور اعجاز آمیز کلام میں فرق کو سمجھتے ہیں، اور اسی طرح سے خود کو تبلیغ حق کا ذمہ دار جانتے ہیں

---

[1] مجمع البیان، جلد ۹ ص ۹۲ وسیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۲، ۶۳ (تلخیص کے ساتھ)

[2] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۶۸

[3] ارباب لغت و تفسیر کے قول کے مطابق "نفر" ۳ سے ۹ افراد تک کو کہا جاتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

اور قرآن کے خطاب کے مخاطب بھی ہیں۔

یہ اس زندہ نظر نہ آنے والے موجود کی خصوصیات کا ایک حصہ ہے، جو صرف اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے، ان کی کچھ اور خصوصیات بھی ہیں، جنھیں ہم انشاء اللہ اسی بحث کے آخر میں تفصیل سے بیان کریں گے۔

انھیں اس بات کا حق تھا کہ وہ قرآن کو ایک عجیب بات شمار کریں۔ کیونکہ اس کا لب و لہجہ اور طرز و آہنگ بھی عجیب ہے اور اس کا نفوذ کرنا اور قوت جاذبہ بھی۔ اس کے مضمون و مطالب اور اس کی تاثیر بھی عجیب ہے اور اس کا لانے والا بھی کہ جس نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور وہ امیین میں سے مبعوث ہوا تھا۔

یہ ایک ایسا کلام ہے جو ظاہر و باطن میں عجیب ہے اور ہر دوسری گفتگو سے مختلف ہے، اور اس طرح سے انھوں نے قرآن کے معجزہ ہونے کا اعتراف کر لیا ہے۔

انھوں نے اس جملے کے بعد کچھ اور باتیں بھی اپنی قوم سے کہیں، جنھیں قرآن نے بعد والی آیات میں بارہ جملوں میں بیان کیا ہے، جن میں سے ہر ایک "ان" کے ساتھ شروع ہوتا ہے، جو تاکید کی نشانی ہے[1]

پہلے فرماتا ہے: انھوں نے کہا: "یہ قرآن سب کو راہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے ہیں، اور ہم ہرگز کسی کو اپنے پروردگار کا شریک قرار نہیں دیتے": (يهدي الى الرشد فامنا به ولن نشرك بربنا احدًا)۔

"رشد" کی تعبیر بہت ہی وسیع اور ایک جامع تعبیر ہے، جو ہر قسم کا امتیاز اپنے اندر لیے ہوئے ہے، ایک ایسا صاف ستھرا راستہ ہے جس میں کوئی پیچ و خم نہیں ہے، روشن اور واضح جو طے کرنے والوں کو سعادت و کمال کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

ایمان کے اظہار اور ہر قسم کے شرک کی نفی کے بعد، انھوں نے صفات خدا کے بارے میں اپنی گفتگو کو اس طرح جاری رکھا: "ہمارے پروردگار کا با عظمت مقام (مخلوق کے ساتھ مشابہت اور ہر قسم کے عیب و نقص سے) بلند ہے اور اس نے اپنے لیے بیوی اور اولاد کو ہرگز انتخاب نہیں کیا (وانه تعالى جد ربنا ما اتخذ صاحبة ولا ولدًا)۔

"جد" کے لغت میں بہت سے معانی ہیں منجملہ ان کے "عظمت"، "شدت"، "جدیت"، "حصہ و نصیب"، "نیا ہونا" اور اس کے مانند لیکن اس کا اصلی ریشہ اور جڑ، جیسا کہ "راغب" نے "مفردات" میں نقل کیا ہے "قطع" کے معنی میں ہے اور چونکہ ہر با عظمت وجود دوسرے

---

[1] علماء نحو کے درمیان مشہور یہ ہے کہ "ان" جب مقول قول میں ہو تو اسے زیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جیسا کہ پہلی آیات میں جملے مذکور ہیں تو زیر کے ساتھ ہے، لیکن بعد والی آیات میں جن کا اس پر عطف ہے زبر کے ساتھ ہے۔ اسی لیے بہت سے مفسرین اس بات پر مجبور ہوئے ہیں کہ ان آیات میں تقدیرات فرض کریں یا کچھ اور توجیہیں کریں۔ لیکن اس بات میں کیا مانع ہے کہ ہم یہ کہیں کہ یہ نحوی قاعدہ استثناء بھی رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب نزدیکی مقول قول پر عطف ہو تو جائز ہے کہ اسے زبر کے ساتھ پڑھا جائے اور اس کی دلیل اس سورہ کی آیات ہیں۔

Presented by: Rana Jabir Abbas
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

موجودات سے قطع اور جدا ہو جاتا ہے، لہذا یہ لفظ عظمت کے معنی میں آیا ہے۔

اسی طرح اس کے باقی معانی کے بارے میں اسی تناسب کو نظر میں رکھا جا سکتا ہے اور اگر دادا یا نانا کو جد کہا جاتا ہے تو وہ بھی اس کی بزرگی مقام اور سن کے واسطہ سے ہے۔

بہت سے مفسرین نے یہاں "جد" کے بہت ہی محدود معانی ذکر کیے ہیں۔ بعض نے اس کی "صفات" کے معنی میں، اور بعض نے "قدرت" کے معنی میں، بعض نے "ملک و حکومت" کے معنی میں، بعض نے "نعمت" کے معنی میں اور بعض نے "نام" کے معنی میں تفسیر کی ہے جو سب کے سب عظمت کے معنی میں جمع ہیں۔

لیکن چونکہ یہ تعبیر "جد" کے مشہور معنی، جو دہی "دادا" اور "نانا" کا اظہار کرتی ہے۔ اس لیے بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ گروہ جن نے نادانی کی بناء پر اس قسم کی غیر مناسب تعبیر کو انتخاب کیا یعنی تم لوگ خدا کے بارے میں ہرگز اس قسم کی تعبیر نہ کرو۔[1]

یہ حدیث ممکن ہے ایسے لوگوں کے لیے ہو، جہاں اس قسم کا اظہار ہوتا ہو، ورنہ قرآن ان آیات میں، جنوں کی باتوں کو موافق لب ولہجہ میں نقل کرتا ہے اور انہیں صحیح و درست کہتا ہے۔ علاوہ ازیں نہج البلاغہ کے بعض خطبوں میں بھی یہ تعبیر استعمال ہوئی ہے، جیسا کہ خطبہ ۱۹۱ میں آیا ہے۔

الحمد للہ الفاشی فی الخلق حمدہ والغالب جندہ والمتعالی جدہ

"حمد و ستائش اس خدا کے لیے مخصوص ہے جس کی حمد و ثنا نے ہر جگہ کو گھیر رکھا ہے اور اس کا لشکر ہر جگہ کامیاب ہے اور اس کی مجد و عظمت بلند ہے۔"

بعض روایات میں بھی یہ آیا ہے کہ "انس بن مالک" کہتے ہیں:

کان الرجل اذا قرء سورۃ البقرۃ جد فی اعیننا

جب کوئی شخص سورہ بقرہ کو یاد کر لیتا تھا اور اس کی قرات کیا کرتا تھا، تو وہ ہماری نظر میں بزرگ اور باعظمت دکھائی دیتا تھا۔[2]

بہر حال مجد و بزرگی و عظمت کے معنی میں اس لفظ کا استعمال ایک ایسا مطلب ہے جو متون لغت کے ساتھ بھی ہم آہنگ ہے اور محاورہ استعمال کے ساتھ بھی۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان باتوں کے کہنے والے "جن" یہاں خصوصیت کے ساتھ اس مطلب پر تکیہ کرتے ہیں کہ خدا کی بیوی اور اولاد نہیں ہے اور احتمال یہ ہے کہ یہ تعبیر اس بے ہودگی کی طرف اشارہ ہو جو عربوں میں موجود تھی، جو یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ "ایک جن" بیوی سے، جسے خدا نے انتخاب کیا ہے۔

یہی معنی ایک احتمال کے عنوان سے سورہ صافات کی آیہ ۱۵۸ کی تفسیر میں بھی آیا ہے "وجعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا"

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰، ص ۳۶۹، "نور الثقلین" جلد ۵ ص ۴۳۵، تفسیر علی بن ابراہیم میں اسی تعبیر کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

[2] "تفسیر قرطبی" جلد ۱۰ ص ۶۸۰۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"وہ خدا اور جنوں کے درمیان رشتہ داری کے قائل تھے۔"

اس کے بعد انھوں نے مزید کہا: "اب ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہم میں سے کچھ بے وقوف لوگ خدا کے بارے میں ناروا اور حق سے دور بات کیا کرتے تھے" (وانہ کان یقول سفیھنا علی اللہ شططًا)۔

یہاں ممکن ہے "سفیہ" کی تعبیر جنس اور جمع کے معنی میں ہو، یعنی ہمارے سفہاء اور بے وقوف لوگ خدا کے لیے بیوی اور اولاد کے قائل تھے، اور انھوں نے شبیہ و شریک بنالیا تھا اور راہ حق سے منحرف ہو کر فضول اور بے ہودہ باتیں کہا کرتے تھے۔

بہت سے مفسرین نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہاں "سفیہ" کا مفہوم وہی ایک فرد ہے اور ابلیس کی طرف اشارہ ہے: جس نے خدا کے فرمان کی مخالفت کرنے کے بعد اس کی ساحت مقدس کی طرف بہت سی ناروا نسبتیں دیں، یہاں تک کہ اس نے آدمؑ کے سجدہ کے بارے میں، پروردگار کے حکم پر علی الاعلان اعتراض کیا، اور اسے حکمت سے دور سمجھا، اور اپنے آپ کو آدم سے افضل و برتر خیال کیا۔

چونکہ "ابلیس" "جن" تھا۔ لہٰذا مومنین جن اس سے نفرت کا اظہار کر رہے ہیں، اور اس کی بات کو فضول اور حق سے دور کہہ رہے ہیں۔ اگرچہ وہ ظاہراً عالم و عابد تھا۔ لیکن عالم بے عمل اور عابد خود خواہ و منحرف و مغرور، "سفیہ" کے واضح مصادیق میں سے ہے۔

"شطط" (بروزن وسط) حد اعتدال سے خارج ہو کر دور جا پڑنے کے معنی میں ہے۔ اس لیے وہ باتیں جو حق سے دور ہوں انھیں شطط کہا جاتا ہے اور اسی لیے ان بڑے دریاؤں کے کناروں کو جن کا فاصلہ پانی سے زیادہ دور ہو اور اس کی دیواریں بلند ہوں "شط" کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے مزید کہا: "ہم یہ گمان کیا کرتے تھے کہ انسان اور جن ہرگز خدا پر جھوٹ نہیں باندھیں گے" (وانا ظننا ان لن تقول الانس والجن علی اللہ کذبًا)۔

ان کی یہ بات ممکن ہے اس اندھی تقلید کی طرف اشارہ ہو جو یہ گروہ اس سے پہلے دوسروں کی کیا کرتا تھا اور اس بناء پر وہ خدا کا شریک بناتے تھے اور اس کے لیے بیوی اور اولاد کے قائل تھے، لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے ان مسائل کو دوسروں سے بغیر کسی دلیل کے قبول کر لیا تھا تو وہ غلط فہمی کی بناء پر تھا۔ ہمیں یہ خیال ہی نہیں آیا کہ انسان اور جن اتنی جرأت کریں گے کہ اتنا بڑا جھوٹ خدا پر باندھیں گے۔ لیکن اب جبکہ ہم نے اس بات کی تحقیق کر لی ہے اور حق کو معلوم کر لیا ہے اور اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ لہٰذا ہم اب اس ناروا تقلید کو غلط سمجھتے ہیں، اور اس طرح اپنی غلطی اور مشرکین جن کے انحراف کا اعتراف کرتے ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے کہا: جنوں اور انسانوں کے انحرافات میں سے ایک یہ تھا کہ "انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ کی پناہ لیا کرتے تھے اور وہ ان کی گمراہی، گناہ اور طغیان و سرکشی کی زیادتی کا سبب بنتے تھے" (وانہ کان رجال من الانس

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقًا)۔

"رھق" (بروزن شفق) اصل میں کسی چیز کو قہر و غلبہ کے ذریعے چھپانے کے معنی میں ہے اور چونکہ گمراہی، گناہ، طغیان اور خوف انسان کے قلب و روح پر مسلط ہو جاتے ہیں اور اس کو چھپا لیتے ہیں۔ اس لیے ان کا ان معانی پر اطلاق ہوا ہے۔

بہت سے مفسرین نے اس جملہ کو ایک دوسری بیہودہ اور فضول بات کی طرف اشارہ سمجھا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں موجود تھی اور وہ یہ تھی کہ جب عربوں کے قافلے رات کے وقت کسی درہ میں داخل ہوتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے۔

اعوذ بعزیز ھٰذا الوادی من شر سفھاء قومہ!

"میں اس سرزمین کے بزرگ رئیس کی ــــ اس کی قوم کے ..... اور بے وقوفوں کے شر سے ــــ پناہ مانگتا ہوں۔"

اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس بات کے کہنے سے جنوں کا بزرگ اور رئیس، ان کی نادان اور بیوقوف جنوں کے شر سے حفاظت کرے گا۔[1]

اور چونکہ خرافات اور بیہودہ باتوں سے انحطاط فکری کی طرف اور گمراہی کا موجب ہے لہٰذا آیت کے آخر میں "فزادوھم رھقًا" کہا گیا ہے۔

ضمنی طور پر اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنوں میں بھی مرد اور عورتیں ہوتی ہیں، کیونکہ اس میں "رجال من الجن" کی تعبیر آئی ہے۔[2]

لیکن آیت کا مفہوم بہرحال ایک وسیع مفہوم ہے، جو انسانوں کی جنوں سے ہر قسم کی پناہ لینے کو شامل ہے اور اوپر والی فضول اور بیہودہ بات اس کا ایک مصداق ہے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ عربوں کے درمیان کاہن بہت تھے۔ جن کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ جنوں کے ایک گروہ کے ذریعہ بہت سی مشکلات کو حل کرتے ہیں اور آنے والے واقعات کی خبر دیتے ہیں۔

---

[1] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۶۹ و "روح المعانی" جلد ۲۰ ص ۸۵

[2] اوپر والی آیت کی تفسیر میں ایک اور بیان بھی آیا ہے جسے مفسرین کے ایک گروہ نے ایک احتمال کے عنوان سے آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ انسانوں کی ایک جماعت کا جنوں کی طرف پناہ حاصل کرنا، جنوں کے طغیان کا سبب بنا اور انہوں نے خود کو انسانوں کا سہارا اور پناہ خیال کر لیا۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ ہم آہنگ نظر آتی ہے (پہلی تفسیر کے مطابق "زادوا" میں ضمیر "جن" کی طرف لوٹتی ہے اور "ھم" کی ضمیر انسانوں کی طرف، دوسری تفسیر کے برعکس)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۷۔ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝

۸۔ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝

۹۔ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝

۱۰۔ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝

ترجمہ

۷۔ اور انھوں نے بھی یہی گمان کر لیا تھا، جیسا کہ تم گمان کرتے تھے، کہ خدا ہرگز کسی کو (نبوت پر) مبعوث نہیں کرے گا۔

۸۔ اور ہم نے آسمان میں جستجو کی، تو ہم نے سب کو قوی محافظوں اور شہاب کے تیروں سے پُر پایا۔

۹۔ اور ہم اس سے پہلے چوری چھپے باتیں سننے کے لیے آسمانوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے، لیکن اب اگر کوئی چوری چھپے سننا چاہتا ہے، تو وہ ایک شہاب کو اپنی گھات میں پاتا۔

۱۰۔ اور اب (ان حالات میں) ہم نہیں جانتے کہ اہلِ زمین کے بارے میں ان کے پروردگار نے کسی شر اور برائی کا ارادہ کیا ہے یا ان کی ہدایت کا ارادہ کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

ہم پہلے چوری چھپے سن لیا کرتے تھے، لیکن .....

یہ آیات اسی طرح سے "جن مومنین" کے بیان کو جاری رکھے ہوئے ہیں، جو اپنی قوم کو تبلیغ کرتے وقت بیان کر رہے تھے۔ اور مختلف طریقوں سے انھیں اسلام اور قرآن کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ پہلے کہتے تھے: "انسانوں کا ایک گروہ، تمھاری طرح ہی یہ گمان کرتا تھا، کہ خدا کسی بھی انسان کو (موسیٰ و مسیح کے بعد) نبوت کے ساتھ مبعوث نہیں کرے گا": (وانهم ظنوا كما ظننتم ان لن يبعث الله احداً)۔

لہٰذا وہ قرآن کے انکار اور پیغمبر اسلام کی نبوت کی تکذیب کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن ہم نے جب غور سے اس کتاب آسمانی کی آیات کو سنا، تو ہم نے اس کی حقانیت کا واضح طور پر ادراک کر لیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی مشرک انسانوں کی طرح کا فر ہو جاؤ اور انھیں جیسی سرنوشت میں گرفتار ہو جاؤ۔

یہ تعبیر مشرکین کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ وہ یہ جان لیں کہ جب جنوں کی منطق یہ ہے اور ان کا فیصلہ یہ ہے تو پھر وہ بیدار ہو جائیں اور قرآن اور پیغمبر اکرمؐ کے دامن سے متمسک ہو جائیں۔

بعض نے یہ احتمال دیا ہے کہ "ان لن يبعث الله احداً" کا جملہ معاد کے انکار کی طرف اشارہ ہے، نہ کہ پیغمبر کی بعثت کے انکار کی طرف۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت اور اس سے پہلے والی آیت کلی طور پر خدا کا کلام ہے، نہ کہ مومنین "جن" کا اور یہ جملہ کے معترضہ کی صورت میں ان کی باتوں کے درمیان آیا ہے اور اس میں مخاطب مشرکین عرب ہیں۔

اس تفسیر کے مطابق آیت کا مفہوم اس طرح ہو گا کہ اے مشرکین عرب جن بھی تمھاری طرح ہی اس طرح کا گمان رکھتے تھے کہ خدا کسی بھی رسول کو مبعوث نہیں کرے گا۔ لیکن قرآن کو سننے کے بعد وہ اپنی غلطی کو سمجھ گئے۔ لہٰذا اب وہ وقت آگیا ہے کہ تم بھی بیدار ہو جاؤ۔

لیکن یہ تفسیر بہت بعید نظر آتی ہے، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ جن مومنین کی گفتگو ہی چل رہی ہے اور اس میں "کافرین جن" مخاطب ہیں۔

اس کے بعد مومنین جن، اپنی گفتگو کی صداقت کی ایک نشانی کی طرف ——— جو عالم طبیعت میں تمام جنوں کے لیے قابل ادراک ہے ——— اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: "ہم نے آسمانوں میں جستجو کی، تو ہم نے ان سب کو نگہبانوں اور قوی محافظوں اور شہاب کے تیروں سے بھرپور پایا": (وانا لمسنا السماء فوجدنا ها ملئت حرسا شديدا و شهبا)۔[1][2]

ہم اس سے پہلے چوری چھپے باتیں سننے کے لیے آسمانوں میں جاکر بیٹھ جایا کرتے تھے اور وہاں سے کچھ خبریں معلوم کر لیا کرتے تھے۔

---

[1] "لمسنا" .. "لمس" کے مادہ سے ہے، جس کا معنی مَس ہے، لیکن یہاں طلب و جستجو سے کنایہ ہے (مفردات راغب و تفسیر کبیر فخر رازی اور تفسیر قرطبی)۔

[2] "حرس" (بروزن قفس) جمع ہے "حارس" کی، جو نگہبان کے معنی میں ہے اور بعض اس کو اسم جمع سمجھتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور اپنے دوستوں کو ان کی اطلاع دے دیا کرتے تھے۔ لیکن اب صورتحال ایسا ہوگیا ہے کہ اب اگر کوئی چوری چھپے کچھ سننا چاہتا ہے تو وہ اپنی گھات میں ایک شہاب کو پاتا ہے جو اس کو نشانہ بنا لیتا ہے۔ (وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا)۔

تو کیا یہ نئی وضع و کیفیت اس حقیقت کی دلیل نہیں ہے کہ اس پیغمبر کے ظہور اور اس کی کتاب آسمانی کے نزول سے عالم میں ایک عظیم تغیر پیدا ہوگیا ہے؟ آخر پہلے زمانے میں چوری چھپے سننے کی طاقت کیوں تھی اور اب ہم میں سے کوئی بھی اس کام پر قدرت کیوں نہیں رکھتا؟ کیا اس وضع جدید اور نئی کیفیت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ شیطنت، کہانت اور مکر و فریب کا دور ختم ہوگیا ہے اور جہالت کی تاریک رات ڈھل گئی ہے اور وحی و نبوت کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوگیا ہے۔

"شہاب" اصل میں اس شعلے کے معنی میں ہے جو آگ میں سے بھڑک کر نکلتا ہے اور اس قسم کے شعلہ کو بھی جو ایک لمبے خط کی صورت میں آسمان سے ظاہر ہوتا ہے "شہاب" کہتے ہیں۔ موجودہ دور کے ماہرین کی تحقیقات کے مطابق وہ پتھروں کے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں، جو کرۂ زمین سے باہر کی فضا میں حرکت کر رہے ہوتے ہیں، جب وہ زمین کے قریب آتے ہیں تو اس کی قوت کشش کے زیر اثر آ جاتے ہیں، اور تیزی کے ساتھ زمین کی طرف گرتے ہیں، جب وہ فضا یعنی زمین کے گرد اگرد پھیلی ہوئی تہ بہ تہ ہوا میں داخل ہوتے ہیں، تو اس کے ساتھ شدید ٹکراؤ کی وجہ سے جل کر آگ بن جاتے ہیں، اور جلنے والے شعلوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، اور اکثر اوقات ان کی راکھ زمین پر آگرتی ہے۔

قرآن مجید میں یہ مسئلہ بارہا بیان ہوا ہے کہ "شہاب" وہ تیر ہیں جو ان شیاطین کی طرف، جو چوری چھپے باتیں سننے کا ارادہ کرتے ہیں، پھینکے جاتے ہیں۔

اس بارے میں کہ چوری چھپے سننے سے مراد کیا ہے؟ اور جن اور شیاطین آسمان سے کس طرح بھگائے جاتے ہیں؟ ہم نے سورۂ حجر کی آیہ ۱۸ کے ذیل میں (جلد ۶ ص ۲۴۳ کے بعد)، اور سورۂ صافات کی آیہ ۱۰ کے ذیل میں (جلد ۱۰ ص ۱۵۰ کے بعد) تفصیلی مباحث پیش کیے ہیں۔

بہرحال لفظ "رصد" (بروزن حسد) کسی چیز کے انتظار میں آمادگی کے معنی میں ہے جسے فارسی (اور اردو) میں "گھات لگا کر بیٹھنے" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ لفظ بعض اوقات اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی وہ چیز یا وہ شخص جو گھات لگا کر بیٹھا ہوا ہو اور اوپر والی آیات میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے مزید کہا کہ ان اوضاع و حالات میں ہم نہیں جانتے، آیا یہ چوری چھپے سننے کی ممنوعیت اس بات کی دلیل ہے کہ زمین پر رہنے والے لوگوں کے لیے کسی شر اور برائی کا ارادہ ہوا ہے، یا خدا یہ چاہتا ہے کہ انھیں اس طریقے سے ہدایت کرے"

(وانا لا ندري اشر اريد بمن في الارض ام اراد بهم ربهم رشدا)۔

دوسرے لفظوں میں ہم نہیں جانتے کہ کیا یہ امر خدا کی طرف سے نزول عذاب کا مقدمہ ہے یا ان کی ہدایت کی تمہید ہے۔

لیکن مومنین جن کو اجمالی طور پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ چوری چھپے سننے کی ممانعت جو پیغمبر اسلام کے ظہور کے قریب ہوئی ہے، انسانوں کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہدایت کا مقدمہ ہے اور کہانت کے اداروں اور اسی جیسی خرافات کے ختم ہونے کی تمہید ہے۔ اور یہ چیز تاریکی کے دور کے ختم ہونے اور ایک نورانی اور روشن دور کے آغاز کے اعلان کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتی۔

لیکن چونکہ "جن" چوری چھپے سننے کے مسئلہ سے ایک خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ لہٰذا وہ بھی یہ باور نہیں کر سکتے تھے کہ یہ محرومیت ایک قسم کی خیر و برکت ہے۔ ورنہ یہ بات واضح ہے کہ زمانہ جاہلیت کے کاہن اسی چوری چھپے سننے کے مسئلہ پر تکیہ کرتے ہوئے، لوگوں کے ایک بہت بڑے حصہ کو گمراہ کیا کرتے تھے۔

"قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ وہ اس جملہ میں ہدایت کی نسبت تو خدا کی طرف دیتے ہیں، لیکن شر کو فعل مجہول کی صورت میں خدا کی طرف نسبت دیئے بغیر ذکر کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ آتا ہے وہ خیر و ہدایت ہوتی ہے۔ لیکن شر و فساد، خود لوگوں کی طرف سے اور خدا کی نعمتوں اور مواہب آفرینش کے سوء استفادہ سے پیدا ہوتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas
www.ziaraat.com jabir.abbas@yahoo.com Sabeel-e-Sakina

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۱۔ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ

۱۲۔ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِى الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ

۱۳۔ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ

۱۴۔ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا

۱۵۔ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ

ترجمہ

۱۱۔ اور یہ کہ ہمارے درمیان صالح اور غیر صالح افراد ہیں اور ہم مختلف گروہ ہیں۔

۱۲۔ اور یہ کہ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم زمین میں ہرگز خدا کے ارادہ پر غالب نہیں آسکتے، اور نہ ہی اس کے تحتِ قدرت سے فرار کرسکتے ہیں۔

۱۳۔ اور یہ کہ جب ہم نے قرآن کی ہدایت سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے، اور جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے پھر وہ نہ تو نقصان سے ڈرتا ہے اور نہ ہی ظلم سے۔

۱۴۔ اور یہ کہ ہم میں سے ایک گروہ تو مسلمان ہے اور ایک گروہ ظالم ہے اور جو شخص اسلام کو اختیار کرے اس نے سیدھی راہ کو انتخاب کرلیا ہے۔

۱۵۔ اور ظالم تو یہی ہی دوزخ کا ایندھن۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

ہم نے حق کو سنا اور سرِ تسلیم خم کرلیا

یہ آیات اسی طرح جن مومنین کی باتوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ باتیں جو انھوں نے اپنی گمراہ قوم کو تبلیغ کرتے وقت کہی تھیں، پہلی آیت میں ان کی زبانی کہتا ہے: ہمارے درمیان صالح اور غیر صالح افراد ہیں اور ہم ہیں مختلف گروہ ہیں۔ (و انا منا الصالحون و منا دون ذالک کنا طرائق قددًا)۔

احتمال یہ ہے کہ انھوں نے اس جملہ کو اس لیے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ "ابلیس" کا قبیلہ "جن" میں سے ہونا، ان میں سے ایک گروہ کے دل میں یہ توہم پیدا نہ کر دے، کہ جن کی طبیعت اور مزاج شرارت و فساد، شیطنت پر ہے اور نورِ ہدایت ان کے دل میں ہرگز نہیں چمکتا۔

مومنین جن اس گفتگو سے یہ واضح کر رہے ہیں کہ اصل اختیار اور آزادی ارادہ ان پر بھی حکم فرما ہے، اور صالح اور غیر صالح دونوں قسم کے افراد ان میں موجود ہیں۔ اس بناء پر ہدایت کی استعداد ان میں بھی موجود ہے اور اصولی طور پر تبلیغ کی تاثیر کے عوامل میں سے ایک طرف مقابل کی شخصیت کو اجاگر کر کے، اسے ہدایت و کمال کی استعداد کے موجود ہونے کی طرف توجہ دلانا ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ جن مومنین نے، چوری چھپے سننے کے سلسلے سے، سوء استفادہ کے موضوع سے، برأت کے لیے کہی ہو۔ یعنی اگرچہ ہم میں سے بعض، وہ اخبار جو وہ چوری چھپے سنا کرتے تھے۔ انھیں شریر انسانوں کے پاس پہنچا کر گمراہی کا سبب بنے تھے۔ لیکن ہم میں سے تمام جن ایسے نہیں تھے۔

یہ آیت ضمنی طور پر جنوں کے بارے میں ہم انسانوں کی ذہنیتوں کی بھی اصلاح کرتی ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگوں کے تصور میں لفظ "جن" شیطنت، فساد اور گمراہی کی ایک قسم کے ساتھ ہے۔ یہ آیت کہتی ہے کہ وہ بھی مختلف گروہ ہیں، صالح اور غیر صالح۔

لفظ "قدد" (بروزن پسر) "قد" (بروزن ضد) کی جمع ہے۔ جس کا معنی کٹا ہوا کے ہیں اور مختلف گروہوں پر بھی، چونکہ وہ ایک دوسرے سے الگ الگ ٹکڑوں میں ہوتے ہیں۔ اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

جن مومنین اپنی باتوں کو جاری رکھتے ہوئے دوسروں کو خبردار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: "ہمیں یقین ہے کہ ہم زمین میں، خدا کے ارادہ پر ہرگز غالب نہیں آسکتے، اور نہ ہی اس کے پنجۂ قدرت سے فرار کر سکتے ہیں" (و انا ظننا ان لن نعجز اللہ فی الارض ولن نعجزہ ھربًا)۔

اس بناء پر، اگر تمھارا یہ خیال ہو کہ تم خدا کے عذاب سے بھاگ کر زمین کے کسی گوشہ میں یا آسمانوں کے کسی مقام میں نجات پا جاؤ گے، تو تم سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو۔

اس طرح سے پہلا جملہ تو زمین میں خدا کے پنجۂ قدرت سے فرار کرنے کیلیے اور دوسرا جملہ مطلق فرار کرنے کی طرف اشارہ ہے، عام اس سے کہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آیت کی تفسیر میں یہ احتمال بھی ہے کہ پہلا تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم خدا پر غالب نہیں آ سکتے، اور دوسرا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے پنجۂ عدالت سے فرار ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اس بناء پر کہ نہ تو غلبہ کی کوئی راہ ہے اور نہ ہی بھاگنے کی، تو پھر اس کے فرمانِ عدالت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

جن مومنین اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں: "ہم نے جب قرآن کی ہدایت کو سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے"۔ (وانا لما سمعنا الهدیٰ اٰمنا به)۔

"اگر ہم تمہیں قرآن کی ہدایت کی طرف بلاتے ہیں تو ہم نے خود پہلے اس پروگرام پر عمل کیا ہے۔ اس بناء پر ہم دوسروں کو کسی ایسی چیز کی دعوت نہیں دے رہے ہیں، جسے ہم نے خود چھوڑ رکھا ہو۔

اس کے بعد ایسان کے نتیجہ کو ایک مختصر سے جملہ میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تو اسے نہ تو نقصان کا کوئی ڈر ہے اور نہ ہی ظلم کا"۔ (فمن یؤمن بربه فلا یخاف بخسا ولا رهقا)۔

"بخس" (بروزن شخص) ظلم و ستم کے ذریعہ نقصان کے معنی میں ہے اور "رهق" (بروزن شفق)۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں: "کسی چیز کے زور کے ساتھ چھپانے" کے معنی میں ہے۔

بعض نے ان دو تعبیروں کے درمیان فرق کو اس طرح بیان کیا ہے کہ "بخس" تو اس بات کی طرف اشارہ ہے، کہ ان کی "حسنات" اور نیکیوں میں سے کسی چیز میں کمی نہیں کی جائے گی اور "رهق" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے "سیئات" اور برائیوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

بعض نے "بخس" کو "حسنات" کی کمی اور "رهق" کو "تکالیف شاقہ" کے معنی میں لیا ہے۔

بہرحال مراد یہ ہے کہ مومنین جن چھوٹے اور بڑے کام کو انجام دیں گے، وہ اس کا اجر و ثواب، بے کم و کاست حاصل کریں گے۔

یہ درست ہے کہ پروردگار کی عدالت مومنین پر منحصر نہیں ہے۔ لیکن چونکہ غیر مومن کوئی عمل صالح رکھتے ہی نہیں، اس لیے ان کے اجر کی بات درمیان میں نہیں آئی۔

بعد والی آیت میں مومنوں اور کافروں کی سرنوشت کے بارے میں زیادہ وضاحت کے لیے کہتا ہے: "ہم قرآن کی ہدایت کے ذریعہ یہ جانتے ہیں کہ ہم میں سے ایک گروہ مسلمان ہے اور ایک گروہ ظالم و بیدادگر ہے"۔ (وانا منا المسلمون و منا القاسطون)[1]۔

لیکن جو اسلام کو اختیار کر لیں تو انھوں نے راہِ راست کو انتخاب کیا ہے اور خدا کی ہدایت اور ثواب کی طرف قدم اٹھایا ہے"

---

[1] "قاسط" "قسط" کے مادہ سے عادلانہ تقسیم کے معنی میں ہے۔ یہ مادہ جب باب "افعال" کی صورت میں "اقساط" آتا ہے تو اجرائے عدالت کے معنی میں ہے اور جب ثلاثی مجرد کی صورت میں استعمال ہو۔ (مثلاً اوپر والی آیت) تو ظلم اور راہِ حق سے انحراف کے معنی میں ہوتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(فمن اسلم فاولئك تحروا رشدًا)۔[1]

"باقی رہے ظالم تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں"۔ (و اما القاسطون فکانوا لجهنم حطبًا)۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان آیات میں "مسلم" "ظالم" کے مقابلہ میں آیا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو جو چیز ظلم سے باز رکھتی ہے وہ ایمان ہی ہے۔ ورنہ ایک بے ایمان فرد تو بہرحال ظلم و ستم میں آلودہ ہوگا ہی، اور ضمنی طور پر بتاتا ہے کہ واقعی مومن وہ ہے جو ظلم و ستم سے ہرگز آلودہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے آیا ہے:

المؤمن من أمنه الناس على انفسهم واموالهم

"مومن وہ ہے کہ لوگ جس کی طرف سے اپنی جان و مال کے سلسلہ میں امان میں رہیں"۔[2]

ایک اور حدیث میں آیا ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

"مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان آسودہ رہیں"۔[3]

"تحرّوا رشدًا" کی تعبیر بتاتی ہے کہ مومنین توجہ، قصد و ارادہ اور تحقیق کے ساتھ ہدایت حاصل کرتے ہیں، آنکھیں بند کر کے اندھی تقلید کے طور پر نہیں، اور ان کا بالاترین اجر حقیقت کو پا لینا ہی ہے، جس کے زیرِ سایہ وہ خدا کی تمام نعمتوں کو حاصل کرتے ہیں جبکہ ستم گروں کی بدترین بدبختی یہ ہے کہ وہ دوزخ کا ایندھن ہیں یعنی آگ ان کے وجود کے اندر سے شعلہ ور ہوگی۔

---

[1] "تحرّوا" "تحری" کے مادہ سے کسی چیز کا قصد کرنے کے معنی میں ہے۔

[2] تفسیر "روح البیان" جلد ۱۰ ص ۱۹۵

[3] "اصول کافی" جلد ۲۔ باب المؤمن و علاماتہ و صفاتہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۶۔ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ

۱۷۔ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ

۱۸۔ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۙ

۱۹۔ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۭ

ترجمہ

۱۶۔ اور اگر وہ (جن وانس) ایمان کے طریقہ پر استقامت اختیار کریں، تو ہم انھیں فراواں پانی سے سیراب کریں۔

۱۷۔ مقصد یہ ہے کہ ہم انھیں اس فراواں نعمت کے ذریعہ آزمائیں اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے روگردانی کرے گا، تو وہ اسے شدید اور روزافزوں عذاب میں گرفتار کرے گا۔

۱۸۔ اور یہ کہ مساجد خدا ہی کے لیے ہیں، ان مساجد میں خدا کے علاوہ کسی کو نہ پکارو۔

۱۹۔ اور یہ کہ جب خدا کا بندہ (محمدؐ عبادت کے لیے کھڑا ہوتا اور اسے پکارتا، تو کچھ لوگ بڑی شدت کے ساتھ اس کے گرد جمع ہوجاتے۔

تفسیر

ہم تمھیں ان فراواں نعمتوں کے ذریعے آزمائیں گے

یہ آیات ظاہراً جن مومنین کی اپنی قوم سے گفتگو کو جاری رکھے ہوئے ہیں (اگرچہ کچھ مفسرین نے اسے خدا کا کلام سمجھا ہے، جو جملہ معترضہ کے طور پر جنوں کی گفتگو کے درمیان آیا ہے)۔ لیکن چونکہ اس کا جملہ معترضہ ہونا خلاف ظاہر ہے اور آیات کی تعبیر گزشتہ آیات کے لب ولہجہ سے زیادہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مشابہ ہے، جو جن مومنین کی گفتگو تھی، لہٰذا اس کا جنوں کا کلام نہ ہونا بعید ہے[1]

بہرحال گزشتہ آیات میں، قیامت میں مومنین کے لیے اجر و ثواب کے بارے میں گفتگو تھی، اور ان آیات میں ان کے دنیاوی اجر و ثواب کی گفتگو ہے، فرماتا ہے: "اگر وہ (جن وانس) ایمان کے طریقہ پر استقامت کریں، تو ہم انھیں فراواں پانی سے سیراب کریں گے۔

(وان لواستقاموا علی الطریقة لاسقیناھم ماءً غدقًا)۔

ہم ان پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل کریں گے، اور حیات بخش پانی کے منابع اور چشمے ان کے اختیار میں دے دیں گے اور جہاں پانی کی فراوانی ہوتی ہے، وہاں پر ہر چیز کی فراوانی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس طرح سے ہم انھیں انواع واقسام کی نعمتوں سے نوازیں گے۔

"غدق" (بروزن شفق) فراواں پانی کے معنی میں ہے۔

قرآن مجید نے اس مطلب پر کئی بار تکیہ کیا ہے، کہ "ایمان و تقویٰ" نہ صرف معنوی برکات کا سرچشمہ ہیں، بلکہ مادی ارزاق کی زیادتی، نعمتوں کی کثرت، آبادی وعمران اور مادی برکت کی زیادتی کا موجب بھی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ایک تفصیلی بحث، جلد ۱۴ میں سورہ نوح کی آیہ ۱۲ کے ذیل میں "ایمان وتقویٰ کا عمران و آبادی سے رابطہ" کے عنوان کے تحت کر چکے ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس بیان کے مطابق، وہ چیز جو نعمت کی زیادتی کا سبب بنتی ہے، ایمان پر استقامت ہے، نہ کہ اصل ایمان کیونکہ وقتی اور جلدی گزر جانے والے ایمان سے اس قسم کی برکات ظاہر نہیں ہوتیں۔ لہٰذا اہم چیز ایمان، تقویٰ پر استقامت ہے، جس میں بہت سوں کے پاؤں لنگ کرنے لگتے ہیں اور لرزاں ہو جاتے ہیں۔

بعد والی آیت میں اسی سلسلہ میں ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "مقصد یہ ہے کہ ہم انھیں وفور نعمت کے ذریعہ آزمائیں" (لنفتنھم فیه)۔

آیا نعمت کی زیادتی ان کے غرور و غفلت کا سبب بنتی ہے یا بیداری، شکر گزاری اور خدا کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کا سبب ہوتی ہے۔

اور یہاں سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدائی امتحان کے اہم اسباب میں سے ایک وفور نعمت ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ نعمت کے ذریعہ جو آزمائش ہوتی ہے، وہ عذاب کے ذریعہ ہونے والی آزمائش سے زیادہ سخت اور زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے۔ کیونکہ نعمت کی زیادتی کا مزاج سستی، کاہلی، غفلت اور لذائذ و شہوات میں غرق ہوتا ہے، اور یہ ٹھیک ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔ اور

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنہا وہ چیز جو اس بات کا سبب بنی ہے کہ مفسرین کا یہ گروہ اسے خدا کا کلام اور جملہ معترضہ سمجھیں "متکلم مع الغیر" کی ضمیریں ہیں، جو ان آیات میں استعمال ہوئی ہیں، ایک جگہ کہتا ہے کہ ہم انھیں فراواں پانی سے سیراب کریں گے"، دوسری جگہ فرماتا ہے کہ "ہدف و مقصد یہ ہے کہ ہم انھیں آزمائیں۔ لیکن اگر ہم ان تعبیروں کو نقل بالمعنی جان لیں تو پھر کوئی مشکل پیدا نہیں ہوتی۔ یہ ٹھیک اس بات کے مشابہ ہے کہ کوئی اپنے دوست سے نقل کرے اور کہے کہ، فلاں آدمی کا عقیدہ یہ ہے کہ میں اچھا آدمی ہوں۔ البتہ اس نے لفظ "میں" استعمال نہیں کیا۔ بلکہ اس نے "وہ" کا لفظ استعمال کیا ہے، لیکن کہنے والا اس قسم کی تعبیر استعمال کرتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میدان کو شیطان کی فعالیت کے لیے آمادہ کر دیتی ہے۔ صرف وہی لوگ وفورِ نعمت کی زیادتی کے غیر مطلوب عوارض سے امان میں رہ سکتے ہیں، جو ہمیشہ خدا کی یاد میں رہیں اور اس کے ذکر کو فراموش نہ کریں اور دائمی یاد کے ذریعہ خانۂ دل کو شیاطین کے نفوذ سے محفوظ رکھیں لہ

لہٰذا اس کے بعد مزید کہتا ہے: "جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے روگردانی کرے گا، تو وہ اسے شدید اور روز افزوں عذاب میں گرفتار کرے گا"

(ومن یعرض عن ذکر ربہ یسلکہ عذابًا صعدًا)۔

"صعد" (بر وزن سفر) صعود کرنے اور اوپر جانے کے معنی میں ہے اور بعض اوقات "گھاٹی" کے معنی میں آتا ہے اور چونکہ گھاٹیوں سے اوپر جانے میں مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لیے یہ لفظ "مشقت اٹھانے والے کاموں" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا بہت سے مفسرین نے اوپر والی آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد "مشقت والا عذاب" ہے۔ اس کے مشابہ جو سورۂ مدثر کی آیہ ۷ میں آیا ہے، جس میں بعض مشرکین کے بارے میں فرماتا ہے: "سارھقہ صعودًا": "میں اسے مشقت والے عذاب میں ڈھانپ لوں گا"۔

لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ اوپر والی تعبیر، اس عذاب کے مشقت بار ہونے کے بیان کے ضمن میں، اس کے روز افزوں ہونے کی طرف بھی اشارہ ہو۔

اس طرح اوپر والی آیات ایک طرف تو ایمان و تقویٰ کا، زیادتی نعمت سے تعلق بیان کرتی ہے۔ اور دوسری طرف نعمت کی زیادتی کا، خدا کی آزمائشات کے ساتھ تعلق بیان کرتی ہیں۔ اور تیسری طرف خدا کی یاد سے روگردانی کا سخت ترین اور روز افزوں عذاب سے تعلق ظاہر کرتی ہیں، اور یہ ایسے حقائق ہیں، جن کی طرف قرآن کی دوسری آیات میں بھی اشارہ ہوا ہے۔

جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کی آیہ ۱۲۴ میں آیا ہے: ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکًا: "جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا تو اس کی زندگی تنگ اور سخت ہو جائے گی۔

اور سورۂ نمل کی آیہ ۴۰ میں حضرت سلیمان کی زبانی بیان ہوا ہے: ھٰذا من فضل ربی لیبلونی ءاشکر ام اکفر: "یہ میرے پروردگار کا فضل ہے۔ وہ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں"۔

اور سورۂ انفال کی آیہ ۲۸ میں آیا ہے: واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنۃ: "جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں۔

بعد والی آیت میں جن مومنین کی زبانی، دوسروں کو توحید کی طرف دعوت دینے کے موقع پر اس طرح کہتا ہے: "مساجد خدا کے لیے ہیں، ان مساجد میں خدا کے ساتھ کسی کو نہ پکارو" (وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدًا)۔

اس بارے میں کہ یہاں "مساجد" سے کیا مراد ہے، گوناگوں تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔

لہ بعض مفسرین نے یہ احتمال دیا ہے کہ اوپر والی آیت میں "طریقۃ" سے مراد ہی کفر کی راہ ہی ہے، اور اس راہ میں استقامت کے بعد نعمت میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ حقیقت میں عذاب کا ایک مقدمہ اور نعمت میں استدراج کا مصداق ہوتا ہے، لیکن یہ تفسیر زیرِ بحث آیت اور اس سے قبل و بعد کی آیات کے لب و لہجہ سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلی یہ ہے کہ اس سے مراد وہ مکان اور جگہیں ہیں کہ جن میں خدا کے لیے سجدہ ہوتا ہے۔ جس کا مصداق اکمل، مسجد الحرام ہے اور اس کا دوسرا مصداق باقی مساجد ہیں اور زیادہ وسیع مصداق وہ تمام جگہیں ہیں جہاں انسان نماز پڑھتا ہے اور خدا کے لیے سجدہ کرتا ہے، اور پیغمبر کی معروف حدیث کے مطابق جس میں آپ نے فرمایا:

جعلت لی الارض مسجدًا و طھورًا

"تمام روئے زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور (تیمم کرنے کے لیے) طہارت کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔"[1]

اس میں ہر جگہ شامل ہے اور اس طرح سے یہ مشرکین عرب، اور ان جیسے لوگوں کے اعمال کا، جنھوں نے خانہ کعبہ کو بت کدہ بنا رکھا تھا، ایک جواب یہ ہے، اور منحرف عیسائیوں کے اعمال کا بھی، جنھوں نے "تثلیث" کو اپنا لیا تھا اور اپنے گرجوں میں تین خداؤں کی پرستش کرتے تھے قرآن کہتا ہے، تمام عبادت گاہیں خدا کے ساتھ مخصوص ہیں، اور ان عبادت گاہوں میں خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا اور اس کے غیر کی پرستش ممنوع ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ مساجد سے مراد، سجدہ کے سات اعضاء ہیں۔ ان اعضاء کو صرف خدا کے لیے زمین پر رکھنا چاہیے اور اس کے غیر کی لیے جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث میں نویں امام محمد بن علی الجوادؑ سے نقل ہوا ہے کہ "معتصم عباسی" نے ایک مجلس میں جس میں اہل سنت کے علماء جمع تھے، سوال کیا کہ چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹنا چاہیے؟ بعض نے کہا کہ کلائی سے، اور اس نے تیمم والی آیت سے استدلال کیا، بعض دوسروں نے کہا کہ کہنی سے اور انھوں نے وضو والی آیت سے استدلال کیا، معتصم نے آپ سے اس سلسلہ میں وضاحت کی درخواست کی تو پہلے تو حضرت نے اس سے خواہش کی کہ وہ اپنے سوال سے صرف نظر کرے، جب اس نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ ان حضرات نے کہا ہے وہ سب غلط ہے صرف چار انگلیاں جڑ سے کاٹی جانی چاہییں۔ ہاتھ کی ہتھیلی اور انگوٹھا چھوڑ دینا چاہیے۔ جب معتصم نے اس کی دلیل طلب کی تو امام نے پیغمبر کے اس ارشاد سے استدلال کیا کہ سجدہ سات اعضاء پر ہونا چاہیے۔ پیشانی، دو ہاتھ، دونوں گھٹنوں کے سرے اور پاؤں کے انگوٹھوں کے سرے اور اس کے بعد مزید فرمایا کہ اگر کلائی یا کہنی سے کاٹا جائے گا تو ہاتھ اس کے لیے باقی نہیں رہے گا کہ جس پر وہ سجدہ کرے۔ جبکہ خدا نے یہ فرمایا ہے وان المساجد للہ یعنی یہ سات اعضاء خدا کے لیے ہیں اور جو چیز خدا کے ساتھ مخصوص ہو سے قطع نہیں کرنا چاہیے۔ اس بات پر معتصم کو بہت تعجب ہوا اور اس نے حکم دیا کہ آنحضرتؑ کے حکم کے مطابق چور کا ہاتھ چاروں انگلیوں کی جڑ سے کاٹا جائے۔[2]

اس مضمون کی اور دوسری احادیث بھی نقل ہوئی ہیں۔[3]

لیکن جو احادیث اس سلسلہ میں نقل ہوئی ہیں وہ عام طور پر سند کے بغیر ہیں۔ یا ان کی سند ضعیف ہے اور اس سے قطع نظر ان میں ایسا نقص پایا جاتا ہے جن کا جواب آسان نہیں ہے۔ مثلاً ہمارے فقہاء کے درمیان یہ بات مسلم ہے کہ اگر "چور" دوبارہ چوری کرے (جبکہ اس پر حد جاری ہو چکی ہو) تو اس کے پاؤں کے اگلے حصہ قطع کریں گے اور پاؤں کی ایڑی کو سالم رہنے دیں گے۔ حالانکہ پاؤں کا انگوٹھا بھی سجدہ کے سات

---

[1] وسائل الشیعہ جلد ۲ ص ۹۰۰ حدیث ۳

[2] وسائل الشیعہ جلد ۱۸ ص ۴۹۰ (ابواب حد السرقہ باب ۴ حدیث ۵)

[3] نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۳۹ ۴۴۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مقامات میں سے ایک ہے اور اسی طرح "محارب" (ڈرکے ڈسنے والے) کے بارے میں جس کی سزاؤں میں سے ایک اس کے ہاتھ پاؤں کے ایک حصّہ کو قطع کرنا ہے۔

تیسرا یہ کہ "مساجد" سے مراد وہی سجود ہے یعنی سجدہ ہمیشہ خدا کے لیے ہونا چاہیے اور اس کے غیر کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ احتمال بھی آیت کے ظاہر کے برخلاف ہے، اور اس پر کوئی بھی شاہد موجود نہیں ہے۔

جو کچھ بیان ہو چکا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ آیت کے ظاہر کے موافق ہے وہ پہلی تفسیر ہی ہے اور توحید اور عبادت کے خدا کے ساتھ مخصوص ہونے کے بارے میں، قبل و بعد کی آیات سے مکمل مناسبت رکھتی ہے اور دوسری تفسیر آیت کے مفہوم میں وسعت کی قسم سے ہے لیکن تیسری تفسیر پر کوئی شاہد نہیں ہے۔

اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے، قرآن مجید اور پیغمبرؐ کی عبادت کی، حد سے زیادہ تاثیر کو بیان کرنے کے لیے مزید کہتا ہے: "جس وقت خدا کا بندہ ـــــ محمدؐ ـــــ عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور خدا کو پکارتا ہے تو جنّوں کا ایک گروہ شدت سے اس کے اطراف میں جمع ہو جاتا ہے" (وانہ لما قام عبد اللّٰہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبدًا)۔[1]

"لبد" (بروزن پدر) اس چیز کے معنی میں ہے جس کے اجزاء ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ رکھے گئے ہوں، اور یہ تعبیر اس پہلی ملاقات میں، قرآن سننے کے لیے، جن مومنین کے عجیب و غریب ہجوم کو بیان کرتی ہے، اور اسی طرح پیغمبرؐ کی نماز کے حد سے زیادہ قوت جذب کو بیان کرتی ہے۔

اس آیت کے لیے دو اور تفاسیر بھی بیان ہوئی ہیں پہلی یہ کہ مفسّرین پیغمبر کے اصحاب کی حالت کی تشریح کرتے ہیں کہ وہ اتنی کم تعداد ہونے کے باوجود جو مکہ میں ان کی تھی۔ پیغمبرؐ کے ارشادات کو سننے کے لیے کس طرح سر اور کندھے سے بھی اوپر چڑھے جاتے تھے، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ گروہ جن انھیں نمونہ بنا کر ایمان کی طرف آئیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ مشرکین عرب کی حالت کا بیان ہے کہ جس وقت پیغمبر نماز اور قرآن میں مشغول ہوتے تھے تو وہ آپ کے اطراف کو سختی سے گھیر لیتے تھے اور استہزاء کرتے، مذاق اڑاتے اور آپ کو تکلیف و آزار پہنچاتے۔

لیکن آخری تفسیر جن مبلّغین کے ہدف و مقصد کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ دوسروں کو ایمان کا شوق دلائیں لہٰذا مناسب گزشتہ دو معانی میں سے کوئی ایک ہی ہے۔

ایک نکتہ

آیہ "ان المساجد للّٰہ" کی تفسیر میں تحریف

پیغمبر اور اولیاء دین سے "توسل" کا مسئلہ یعنی ان حضرات کو بارگاہ خدا میں وسیلہ اور شفیع قرار دینا ایک ایسا مفہوم ہے جو حقیقت توحید سے

---

[1] اس تفسیر کے مطابق اور اس بنا پر کہ یہ جملہ جن مومنین کی گفتگو میں سے ہو، "متکلم" کی بجائے "غائب" کی ضمیر کا آنا باب "التفات" سے ہے۔ یا یہ اس لحاظ سے ہے کہ جن میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کی حالت کو بیان کر رہا تھا۔ (غور کیجیے)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

منافات رکھتا ہے اور نہ ہی قرآن مجید کی آیات سے، بلکہ یہ توحید پر ایک تاکید ہے اور یہ کہ ہر چیز خدا کی طرف سے ہے۔ قرآن مجید کی آیات میں بھی مسئلہ شفاعت اور اسی طرح مومنین کے لیے پیغمبر کی استغفار اور طلب بخشش کے مسئلہ کا بار بار اشارہ ہوا ہے[1]

اس کے باوجود بعض ایسے لوگوں کا ——— جو اسلام اور قرآن کی تعلیمات سے دور ہیں ——— اصرار یہ ہے کہ ہر قسم کے توسل اور شفاعت کا انکار کریں، اور اپنے مقصود کو ثابت کرنے کے لیے کچھ دستاویزات لائے ہیں۔ منجملہ ان کے اوپر والی آیت ﴿ و ان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدًا ﴾ ہے وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے مطابق قرآن یہ حکم دیتا ہے کہ خدا کے نام کے ساتھ کسی شخص کا نام نہ لو اور اس کے علاوہ کسی کو نہ پکارو، اور کسی سے شفاعت طلب نہ کرو۔

لیکن انصاف یہ ہے کہ اس آیت کا اس مفہوم کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے، بلکہ اس کا ہدف اور مقصد شرک کی نفی ہے، یعنی کسی چیز کو خدا کے ساتھ عبادت کرنے میں یا حاجت طلب کرنے میں شریک قرار دینا۔

دوسرے لفظوں میں اگر کوئی واقعی طور پر خدا کے کام غیر خدا سے چاہے اور اس کو صاحب اختیار اور ان کے انجام دینے میں مستقل شمار کرے تو وہ مشرک ہے۔ جیسا کہ لفظ "مع" "(فلا تدعوا مع الله)" کے جملہ میں اس معنی کی گواہی دیتا ہے کہ کسی کو خدا کا شریک اور مستقل تاثیر کا مبدء نہیں جاننا چاہیے۔

لیکن اگر کوئی خدا کے انبیاء سے شفاعت چاہے یا پروردگار کی بارگاہ میں وساطت کا تقاضا کرے، تو یہ نہ صرف اس کی نفی نہیں کرتا، بلکہ قرآن بعض اوقات خود پیغمبر کو اس بات کی دعوت دیتا ہے، اور کبھی دوسروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ پیغمبر سے شفاعت طلب کریں۔

سورۂ توبہ کی آیہ ۱۰۳ میں آیا ہے: خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها وصل عليهم ان صلاتك سكن لهم "ان کے مال سے زکوٰۃ لے تو کہ تم اس کے ذریعہ انھیں پاک کرو اور (زکات وصول کرتے وقت) ان کیلئے دعا کرو، کیونکہ تیری دعا ان کے سکون و آرام کا باعث ہے۔

اور سورۂ یوسف کی آیہ ۹۷ میں ان کے بھائیوں کی زبانی باپ کو خطاب کرتے ہوئے آیا ہے: يا ابانا استغفر لنا ذنوبنا انا كنا خاطئين "اے ابا جان! ہمارے لیے استغفار کیجیے کیونکہ ہم خطا کار تھے۔

یعقوب نے بھی، اس تقاضے کا نہ صرف انکار نہیں کیا بلکہ ان کی درخواست کی موافقت میں یہ وعدہ دیا اور کہا: سوف استغفر لكم ربي "میں بہت جلد تمہارے لیے بارگاہ خدا سے بخشش کا تقاضا کروں گا۔"

اس بناء پر توسل اور شفاعت طلب کرنے کا مسئلہ اس مفہوم کے ساتھ، جو بیان کیا گیا ہے، قرآن کے صریح احکام میں سے ہے۔

---

[1] ہم نے "قرآن و حدیث کی نظر میں شفاعت" کے مسئلہ کے بارے میں، پہلی جلد سورۂ بقرہ کی آیہ ۴۸ کے ذیل میں اور "توسل" کی حقیقت کے بارے میں سورۂ مائدہ کی آیہ ۳۵ جلد ۴ میں، تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۰۔ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّىْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝

۲۱۔ قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝

۲۲۔ قُلْ اِنِّىْ لَنْ يُّجِيْرَنِىْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝

۲۳۔ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۝

۲۴۔ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ۝

ترجمہ

۲۰۔ کہہ دیجیے: میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور کسی کو بھی اس کا شریک قرار نہیں دیتا۔

۲۱۔ کہہ دیجیے! میں تمھارے لیے کسی نقصان یا ہدایت کا مالک نہیں ہوں۔

۲۲۔ کہہ دیجیے: (اگر میں بھی اس کے حکم کے خلاف کروں گا) تو کوئی بھی مجھے اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے گا اور اس کے علاوہ مجھے اور کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔

۲۳۔ میری ذمہ داری تو صرف خدا کی طرف سے ابلاغِ رسالت اور اس کے پیغاموں کو پہنچانا ہے، اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ وہ اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

۲۴۔ (کفار کی یہ کارشکنی اسی طرح جاری رہے گی) جب تک کہ وہ اسے دیکھ نہ لیں، جس کا انھیں وعدہ دیا گیا ہے اس وقت انھیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار زیادہ ضعیف ہیں اور کس کی جمعیت بہت ہی کم ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

کہہ دیجیے: میں کسی کے سود وزیاں کا مالک نہیں ہوں

ان آیات میں توحید کی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور ہر قسم کے شرک کی نفی کے لیے ـــــ جس کی طرف گزشتہ آیات میں بھی اشارہ ہوا تھا ـــــ پہلے پیغمبرؐ کو حکم دیا جاتا ہے: "کہہ دیجیے میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں، اور کسی کو بھی اس کا شریک قرار نہیں دیتا" (قل انما ادعوا ربی ولا اشرك به احدًا)۔

اس کے بعد حکم ہے: "کہہ دیجیے میں تمہارے لیے سود وزیاں کا مالک نہیں ہوں اور ہدایت دوسرے کے ہاتھ میں ہے"۔ (قل انی لا املك لكم ضرًّا ولا رشدًا)۔

پھر مزید کہتا ہے: "کہہ دیجیے: اگر میں بھی خدا کے حکم کے خلاف کام کروں گا تو کوئی بھی مجھے اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے گا، اور میں اس کے علاوہ کوئی اور ملجاء اور پناہ گاہ نہیں پاؤں گا"۔ (قل انی لن یجیرنی من الله احد ولن اجد من دونه ملتحدًا)[1]

اس طرح سے نہ تو کوئی مجھے پناہ دے سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی چیز میری پناہ گاہ بن سکتی ہے۔ یہ باتیں ایک طرف تو خدا کی بارگاہ میں مکمل عبودیت کا اعتراف ہے، اور دوسری طرف سے پیغمبرؐ کے بارے میں ہر قسم کے غلو کی نفی کرتی ہیں اور تیسری طرف سے یہ بتاتی ہیں کہ نہ صرف بتوں سے ہی کوئی کام نہیں چلتا بلکہ خود پیغمبرؐ بھی اس عظمت کے باوجود عذابِ خدا کے مقابلہ میں ملجاء اور مستقل پناہ نہیں ہو سکتے۔ اور چوتھی طرف سے ان بہانہ جوئیوں اور بے محل توقعات کو ـــــ جو ہٹ دھرم لوگ پیغمبرؐ سے رکھتے تھے، اور ان سے خدائی کاموں کے تقاضے کرتے تھے ـــــ ختم کرتی ہیں اور یہ ثابت کرتی ہیں کہ توسل اور شفاعت بھی اذنِ خدا سے ہی ہے۔

"ملتحدًا": مطلق پناہ گاہ کے معنی میں ہے اور اصل میں "لحد" (بروزنِ مہد) کے مادہ سے اس گڑھے کے معنی میں ہے جو ایک کنارے پر بنایا گیا ہو، جیسا کہ مردوں کے لیے قبر کی گہرائی میں کھودا جاتا ہے، جو قبر کی گہرائی میں ایک طرف کو زیادہ مقدار میں کھودتے ہیں اور مُردے کے جسم کو اس میں رکھتے ہیں تاکہ اس پر مٹی نہ گرے اور جانوروں کے آسیب سے بھی زیادہ محفوظ رہے، اس کے بعد ہر دوسری مطلق جگہ اور پناہ گاہ پر اس کا اطلاق ہوا ہے۔

جیسا کہ گزشتہ آیات میں بھی ہم نے اشارہ کیا ہے کہ ان تعبیرات کا مقصد یہ ہے کہ پیغمبرؐ خدا کے مقابلہ میں اور مستقل طور پر کوئی نقش واثر

---

[1] بعض نے اس آیت کے لیے ایک شانِ نزول بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ کفارِ قریش نے پیغمبرؐ سے کہا کہ تم اپنے دین سے پھر جاؤ تاکہ ہم تمہیں پناہ دیں تو اوپر والی آیت نازل ہوئی اور انہیں جواب دیا (تفسیر ابوالفتوح رازی جلد ۱۰ ص ۲۹۳)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

نہیں رکھتے۔ اس کے باوجود وہ خدا سے لوگوں کے لیے مشکلات کے حل کا تقاضا کر سکتے ہیں، یا شائستہ اور لائق افراد کے لیے ہدایت کی درخواست کر سکتے ہیں اور یہ عین توحید ہے نہ کہ شرک۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان آیات میں "ضر" (نقصان) کے مقابلہ میں "رشد" (ہدایت) کو قرار دیا گیا ہے، جو اس طرف اشارہ ہے کہ حقیقی سود اور نفع ہدایت میں ہے۔ جیسا کہ جنات کی باتوں میں بھی گزشتہ آیات میں "شر" اور "رشد" کے مقابلہ میں قرار پایا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "میرا وظیفہ تو صرف خدا کی طرف سے ابلاغ اور اس کے پیغامات کو پہنچانا ہے" (الا بلاغا من اللہ و رسالاته)[1]

یہ تعبیر اسی چیز کے مشابہ ہے جس کی طرف آیاتِ قرآنی میں بار بار اشارہ ہوا ہے، جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیہ ۹۲ میں آیا ہے: (انما علی رسولنا البلاغ المبین) "پیغمبر کے ذمہ تو صرف واضح طور پر ابلاغ کرنا (اور پہنچا دینا ہے)۔"

اور سورۂ اعراف کی آیہ ۱۸۸ میں آیا ہے:

قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یؤمنون

"کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے لیے بھی سود و زیاں کا مالک نہیں ہوں۔ اور اگر میں غیب کی خبر رکھتا ہوتا تو اپنے لیے بہت سا نفع جمع کر لیتا اور کوئی بھی خرابی مجھے نہ پہنچتی۔ میں تو صرف اس گروہ کے لیے جو ایمان لے آتے ہیں، ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔"

اس جملہ کے لیے بہت سے مفسرین نے ایک اور تفسیر بھی بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ: میں اپنی نجات کے لیے دعوتِ حق کے ابلاغ اور اس کی رسالت کے ادا کرنے کے سوا، کسی قسم کی کوئی پناہ گاہ نہیں رکھتا۔[2]

یہ بات کہ "بلاغ" اور "رسالات" میں کیا فرق ہے۔ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ "بلاغ" تو اصولِ دین کے ابلاغ کی طرف اشارہ ہے اور "رسالات" فروعِ دین کے بیان کی طرف۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ "بلاغ" احکامِ الٰہی کے معنی میں ہے اور "رسالات" ان کے اجراء کے معنی میں۔

لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی معنی کی طرف لوٹتے ہیں اور یہ ایک دوسرے کی تاکید ہوں، اور قرآن کی بہت سی آیات اس طرح ہیں، جو ان دونوں کو ایک ہی معنی کی صورت میں بیان کرتی ہیں، مثلاً سورۂ اعراف کی آیہ ۶۲، جو یہ کہتی ہے "ابلغکم رسالات ربی"

---

[1] چونکہ "بلاغ" صرف "عن" کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ اس لیے بعض نے "من" کو "عن" کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے "کائنا" کا لفظ مقدر سمجھا ہے (الا بلاغا کائنا من اللہ)

[2] اس تفسیر کے مطابق یہ جملہ گزشتہ جملے ولن اجد من دونه ملتحدا سے استثناء ہے اور پہلی تفسیر کے مطابق یہ گزشتہ آیات سے استثناء ہے۔

Presented by: Rana Jabir Abbas
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"میں اپنے پروردگار کی رسالتیں تمہیں پہنچاتا ہوں" (اور دوسری متعدد آیات)

بہرحال آیت کے آخر میں خبردار کرتا ہے کہ "جو شخص خدا اور اس کے رسول کی معصیت اور نافرمانی کرے گا، اس کے لیے جہنم کی آگ ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہے گا" (ومن یعص الله ورسوله فان له نار جهنم خالدین فیها ابدًا)۔

یہ بات واضح ہے کہ اس سے مراد ہر گنہگار نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد مشرکین اور کافرین ہیں، کیونکہ ہر گنہگار ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہنے کا مستحق نہیں ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے، کفار و مشرکین کی یہ وضع و کیفیت، کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کا استہزاء کرتے اور انھیں ضعیف اور کمزور شمار کرتے ہیں اس وقت تک یونہی جاری رہے گی، جب تک کہ وہ اس چیز کو نہ دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس وقت وہ جانیں گے کہ کس کے مددگار زیادہ ہیں، اور کس کی جمعیت کم ہے" (حتّٰی اذا رأوا ما یوعدون فسیعلمون من اضعف ناصرًا واقل عددًا)۔[1]

اس بارے میں کہ "ما یوعدون" کے جملے سے دنیا کا عذاب مراد ہے یا آخرت کا یا دونوں؟ بہت سی تفسیریں بیان کی گئی ہیں، لیکن مناسب یہ ہے کہ اس کا معنی عام اور وسیع ہو، خاص طور پر جبکہ تعداد کی زیادتی اور کمی، اور ناصر و مددگار کا ضعف و قدرت زیادہ تر دنیا کے ساتھ مربوط ہے۔ لہٰذا بہت سے مفسرین نے اس کی جنگِ بدر کے لشکر کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ جس میں مسلمانوں کی قدرت و قوت آشکار ہوئی تھی اور بہت سی روایات میں مہدی (ارواحنا فداہ) کے ظہور کے ساتھ تفسیر ہوئی ہے۔ اس بناء پر اگر ہم آیت کی اس کے وسیع معنی کے ساتھ تفسیر کریں تو یہ سب باتیں شامل ہوں گی۔

علاوہ ازیں سورۂ مریم کی آیہ ۷۵ میں بھی آیا ہے: حتّٰی اذا رأوا ما یوعدون اما العذاب واما الساعة فسیعلمون من هو شر مکانًا واضعف جندًا۔ یہ کیفیت اسی طرح برقرار رہے گی جب تک کہ وہ خدا کے وعدے کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لیں گے یا اس دنیا کا عذاب یا آخرت کا عذاب، اس دن وہ جان لیں گے کہ کس شخص کی حیثیت بدتر اور کس کا لشکر زیادہ کمزور و ناتواں ہے"۔

بہرحال آیت کا لب و لہجہ بتاتا ہے کہ دشمنانِ اسلام اپنے افراد کی قدرت اور کثرت پر ناز کیا کرتے تھے اور انھیں ضعیف و ناتواں شمار کرتے تھے، قرآن اس ذریعہ سے مومنین کو تسلی دیتے ہوئے اور ان کی دلداری کرتے ہوئے انھیں خوشخبری دیتا ہے کہ آخرکار ان کی کامیابی اور دشمنوں کی شکست و ناتوانی کا دن آ پہنچے گا۔

---

[1] "حتّٰی" عام طور پر کسی چیز کی غایت اور نہایت کے لیے آتا ہے اور یہاں اس کے لیے متعدد وجوہ بیان کیے گئے ہیں پہلا یہ کہ یہ ایک محذوف جملہ کی غایت ہے، اور تقدیر میں اس طرح ہے" ولا یزالون یستهزءون ویستضعفون المؤمنین حتّٰی اذا رأوا ما یوعدون" دوسری یہ کہ "یکونون علیه لبدًا" کی غایت ہو، جو پہلے کی چند آیات میں آیا ہے، لیکن پہلا احتمال زیادہ مناسب ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چند نکات

۱۔ خدائی رہبروں کی صداقت

خدائی رہبروں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ "شیطانی رہبروں" کے برخلاف ہرگز لمبے چوڑے دعوے نہیں کرتے اور اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے اور متکبر و مغرور نہیں ہوتے۔

جبکہ فرعون انا ربکم الاعلیٰ "میں تمہارا اعلیٰ اور بلند تر خدا ہوں" وھٰذہ الانھار تجری من تحتی، "اور دریائے نیل کی بڑی بڑی شاخیں سب میری نظروں کے سامنے جاری ہیں" کی احمقانہ نعرہ بلند کرتا تھا، اور رہبران الٰہی، تواضع اور فروتنی سے، اپنے آپ کو خدا کے بندوں میں سے ایک چھوٹا سا بندہ بتلاتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ وہ اس کے ارادہ کے مقابلے میں اپنی طرف سے کوئی قدرت نہیں رکھتے۔

سورۂ کہف کی آیہ ۱۱۰ میں آیا ہے: قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ، کہہ دیجیے میں تو تم جیسا ہی ایک بشر ہوں، سوائے اس کے کہ میری طرف وحی ہوتی ہے۔

اور دوسری جگہ آیا ہے: وما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الّا ما یوحیٰ الیّ وما انا الّا نذیر مبین، "میں نہیں جانتا کہ خدا میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی ہوتی ہے اور میں ایک واضح ڈرانے والے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں" (احقاف ـــــ ۹)

ایک اور دوسری آیت میں یہ آیا ہے: قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک: "کہہ دیجیے میں یہ نہیں کہتا کہ خدا کے خزانے میرے پاس ہیں میں تو غیب کا علم بھی نہیں رکھتا (سوائے اس کے جس کی خدا مجھے تعلیم دیتا ہے) اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں" (انعام ـــــ ۵۰)

اگر وہ مادی قدرت کی انتہائی بلندی پر بھی پہنچ جاتے تو بھی ہرگز آپے سے باہر نہ ہوتے اور سلیمانؑ کی طرح کہتے: ھٰذا من فضل ربی۔ "یہ قدرت و شوکت میرے پروردگار کا فضل ہے" (نمل ـــــ ۴۰)

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں متعدد آیات میں سخت قسم کی تعبیریں نظر آتی ہیں، جن میں پیغمبر کی ذات کو مخاطب کرتے ہوئے انھیں عتاب کرتا ہے، اور اس بات کی تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اپنی تمام ذمہ داریوں کا خیال رکھیں۔

یہ آیت اور گزشتہ آیات کا مجموعہ جن کی تعداد قرآن میں کم نہیں ہے، اس پیغمبر کی حقانیت پر ایک زندہ سند ہے۔ ورنہ اس میں کونسی رکاوٹ تھی کہ وہ ان لوگوں کے سامنے جو آپ کے لیے ہر قسم کے مقام اور منزلت کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے، اپنے لیے بڑے سے بڑے مقام کا دعویٰ کرتے، جو کہ بشری دسترس سے بھی بالاتر ہوتا اور ہر قسم کے چون وچرا سے دور بھی۔ جیسا کہ تاریخ نے شیطانی رہبروں کے بارے میں اس قسم کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔

ہاں! زیر بحث آیات اور ان ہی جیسی آیات کی تعبیریں رسول اللہ کی دعوت کی حقانیت کے زندہ شواہد میں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔ جمعیت کے افراد کا زیادہ ہونا اہم نہیں، جمعیت کا ایمان اہم ہے۔

قرآنی آیات میں یہ مطلب بہت زیادہ نظر آتا ہے کہ ہر زمانے کے طاغوت اپنی جمعیت اور افرادی قوت کی دوسروں پہ زیادتی پر فخر کرتے تھے اور انبیاء کے مقابلے میں اتراتے تھے۔

فرعون موسیٰؑ کے طرف داروں کی تحقیر کے لیے کہتا تھا: "ان ھؤلاء لشرذمۃ قلیلون"، "یہ بہت ہی تھوڑے سے آدمی ہیں"۔ (شعراء ــــ ۵۴)

اور مشرکینِ عرب یہ کہا کرتے تھے، "نحن اکثر اموالًا واولادًا وما نحن بمعذبین": "ہم بہت مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہمیں ہرگز عذاب نہیں ہوگا" (سبا ــــ ۳۵)

اور کبھی ایک بے ایمان آدمی ایک مومن آدمی کے مقابلہ میں اپنی ثروت اور افرادی قوت پر فخر کرتے ہوئے کہتا: انا اکثر منک مالًا و اعز نفرًا، "میرے پاس تجھ سے زیادہ دولت و ثروت اور زیادہ قوی افراد ہیں" (کہف ــــ ۳۴) لیکن اس کے مقابلہ میں، افراد مومن، انبیاء اور ضدائی رہبروں کی پیروی میں، جمعیت کی زیادتی اور افرادی قوت پر تکیہ نہیں کرتے تھے۔ ان کی منطق یہ تھی: کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ: کتنے ہی چھوٹے گروہ ایسے ہوئے ہیں جو خدا کے حکم سے بڑے بڑے گروہوں پر کامیاب ہوئے ہیں" (بقرہ ــــ ۲۴۹)

امیرالمومنین علیؑ فرماتے ہیں:

ایھا الناس لا تستوحشوا فی طریق الھدی لقلۃ اھلہ

اے لوگو! ہدایت کی راہ میں افراد کی کمی سے ہرگز وحشت نہ کرو[۱]

تاریخ انبیاء خصوصاً پیغمبر اسلامؐ کی تاریخِ زندگی، اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ بے ایمان اور بکثرت جمعیتیں، ہر قسم کی قدرت رکھنے کے باوجود، مومنین کے تھوڑے سے یار و انصار کے مقابلہ میں کس طرح سے شکست اور درماندگی کا شکار ہوئے۔ قرآن مجید میں "بنی اسرائیل" و "فرعون" اور "طالوت" و "جالوت" کی داستان میں اور "جنگ بدر" و "احزاب" سے مربوط آیات میں بھی یہ معنی اچھی طرح منعکس ہوئے ہیں۔

---

[۱] نہج البلاغہ" خطبہ ۲۰۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۵۔ قُلْ إِنْ أَدْرِيٓ أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُۥ رَبِّيٓ أَمَدًا ۝

۲۶۔ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِۦٓ أَحَدًا ۝

۲۷۔ إِلَّا مَنِ ٱرْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُۥ يَسْلُكُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِۦ رَصَدًا ۝

۲۸۔ لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا۟ رِسَٰلَٰتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَىْءٍ عَدَدًۢا ۝

ترجمہ

۲۵۔ کہہ دیجیے کہ میں نہیں جانتا، جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے، یا میرا پروردگار اس کے لیے کوئی وقت قرار دے گا۔

۲۶۔ عالم الغیب وہی ہے اور وہ کسی شخص کو بھی اپنے غیب کے اسرار پر آگاہ نہیں کرتا۔

۲۷۔ مگر ان رسولوں کو، جنھیں اس نے منتخب کر لیا ہے، اور وہ ان کے لیے، ان کے آگے بھی اور پیچھے بھی نگران مقرر کر دیتا ہے۔

۲۸۔ تاکہ وہ جان لے کہ اس کے پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغامات کو پہنچا دیا ہے اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ اس پر احاطہ رکھتا ہے اور اس نے ہر چیز کا حساب کر رکھا ہے۔

تفسیر

عالم الغیب خدا ہے

چونکہ گزشتہ آیات میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوا تھا کہ اس گروہ کا استہزاء اور سرکشی اسی طرح سے جاری رہے گی جب تک کہ

Presented by: Rana Jabir Abbas

عذاب کا خدائی وعدہ نہیں آپہنچا اور اس سے یہ سوال ابھرتا ہے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ جیسا کہ مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں بیان کیا ہے، کہ بعض مشرکین نے "نضر بن حارث" کے مانند، گزشتہ آیات کے نزول کے بعد اسی سوال کو پیش کیا تھا۔ قرآن مجید اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے۔

"کہہ دیجیے! میں نہیں جانتا کہ وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (دنیا کا عذاب اور قیام قیامت) قریب ہے یا میرا پروردگار اس کے لیے کوئی زمانہ قرار دے گا" (قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا)۔

یہ علم خدا کی پاک ذات کے ساتھ مخصوص ہے، اور اس نے یہ چاہا ہے کہ یہ اس کے بندوں سے پوشیدہ رہے۔ تاکہ مخلوق کے امتحان اور آزمائش کا موضوع مکمل ہو، کیونکہ اگر وہ یہ جان لیں کہ وہ دور ہے یا نزدیک ہے تو دونوں صورتوں میں امتحان کا اثر کم ہو جائے گا۔

"امد" (بروزن صمد) زمانہ کے معنی میں ہے، اس فرق کے ساتھ کہ "مفردات" میں "راغب" کے قول کے مطابق کہ "زمان" تو ابتداء اور انتہاء دونوں کو شامل ہوتا ہے، لیکن "امد" صرف کسی چیز کی انتہاء کے زمانہ کو کہتے ہیں۔

اہلِ لغت نے یہ بھی کہا ہے کہ "امد" اور "ابد" معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے نزدیک ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ "ابد" تو غیر محدود مدت کو بھی شامل ہوتا ہے جبکہ "امد" صرف محدود مدت ہے چاہے وہ کتنی ہی طولانی ہو۔

بہر حال، قرآن مجید کی آیات میں بارہا یہ مطلب ہمارے سامنے آتا ہے کہ جب بھی قیامت کے زمانہ کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو پیغمبر اکرم اس سے بے اطلاع ہونے کا اظہار فرمایا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ "اس کا علم خدا کے ساتھ مخصوص ہے"۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن "جبرئیل" ایک مرد عرب کی صورت میں پیغمبر کے سامنے ظاہر ہوئے، اور ان سوالات میں سے جو انھوں نے آنحضرتؐ سے کیے، ایک یہ تھا کہ:

اخبرنی عن الساعۃ

"بتلائیے قیامت کب برپا ہوگی"؟

پیغمبرؐ نے فرمایا:

ما المسئول عنھا باعلم من السائل

"جس سے سوال کر رہے ہو وہ (اس مسئلہ میں) سوال کرنے والے سے زیادہ آگاہ نہیں ہے"۔

اس مرد عرب نے دوبارہ بلند آواز میں کہا:

یا محمدؐ متی الساعۃ؟

"اے محمدؐ! قیامت کب آئے گی"؟

پیغمبرؐ نے فرمایا:

ویحک انھا کائنۃ فما اعددت لھا؟

"وائے ہو تجھ پر قیامت تو آکر رہے گی، یہ تو بتا کہ تو نے اس کے لیے کون سی چیز تیار کر رکھی ہے"۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اعرابی نے کہا:

" میں نے نماز و روزہ تو کوئی زیادہ فراہم نہیں کیا لیکن خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں "۔

پیغمبرؐ نے فرمایا:

فانت مع من احببت

"پس تو اس کے ساتھ رہے گا جسے تو دوست رکھتا ہے"۔

اصحاب پیغمبرؐ میں سے ایک صحابی " انس " کہتے ہیں،

فما فرح المسلمون بشیء فرحهم بهذا الحدیث

"مسلمان کسی حدیث پر اتنا خوش نہیں ہوئے، جتنا کہ اس حدیث پر خوش ہوئے ہیں"[1]

اس کے بعد بحث کو جاری رکھتے ہوئے، علم غیب کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: " عالم الغیب خدا ہے وہ کسی کو بھی اپنے غیب کے اسرار سے آگاہ نہیں کرتا " (عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدًا)[2]

اس کے بعد اس کلی مسئلہ سے استثناء کے عنوان سے مزید کہتا ہے: " مگر وہ رسول کہ جسے اس نے برگزیدہ کیا ہے اور اس سے وہ راضی ہے "۔ (الا من ارتضٰی من رسول)۔

وہ اسے جتنا چاہتا ہے علم غیب کی تعلیم دیتا ہے اور وحی کے ذریعہ اس تک پہنچاتا ہے۔

" پھر اس کے آگے اور پیچھے نگرانی کرنے والے نگہبان بھیجتا ہے "۔ (فانه یسلک من بین یدیه و من خلفه رصدًا)۔

" رصد " اصل میں " مصدری " معنی رکھتا ہے اور کسی چیز کی نگرانی اور نگہبانی کے لیے آمادگی کے معنی میں ہے اور " اسم فاعل " اور " مفعول " پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ مفرد و جمع دونوں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ایک نگرانی کرنے والا اور نگہبان فرد، یا نگرانی کرنے والے در نگہبانوں کی ایک جماعت، دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہاں اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جنھیں خدا نزولِ وحی کے بعد حکم دیتا ہے کہ وہ اس کے پیغمبر کا ہر طرف سے احاطہ کیے رہیں۔ اور شیاطین، جن و انس اور ان کے وسوسوں سے، اور ان چیزوں سے، جو وحی کی اصالت کو خدشہ دار کرتی ہیں، محافظت اور پاسداری کریں۔ تاکہ اللہ کا پیغام کی و زیادتی اور کسی معمولی سے معمولی خدشہ کے بغیر بندوں تک پہنچ جائے۔ اور یہ بات خود پیغمبر کے معصوم ہونے کی ایک دلیل ہے کہ وہ غیبی قوتوں اور خدائی امداد اور اس کے فرشتوں کی نگرانی کے ذریعہ سے ہر لغزش اور خطا سے

---

[1] تفسیر " مراغی " جلد ۲۹ ص ۱۰۵

[2] " عالم الغیب " ایک مبتدائے محذوف کی خبر ہے اور تقدیر " هو العالم الغیب " ہے اور بعض نے اسے " ربّی " کی صفت یا بدل قرار دیا ہے، جو گزشتہ آیت میں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مامون و محفوظ ہے۔

آخری زیر بحث آیت میں جو اس سورہ کی آخری آیت ہے، ان نگرانی کرنے والے نگہبانوں کے وجود کی دلیل کو اس طرح بیان کرتا ہے "مقصد یہ ہے کہ خدا جان لے کہ اس کے پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغامات بے کم و کاست پہنچا دیئے ہیں۔ اور جو کچھ ان کے پاس ہے، خدا اس پر احاطہ رکھتا ہے، اور اس نے ہر ایک چیز کا باریکی کے ساتھ شمار کیا ہے" (لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربھم واحاط بما لدیھم واحصٰی کل شیء عددًا)[1]

یہاں "علم" سے مراد علم فعلی ہے اور دوسرے لفظوں میں آیت کا معنی یہ نہیں ہے کہ خدا اپنے پیغمبر کے بارے میں کسی چیز کو نہیں جانتا تھا اور بعد میں اس نے جانا ہے۔ کیونکہ خدا کا علم ازلی و ابدی اور بے پایاں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ علم الٰہی خارج میں تحقق پائے اور عینی صورت اختیار کرے۔ یعنی پیغمبر اس کی رسالت کی عملی طور پر تبلیغ کریں اور اتمام حجت کریں۔

چند نکات

علم غیب کے بارے میں ایک وسیع تحقیق

قرآن کی مختلف آیات میں غور کرنے سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ علم غیب کے سلسلہ میں دو قسم کی آیات موجود ہیں، پہلی قسم کی آیات تو وہ ہیں جو علم غیب کو خدا کے ساتھ مخصوص بتاتی ہیں، اور اس کے غیر سے اس کی نفی کرتی ہیں۔ مثلاً سورہ انعام کی آیہ ۵۹، وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو: غیب کی چابیاں خدا ہی کے پاس ہیں، اس کے سوا کوئی شخص انھیں نہیں جانتا اور سورۂ نمل کی آیہ ۶۵ قل لا یعلم من فی السماوات والارض الغیب الا اللہ، کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں سے کوئی شخص بھی غیب کو نہیں جانتا، سوائے خدا کے۔

اور پیغمبرؐ کے بارے میں سورۂ انعام کی آیہ ۵۰ میں جو کچھ آیا ہے۔ مثلاً قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب، کہہ دیجئے میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ خدا کے خزانے میرے پاس ہیں، اور میں غیب کو نہیں جانتا۔

اور سورۂ اعراف کی آیہ ۱۸۸ میں آیا ہے: ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر: "اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو میں بہت سی خیر فراہم کر لیتا" اور آخر میں سورۂ یونس کی آیہ ۲۰ میں یہ آیا ہے، فقل انما الغیب للہ

---

[1] بہت سے مفسرین نے "لیعلم" کی ضمیر کو پیغمبر اسلامؐ کی طرف لوٹایا ہے اور انھوں نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا اسرار وحی و رسالت کے لیے محافظ اور نگہبان قرار دیتا ہے، تاکہ پیغمبرؐ جان لے کہ انھوں نے وقت کے ساتھ، وحی الٰہی کو اس کے پاس پہنچا دیا ہے اور کسی قسم کا شک خود تردد وحی الٰہی کی اصالت میں نہ کرے لیکن یہ تفسیر۔ اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ رسالت تو پیغمبر کا کام ہے، نہ کہ فرشتوں کا، اور "رسول" کی تعبیر گزشتہ آیت میں اور "رسالات" کی تعبیر چند گزشتہ آیات میں، خود پیغمبرؐ کی ذات کے بارے میں آئی ہے۔ بعید نظر آتی ہے، اور حق وہی پہلی تفسیر ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"کہہ دیجیے کہ غیب تو خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے"۔

اور اسی قسم کی دوسری آیات ۔

دوسرا حصہ ان آیات کا ہے جو وضاحت کے ساتھ بتاتی ہیں کہ اولیاء خدا " اجمالی طور پر" علم غیب سے آگاہی رکھتے تھے، جیسا کہ آل عمران کی آیہ ۱۷۹ میں آیا ہے، وما کان الله لیطلعکم علی الغیب ولکن الله یجتبی من رسله من یشاء خدا تم لوگوں کو اپنے غیب سے آگاہ نہیں کرے گا لیکن خدا اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب کے لیے) منتخب کر لیتا ہے (اور اسرار غیب کا ایک حصہ انھیں عطا کر دیتا ہے) ۔

اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزات میں بیان ہوا ہے کہ انھوں نے فرمایا: وانبئکم بما تأکلون و ما تدخرون فی بیوتکم: " میں تمھیں اس کی جو تم کھاتے ہو یا اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، خبر دیتا ہوں"۔ (آل عمران ـــــ ۴۹)

زیر بحث آیت بھی، اس استثناء کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جو اس میں آیا ہے، اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ خدا علم غیب کا ایک حصہ اپنے برگزیدہ رسولوں کو عطا فرماتا ہے (کیونکہ نفی سے استثناء ہمیشہ اثبات ہوتا ہے) ۔

دوسری طرف قرآن کی وہ آیات جو غیب کی خبروں پر مشتمل ہیں، وہ بھی کم نہیں ہیں۔ مثلاً سورہ روم کی دوسری آیت سے لے کر چوتھی تک غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین:

" رومی مغلوب ہو گئے ہیں، اور یہ شکست نزدیک کی سرزمین میں واقع ہوئی ہے، لیکن وہ اس مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب ہوں گے، چند ہی سالوں کے اندر اندر"۔ اور سورہ قصص کی آیت ۸۵ جو کہتی ہے: ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد، " وہ ہستی جس نے قرآن کو تجھ پر فرض کیا ہے، وہ تجھے تیری جگہ (مکہ) کی طرف دوبارہ پلٹائے گا"۔

اور سورہ فتح کی آیہ ۲۷ جو کہتی ہے، لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله اٰمنین، " انشاء اللہ تم مسجد الحرام میں انتہائی امن وامان کے ساتھ، داخل ہو گے"۔

اور اسی قسم کی دوسری آیات ۔

اصولی طور پر آسمانی وحی جو پیغمبروں پر نازل ہوتی ہے، ایک قسم کا غیب ہی ہے جو انھیں عطا کیا جاتا ہے۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ غیب سے آگاہی نہیں رکھتے جبکہ ان کے اوپر وحی نازل ہوتی ہے ۔

ان سب باتوں سے قطع نظر ہمارے پاس بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ معصومین اجمالی طور پر غیب کا علم رکھتے تھے اور بعض اوقات اس کی خبر دیا کرتے تھے۔ مثلاً فتح مکہ کی داستان اور " حاطب بن ابی بلتعہ" کے واقعہ میں جس میں مکہ کے لوگوں کو خط لکھا تھا اور وہ خط مشرکین مکہ کے پاس پہنچانے کے لیے " سارہ" نامی عورت کے حوالے کیا گیا تھا، تاکہ وہ انھیں لشکر اسلام کے قریب الوقوع حملے سے آگاہ کر دے۔ اور وہ عورت اس خط کو اپنے گیسوؤں کے درمیان چھپا کر مکہ کی طرف چل پڑی تھی۔ پیغمبرؐ نے علیؑ اور کچھ دوسرے مسلمانوں کو اس کے پیچھے بھیجا، اور فرمایا: تمھیں ایک منزل گاہ پر جس کا نام روضہ " خاخ" ہے ایک عورت ملے گی جس کے پاس " حاطب" کا خط ہے، جو مشرکین مکہ کے نام ہے، تم اس سے وہ خط لے لو، جب وہ سب کے سب وہاں پہنچے تو انھیں وہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عورت مل گئی، شروع میں اس نے سختی کے ساتھ انکار کیا، لیکن آخر کار اس نے اعتراف کر لیا اور انھوں نے وہ خط اس سے لے لیا[1]

اس کے علاوہ جنگِ "موتہ" کا واقعہ اور جعفر اور لشکرِ اسلام کے بعض دوسرے کمانڈروں کی شہادت کی خبر دینا۔ جبکہ پیغمبر نے مدینہ میں مسلمانوں کو اسی لمحہ میں، جبکہ یہ واقعہ رونما ہوا تھا، خبر دی تھی[2] اور اس قسم کے اخبارِ غیب کی مثالیں پیغمبرؐ کی زندگی میں کم نہیں ہیں۔

نہج البلاغہ میں بھی آئندہ کے واقعات کی بہت سی پیشین گوئیاں نظر آتی ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ علیؑ ان اسرارِ غیب کو جانتے تھے، مثلاً وہ باتیں جو خطبہ ۱۳ میں اہلِ بصرہ کی مذمت میں بیان ہوئی ہیں۔ جس میں آپ فرماتے ہیں:

كانى بمسجدكم كجؤجؤ سفينة قد بعث الله عليها العذاب من فوقها ومن تحتها وغرق من فى ضمنها

"گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان و زمین سے خدا کا عذاب تم پر نازل ہو رہا ہے اور تم سب کے سب اس میں غرق ہو گئے ہو، صرف تمھاری مسجد کی چوٹی کشتی کے سینہ کی طرح پانی کے اوپر نمایاں ہے"۔

اور دوسری روایات میں بھی جو علماء نے اہلِ سنت اور شیعہ کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ آئندہ کے واقعات کے بارے میں آنحضرتؐ سے بہت سی پیشین گوئیاں آئی ہیں، جیسا کہ "حجر بن قیس" کے بارے میں ہے کہ آپ نے فرمایا: تجھے میرے بعد لعنت کرنے پر مجبور کریں گے[3]

اور جو کچھ آپ نے "مروان" کے بارے میں فرمایا کہ وہ بڑھاپے کے بعد ضلالت و گمراہی کا پرچم کندھے پر اٹھائے گا[4]

اور جو کچھ "کمیل بن زیاد" نے حجاج سے کہا تھا کہ امیر المومنین علیؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ تو میرا قاتل ہے[5]

اور جو کچھ آپ نے خوارج نہروان کے بارے میں فرمایا تھا، کہ ان سے جنگ میں ہمارے گروہ کے دس آدمی بھی نہیں مارے جائیں گے، اور ان میں سے دس آدمی بھی نجات نہیں پائیں گے اور حقیقتاً اسی طرح واقع ہوا[6]

اور جو کچھ امام حسینؑ کی قبر کی جگہ کے بارے میں سرزمینِ کربلا کے قریب سے عبور کے وقت "اصبغ بن نباتہ" سے فرمایا[7]

کتاب فضائل الخمسہ میں، اہلِ سنت کی کتابوں سے علیؑ کے علم کی حد سے زیادہ وسعت کے بارے میں، بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں، ان سب کا یہاں بیان طول کا باعث ہوگا[8]

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل حوالے کے ساتھ اسی جلد میں سورۂ ممتحنہ کی تفسیر میں ہے۔

[2] "کامل ابن اثیر" جلد ۲ ص ۲۳۷ (واقعہ غزوۂ موتہ)

[3] مستدرک صحیحین جلد ۲ ص ۳۵۸

[4] طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۳۰

[5] الاصابہ ابن حجر، جلد ۵ قسم ۲ ص ۲۲۵

[6] "ہیثمی" نے "مجمع" جلد ۶ ص ۲۴۱ پر

[7] "الریاض النضرۃ" جلد ۲ ص ۲۲۲

[8] "فضائل الخمسہ" جلد ۲ ص ۲۲۳ تا ۲۵۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اہلِ بیت کی روایات میں بھی متعدد حدیثوں میں آئمہ معصومین کے لیے علم غیب کا اشارہ ہوا ہے۔ منجملہ ان کے کتاب کافی جلد اوّل کے متعدد ابواب میں اس بارے میں تصریح یا اشارے نظر آتے ہیں۔

مرحوم علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی جلد ۲۶ میں، اس سلسلہ میں بہت سی احادیث جو ۲۲ حدیثوں تک پہنچتی ہیں نقل کی ہیں۔ مجموعی طور پر پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ معصومین کے لیے اسرارِ غیب سے آگاہی کے سلسلہ میں روایات حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔

اب بحث صرف یہ ہے کہ ان روایات و آیات کے درمیان، جن میں سے بعض غیر خدا سے علم غیب کی نفی کرتی ہیں اور بعض اثبات کرتی ہیں کس طرح جمع کی جائے؟

یہاں جمع کے لیے مختلف طریقے موجود ہیں۔

جمع کے طریقوں میں سے مشہور ترین طریقہ یہ ہے کہ علم غیب کے خدا کے ساتھ اختصاص سے مراد علم ذاتی و استقلالی ہے۔ اس بناء پر اس کا غیر مستقل طور پر ہرگز علم غیب سے آگاہی حاصل نہیں کرسکتا، اور ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور اس کے الطاف و عنایت کے طفیل ہے اور تبعی جنبہ رکھتا ہے۔

اس جمع کا شاہد یہی زیرِ بحث آیت ہے، جو کہتی ہے: خدا کسی کو بھی اپنے اسرارِ غیب سے آگاہ نہیں کرتا، مگر وہ رسول جس سے وہ راضی ہے۔

"نہج البلاغہ" میں بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ جب علیؑ آئندہ کے واقعات کی خبر دے رہے تھے (اور اسلامی ممالک پر مغلوں کے حملہ کی پیشین گوئی کر رہے تھے) اور آپ کے اصحاب میں سے ایک نے عرض کیا: اے امیر المومنین کیا آپ علم غیب جانتے ہیں؟ حضرت ہنسے اور فرمایا:

لیس ھو بعلم غیب، و انما ھو تعلم من ذی علم

"یہ علم غیب نہیں ہے، یہ ایک ایسا علم ہے جو صاحب علم (پیغمبرؐ) سے میں نے حاصل کیا ہے"[1]

اس جمع کو بہت سے علماء و محققین نے قبول کیا ہے۔

۲۔ اسرارِ غیب دو قسم کے ہیں، ایک قسم تو خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اور اس کے علاوہ اسے کوئی نہیں جانتا۔ مثلاً قیامِ قیامت اور اسی قسم کے دوسرے امور، اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس کی وہ انبیاء و اولیاء کو تعلیم دیتا ہے۔ جیسا کہ نہج البلاغہ میں اسی خطبہ کے ذیل میں جس کی طرف اوپر اشارہ ہوا ہے۔ آیا ہے کہ:

وانما علم الغیب علم الساعة و ما عدده الله سبحانه بقوله: ان الله عنده علم الساعة، و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام، و ما تدری نفس ماذا تکسب غدا و ما تدری نفس بای ارض تموت

"علم غیب تو صرف قیامت کا علم ہے اور وہ ہے جسے خدا نے اس آیت میں شمار کیا ہے، جیسا کہ فرماتا

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے: قیامت کے وقت سے آگاہی خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہی بارش کو نازل کرتا ہے، اور جو کچھ ماؤں کے رحم میں ہے، اسے جانتا ہے اور کوئی بھی شخص یہ نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا۔ اور کس سرزمین میں مرے گا"۔

اس کے بعد امام نے اس معنی کی تشریح میں مزید فرمایا:

"خداوند اس سے جو رحموں میں برقرار ہے، آگاہ ہے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی، بدصورت ہے یا خوبصورت، سخی ہے یا بخیل، سعادت مند ہے یا شقی و بدبخت، اہل دوزخ ہے یا اہل جنت؟......... یہ سب علوم غیب ہیں، جنھیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور ان کے علاوہ وہ علوم ہیں جن کی خدا نے اپنے پیغمبر کو تعلیم دی ہے اور انھوں نے ان کی مجھے تعلیم دی ہے"[1]

۲۔ ان دونوں قسم کی آیات و روایات کے درمیان جمع کرنے کا ایک دوسرا راستہ یہ ہے کہ اسرار غیب دو جگہ ثبت ہیں "لوح محفوظ" (علم خدا کے مخصوص خزانہ) ہیں، جس میں کسی قسم کی تبدیلی اور تغیر رونما نہیں ہوتا، اور اس سے کوئی بھی شخص آگاہ نہیں ہے اور (لوح محو و اثبات) جو مقتضیات کا علم ہے نہ کہ علت تامہ کا۔ اور اسی بناء پر وہ تغیر اور تبدیلی کے قابل ہے اور جسے دوسرے نہیں جانتے وہ اسی حصے سے مربوط ہے۔

اسی لیے ایک حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

ان اللّٰہ علمًا لم یعلمہ الّا ھو، وعلمًا اعلمہ ملائکتہ ورسلہ فما اعلمہ ملائکتہ وانبیاءہ ورسلہ فنحن نعلمہ

"خدا کا ایک علم تو ایسا ہے جسے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ اور ایک علم ایسا ہے جس سے اس نے فرشتوں اور انبیاء کو آگاہ کیا ہے، جو کچھ اس نے فرشتوں، انبیاء اور رسولوں کو دیا ہے، اسے ہم بھی جانتے ہیں"[2]

امام علی بن الحسینؑ سے بھی نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

لولا اٰیۃ فی کتاب اللّٰہ لحدثتکم بما کان وما یکون الٰی یوم القیامۃ! فقلت لہ ایۃ اٰیۃ؟ فقال قول اللّٰہ: یمحوا اللّٰہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب

"اگر قرآن مجید میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں تمھیں اس سے بھی جو کہ پہلے گزر چکا ہے، اور ان واقعات کی بھی جو قیامت تک ہونے والے ہیں خبر دے دیتا، راوی کہتا ہے، میں نے کہا: وہ کون سی آیت ہے؟

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۸

[2] بحار الانوار جلد ۲۶ ص ۱۶۰ (حدیث ۵) اس سلسلہ میں دوسری متعدد روایات بھی اس ماخذ میں نقل ہوئی ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فرمایا: خدا فرماتا ہے: یمحوا الله ما یشاء (خدا جس چیز کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے، اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے)، ام الکتاب (اور لوح محفوظ) اسی کے پاس ہے"۔[1]

اس جمع کے مطابق علوم کی تقسیم ان کے حتمی و یقینی ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد پر ہے، اور گزشتہ جمع میں معلومات کی مقدار کی بنیاد پر ہے۔ (غور کیجیے)

۴۔ ایک دوسرا احتمال یہ ہے کہ خدا تو تمام اسرار غیب سے بالفعل آگاہ ہے، لیکن انبیاء و اولیاء ممکن ہے بہت سے اسرار غیب کو بالفعل نہ جانتے ہوں، لیکن جب وہ ارادہ کرتے ہیں تو خدا انھیں ان کی تعلیم دے دیتا ہے، اور یقیناً یہ ارادہ بھی خدا کے اذن و رضا سے ہی انجام پاتا ہے۔

اس بناء پر ان آیات و روایات میں جمع، جو یہ بتلاتی ہیں کہ وہ نہیں جانتے، تو وہ بالفعل نہ جاننے کی طرف اشارہ ہے، اور جو یہ کہتی ہیں کہ وہ جانتے ہیں وہ ان کے جاننے کے امکان کی طرف اشارہ ہے

اس کی مثال ٹھیک اس طرح ہے کہ کوئی شخص ایک خط کسی آدمی کو دے کر وہ اسے دوسرے تک پہنچا دے، تو یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے خط کے مضمون کا کوئی علم نہیں ہے، حالانکہ وہ خط کو کھول کر پڑھ سکتا ہے۔ کبھی تو صاحب خط نے اسے مطالعہ کی اجازت دی ہوئی ہوتی ہے، اس صورت میں اسے ایک لحاظ سے خط کے مضمون کا عالم سمجھا جا سکتا ہے اور کبھی اسے اجازت دی ہوئی نہیں ہوتی۔

اس جمع کی شاہد وہ روایات ہیں جو کتاب کافی کے ایک باب میں "ان الائمة اذا شاؤا ان یعلموا علموا: "آئمہ جب کسی چیز کو جاننا چاہتے ہیں تو انھیں اس کا علم دے دیا جاتا ہے" کے عنوان کے تحت وارد ہوئی ہیں:[2]

منجملہ ان کے ایک حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

اذا اراد الامام ان یعلم شیئا اعلمه الله بذالك

"جب امام کسی چیز کو جاننا چاہتا ہے تو خدا اسے اس کی تعلیم دے دیتا ہے"۔

جمع کی یہ وجہ، پیغمبرؐ اور امام کے علم کے سلسلہ میں بہت سی مشکلات کو حل کر دیتی ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ اس پانی اور کھانے کو جس میں زہر ملا ہوا ہوتا ہے کس طرح کھا لیتے ہیں، حالانکہ یہ بات جائز نہیں ہے کہ انسان کوئی ایسا کام کرے جو اس کے لیے خطرے کا موجب ہو، ایسے مواقع کے لیے کہنا پڑے گا کہ پیغمبر یا امام کو اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ اس کا ارادہ کریں کہ اسرار غیب ان پر آشکار ہوں

اسی طرح بعض اوقات مصلحت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر یا امام کسی مطلب پر آگاہ نہ ہوں، یا کوئی امتحان اور آزمائش ایسی صورت پذیر ہو جو ان کے تکامل و ارتقاء کا موجب بنے، جیسا کہ "لیلة المبیت" کی داستان میں آیا ہے کہ علیؑ پیغمبرؐ کے بستر پر سو گئے، حالانکہ خود آنجناب سے نقل ہوا ہے کہ آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ صبح کے وقت جب مشرکین قریش اس بستر پر حملہ کریں گے تو شہید ہو جائیں گے یا جان سلامت رہے گی۔ یہاں مصلحت یہ ہے کہ امام اس کام کے انجام سے آگاہ نہ ہو، تاکہ خدائی آزمائش اور امتحان پیدا ہو جائے اور اگر امام جانتے کہ وہ پیغمبر کے

---

[1] نور الثقلین جلد ۲ ص ۵۱۲ (حدیث ۱۶۰)

[2] کتاب کافی باب ان الائمة اذا شاؤا ان یعلموا علموا (حدیث ۳) اسی مضمون کی دوسری روایات بھی اسی باب میں نقل ہوئی ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بستر پر سوئیں گے اور صبح کو صحیح و سالم اٹھیں گے، تو یہ کوئی فخر کی بات نہیں تھی اور آیاتِ قرآنی اور دیگر روایات میں اس اخبار و قربانی کی اہمیت کے سلسلہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے کچھ زیادہ قابلِ توجہ نظر نہیں آتا۔

ہاں علمِ ارادی کا مسئلہ، اس قسم کے تمام اشکالات و اعتراضات کا جواب ہے۔

۵۔ علمِ غیب کے سلسلہ میں مختلف روایات کے لیے جمع کی ایک اور صورت بھی موجود ہے (اگرچہ یہ راہ ان روایات کے ایک حصّہ پر بھی صادق آتی ہے) اور وہ یہ ہے کہ ان روایات میں مخاطب مختلف تھے۔ وہ لوگ جو آئمہ کے بارے میں علمِ غیب کے مسئلہ کی قبولیت کی استعداد اور قابلیت رکھتے ہیں، انہیں تو حق مطلب بیان کر دیا جاتا تھا لیکن مخالف یا ضعیف و کم استعداد افراد کے لیے سننے والے کی سمجھ کے مطابق بات کی جاتی ہے۔

مثلاً ایک حدیث میں آیا ہے کہ ابوبصیر اور امام صادقؑ کے بزرگ اصحاب میں سے کچھ اور افراد ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ امام غصہ میں بھرے ہوئے مجلس میں وارد ہوئے جب آپ بیٹھ گئے تو حاضرینِ مجلس سے فرمایا:

یا عجبا لاقوام یزعمون انا نعلم الغیب، ما یعلم الغیب الا اللّٰہ عزوجل، لقد هممت بضرب جاریتی فلانة، فهربت منی فما علمت فی ای بیوت الدار هی

"تعجب ہے کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم علمِ غیب جانتے ہیں (حالانکہ) خدا کے سوا کوئی بھی علمِ غیب نہیں جانتا۔ میں اپنی ایک کنیز کو تادیب کرنا چاہتا تھا، وہ میرے آگے سے بھاگ گئی اور مجھے یہ علم نہ ہوا کہ وہ گھر کے کس کمرے میں ہے"[1]

حدیث کا راوی کہتا ہے کہ جس وقت امام اس مجلس سے اٹھے، تو میں اور کچھ دوسرے اصحاب آپ کی منزل میں داخل ہوئے اور ہم نے کہا، ہم آپ پر قربان ہوں، آپ نے اپنی کنیز کے بارے میں اس طرح فرمایا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کے پاس بہت سے علوم ہیں۔ اور ہم علمِ غیب کا تو کوئی نام نہیں لیتے؟

امام نے اس کے بعد اس سلسلہ میں تشریح کی جس کا مفہوم اسرارِ غیب پر آپ کی آگاہی تھا۔

واضح رہے کہ اس مجلس میں کچھ ایسے افراد تھے، جو ان معانی کے ادراک اور مقامِ امام کی معرفت کے لیے ضروری استعداد نہیں رکھتے تھے۔

اس بات پر توجہ رکھنا چاہیے کہ ان پانچوں طریقوں میں آپس میں کوئی منافات نہیں ہے اور سب ہی صادق ہو سکتے ہیں۔ (غور کیجیے)

۲۔۱ ائمہ کے علمِ غیب کو ثابت کرنے کی ایک اور راہ

یہاں اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے کہ پیغمبرؐ اور آئمہ معصومین اجمالی طور پر اسرارِ غیب سے آگاہ تھے دو اور راستے بھی موجود ہیں:

---

[1] اصول کافی جلد ۱ باب نادر فیه ذکر الغیب حدیث ۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پیغمبر کی اور ان کی ماموریت کسی خاص مکان و زمان میں محدود نہیں تھی، بلکہ پیغمبر کی رسالت اور آئمہ کی امامت جہانی اور جاودانی ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اس قسم کی وسیع ماموریت اور ذمہ داری رکھتا ہو، اور وہ اپنے محدود زمانہ اور ماحول کے سوا کسی قسم کی آگاہی نہ رکھتا ہو؟ کیا وہ شخص، جو مثلاً کسی ملک کے ایک بہت بڑے حصہ کی امارت اور گورنری پر مامور ہو، اس علاقہ سے بے خبر ہو سکتا ہے اور پھر یوں وہ اپنی ماموریت کو اچھی طرح انجام دے سکتا ہے؟

دوسرے الفاظ میں: پیغمبرؐ اور امامؑ کو اپنی مدتِ حیات میں، احکام الٰہی کو اس طرح بیان و اجراء کرنا چاہیے کہ وہ ہر زمانہ اور ہر مکان کے تمام انسانوں کی ضروریات کے لیے جوابدہ ہوں اور یہ ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اسرارِ غیب کے ایک حصہ کو جانتے ہوں۔

دوسرا یہ کہ: قرآن مجید میں تین آیات ایسی ہیں کہ اگر ہم انھیں ایک دوسری کے ساتھ رکھ دیں تو اس سے پیغمبرؐ اور آئمہؑ کے علم کا مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔ پہلی یہ کہ قرآن اس شخص کے بارے میں، جو "ملکہ سبا" کا تخت آنکھ جھپکنے میں سلیمان کے پاس لے آیا (یعنی آصف بن برخیا) کہتا ہے:

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راٰہ مستقرًا عندہ قال ھٰذا من فضل ربی

"اس شخص نے، جو کتاب میں سے کچھ علم رکھتا تھا، کہا: میں اس کو آنکھ جھپکنے سے پہلے تیرے پاس لے آؤں گا جب سلیمان نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے" (نمل ـــــ ۴۰)

دوسری آیت میں یہ آیا ہے:

قل کفیٰ باللہ شھیدًا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب

"کہہ دیجیے میرے اور تمھارے درمیان گواہی کے لیے خدا اور وہ شخص جس کے پاس علم کتاب ہے کافی ہے۔" (رعد ـــــ ۴۳)

دوسری طرف بہت سی احادیث میں، جو اہل سنت اور شیعہ کتابوں میں نقل ہوئی ہیں، اس طرح آیا ہے کہ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا سے "الذی عندہ علم من الکتاب" کے معنی پوچھے، تو آپ نے فرمایا: وہ میرے بھائی سلیمان بن داؤد کا وزیر تھا تو میں نے کہا "و من عندہ علم الکتاب" کون ہے، تو آپ نے فرمایا:

ذاک اخی علی بن ابی طالب

"وہ میرے بھائی علی بن ابی طالب ہیں"[1]

اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "علم من الکتاب" جو "آصف" کے بارے میں آیا ہے، علم جزئی کو بیان کرتا ہے، اور "علم الکتاب" جو علی کے بارے میں آیا ہے، وہ علم کلی کو بیان کرتا ہے، اس سے "آصف" اور علیؑ کے مقام علمی کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔

---

[1] "احقاق الحق" جلد ۳ ص ۲۸۰-۲۸۱، اور "نور الثقلین" جلد ۲ ص ۵۲۳ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میری طرف سورۂ نحل کی آیہ ۸۹ میں آیا ہے: و نزلنا علیك الكتاب تبیانا لكل شیء ۱۶ "ہم نے قرآن کو تجھ پر نازل کیا ہے، جو ہر چیز کو بیان کرتا ہے"۔

واضح رہے کہ جو شخص اس قسم کی کتاب کے اسرار کا عالم ہو اسے غیب کے اسرار کو جاننا چاہیے اور یہ اس چیز پر ایک واضح اور آشکار دلیل ہے کہ اولیاء خدا میں سے کوئی انسان حکم خدا سے اسرار غیب پر آگاہ ہو سکتا ہے۔

علم غیب کے سلسلہ میں ہم نے سورۂ انعام کی آیہ ۵۰، ۵۹ جلد ۳ اور آیہ ۱۸۸ سورۂ اعراف جلد ۴ کے ذیل میں بھی بحث کی ہے۔

۲۔ "جن" کی خلقت کے بارے میں تحقیق

"جن" جیسا کہ اس لفظ کے لغوی مفہوم سے معلوم ہوتا ہے ایک ایسا نظر نہ آنے والا موجود ہے جس کے بہت سے مشخصات قرآن میں ذکر ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ ایک ایسا وجود ہے جو آگ کے شعلے سے پیدا ہوا ہے، انسان کے برخلاف جو مٹی سے پیدا ہوا ہے (و خلق الجان من مارج من نار) (الرحمٰن ـــــ ۱۵)

۲۔ وہ علم و ادراک اور حق و باطل کی پہچان، اور منطق و استدلال کا حامل ہے (سورۂ جن کی مختلف آیات)

۳۔ وہ تکلیف و مسؤلیت (فرائض و وظائف) رکھتا ہے، (سورۂ جن اور سورۂ رحمٰن کی آیات)

۴۔ ان میں سے ایک گروہ مومن و صالح اور ایک گروہ کافر ہے۔ (و انا منا الصالحون و منا دون ذالك) (جن ـــــ ۱۱)

۵۔ وہ حشر و نشر اور معاد و قیامت رکھتے ہیں (و اما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا) (جن ـــــ ۱۵)

۶۔ وہ آسمانوں میں نفوذ کرنے، اور وہاں سے خبریں لینے اور چوری چھپے سننے کی قدرت رکھتے تھے، لیکن پھر انہیں روک دیا گیا۔ (و انا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا) (جن ـــــ ۹)

۷۔ وہ بعض انسانوں کے ساتھ رابطہ پیدا کر لیا کرتے تھے، اور اس محدود آگاہی کے ذریعہ جو وہ بعض پوشیدہ اسرار کے بارے میں رکھتے تھے، انسانوں کو گمراہ کرتے تھے۔ (و انه كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن فزادوهم رهقا) (جن ـــــ ۶)

۸۔ ان میں کچھ ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں، جو بہت زیادہ طاقت رکھتے ہیں، جیسا کہ انسانوں میں بھی ایسے افراد ہیں (قال عفریت من الجن انا آتیك به قبل ان تقوم من مقامك) "ایک سرکش جن نے سلیمان سے کہا: میں ملکہ سبا کا تخت، اس سے پہلے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھے (دربار برخاست کرکے) اس کی سرزمین سے یہاں لے آؤں گا"۔ (نمل ـــــ ۳۹)

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۹۔ وہ انسانوں کے بعض ضروری کاموں کے انجام دینے کی قدرت رکھتے ہیں (ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ.... یعملون لہ مایشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب) "جنات کا ایک گروہ خدا کے حکم سے سلیمان کے سامنے کام کیا کرتا تھا اور اس کے لیے..... عبادت خانے، تصویریں اور بڑے بڑے برتن تیار کیا کرتے تھا" (سبا ـــــ ۱۲، ۱۳)

۱۰۔ ان کی خلقت روئے زمین پر انسانوں کی خلقت سے پہلے تھی (والجان خلقناہ من قبل) (حجر ـــــ ۲۷) اور کچھ دوسری خصوصیات۔

اس کے علاوہ قرآنی آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ عام لوگوں میں مشہور ہے اور وہ انھیں "ہم سے بہتر" سمجھتے ہیں، اس کے برخلاف انسان ایک ایسی نوع ہے جو ان سے بہتر اور برتر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام خدائی پیغمبر انسانوں میں سے انتخاب ہوئے، اور وہ پیغمبر اسلام پر جو نوع بشر میں سے تھے، ایمان لائے اور آپ کی تبعیت اور پیروی کی، اور اصولی طور پر شیطان پر آدم کے سامنے سجدہ کا واجب ہونا جو قرآن کی تصریح کے مطابق اس وقت گروہ جن (کے بزرگوں) میں سے تھا۔ (کہف ـــــ ۵۰) نوع انسان کی جن پر فضیلت پر دلیل ہے۔

یہاں تک تو ان مطالب سے گفتگو تھی، جو قرآن مجید سے، اس نظر نہ آنے والے موجود کے بارے میں معلوم ہوتے ہیں، جو ہر قسم کی بے ہودگی اور غیر علمی مسائل سے خالی ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ عامۃ الناس نے بہت سی خرافات اس موجود کے بارے میں گھڑی ہوئی ہیں۔ جو عقل و منطق کے ساتھ سازگار نہیں ہیں اور اسی بناء پر ایک خرافاتی اور غیر منطقی چہرہ اس موجود کو دیا گیا ہے کہ جونہی لفظ "جن" بولا جاتا ہے تو چند ایک خرافات بھی اس کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ انھیں عجیب و غریب اور دہشت ناک شکلوں اور دم دار و سُمدار اور ویرانہ آثار، کینہ پرور و بد رفتار سمجھتے ہیں جو گرم پانی کے ایک برتن کو کسی خالی جگہ میں انڈیلنے سے گھروں کو آگ لگا سکتے ہیں۔ اور اسی قسم کے دوسرے موہومات۔

حالانکہ اگر وجود جن کو ان خرافات سے الگ کیا جائے تو اصل مطلب مکمل طور پر قابلِ قبول ہے، کیونکہ زندہ موجودات کے صرف ان ہی چیزوں میں منحصر ہونے پر، جنھیں ہم دیکھتے ہیں، کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ علماء اور علوم طبیعی کے ماہرین کہتے ہیں کہ وہ موجودات، جنھیں انسان اپنے حواس کے ساتھ درک کر سکتا ہے، ان موجودات کے مقابلہ میں، جو حواس کے ساتھ قابلِ ادراک نہیں ہیں کچھ بھی نہیں ہیں۔

ان آخری ایام تک جب تک کہ خورد بین سے زندہ موجودات کا انکشاف نہیں ہوا تھا، کوئی شخص یہ یقین نہیں کرتا تھا کہ پانی کے ایک قطرہ میں، یا خون کے ایک قطرہ میں ہزاروں زندہ جاندار موجود ہیں، جن کو دیکھنے کی انسان میں قدرت نہیں ہے۔

نیز ماہرین کہتے ہیں: ہماری آنکھ نہ صرف محدود رنگوں کو ہی دیکھتی ہے، اور ہمارا کان محدود صوتی امواج کو ہی سنتا ہے، وہ رنگ اور آوازیں جو ہماری آنکھ اور کان سے قابلِ ادراک نہیں ہیں، ان سے بہت ہی زیادہ ہیں جو قابلِ ادراک ہیں۔

جب عالم کی وضع و کیفیت اس طرح کی ہو، تو پھر کون سی تعجب کی بات ہے، کہ انواع و اقسام کے زندہ موجودات اس عالم میں موجود ہوں، جنھیں ہم اپنے حواس کے ساتھ درک نہ کر سکتے ہوں، اور جب پیغمبر اسلام جیسا مخبر صادق ان کے متعلق خبر دے، تو ہم

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسے قبول کیوں نہ کریں؟

بہرحال ایک طرف تو قرآن نے، جو کلام ناطق صادق ہے، جنات کے وجود کی ان خصوصیات کے ساتھ۔ جو اوپر ذکر ہوئی ہیں، خبر دی ہے۔ اور دوسری طرف کوئی عقلی دلیل اس کی نفی پر موجود نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو قبول کر لینا چاہیئے اور غلط و ناروا توجیہات سے بچنا چاہیے، اور اسی طرح سے عوام کے خرافات سے اس سلسلہ میں اجتناب کرنا چاہیے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ " جن " کبھی ایک زیادہ وسیع مفہوم پر بولا جاتا ہے، جو نظر نہ آنے والے کئی موجودات کے انواع کو شامل ہے۔ عام اس سے کہ وہ عقل و ادراک کے حامل ہوں یا عقل و ادراک نہ رکھتے ہوں۔ یہاں تک کہ حیوانات کا وہ گروہ بھی، جو آنکھ سے نظر آتا ہے اور عام طور پر گھونسلوں میں چھپا رہتا ہے، اس وسیع معنی میں داخل ہے۔

اس بات کی شاہد وہ روایت ہے جو پیغمبرؐ سے نقل ہوئی ہے، آپ نے فرمایا:

خلق الله الجن خمسة اصناف، صنف كالريح فى الهواء، وصنف حيات وصنف عقارب، وصنف حشرات الارض، وصنف كبنى أدم عليهم الحساب والعقاب

" خدا نے جنوں کو پانچ اقسام میں پیدا کیا ہے: ایک صنف تو ہوا کی طرح فضا میں ہے (جو نظر نہیں آتی)، ایک صنف سانپوں کی صورت میں ہے، ایک صنف بچھوؤں کی صورت میں ہے، ایک صنف حشرات زمین ہیں اور ایک صنف ان میں سے انسان کی مانند ہے، جس پر حساب و عتاب ہے[1]"

اس روایت اور اس کے وسیع مفہوم کی طرف توجہ کرتے ہوئے بہت سی مشکلات، جو روایات و حکایات میں، جنات کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں، حل ہو جائیں گی۔

مثلاً بعض روایات میں امیرالمومنین علیؑ سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

لا تشرب الماء من ثلمة الاناء ولا من عروته فان الشيطان يقعد على العروة والثلمة

برتن کے ٹوٹے ہوئے حصّہ اور اس کے دستے والی طرف سے پانی نہ پیؤ، کیونکہ شیطان اس کے دستہ اور ٹوٹے ہوئے حصّہ پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے[2]

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "شیطان" "جنوں" میں سے ہے، اور اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ برتن کی ٹوٹی ہوئی جگہ، اور اسی طرح اس کا دستہ انواع و اقسام کے جراثیم کی اجتماع کی جگہ ہوتا ہے۔ یہ بعید نظر نہیں آتا کہ " جن و شیطان " عام مفہوم کے لحاظ سے اس قسم کے موجودات کو بھی شامل ہوں۔ اگرچہ اس کا ایک خاص معنی بھی ہے، جو ایک ایسا موجود ہے جو فہم و شعور اور مسئولیت و

---

[1] " سفینۃ البحار" جلد اول ص ۱۰۶ (مادہ جن)

[2] " کتاب کافی" جلد ۶ ص ۳۸۵ کتاب الاشربہ باب الاوانی حدیث ۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ب (فرائض ووظائف) رکھتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں روایات بہت زیادہ ہیں ۔[1]

پروردگار! اس دن جس میں جن وانس تیری دادگاہ عدل میں حاضر ہوں گے، اور سب بدکار اپنے کیے پر پشیمان ہوں گے، تو ہمیں اپنے لطف میں قرار دے۔

خداوندا! تیرے ملک کا دامن وسیع اور کشادہ ہے اور ہماری معلومات اور ہماری معرفت محدود ہے، ہمیں لغزشوں، خطاؤں اور غیر حق بات کرنے سے مصئون ومحفوظ رکھ۔

بارِ الہا! تیرے پیغمبر کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس کی دعوت کو انسانوں کے علاوہ جن وپری نے بھی قبول کیا ہے، ہمیں اس کی دعوت پر ایمان لانے والوں میں سے قرار دے۔

آمین یا رب العالمین

اختتام سورۂ جن

بروز جمعہ ۲۱ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ

۱۳۶۵/۶/۴

اختتام ترجمہ

بروز جمعہ یکم صفر ۱۴۰۸ھ

مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۸۷ء

بوقت تقریباً ساڑھے پانچ بجے صبح

۱۸ رای ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور

---

[1] کتاب "اولین دانشگاہ و آخرین پیغمبر" کی پہلی جلد میں اس سلسلہ میں تقریباً تیس روایات جمع کی گئی ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ مزمل

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی

اور

اس کی بیس ۲۰ آیات ہیں

تاریخ شروع

۲۲ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ

۱۳۶۵/۷/۵

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com   http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ مزمل کے مضامین و مطالب

سورہ کی آیات کا لب ولہجہ یہ بتاتا ہے کہ یہ "مکی" سورتوں کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اس طرح اس کے "مدینہ" میں نزول کا احتمال، جیسا کہ بعض نے کہا ہے، بعید نظر آتا ہے۔ لیکن آغاز و انجام کی آیات کے لب ولہجہ کا فرق یہ بتاتا ہے کہ ان آیات کے درمیان قابلِ ملاحظہ زمانہ کا فاصلہ تھا۔ جیسے بعض مفسرین نے "آٹھ ماہ" بعض نے "ایک سال" اور بعض نے "دس سال" تک کہا ہے۔[1]

اس سورہ کی بہت سی آیات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ اس وقت نازل ہوا جب پیغمبر اپنی اعلانیہ دعوت کا آغاز کر چکے تھے اور مخالفین آپ کے مقابلہ میں مخالفت اور تکذیب کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا پیغمبر کو یہ حکم ملتا ہے کہ اس مرحلہ میں نرمی اور مدارات سے کام لیں۔

اس لیے یہ احتمال کہ تمام سورہ پیغمبر کی دعوت کے آغاز میں نازل ہوا ہے، بہت بعید نظر آتا ہے۔ ممکن ہے اس کی ابتدائی آیات اس طرح کی ہوں، لیکن مجموعی طور پر اس کی تمام آیات اس طرح کی نہیں ہیں، کیونکہ اس کی تعبیریں، اسلام کے پھیلنے اور کم از کم کچھ حد تک مخالفین کی مخالفت اور مبارزہ کے لیے قیام کی نشاندہی کرتی ہے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ آغازِ دعوت کے تین سالوں میں، اسی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

وہ شانِ نزول، جو اس سورہ یا اس کی آیات کے ایک حصہ کے لیے، روایات میں بیان کی گئی ہے وہ بھی مختلف ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ جب پیغمبر پر سب سے پہلی وحی ہوتی اور پیغامِ الٰہی پہنچا، آپ وحشت زدہ ہو کر خدیجہ کے پاس آئے (چونکہ جسمانی ناراحتی محسوس کر رہے تھے لہٰذا کچھ آرام کرنا چاہا) اور فرمایا: "مجھے کوئی کپڑا اوڑھا دو" اس موقع پر جبرئیل نازل ہوئے اور "یا ایھا المزمل" کا پیغام پیغمبر کے لیے لائے۔[2]

جبکہ دوسری روایات میں یہ آیا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ پیغمبر اپنی دعوت کو آشکار اور ظاہر کر چکے تھے، اور "قریش" "دارالندوہ" میں جمع ہوئے تاکہ وہ پیغمبر کے معاملہ میں غور و فکر کریں اور ان سے مقابلہ کرنے کے لیے کسی نام اور شعار (نعرہ) کا انتخاب کریں، بعض نے کہا کہ وہ "کاہن" ہے، لیکن ایک گروہ نے اس پیش نہاد کی مخالفت کی، بعض دوسروں نے کہا وہ "مجنون" ہے۔ لیکن پھر ایک گروہ نے مخالفت کی بعض نے "ساحر" کے عنوان کو ترجیح دی، تو اسے بھی انھوں نے قبول نہ کیا۔

آخر کار انھوں نے کہا، جو کچھ بھی ہے "وہ دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتا ہے (اس بناء پر ساحر ہے) اس کے بعد مشرکین اس جلسے

---

[1] تفسیر "درالمنثور" جلد ۶ ص ۲۷۶ و "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۷۷
[2] "روح المعانی" جلد ۲۸ ص ۱۰۱ اور نورالثقلین جلد ۵ ص ۴۴۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

منتشر ہو گئے۔

یہ بات پیغمبر تک پہنچی تو آپؐ نے اپنے آپ کو ایک چادر میں لپیٹ لیا (اور آرام کرنے لگے) اس وقت جبرئیل آئے "یاایھا المزمل" اور "یاایھا المدثر" کو آپ کے پاس آکر پڑھا۔ [1]

نتیجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے، یہ سورہ ظاہراً مکہ میں نازل ہوئی ہے، اور یقینی طور پر اس کا ایک حصّہ اسلام کے اعلانیہ اظہار، اور نسبتاً مکہ میں نفوذ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ سورہ کی کچھ ابتدائی آیات اوائل بعثت میں نازل ہوئی ہوں۔

بہر حال اس سورہ کے مضامین کو پانچ حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا حصّہ:۔ سورہ کی ابتدائی آیات ہیں، جو پیغمبرؐ کو عبادت اور تلاوت کے لیے رات کو قیام کی دعوت دیتی ہیں، اور ایک سنگین اور سخت پروگرام کو قبول کرنے کے لیے آمادگی پر آمادہ کرتی ہیں۔

دوسرا حصّہ:۔ انھیں صبر و شکیبائی اور اس خاص علاقہ میں مخالفین کے ساتھ مقاومت و مقابلہ اور مدارات و نرمی کی دعوت دیتا ہے۔

تیسرے حصّہ میں:۔ معاد و قیامت کے بارے میں مباحث ہیں، اور موسیٰ بن عمران کو فرعون کی طرف بھیجنے اور اس کی سرکشی اور پھر اس کے دردناک عذاب کو بیان کیا گیا ہے۔

چوتھے حصّہ میں:۔ ان سخت احکام کو، جو سورہ کی ابتداء میں، رات کے وقت قیام کے سلسلہ میں آئے تھے مسلمانوں کی مشکلات کی بناء پر ان میں تخفیف کرتا ہے۔

اور پانچویں حصّہ میں:۔ یعنی اس سورہ کے آخری حصّہ میں دوبارہ تلاوت قرآن، نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور استغفار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اسلامؐ سے آیا ہے:

من قرأ سورۃ المزمل رفع عنہ العسر فی الدنیا والاٰخرۃ

"جو شخص سورہ مزمل کو پڑھے گا تو دنیا و آخرت کی سختیاں اس سے اٹھ جائیں گی۔" [2]

---

[1] "نور الثقلین" جلد ۶ ص ۲۷۶

[2] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۲۷۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور ایک دوسری حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

من قرأ سورة المزمل فی العشاء الآخرة او فی آخر اللیل کان له اللیل والنهار شاهدین مع السورة واحیاه الله حیاة طیبة واماته میتة طیبة

"جو شخص سورۂ مزمل کو دوسری نماز عشاء (نماز عشاء ہی مراد ہے، کیونکہ بعض اوقات مغرب کو پہلی عشاء کہا جاتا ہے) یا آخر شب میں پڑھے، تو رات اور دن اور اسی طرح یہ سورہ قیامت کے دن اس کے گواہ ہوں گے اور خدا اسے پاکیزہ زندگی اور پاکیزہ موت دے گا"[1]

یقیناً یہ عظیم فضائل اس صورت میں ہیں جبکہ سورت کے مضامین، رات کے قیام، قرآن کی تلاوت، صبر و استقامت، ایثار و قربانی اور انفاق پر عمل کیا جائے گا نہ کہ وہ تلاوت جو عمل سے خالی ہو۔

---

[1] مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۳۷۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱۔ يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ

۲۔ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ

۳۔ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ

۴۔ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ

۵۔ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا

ترجمہ

رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے

۱۔ اے اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے۔

۲۔ رات کو، تھوڑے سے حصّہ کے سوا، قیام کیا کر۔

۳۔ آدھی رات یا اس میں سے تھوڑا کم کر دے۔

۴۔ یا آدھی رات پر کچھ اضافہ کرے، اور قرآن کو دقّت و تامل کے ساتھ پڑھا کر۔

۵۔ کیونکہ ہم عنقریب ایک سنگین و ثقیل بات کا تجھ پر القاء کریں گے۔

تفسیر

اے اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے کھڑا ہو جا

جیسا کہ اس سورۃ کے آغاز کے لب و لہجہ سے پتہ چلتا ہے، یہ پیغمبر کو استقامت کے لیے اور ایک عظیم و سنگین ذمہ داری کو قبول کرنے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے لیے آمادگی کی ایک آسمانی دعوت ہے کہ جسے پہلے سے خود کو تیار کیے بغیر انجام دینا ممکن نہیں ہے، فرماتا ہے: "اے اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے" (یا ایہا المزمل)[۱]۔

"رات کو تھوڑے سے حصہ کے سوا قیام کیا کر" (قم الیل الا قلیلا)۔

"آدھی رات یا اس میں سے تھوڑا سا کم کر دے" (نصفہ او انقص منہ قلیلا)۔

"یا آدھی رات پر کچھ اضافہ کر دے" (او زد علیہ)۔
"اور قرآن کو انتہائی غور و خوض سے اور انتہائی وضاحت و صفاوت کے ساتھ تلاوت کیا کر" (ورتل القرآن ترتیلا)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان آیات میں مخاطب پیغمبرؐ ہیں لیکن "یا ایہا الرسول" اور "یا ایہا النبی" کے عنوان سے نہیں بلکہ "یا ایہا المزمل" کے عنوان سے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اپنے اوپر کپڑا لپیٹ کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ رہنے کا دور نہیں ہے، بلکہ یہ کھڑے ہونے اور خود کو تیار کرنے اور عظیم رسالت کو انجام دینے کے لیے آمادگی کا دور ہے۔

اور اس کام کے لیے رات کا انتخاب اس بناء پر ہے کہ:
اولاً دشمنوں کی آنکھ اور کان نیند کی حالت میں ہیں، اور
ثانیاً زندگی کے کاروبار بند ہیں، اور اس بناء پر انسان غور و فکر اور تربیت نفس کے لیے زیادہ سے زیادہ آمادگی رکھتا ہے۔

اسی طرح اس پروگرام کے لیے متن اصلی کے عنوان سے "قرآن" کا انتخاب اس بناء پر ہے کہ یہ اس سلسلہ کے تمام ضروری اسباق کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور یہ ایمان کی تقویت، استقامت، تقویٰ اور پرورش نفوس کا بہترین وسیلہ ہے۔

"ترتیل" کی تعبیر جو اصل میں منظوم "تنظیم" و "ترتیب" کے معنی میں ہے اور یہاں آیات قرآنی کو تانی (ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا) ضروری نظم، حروف کی صحیح ادائیگی، الفاظ کو وضاحت کے ساتھ پڑھنا، آیات کے مفاہیم میں دقت و تامل اور اعمال کے نتائج میں غور و فکر کرنا ہے۔

واضح رہے کہ قرآن کی اس طرح سے تلاوت انسان کو معنوی نشوونما، اخلاقی شہامت اور تقویٰ و پرہیزگاری سرعت کے ساتھ بخش سکتی ہے اور اگر بعض مفسرین نے اس کی نماز پڑھنے کے معنی میں تفسیر کی ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کا ایک اہم حصہ "تلاوت قرآن" کیا ہے۔

"قم اللیل" کے جملہ میں "قیام" کی تعبیر، سونے کے مقابلہ میں کھڑا ہونے کے معنی میں ہے، نہ کہ صرف پاؤں پر

---

[۱] "مزمل" اصل میں "متزمل" تھا۔ "تزمل" کے مادہ سے جس کا معنی اپنے اوپر کپڑا لپیٹنا ہے اور "زمیل" جو ہم ردیف کے معنی میں ہے (وہ شخص جو کسی کے پیچھے سواری پر ہو) اور اس کے بعد رفیق اور ساتھی کے معنی میں آیا ہے۔ یہ اس بناء پر ہے کہ وہ ارتباط اور قریبی تعلق رکھتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کھڑا ہونے کے معنی میں ہے۔

لیکن ان آیات میں "شب زندہ داری" کی مقدار کے بارے میں جو مختلف تعبیریں آئی ہیں، وہ حقیقت میں "اختیار" کو بیان کرنے کے لیے ہیں، اور وہ پیغمبر کو یہ اختیار دیتی ہیں کہ آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ بیدار رہیں اور قرآن کی تلاوت کریں۔ پہلے مرحلہ میں "ساری رات" سوائے تھوڑی سی مقدار کے ذکر کرتا ہے، اور اس کے بعد اس میں تخفیف کرکے آدھی رات تک پہنچاتا ہے یا اس کے بعد آدھے سے بھی کم۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے "دو تہائی" "آدھی" اور "ایک تہائی" رات کے درمیان تخییر مراد ہے۔ اس آیت کے قرینہ سے جو اسی سورہ کے آخر میں آئے گی جس میں فرماتا ہے: (ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی الیل و نصفه و ثلثه)

ضمنی طور پر سورہ کے آخر کی اسی آیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اس رات کے قیام میں اکیلے نہیں تھے، بلکہ مومنین کا ایک گروہ بھی اس خود سازی وتربیتی اور آمادگی کے پروگرام میں پیغمبر کے ساتھ تھا اور انھوں نے اس راہ میں آپ کو ایک اسوہ اور نمونہ کے طور پر قبول کیا ہوا تھا۔

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ "قم اللیل الا قلیلاً" کے جملہ سے مراد یہ ہے کہ بعض راتوں کے سوا تمام راتوں میں قیام کیا کر، اور اس طرح سے استثناء رات کے حصول میں نہیں ہے بلکہ راتوں کے افراد میں ہے۔ لیکن یہ تفسیر "کے مفرد ہونے اور "نصف" (آدھی) اور اس سے کمتر کی تعبیر کے ساتھ درست نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد اس سخت اور اہم حکم کے "ہدف نہائی" اور "مقصد اصلی" کو اس طرح بیان کرتا ہے: ہم عنقریب ایک سخت بات تجھ کو القاء کریں گے" (انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً)۔

اگرچہ مفسرین "قول ثقیل" کے بارے میں الگ الگ بیان رکھتے ہیں، جو سب کے سب کسی ایک ہی پہلو کو پیش کرتے ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کا سنگین ہونا، جس سے بلاشک وشبہ قرآن مجید مراد ہے، مختلف پہلوؤں سے ہے۔

آیات کے مفہوم اور مطالب کے لحاظ سے سنگین۔

دلوں پر تحمل کے لحاظ سے سنگین، یہاں تک کہ خود قرآن کہتا ہے: لو انزلنا هٰذا القرآن علی جبل لرأیته خاشعا متصدعا من خشية الله "اگر ہم اس قرآن کو پہاڑوں پر نازل کرتے، تو تو اسے خاشع اور شگافتہ دیکھتا (حشر ـــ ۲۱)

وعدوں اور وعیدوں، ذمہ داریوں اور مسئولیتوں کے بیان کے لحاظ سے سنگین۔

تبلیغ اور دعوت کی راہ کی مشکلات کے لحاظ سے سنگین۔

ترازو کے عمل اور عرصۂ قیامت میں سنگین

اور آخر میں پروگرام پیش کرنے اور اس کے مکمل اجراء کے لحاظ سے سنگین۔

ہاں! اگرچہ قرآن کا پڑھنا سہل و آسان اور زیادہ دلنشیں ہے لیکن اس کے مفاد اور معانی کو عمل میں لانا اسی نسبت سے سنگین اور مشکل ہے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خصوصاً پیغمبر کی دعوت کے آغاز میں، اور آپ کے گھر میں قیام کرنے کے وقت، جب ماحول کو جہالت، بت پرستی اور خرافات کے تیرہ و تاریک بادلوں نے گھیر رکھا تھا۔ لیکن پیغمبر اکرمؐ اور ان کے تھوڑے سے ساتھی، قرآن مجید کی تربیت سے مدد لیتے ہوئے، اور نمازِ شب سے اعانت طلب کرتے ہوئے اور پروردگار کی پاک ذات کے تقرب سے استفادہ کرتے ہوئے ان تمام مشکلات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے اور اس "قول ثقیل" کے بار کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر اسے منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔

چند نکات

۱۔ تلاوتِ قرآن اور دعا و عبادت کے لیے رات کو اٹھنا

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اگرچہ ان آیات میں مخاطب پیغمبر کی ذاتِ اقدس ہے۔ لیکن سورہ کا متن اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مومنین بھی اس پروگرام میں پیغمبر کی ذات کے ساتھ ہیں۔

اب بحث صرف یہ ہے کہ کیا یہ قیام اور شب زندہ داری، پیغمبر کی دعوت کے آغاز میں سب پر واجب تھی یا نہیں؟

بعض مفسرین کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ امر واجب تھا۔ بعد میں سورہ کی آخری آیت نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور اس میں تقریباً ایک سال کا فاصلہ تھا۔

یہاں تک کہ بعض کا عقیدہ تو یہ ہے کہ یہ حکم پنجگانہ نمازوں کی تشریع سے پہلے تھا اور جب پنجگانہ نمازیں مشروع قرار دے دی گئیں تو اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

لیکن ——— جیسا کہ مرحوم "طبرسی" نے بھی "مجمع البیان" میں نقل کیا ہے ——— اس سورہ کی آیات کے ظاہر میں کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جو "نسخ" کے اوپر دلیل ہو اور بہتر یہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ قیام و عبادت مستحب اور سنت مؤکدہ ہے اور اس میں ہرگز وجوب کا پہلو تھا ہی نہیں، سوائے پیغمبر اکرمؐ کی ذات کے لیے، کیونکہ قرآن کی بعض دوسری آیات کے مطابق نمازِ شب آپ پر واجب تھی اور اس میں کوئی مانع اور حرج نہیں ہے کہ یہ سنت پیغمبرؐ کے لیے واجب اور مسلمانوں پر مستحب ہو، اور اس سے قطع نظر اوپر والی آیات میں جو کچھ آیا ہے وہ "نمازِ شب" میں منحصر نہیں ہے۔ کیونکہ نمازِ شب تو آدھی رات یا دو تہائی رات یا ایک تہائی رات تک کو بھی شامل نہیں رکھتی۔ جو کچھ آیت میں بیان ہوا ہے وہ تو ترتیلِ قرآن کے لیے اٹھنا ہے۔

اس بناء پر یہ کام ابتداء میں مستحب مؤکد کی صورت میں تھا اور اس کے بعد اس میں تخفیف کر دی گئی اور اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ہر کام کے آغاز میں خصوصاً ایک عظیم انقلاب کی ابتداء میں، ہمیشہ زیادہ قوت و توانائی کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ پیغمبر اور مسلمانوں کو، اس قسم کا فوق العادہ حکم دیا گیا ہو کہ وہ رات کا زیادہ حصہ بیدار رہیں اور اس جدید پروگرام اور اس کی انقلابی تعلیمات سے آشنا ہوں، اور اس سے آگاہی کے علاوہ خود کو اس پر عمل کرنے کے لیے روحانی طور پر تیار کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۰۔ ترتیل کا معنی

اوپر والی آیات میں جس چیز پر بحث کیا گیا ہے وہ قرآن کی قراءت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ "ترتیل" کا مسئلہ ہے۔
"ترتیل" کی تفسیر میں معصومین سے بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں، جن میں سے ہر ایک اس کے وسیع الابعاد وجہات میں سے کسی ایک جہت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

ایک حدیث میں امیرالمومنین علی سے آیا ہے:

بینه بیاناً ولا تهذه هذّ الشعر ولا تنثره نثر الرمل، ولکن اقرع به القلوب القاسیة ولا یکونن همّ احدکم آخر السورة

"ترتیل" یعنی اس کو واضح طور پر بیان کر، نہ تو اشعار کی طرح جلدی اور پے بعد دیگرے پڑھ، اور نہ ہی ریت کے ذروں کی طرح اس کو بکھیر دے۔ لیکن اس طرح پڑھ کہ اس سے سخت اور سنگین دلوں کو نرم کر دے، اور انھیں بیدار کر دے، ہر گز تمھارا مقصد یہ نہ ہو کہ تم لازمی اور حتمی طور پر آخر سورہ تک پہنچو اور اسے ختم کر کے ہو (بلکہ اہم بات یہ ہے کہ تم آیات کے مطالب اور معانی کو سمجھو) [1]

ایک اور حدیث میں امام صادق سے "ترتیل" کی تفسیر میں یہ آیا ہے:

اذا مررت بآیة فیها ذکر الجنة فاسأل الله الجنة، واذا مررت بآیة فیها ذکر النار فتعوذ بالله من النار

"جس وقت تم کسی ایسی آیت سے گزرو جس میں جنت کا ذکر ہو تو رک کر خدا سے جنت کا سوال کرو (اور اپنی اس کے لیے اصلاح کرو) اور جب تم کسی ایسی آیت سے گزرو جس میں جہنم کا ذکر ہو، تو خدا سے اس سے پناہ مانگو (اور خود کو اس سے دور رکھو) [2]

ایک اور روایت میں اسی امام سے آیا ہے کہ آپ نے "ترتیل" کی تفسیر میں فرمایا:

هو ان تتمکث فیه وتحسن به صوتك

"ترتیل" یہ ہے کہ تو آیات کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور انھیں اچھی آواز میں پڑھے" [3]

ایک اور حدیث میں انھیں حضرت سے اس طرح نقل ہوا ہے:

ان القرآن لا یقرأ هذرمة، ولکن یرتل ترتیلا اذا مررت بآیة فیها

---

[1] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۷۸، یہ حدیث اصول کافی جلد ۲۔ باب "ترتیل القرآن بالصوت الحسن" اور دوسری کتابوں میں بھی مختصر فرق کے ساتھ آئی ہے۔

[2] وہی مدرک

[3] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۷۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ذکر النار وقفت عندها وتعوذت باللہ من النار

"قرآن کو جلدی جلدی، سرعت اور تیزی کے ساتھ نہیں پڑھنا چاہیے۔ جس وقت تم کسی ایسی آیت سے گزرو جس میں جہنم کا ذکر ہو، تو وہاں رک جاؤ، اور خدا سے جہنم کی آگ سے پناہ مانگو"[1]

اور آخری بات یہ ہے کہ پیغمبر کے حالات میں نقل ہوا ہے کہ آنحضرت آیات کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر کے پڑھتے تھے اور اپنی آواز کو کھینچ کھینچ کر پڑھتے تھے[2]

یہ روایات، اور دوسری روایات جو اسی مفہوم کی اصول کافی، نور الثقلین، در منثور اور حدیث و تفسیر کی تمام کتابوں میں نقل ہوئی ہیں، وہ سب کی سب اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ آیات قرآنی کو اس طرح نہیں پڑھنا چاہیے، جو مطالب و مضامین اور پیام سے خالی ہو۔ بلکہ ان تمام امور کی طرف توجہ رکھنی چاہیے، جو پڑھنے اور سننے والوں میں اس کی تاثیر کو گہرا کر دے۔ اور اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ اللہ کا پیام ہے اور اس کا مقصد اس کے مطالب و مضامین کو تحقق بخشنا (اور عملی جامہ پہنانا ہے)

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں بہت سے مسلمان اس واقعیت سے بہت دور ہو گئے ہیں، اور انھوں نے قرآن کے صرف الفاظ پر اکتفا کر لیا ہے، اور ان کا مقصد صرف سورت اور قرآن کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ یہ جانیں کہ یہ آیات کس مقصد کے لیے نازل ہوئی ہیں؟ اور کس پیام کی تبلیغ کر رہی ہیں؟ یہ ٹھیک ہے کہ یہ قرآن کے الفاظ بھی محترم ہیں، اور ان کو پڑھنا بھی فضیلت رکھتا ہے؛ لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ الفاظ اور عبادت ان کے مطالب و مضامین کو بیان کرنے کا مقدمہ اور تمہید ہے۔

۲۔ نمازِ شب کی فضیلت

یہ آیات دوبارہ شب زندہ داری، نمازِ شب، اور اس وقت ـــــ جبکہ غافل لوگ خوابِ غفلت میں پڑے سوئے ہوئے ہوتے ہیں ـــــ قرآن کی تلاوت کی اہمیت کو گوشزد کرتی ہیں، اور جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ رات کو عبادت کرنا، خصوصاً سحر کے وقت، اور طلوعِ فجر کے نزدیک، روح کی صفائی، تہذیبِ نفوس اور انسان کی معنوی تربیت، پاکیزگی قلب، دل کی بیداری، ایمان و ارادہ کی تقویت اور انسان کے دل و جان میں تقوٰی کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں سب سے زیادہ اثر رکھتا ہے، یہاں تک کہ ایک ہی مرتبہ کی آزمائش سے، انسان اس کے آثار، واضح طور پر اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔

اسی بناء پر آیاتِ قرآنی کے علاوہ روایاتِ اسلامی میں بھی اس مطلب پر بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے۔

منجملہ ان کے ایک حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

ان من روح اللہ تعالیٰ ثلاثة، التهجد بالليل و افطار الصائم

---

[1] "نور الثقلین" جلد ۵ ص ۴۴۲

[2] "مجمع البیان" زیر بحث آیت کے ذیل میں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

و لقاء الاخوان

"تین چیزیں خدا کی مخصوص عنایات میں سے ہیں، شبانہ عبادت (نمازِ تہجد) روزہ داروں کو افطار کرانا اور مسلمان اور مومن بھائیوں کی زیارت و ملاقات کرنا" [1]

ایک اور حدیث میں انھیں جناب سے آیا ہے کہ آپ نے آیہ "ان الحسنات یذھبن السیئات" (نیک کام برے کاموں کے اثر کو زائل کر دیتے ہیں) کی تفسیر میں فرمایا:

صلاة اللیل تذھب بذنوب النھار

"نمازِ تہجد دن کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے" [2]

سورہ اسراء کی آیہ ۷۹ کے ذیل میں بھی ہم اس سلسلہ میں ایک تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ اور ہم نے وہاں پر نمازِ تہجد کی اہمیت کے بارے میں بہت سی روایات نقل کی ہیں [2]

---

[1] و [2] "بحار الانوار" جلد ۸۷ ص ۱۴۲

[2] "تفسیر نمونہ" جلد ۱۲ ص ۲۲۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas
jabir.abbas@yahoo.com www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina

Presented by: Rana Jabir Abbas

۶۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝

۷۔ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝

۸۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝

۹۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝

۱۰۔ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝

ترجمہ

۶۔ یقیناً شبانہ (عبادت) کا پروگرام زیادہ مضبوط اور زیادہ استقامت والا ہے۔

۷۔ اور دن میں تو تمھارے لیے مسلسل اور طولانی کوششیں جاری رہیں گی۔

۸۔ اپنے رب کے نام کا ذکر کیے جاؤ اور صرف اسی کے ساتھ دل کو لگائے رکھو۔

۹۔ وہی مشرق و مغرب کا پروردگار ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں پس تم اسی کو اپنا نگہبان اور کارساز مانو

۱۰۔ اور جو کچھ وہ (دشمن) کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور شائستہ طور پر ان سے دوری اختیار کرو۔

تفسیر

رات گئے وقت کی عبادت کا اثر

یہ آیات اسی طرح رات کی عبادت اور رات کی تاریکی میں قرآن کی تلاوت کے ذریعے، معنوی تعلیمات کے سلسلہ میں بحث کو جاری رکھے ہوئے ہیں، اور حقیقت میں جو کچھ گزشتہ آیات میں بیان ہوا ہے: یہ اس کی دلیل کے طور پر آئی ہیں: "یہ عبادت اور رات کی تلاوت کا حکم اس بناء پر ہے کیونکہ (عبادت اور تعلیم کا) یہ پروگرام زیادہ مضبوط اور زیادہ استقامت والا ہے (اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْئًا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا)۔[1]

---

[1] "ناشئة" اسم فاعل ہے لیکن یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ یہ مصدر ہو "عافية" کی طرح۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"ناشئة" ، "نشیٔ" (بروزن نشر) کے مادہ سے "حادثہ" کے معنی میں ہے، اور یہ بات کہ یہاں اس سے کیا مراد ہے اس کے تین تفاسیر بیان ہوئی ہیں۔

پہلی یہ ہے کہ اس سے مراد رات کی گھڑیاں ہیں، جو یکے بعد دیگرے حادث ہوتی ہیں۔ یا خصوصیت کے ساتھ آخر شب اور سحر کی گھڑیاں ہیں۔

دوسری یہ ہے کہ اس سے مراد نماز و عبادت اور تلاوت کے لیے قیام کا پروگرام ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں امام باقرؑ اور امام صادقؑ سے نقل ہوا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

هی القيام فی آخر الليل الی صلاة الليل

اس سے مراد آخر شب میں نماز تہجد کے لیے قیام کرنا ہے[1]

ایک اور حدیث میں امام صادقؑ سے اس آیہ کی تفسیر میں آیا ہے:

قيامه عن فراشه لا يريد الا الله

اس سے مراد بستر سے کھڑا ہونا ہے جس کا مقصد خدا کے سوا اور کچھ نہ ہو[2]

تیسری یہ ہے کہ اس سے مراد "معنوی و روحانی حالات" اور "ملکوتی نشاط و جذبہ" ہے، جو انسان کے دل و جان میں رات کی ان مخصوص گھڑیوں میں پیدا ہوتا ہے جس کے اثرات روح انسانی میں زیادہ گہرے ہوتے ہیں اور ان کا دوام زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

البتہ یہ تفسیر اور اس سے پہلے والی تفسیر ایک دوسرے کی لازم و ملزوم ہیں اور یہ مناسب ہے کہ یہ دونوں ہی آیت میں جمع ہوں۔

"وطئًا" اصل میں قدم رکھنے اور اسی طرح موافقت کرنے کے معنی میں ہے۔

"اشد وطئًا" کی تعبیر یا تو مشقت و زحمت کے معنی میں ہے جو شبانہ قیام اور عبادت میں ہوتی ہے یا پھر ثابت و راسخ تاثیرات کے معنی میں ہے جو ان عبادات کے سایہ میں انسان کی روح اور جان میں پیدا ہوتی ہے (البتہ دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے)

یہ احتمال بھی ہے کہ یہ اس زیادہ موافقت کے معنی میں ہے جو ان لمحات میں انسان کے دل آنکھ اور کان کے درمیان ہوتی ہے اور ان سب کے اجتماع سے عبادت کی راہ پیدا ہوتی ہے۔

"اقوم" "قیام" کے مادہ سے محکم و مضبوط اور زیادہ صاف کے معنی میں ہے اور "قیل" "بات کرنے" کے معنی میں ہے یہاں ذکر خدا اور تلاوت قرآن کی طرف اشارہ ہے۔

مجموعی طور پر یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو "شبانہ عبادت" اور سحر گاہی دعا" اور ایسے لمحات میں جبکہ ہر وقت کی نسبت، دلی فراغت کے اسباب زیادہ فراہم ہوتے ہیں ——— محبوب کے ساتھ راز و نیاز کی رسا ترین باتوں کو اپنی معنی خیز تعبیروں کے ساتھ بیان کرتی ہے اور اسی طرح سے انسان کی تہذیب نفس، اور روح جان کی پرورش میں اس کی تاثیر کو بیان کرتی ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۷۸۔

[2] نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۴۰ حدیث ۱۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انسان کی روح، ان لمحات میں دعا و مناجات اور ذکر و فکر کے لیے ایک خاص قسم کی آمادگی رکھتی ہے۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے، یہ اس بناء پر ہے کہ دن میں تو تمہیں مسلسل اور بہت زیادہ سعی و کوشش اور جد و جہد کرنی پڑے گی (ان لك فی النهار سبحا طویلا)۔

تم ہمیشہ مخلوق کی ہدایت اور پروردگار کی رسالت کی تبلیغ اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے مشکلات کو حل کرنے میں لگے رہتے ہو، اور عبادت اور مناجات کے لیے کافی وقت نہیں ملتا، لہٰذا اس کی بجائے رات کو عبادت کیا کرو۔

ایک اور احتمال بھی جو آیت کی تفسیر میں موجود ہے اور کئی جہات سے زیادہ بہتر اور قبل و بعد کی آیات کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ ہے، یہ ہے کہ چونکہ تم دن بھر میں سنگین وظائف، بھاری ذمہ داریوں اور بہت زیادہ جد و جہد کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھاتے ہو، لہٰذا تمہیں رات کی عبادت کے ساتھ خود کو تقویت دینی چاہیے اور ان عظیم فعالیتوں کے لیے اس قیام شب کے ذریعہ مزید تیار ہونا چاہیے۔

"سبح" (بروزن "مدح") اصل میں حرکت اور آمد و رفت کے معنی میں ہے اور بعض اوقات تیرنے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ وہ مسلسل حرکت میں رہتا ہے

گویا وہ انسانی معاشرے کو ایک بے کراں سمندر سے تشبیہ دیتا ہے، جس میں ایک گروہ کثیر غرق ہونے کی حالت میں ہے، اس کی امواج خوفناک ہر طرف حرکت میں ہیں، سرگرداں کشتیاں اس میں پناہ گاہ تلاش کرتی پھرتی ہیں اور پیغمبر اسلامؐ اس سمندر میں غرق ہونے والوں کے لیے، اکیلے نجات دہندہ ہیں اور آپ کا قرآن اس سمندر میں اکیلی نجات کی کشتی ہے۔

اس عظیم تیراک کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی شبانہ عبادات کے ذریعہ اس روزانہ کی عظیم ماموریت اور رسالت کے لیے آمادہ کرے۔

رات کی عبادت کے قیام کے حکم، اور اس کے عمیق اور گہرے آثار کی طرف اجمالی اشارہ کرنے کے بعد پانچ احکام کا، جو ان کی تکمیل کرتے ہیں، ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: "اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرو اور اس کا ذکر کرو" (واذکر اسم ربك)۔

مسلم طور پر اس سے مراد صرف خدا کے نام کا ذکر کرنا نہیں ہے بلکہ معنی کی طرف توجہ ہے کیونکہ لفظی ذکر قلبی یاد کا ایک مقدمہ اور تمہید ہے اور قلبی ذکر روح و جان کو صفا بخشتا ہے اور دل میں معرفت و تقویٰ کے نہال کی آبیاری کرتا ہے۔

"ربیت" کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس وقت تم اس کے مقدس نام کا ورد کرو تو اس کی بے پایاں نعمتوں اور اپنے لیے اس کی مسلسل تربیت کی طرف توجہ رکھو۔

ایک مفسر نے پروردگار کے ذکر کے کچھ مراحل بیان کیے ہیں۔

پہلا مرحلہ اس کے نام کے ذکر کا ہے، جس کی طرف زیر بحث آیت میں اشارہ ہوا ہے۔

اس کے بعد والے مرحلہ میں اس کی پاک ذات کی دل میں یاد آوری کی نوبت آتی ہے، جو سورۂ اعراف کی آیہ ۲۰۵ میں بیان ہوئی ہے "واذکر ربك فی نفسك تضرعا و خیفة" "اپنے پروردگار کو اپنے دل میں تضرع اور خوف کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

ساتھ یاد کرو۔

آخر کار تیسرا مرحلہ آن پہنچتا ہے۔ اس مرحلہ میں خدا کی ربوبیت کے مرحلے سے اوپر چلا جاتا ہے اور خدا کے صفات جمال و جلال کے مجموعہ کے مقام تک ۔۔۔۔۔۔ جو اللہ میں جمع ہے ۔۔۔۔۔۔ پہنچ جاتا ہے، جیسا سورہ احزاب کی آیہ ۴۱ میں فرماتا ہے:

یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرًا کثیرًا

"اے ایمان لانے والو! خدا کو کثرت سے یاد کیا کرو"

اور اسی طرح سے یہ ذکر جاری و ساری رہے گا اور مرحلہ بہ مرحلہ تکامل و ارتقاء پیدا کرتا رہے گا اور ذکر کرنے والوں کو اوج کمال تک پہنچا دے گا۔[1]

دوسرے حکم میں فرماتا ہے: خدا ہی کے ساتھ اپنے دل کو لگاؤ اور اس کے غیر سے امید کو قطع کر لو اور خلوص کے ساتھ عبادت کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ: (و تبتل الیہ تبتیلاً)۔[2]

"تبتل" "بتل" (بروزن ختم) کے مادہ سے اصل میں انقطاع کے معنی میں ہے اور اسی لیے مریم کو "بتول" کہا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے لیے کوئی شوہر انتخاب نہیں کیا اور اگر بانوئے اسلام فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کو بھی بتول کہا جاتا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے اعمال و رفتار اور معرفت کے لحاظ سے جدا اور برتر تھیں اور انقطاع الی اللہ کی حالت تک پہنچی ہوئی تھیں۔

بہرحال "تبتل" یہ ہے کہ انسان اپنے پورے دل کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو اور اللہ کے سوا ہر کسی سے منقطع ہو جائے، اور اپنے اعمال صرف اسی کے لیے بجا لائے اور اخلاص میں غرق ہو۔

اور اگر ایک روایت میں پیغمبر گرامی اسلام سے یہ نقل ہوا ہے کہ:

لا رھبانیۃ، ولا تبتل فی الاسلام

"اسلام میں نہ تو رہبانیت ہے اور نہ ہی تبتل"۔[3]

تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح سے ترکِ دنیا کرنا، جو عیسائی راہبوں میں رائج ہے، وہ اسلام میں موجود نہیں ہے وہ ترکِ دنیا کے لیے شادی بیاہ کو بھی ترک کرتے ہیں اور ہر قسم کی اجتماعی فعالیت کو بھی، لیکن ایک واقعی اور حقیقی مسلمان، قلبِ اجتماع میں زندگی بسر کرنے کے باوجود تمام تر خدا ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

---

[1] "تفسیر فخر رازی" جلد ۳۰ ص ۱۷۷ (اقتباس)

[2] قاعدہ کے مطابق یہاں "مفعول مطلق" "تبتّل" ہونا چاہیے جو باب "تفعّل" کا مصدر ہے، لیکن اس کی جگہ یہاں پر باب تفعیل کا مصدر آیا ہے۔ یہ شاید اس بات کے علاوہ کہ یہ آیات کے آخر میں ہم آہنگی کو برقرار رکھتا ہے، ممکن ہے ایک لطیف نکتہ کی طرف اشارہ بھی ہو اور وہ یہ ہے کہ "انقطاع الی اللہ" نہ سارا کا سارا اکتسابی ہے اور نہ ہی تمام کا تمام موہبتی۔ کیونکہ اس میں ایک طرف تو پرہیزگار بندہ کی سعی و کوشش شرط ہے اور دوسری طرف سے پروردگار کا لطف۔

[3] "مفردات" و "مجمع البحرین" مادہ "تبتل"

Presented by: Rana Jabir Abbas
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعض روایات میں، آئمہ معصومین سے نقل ہوا ہے کہ "تبتل" کا معنی حالت نماز میں ہاتھ کو بلند کرنا ہے[1] لیکن یہ بات واضح ہے کہ یہ حقیقت میں اخلاص اور انقطاع الی اللہ کے ایک مظہر کا بیان ہے۔

بہر حال پروردگار کی وہ یاد اور یہ اخلاص، خلق خدا کی ہدایت کے سنگین و سخت پروگرام میں مردان خدا کا عظیم سرمایہ ہے۔

اس کے بعد تیسرے حکم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہی مشرق و مغرب کا پروردگار، جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے، اسی کو اپنا محافظ اور کارساز قرار دو" (رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا)۔

یہاں "ذکر اللہ" اور "اخلاص" کے مرحلہ کے بعد، توکل اور تمام کاموں کو خدا کے سپرد کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ یعنی جہان ہستی کا سارا مجموعہ، اسی کی حکومت اور ربوبیت کے زیر تسلط ہے اور پرستش کے لائق وہی یکہ و تنہا معبود ہے، یہ تعبیر حقیقت میں، توکل بر خدا کے موضوع پر ایک دلیل کے طور پر آئی ہے، انسان اس پر توکل کیسے نہ کرے اور اپنے حالات کو اس کے سپرد کیوں نہ کرے حالانکہ اس وسیع عالم ہستی میں اس کے علاوہ کوئی اور حاکم، فرمانروا، منعم، مربی اور معبود نہیں ہے۔

آخر چوتھے اور پانچویں حکم میں فرماتا ہے: "دشمن جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر و شکیبائی اختیار کرو، اور ان سے شائستہ اور عمدہ طریقہ سے دوری اختیار کرو" (واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا)۔

اور اس طرح سے یہاں "صبر" اور "ہجران" کا مقام آپہنچا ہے کیونکہ حق کی طرف دعوت کی راہ میں، دشمنوں کی بدگوئی اور ان کا اذیت و آزار پہنچانا بہت زیادہ، اور اگر باغبان کوئی پھول توڑنا چاہتا ہے تو اسے کانٹوں کی زبان کے مقابلہ میں صبر کرنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ بعض اوقات یہاں بے اعتنائی اور دوری ضروری ہو جاتی ہے، تاکہ ایک تو ان کے شر سے محفوظ رہے، دوسرے اس طرح سے انہیں ایک سبق بھی دے، لیکن یہ ہجران و دوری، تربیتی پروگراموں اور خدا کی طرف تبلیغ و دعوت کے قطع کرنے کے معنی میں نہیں ہونی چاہیے۔

اس طرح سے اوپر والی آیات، پیغمبر اسلامؐ اور ان تمام لوگوں کے لیے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں ایک جامع اور کامل نسخہ دیتی ہیں کہ وہ رات کی عبادات اور بوقت سحر پروردگار سے دعا و مناجات سے مدد حاصل کریں اور پھر اس پودے کی یاد خدا، اخلاص، توکل، صبر اور ہجران جمیل کے پانی سے آبیاری کریں۔ کیسا جامع اور عمدہ نسخہ ہے؟

"رب المشرق والمغرب" (مشرق و مغرب کے پروردگار) کی تعبیر تمام عالم ہستی پر اس کی حاکمیت و ربوبیت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ ہم روزمرہ کی تعبیروں میں کہتے ہیں: فلاں شخص نے زمین کے مشرق و مغرب پر اپنا تسلط جما لیا ہے، یعنی تمام روئے زمین کو، نہ کہ صرف مشرق و مغرب کے نقطہ کو۔

"ھجر جمیل" (شائستہ دوری و جدائی)، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کہ دلسوزی اور حق کی طرف دعوت و تبلیغ سے توام ہجران و دوری کے معنی میں ہے، جو خاص خاص حالتوں میں ایک تربیتی روش شمار ہوتی ہے اور دوسرے حالتوں میں "جہاد" کے مسئلہ کے

---

[1] نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۴۰ حدیث ۲۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ساتھ بالکل منافات نہیں رکھتی، کیونکہ ہر ایک کی ایک جگہ ہے اور ہر نقطہ کا ایک مقام ہے، دوسرے لفظوں میں یہ دوری بے اعتنائی نہیں ہے، بلکہ خود ایک قسم کی اعتنا اور پروا کرتا ہے، بہرحال یہ جو بعض نے اوپر والی آیت کو آیات جہاد سے منسوخ سمجھا ہے، صحیح نہیں ہے۔

مرحوم "طبرسی" "مجمع البیان" میں اس آیہ کے ذیل میں کہتے ہیں:

وفی هٰذا دلالة علی وجوب الصبر علی الاذی، لمن یدعو الی الدین و المعاشرة باحسن الاخلاق واستعمال الرفق لیکونوا اقرب الی الاجابة

"یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مبلغین اور قرآن کی طرف دعوت دینے والے تکالیف اور اذیتوں میں صبر اختیار کریں، اور حسن خلق و مدارات کے ساتھ لوگوں میں معاشرت کریں۔ تاکہ ان کی باتیں جلدی قبول ہوں"[1]

---

[1] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۷۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۱۔ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا

۱۲۔ إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا

۱۳۔ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا

۱۴۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا

۱۵۔ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا

۱۶۔ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا

۱۷۔ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا

۱۸۔ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا

۱۹۔ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

ترجمہ

۱۱۔ مجھے ان جھٹلانے والے صاحبانِ نعمت (سے بدلہ لینے کے لیے) چھوڑ دو اور انھیں تھوڑی سی مہلت دے دو۔

۱۲۔ کیونکہ ہمارے پاس غل وزنجیر اور (جہنم کی آگ) ہے۔

۱۳۔ اور گلوگیر غذا اور دردناک عذاب ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۴۔ اس دن زمین اور پہاڑ شدت سے لرزرہے ہوں گے اور پہاڑ (اس طرح ریزہ ریزہ ہوں گے کہ) ریت کے تودوں کی شکل میں نرم ہوجائیں گے

۱۵۔ ہم نے تمھاری طرف ایسا ہی ایک پیغمبر گواہ بنا کر بھیجا ہے، جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

۱۶۔ فرعون اس رسول کی مخالفت اور نافرمانی کے لیے کھڑا ہوگیا تو ہم نے اسے سخت سزا دی۔

۱۷۔ تو اگر تم بھی کافر ہوگئے، تو تم (خدا کے شدید عذاب سے) اس دن جو بچوں کو بوڑھا کردے گا، کس طرح خود کو بچاؤ گے۔

۱۸۔ اس دن آسمان پھٹ پڑے گا اور اس کا وعدہ پورا ہوکر رہے گا

۱۹۔ یہ تو ایک تنبیہ اور نصیحت ہے پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرلے۔

تفسیر

ان مستکبرین کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دے

گزشتہ آیات میں سے آخری آیت میں دشمنانِ اسلام کی کارشکنیوں، ناروا باتوں اور اذیت و آزار کی طرف اشارہ تھا، زیرِ بحث آیات میں انھیں خدا کی طرف سے، دنیا و آخرت کے عذابوں کی شدید تہدیدیں اور دھمکیاں دی گئی ہیں اور انھیں اپنے شوم و منحوس پروگراموں میں تجدیدِ نظر کی دعوت دی ہے اور صدرِ اول کے مسلمانوں کی ان دشمنوں کے سخت ہجوم کے مقابلہ میں دلداری کر ہے اور انھیں پامردی بخشی ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "مجھے ان تکذیب کرنے والے، ثروت مند اور صاحبانِ نعمت افراد کے ساتھ (بدلہ لینے کے لیے) چھوڑ دے اور انھیں تھوڑی سی مہلت دے دے"۔ (وذرنی والمکذبین اولی النعمة ومهلهم قليلاً)

یعنی ان کا مقابلہ تو نہیں ہے، میں ہوں! ان کی سزا و عذاب کا معاملہ خود مجھ پر چھوڑ دے، اور تھوڑی سی انھیں مہلت دے دے، تاہم اتمامِ حجت بھی ہوجائے اور وہ اپنی ماہیت کو ظاہر و آشکار بھی کردیں، اور اپنی پشت کو بارِ گناہ سے سنگین اور بوجھل کرلیں، تو اس وقت میرا عذاب ان کا گلا دبائے گا۔

اور ہم جانتے ہیں کہ تھوڑی مدت ہی گزری تھی کہ مسلمان طاقت ور ہوگئے اور انھوں نے جنگ "بدر" و "حنین" و "احزاب" وغیرہ میں اپنی سخت اور توڑنے والی ضربیں دشمن کے پیکر پر لگائیں، نیز زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ یہ سرکشی کرنے والے دنیا سے چلتے بنے اور برزخ میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور قیامت کا عذاب بھی ان سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔

ضمنی طور پر "اولی النعمة" (صاحبانِ نعمت) کی تعبیر مال و دولت اور مادی امکانات و وسائل کی زیادتی سے پیدا ہونے والے غرور و غفلت کی طرف اشارہ ہے، جو ایسے لوگوں کو اکثر دامن گیر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کی طول تاریخ میں ——— جیسا کہ قرآن شاہد گواہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے۔ ــــــ یہ گروہ ہمیشہ مخالفین کی صفِ اوّل میں رہا ہے۔

حقیقت میں یہ آیت سُورہ سبا کی آیت ۳۴ کے مشابہ ہے، جو کہتی ہے: وما ارسلنا فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوھا انا بما ارسلتم بہ کافرون: "ہم نے کسی شہر و دیار میں کوئی انذار کرنے والا نہیں بھیجا، مگر یہ کہ ان کے سرتفین (جو ناز و نعمت میں مست تھے) نے کہا: تم جس چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہو ہم اس کے کافر ہیں۔" (تدبر کرتے ہیں):

حالانکہ اس قسم کے افراد کو دوسروں سے پہلے منادیان حق کی دعوت پر لبیک کہنا چاہیے، تاکہ اس طریقہ سے ان سب خدائی نعمتوں کا شکر بجالائیں۔

اس کے بعد اسی تہدید کو جاری رکھتے ہوئے اور زیادہ صریح صورت میں کہتا ہے: "ہمارے پاس غل و زنجیر اور جہنم کی آگ ہے" (ان لدینا انکالا وجحیما)۔

"انکال" "نکل" (بروزن فکر) کی جمع ہے اور بوجھل زنجیروں کے معنی میں ہے اور اصل میں "نکول" کے مادہ سے، ضعف و ناتوانی کے معنی میں لیا گیا ہے اور چونکہ وہ زنجیر جو اُن کے پاؤں اور گردن میں ڈالتے ہیں۔ انسان کو حرکت کرنے سے روک دیتی ہے، اور ناتواں بنادیتی ہے، اسی لیے یہ لفظ "زنجیر" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ہاں! بے قید و شرط آزادی اور اس ناز و نعمت کے مقابلہ میں جو وہ اس دنیا میں رکھتے تھے، وہاں ان کا حصّہ قید اور آگ ہی ہوگی۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اور گلوگیر ہونے والی غذا اور دردناک عذاب": (وطعاما ذا غصۃ وعذابا الیما)۔

وہ غذا، ان کی دنیا کی چرب و شیریں غذاؤں سے ــــــ جو آسانی کے ساتھ گلے سے نیچے اتر جاتی تھیں اور مزے دار ہوتی تھیں ــــــ برعکس ہوگی اور اس جہان کے خود غرض، مغروروں اور مستکبروں کی بے حساب آسائش کے مقابلہ میں دردناک زندگی ہوگی۔

اگرچہ سخت اور گلوگیر غذا خود ایک دردناک عذاب ہے لیکن اس کے بعد عذاب الیم کو الگ ذکر کرتا ہے اور یہ چیز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ آخرت کے عذاب الیم کے ابعاد و جہات اور مختلف پہلو، شدت و عظمت کے لحاظ سے خدا کے علاوہ کسی اور شخص کو معلوم نہیں ہیں اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن ایک مسلمان اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا، اور پیغمبر کان دھر کر سن رہے تھے کہ اچانک اس شخص نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگیا [1]

ایک اور حدیث میں یہ آیا ہے کہ خود پیغمبر اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے اور آپ کی ایسی حالت ہوئی [2]

یہ غذا گلوگیر کیوں نہ ہوگی؟ جبکہ سُورۂ غاشیہ کی آیہ ۶ میں یہ آیا ہے: لیس لھم طعام الا من ضریع۔

---

[1] "مجمع البیان"، جلد ۱۰ ص ۳۸۰

[2] "روح المعانی" جلد ۲۹ ص ۱۰۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"ان کی غذا جانکاہ کانٹوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوگی"۔

اور سورۂ دخان کی آیہ ۴۳، ۴۴ میں یہ آیا ہے: ان شجرت الزقوم طعام الاثیم، "زقوم کا درخت (وہی تلخ، بدبوار بدذائقہ، کڑوا اور مار ڈالنے والا پودا) گنہگاروں کی غذا ہے۔

اس کے بعد اس دن کی تشریح کرتے ہوئے جس میں یہ عذاب ظاہر ہوں گے، فرماتا ہے: "یہ اس دن ہوگا جس دن زمین اور سب پہاڑ شدت کے ساتھ لرزنے لگیں گے اور پہاڑ اس طرح سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے کہ ریت کے تودوں کی طرح نرم ہو جائیں گے"۔ (یوم ترجف الارض والجبال وکانت الجبال کثیبا مهیلا)۔

"کثیب" تہہ بہ تہہ جمع ہوئی ریت (ٹیلہ) کے معنی میں ہے اور "مهیل" "هیل" (بر وزن کیل) کے مادہ سے، ریت اور آٹے جیسی کسی نرم چیز کو دوسری چیز پر ڈالنا۔ یہاں وہ نرم ریت مراد ہے جسے کبھی قرار نہیں ہوتا۔

اس معنی کی بناء پر قیامت میں اس طرح سے بکھر جائیں گے کہ ایسی نرم ریت کی صورت اختیار کرلیں گے کہ اگر اس پر پاؤں رکھیں گے تو وہ اس میں دھنس جائیں گے۔

قیامت کے دن کے لیے قرآن نے پہاڑوں کی قسمت کے بارے میں مختلف تعبیریں بیان کی ہیں جو سب کی سب ان کی نابودی اور ان کے نرم خاک میں تبدیل ہو جانے کی حکایت کرتی ہیں (پہاڑوں کی نابودی کے مختلف مراحل کی مزید تشریح اور اس سلسلے میں قرآن کی مختلف تعبیریں سورۂ طٰہٰ کی آیہ ۱۰۵ کے ذیل میں آئی ہیں)۔

اس کے بعد پیغمبرؐ کی بعثت اور منہ زور حریفوں کی مخالفت کا موسیٰ بن عمران کے فرعون کے مقابلہ میں قیام سے موازنہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ہم نے تمہاری طرف ایسا ہی پیغمبر بھیجا ہے، جو تم پر گواہ ہے، جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا" (انا ارسلنا الیکم رسولا شاهدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا)۔

اس کا ہدف و مقصد تمہاری ہدایت اور تمہارے اعمال پر نظر رکھنا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ بن عمران کا ہدف فرعون اور فرعونیوں کی ہدایت اور ان کے اعمال پر نظر رکھنا تھا۔

"لیکن فرعون اس رسول کی مخالفت کے لیے کھڑا ہو گیا تو ہم نے بھی اسے شدید عذاب اور سزا میں گرفتار کر دیا" (فعصیٰ فرعون الرسول فاخذناه اخذا وبیلا)۔

نہ تو اس کا عظیم لشکر ہی اسے خدا کے عذاب سے بچا سکا اور نہ ہی مملکت کی وسعت اور حکومت کی قدرت اور ان کے دولت مند اس کام کو روک سکے، اور آخرکار وہ سب کے سب نیل کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں میں ـــــ جن پر وہ فخر کیا کرتے تھے ـــــ غرق ہو گئے، تو تم جو ان سے بہت ہی پست سطح پر ہو اور تعداد اور تیاری کے لحاظ سے فرعون اور فرعونیوں سے کئی درجے زیادہ ضعیف ہو اپنے بارے میں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شیا سوچتے ہو؟ اور اس مختصر سے مال اور افراد پر کس طرح سے مغرور ہوتے ہو؟

"وبیل" "وبل" کے مادہ سے اصل میں شدید اور سنگین بارش کے معنی میں ہے اور اس کے بعد ہر شدید سنگین چیز پر اس کا اطلاق ہوا ہے، خصوصاً عذاب کے بارے میں اور زیر بحث آیت میں بھی شدتِ عذاب کی طرف ہی اشارہ ہے، گویا لوگوں کو شدید بارش کی طرح اپنے طوفان اور یلغار میں قرار دیتا ہے۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام کے زمانے کے کفار کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے، انہیں اس طرح خبردار کرتا ہے: "اگر تم کافر ہو گئے تو اپنے آپ کو خدا کے شدید عذاب سے کس طرح بچا سکو گے، وہ دن تو ایسا ہو گا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا" (فکیف تتقون ان کفرتم یوماً یجعل الولدان شیبا)۔[1][2]

ہاں! اس دن کا عذاب اتنا زیادہ سنگین، شدید، ہولناک اور کمر شکن ہے، جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا، اور یہ اس کی شدت سے کنایہ ہے۔

آخرت کا عذاب تو آسان ہے، بعض نقل کرتے ہیں کہ اسی دنیا میں بعض اوقات جب انسان حد سے زیادہ شدید سختی اور تنگی سے گھر جاتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ بہت جلدی اس کے بال سفید ہو گئے ہیں۔

بہر حال اوپر والی آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بالفرض اگر تم اس جہان میں فرعونیوں کی طرح نابود کرنے والے عذاب میں گرفتار نہ بھی ہوئے، تب بھی قیامت اور قیامت کے عذاب کا کیا کرو گے۔

بعد والی آیت میں اس وحشت ناک دن کے بارے میں مزید حال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: "اس دن آسمانی کرّے پھٹ جائیں گے اور خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا" (السماء منفطر بہ کان وعدہ مفعولاً)۔[3]

قیامت اور "اشراط الساعۃ" کی بہت سی آیات (وہ واقعات جو اس جہان کے اختتام اور قیامت کے آغاز میں صورت پذیر ہوں گے) عظیم انفجارات، شدید زلزلوں اور سریع تبدیلیوں کا حال بیان کرتی ہیں جبکہ زیر بحث آیت ایک طرف ایک گوشے کی طرف اشارہ کرتی ہے جب آسمان اور آسمانی کرّے، اس عظمت کے باوجود اس دن کے عظیم حوادث کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے تو اس ضعیف و ناتواں انسان سے کیا ہو سکتا ہے۔[illegible]

---

1. "یوماً" "تتقون" کا مفعول ہے، اور اس دن سے بچنے کا معنی اس دن کے عذاب سے بچنا ہے۔ بعض نے یہ احتمال دیا ہے کہ یہ "تتقون" کا ظرف یا "کفرتم" کا مفعول ہے، لیکن یہ دونوں بعید نظر آتے ہیں۔

2. "شیب" (بروزن عیب) "اشیب" کی جمع ہے جو بڑھاپے کے معنی میں ہے اور اصل میں "شیب" (بروزن عیب) کے مادہ سے لیا گیا ہے اور شیب بالوں کے سفید ہونے کے معنی میں ہے۔

3. "منفطر" "انفطار" کے مادہ سے اشتقاق اور پھٹ جانے کے معنی میں ہے اور "بہ" کی ضمیر یوم کی طرف لوٹتی ہے، یعنی آسمان اس دن کی وجہ سے پھٹ جائے گا۔ (توجہ رہے کہ سماء مذکر کی صورت میں بھی اور مؤنث جاننے کی صورت میں بھی استعمال ہوتا ہے)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس بحث کے آخر میں تمام گزشتہ تنبیہوں اور انذاروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "جو کچھ بیان کیا گیا ہے، یہ نصیحت اور یاد دلانے کے لیے ہے" (انّ ھٰذہ تذکرۃ)۔

تم راستہ کا انتخاب کرنے میں آزاد ہو: "اور جو شخص چاہے کہ اس کی ہدایت ہو اور وہ سعادتِ ابدی کا طالب ہو تو وہ اپنے پروردگار کی طرف راستہ انتخاب کر لیتا ہے" (فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلاً)۔

اگر اس راستہ کو طے کرنا جبر و اکراہ کے ذریعہ ہو تو وہ نہ کوئی افتخار کی بات ہے اور نہ ہی فضیلت کی، فضیلت کی بات تو یہ ہے کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار سے اس راستہ کا انتخاب کرے اور پھر اسے طے کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے راہ اور چاہ کی نشاندہی کر دی ہے اور دیکھنے والی آنکھ اور روشنی بخشنے والا سورج اختیار میں دے دیا ہے اور لوگوں کو یہ صلاحیت بخش دی ہے کہ وہ اس کے فرمان کی اطاعت میں ارادہ و اختیار کے ساتھ عمل کریں۔

اس بارے میں کہ "انّ ھٰذہ تذکرۃ" (یہ نصیحت اور یاد آوری ہے) کا جملہ کس چیز کی طرف اشارہ ہے، مفسرین نے کئی احتمال دیے ہیں: کبھی تو انھوں نے یہ کہا ہے کہ یہ ان مواعظ کی طرف اشارہ ہے جو گزشتہ آیات میں آئے ہیں اور کبھی یہ کہا گیا کہ یہ پوری سورت کی طرف اشارہ ہے یا تمام قرآن کی طرف اشارہ ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ممکن ہے یہ حکم نماز اور رات کی عبادت کی طرف اشارہ ہو جو اس سورہ کی ابتدائی آیات میں آئے ہیں، اور اس میں مخاطب پیغمبر تھے، یہ جملہ چاہتا ہے کہ اسے باقی مسلمانوں کے لیے وسعت دے کر عام کر دے، اس بنا پر بعد والے جملے میں بھی "سبیل" (راستہ) سے مراد نماز تہجد ہی ہے، جو پروردگار کی طرف اہم راستوں میں سے ہے، جیسا کہ سورۂ دہر کی آیہ ۲۶ میں رات کی عبادت کا حکم دینے کے بعد (ومن اللیل فاسجد لہ وسبحہ لیلاً طویلاً) مختصر سے فاصلہ کے بعد فرماتا ہے (انّ ھٰذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلاً) جو بالکل وہی زیرِ بحث آیت ہے۔[1]

یقیناً یہ ایک مناسب تفسیر ہے لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ آیت کا مفہوم وسیع ہو اور اس سورہ میں جتنے انسان ساز پروگرام ہیں تمام کو احاطہ کیے ہوئے ہو، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

ایک نکتہ

عذابِ الٰہی کے چار مرحلے

اوپر والی آیات میں مغرور اور نعمت میں مست تکذیب کرنے والوں کو چار وحشتناک عذابوں کی تہدید کرتا ہے:

طوق اور زنجیریں: (انکال)

جہنم کی جلانے والی آگ (جحیم)

---

[1] تفسیر المیزان جلد ۲۰ ص ۱۴۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سخت گلوگیر ہونے والی مرگبار غذائیں: (وطعاما ذا غصة)

اور دوسرے انواع و اقسام کے دردناک عذاب جو انسانی فکر میں بھی نہیں آسکتے: (وعذابا الیما)

یہ سزائیں حقیقت میں ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی وضع و کیفیت کا نقطہ مقابل ہیں۔

ایک طرف ایسی آزادی کا تھا جس کی کوئی حد اور سرحد نہ ہو

دوسری طرف سے مرفہ اور خوشحال زندگی

تیسری طرف خوشگوار غذائیں اور کھانے

چوتھی طرف سے انواع و اقسام کے آرام اور آسائشیں

اور چونکہ ان تمام چیزوں کو دوسروں کے حقوق پر ظلم و تجاوز اور کبر و غرور اور خدا سے غفلت کی قیمت پر حاصل کیا ہے، لہٰذا وہ قیامت میں اس قسم کی سرنوشت میں گرفتار ہوں گے۔

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۰۔ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ڮ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ۧ

ترجمہ

۲۰۔ تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ جو تیرے ساتھ ہے، رات کی دو تہائی کے قریب یا آدھی رات یا اس کی ایک تہائی قیام کرتے ہیں اور خدا رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم اس کی مقدار کا (وقت کے ساتھ) اندازہ نہیں کر سکتے، اس لیے اس نے تمھیں بخش دیا، اب تم قرآن کی صرف اتنی ہی مقدار جو تمھارے لیے میسر ہو، تلاوت کرو، وہ جانتا ہے کہ عنقریب تم میں سے ایک گروہ بیمار بھی ہو جائے گا اور ایک گروہ فضل خدا حاصل کرنے (اور روزی کمانے کے لیے) سفر پر جائے گا اور ایک گروہ راہِ خدا میں جہاد کرے گا۔ پس جتنی مقدار تمھارے لیے ممکن ہو، اس کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو اور زکات ادا کرو اور خدا کو قرضِ حسنہ دو (اس کی راہ میں خرچ کرو) اور (یہ جان لو) کہ جو کارِ خیر تم اپنے لیے آگے بھیجتے ہو، تم اس کا خدا کے ہاں بہترین صورت میں عظیم ترین اجر پاؤ گے اور خدا سے طلب مغفرت کرو کہ خدا غفور و رحیم ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

جتنا تمہارے لیے ممکن ہے اتنا قرآن پڑھو

یہ آیت جو اس سورہ کی طویل ترین آیت ہے بہت سے ایسے مسائل پر مشتمل ہے جو گزشتہ آیات کے مضامین کی تکمیل کرتے ہیں۔

اس بارے میں کہ یہ آیت اس سورہ کی ابتدائی آیات کے احکام کی ناسخ ہے، یا یہ ان کی توضیح و تفسیر ہے، اور اسی طرح یہ کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے یا مدینہ میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔

ان سوالات کا جواب آیت کی تفسیر کے بعد واضح ہو جاتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ جو تیرے ساتھ ہیں، تقریباً رات کی دو تہائی یا آدھی رات یا اس کی ایک تہائی قیام کرتا ہے۔ خدا اس سے آگاہ کیوں نہ ہوگا، جبکہ رات اور دن کا اندازہ وہی کرتا ہے۔ (ان ربك يعلم انك تقوم ادنى من ثلثى الليل ونصفه وثلثه وطائفة من الذين معك والله يقدر الليل والنهار)[1]

یہ اسی حکم کی طرف اشارہ ہے، جو سورہ کے آغاز میں پیغمبر کو دیا گیا ہے صرف ایک چیز جس کا یہاں اضافہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس عبادت شبانہ میں مومنین کا ایک گروہ بھی پیغمبر کے ہمراہ ہوتا تھا (ایک استحبابی حکم کے عنوان سے یا احتمالاً ایک وجوبی حکم کی بناء پر، کیونکہ آغاز اسلام کے حالات کا تقاضا ہی یہ تھا کہ وہ تلاوت قرآن کے ذریعہ، جو انواع و اقسام کے اعتقادی، عملی اور اخلاقی درسوں پر مشتمل ہے، اور اسی طرح عبادات شبانہ کے ذریعہ اپنی تربیت اور اصلاح کریں، اور اسلام کی تبلیغ اور اس کے دفاع کے لیے خود کو آمادہ اور تیار کریں)

لیکن جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، بہت سے مسلمان ایک تہائی، آدھی رات اور دو تہائی رات کا حساب رکھنے میں مشکل اور دو دسری میں گرفتار ہو جاتے ہیں (کیونکہ اس زمانے میں وقت کی مقدار اور اندازہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا) اور اسی بناء پر وہ مجبوراً احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس وجہ سے کبھی تو وہ ساری رات بیدار رہتے تھے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ان کے پاؤں عبادت شبانہ کے قیام میں ورم کر جاتے ہیں۔

لہٰذا خدا نے ان پر اس حکم میں تخفیف کر دی اور فرمایا: وہ جانتا ہے کہ تم مذکورہ مقدار کا پورے طور پر اندازہ نہیں لگا سکتے، اس بناء پر اس نے تمہیں بخش دیا ہے۔ لہٰذا اب قرآن میں سے جتنی مقدار تمہارے لیے میسر اور آسان ہو اتنی تلاوت کرو" (علم ان لن تحصوه فتاب عليكم فاقرءوا ما تيسر من القرآن)۔

---

[1] اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے کہ "نصفہ" اور "ثلثہ" "کا عطف" "ادنیٰ" پر ہے نہ کہ "ثلثی اللیل" پر۔ اس بناء پر اس جملہ کا مفہوم یہ ہے تقریباً رات کی دو تہائی یا ٹھیک آدھی رات کی مقدار یا ایک تہائی رات، ضمنی طور پر توجہ کرنی چاہیے کہ لفظ "ادنیٰ" عام طور پر نزدیک مکان کے لیے بولا جاتا ہے، لیکن یہاں قریبی زمانہ کی طرف اشارہ ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"لن تحصوہ" "احصاء" کے مادہ سے شمار کرنے کے معنی میں ہے، یعنی تم پورے طور پر دقت کے ساتھ رات کا وقت دو تہائی، آدھی رات اور ایک تہائی کی مقدار کے لحاظ سے تعین نہیں کر سکتے اور زحمت میں پڑ جاتے ہو۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اس کام پر سال کے سارے دنوں میں مداومت نہیں کر سکتے۔

یہاں تک کہ موجودہ زمانہ میں بھی جب کہ کئی وسائل کے ذریعہ موقع پر نیند سے بیدار ہو سکتے ہیں۔ سارے سال میں ان مقداروں کی دقت کے ساتھ تعیین ——— خصوصاً رات اور دن میں مسلسل فرق پڑتے رہنے کے ساتھ ——— کوئی آسان کام نہیں ہے

"تاب علیکم" کے جملہ کو اکثر مفسرین نے "اس تکلیف اور ذمہ داری کی تخفیف" کے معنی میں بیان کیا ہے، نہ کہ "گناہ سے توبہ" کے معنی میں۔

یہ احتمال بھی ہے کہ جب وجوب کا حکم اٹھ جائے تو پھر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور نتیجہ میں خدا کی بخشش کے مانند ہوگا۔

اس بارے میں کہ "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" "جو کچھ قرآن میں سے تمھارے لیے میسر پڑے ہو" کے جملہ سے کیا مراد ہے؟ بہت زیادہ اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے اس کی نماز تہجد سے تفسیر کی ہے، کیونکہ اس میں حتمی طور پر قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد وہی تلاوت قرآن ہے، چاہے وہ نماز کے اندر نہ ہو، اس کے بعد بعض نے اس کی مقدار پچاس آیات، بعض نے سو آیات اور بعض نے دو سو آیات کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ لیکن ان میں سے کسی بھی تعداد کے لیے کوئی خاص دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جتنی مقدار سے انسان زحمت و تکلیف میں نہ پڑے اتنا قرآن پڑھے۔

یہ بات واضح ہے کہ "تلاوت قرآن" سے مراد یہاں وہ تلاوت ہے، جو درس و خود سازی اور ایمان و تقویٰ کی پرورش میں تعلیم کے عنوان سے ہو۔

اس کے بعد اس تخفیف کے لیے ایک اور دلیل کے بیان کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "خدا جانتا ہے کہ تم میں سے ایک گروہ بیمار بھی ہوں گے اور دوسرا گروہ تحصیل معاش اور خدا کے فضل کی تلاش میں سفر کی راہ اختیار کرے گا اور تیسرا گروہ راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ یہ امور اس چیز سے مانع ہوں گے کہ رات کی عبادت کو اس حساب اور نصاب سے جو پہلے معین ہوا ہے، ہمیشہ کے لیے انجام دیتے رہیں" (علم ان سیکون منکم مرضٰی وأخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل الله وأخرون یقاتلون فی سبیل الله)۔

اور یہی چیز اس پروگرام میں تخفیف کا ایک سبب ہے لہٰذا دوبارہ تکرار کرتا ہے: "اب جبکہ ایسا ہے تو جس قدر تمھارے لیے ممکن ہے اور جتنی تم میں طاقت ہے بس اتنا رات کو قرآن کی تلاوت کرو" (فاقرءوا ما تیسر منه)۔

یہ بات واضح ہے کہ بیماری اور ضروری مشغولی اور اللہ کی راہ میں جہاد کا ذکر، نمایاں عذروں کی تین مثالوں میں سے ہے۔ لیکن انھیں تک منحصر نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ خدا جانتا ہے کہ تم دنیا میں زندگی کے مختلف مشکلات میں گرفتار ہوگے اور یہ چیز اس سنگین پروگرام کو ادا رکھنے میں مانع ہے۔ لہٰذا اس نے تمھارے لیے اس میں تخفیف کر دی ہے۔

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا یہ حکم، اس چیز کو، جو سورہ کے آغاز میں آئی ہے، منسوخ کرتا ہے؟ یا اس کے لیے استثنائی صورت میں ہے؟ آیات کا ظاہر حکم سابق کے نسخ کو بتاتا ہے۔ حقیقت میں یہ بات ضروری تھی کہ یہ پروگرام ایک مدت تک جاری رہے، اور وہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جاری رہا، اور اس حکم کا مقصد، جو ایک موقت اور فوق العادۃ پہلو رکھتا تھا وہ حاصل ہو گیا اور اس مدت کے ختم ہونے کے بعد تخفیف کی صورت میں باقی رہ گیا، کیونکہ آیت کا ظاہر یہ ہے کہ معذور افراد کے موجود ہونے کی وجہ سے، اس حکم کی سب کے لیے تخفیف ہو گئی، نہ کہ صرف معذور لوگوں کے لیے، اس طرح سے یہ استثناء نہیں ہو سکتی، بلکہ اسے نسخ ہونا چاہیے (غور کیجیے)

یہاں ایک اور سوال سامنے آتا ہے کہ: کیا قرآن میں سے ممکن مقدار کی تلاوت، جس کا اس آیت میں دو مرتبہ امر ہوا ہے، واجب ہے، یا مستحب ہے؟

بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ یقینی طور پر مستحب ہے اور بعض نے وجوب کا احتمال دیا ہے، کیونکہ قرآن کی تلاوت، توحید کے دلائل ارسال رسل اور اس آسمانی کتاب کے اعجاز سے آگاہی اور باقی واجبات دین کی تعلیم حاصل کرنے کا سبب ہوتا ہے۔ اس بناء پر تلاوت قرآن مقدمہ واجب ہے لہٰذا یہ واجب ہو گیا۔

لیکن اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے کہ اس صورت میں ضروری نہیں ہے کہ قرآن کو رات کو ہی پڑھے، یا نماز تہجد کے درمیان پڑھے۔ بلکہ ہر مکلف (بالغ و عاقل) پر واجب ہے کہ بقدر لازم تعلیم و تربیت اور اصول و فروع اسلام سے آگاہی کے لیے، اور اسی طرح قرآن کو محفوظ رکھنے اور اسے آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لیے تلاوت کرے، بغیر اس کے کہ کوئی خاص وقت اور زمانہ اس میں پیش نظر ہو۔

لیکن حق بات یہ ہے کہ "فاقرءوا ....." کے جملہ میں ظاہر امر وجوب ہے (جیسا کہ اصول فقہ میں بیان ہوا ہے)۔ مگر یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ "امر" عدم وجوب پر فقہاء کے اجماع کی بناء پر ایک امر استحبابی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آغاز اسلام میں تو حالات و شرائط کی بناء پر یہ تلاوت اور شبانہ عبادت واجب تھی اور بعد میں مقدار کے لحاظ سے بھی اور حکم کے لحاظ سے بھی اس میں تخفیف کر دی گئی ہے اور اس نے ایک استحبابی حکم کی صورت اختیار کر لی ہے اور وہ بھی اتنا جتنا کہ آسانی سے ہو سکے، لیکن بہر حال پیغمبر اسلام پر نماز تہجد کا وجوب آخر عمر تک ثابت رہا۔ (تمام آیات قرآن اور روایات کے قرینہ سے)۔

ایک روایت میں امام باقرؑ سے آیا ہے:

"دو تہائی رات یا آدھی رات یا ایک تہائی رات سے مربوط حکم منسوخ ہو گیا ہے، اور اس کی جگہ "فاقرءوا ما تیسر من القرآن" قرار پایا ہے"[1]

قابل توجہ بات یہ ہے کہ زیر بحث آیت میں تین قسم کے عذر بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک تو جسمانی پہلو رکھتا ہے (بیماری) اور دوسرا مالی پہلو رکھتا ہے (معاش کے لیے مسافرت) اور تیسرا دینی جنبہ رکھتا ہے (راہ خدا میں جہاد) لہٰذا بعض نے یہ کہا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاش کی تلاش اور اس کے لیے کوشش کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کے ہم ردیف ہے۔

اور اس جملہ کو اس بات کی بھی ایک دلیل سمجھا ہے کہ خاص یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ مکہ میں جہاد کا وجوب نہیں تھا، لیکن اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ وہ فرماتا ہے: سیکون: (عنقریب ہوگا)، ممکن ہے یہ آئندہ زمانہ میں تشریع جہاد کی خبر ہو یعنی چونکہ کچھ مدت تو تم زمانہ حال میں رکھتے ہو اور کچھ اور عذر آئندہ تمہارے لیے پیدا ہوں گے۔ اس لیے یہ حکم دائمی صورت میں نہیں آیا اور اس صورت میں

---

[1] تفسیر نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۵۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آیت کے مکی ہونے کے ساتھ تضاد نہیں رکھتا۔

اس کے بعد اس آیت کے آخر میں چار اور احکام کی طرف اشارہ کیا ہے اور خود سازی کا جو پروگرام پیش کیا گیا تھا، اس کی اس چیز کے ذریعہ تکمیل کرتا ہے فرماتا ہے: "نماز قائم کرو، زکات ادا کرو، اور مستحب انفاق کرنے سے خدا کو قرض حسنہ دو، اور یہ جان لو کہ جو کار خیر تم اپنے لیے آگے بھیجتے ہو، تم اس کا خدا کے ہاں بہترین صورت میں عظیم ترین اجر پاؤ گے":

(واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واقرضوا اللہ قرضا حسنا وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیرا واعظم اجرا)۔

"اور استغفار کرو اور خدا سے بخشش طلب کرو کہ خدا غفور و رحیم ہے":

(واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم)۔

یہ چاروں حکم (نماز، زکات، مستحب انفاق اور استغفار) تلاوت کے حکم اور قرآن میں تدبر کے ضمیمے کے ساتھ —— جو قبل کے جملوں میں بیان ہوا تھا —— مجموعی طور پر خود سازی کا ایک مکمل پروگرام پیش کرتے ہیں، جو ہر عصر اور زمانہ میں خصوصاً آغاز اسلام میں ناقابل انکار تاثیر رکھتا تھا اور رکھتا ہے۔

یہاں "نماز" سے مراد پنجگانہ نمازیں ہیں اور "زکوٰۃ" سے مراد زکوٰۃ واجب ہے اور "قرض حسنہ" دینے سے مراد وہی مستحب انفاق اور خرچ ہیں، اور یہ انتہائی محبت آمیز تعبیر ہے جس کا اس سلسلہ میں تصور کیا جا سکتا ہے، کیونکہ تمام ہستیوں کا مالک اس شخص سے قرض مانگ رہا ہے جس کی اپنی کوئی چیز نہیں ہے، تاکہ اس طریقہ سے انفاق کا اہتمام اور اس کار خیر کے ذریعہ کسب فضیلت کا شوق بڑھے اور اس طریقہ سے اس کی تربیت ہو اور وہ تکامل و ارتقاء حاصل کرے۔

ان احکام کے آخر میں استغفار کا ذکر ممکن ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان اطاعتوں کی انجام دہی کی وجہ سے خود کو انسان کامل سمجھ بیٹھو، اور اصطلاح کے مطابق خود کو طلب گار تصور کرنے لگو، بلکہ تمہیں ہمیشہ اپنے آپ کو مقصر شمار کرنا چاہیے اور بارگاہ خدا میں عذر و معذرت کرتے رہنا چاہیے، وہ جو کچھ اس کی خداوندی کے لائق اور سزاوار ہے وہ کوئی شخص بھی بجا نہیں لا سکتا۔

بعض مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ ان احکام پر اس لیے تکیہ کیا گیا ہے تاکہ یہ تصور نہ کر لیا جائے کہ گزشتہ شب قیام اور تلاوت قرآن میں تخفیف کر دی گئی ہے تو باقی پروگراموں اور دینی احکام میں بھی اثر انداز ہوگی، بلکہ وہ اسی طرح اپنی حالت پر باقی ہیں[1]

ضمنی طور پر زکوٰۃ واجب کے ذکر کو یہاں اس آیت کے مدنی ہونے کی ایک اور دلیل قرار دیتے ہیں، کیونکہ زکوٰۃ کا حکم مدینہ میں نازل ہوا تھا نہ کہ مکہ میں۔ لیکن بعض نے لکھا ہے، اصل حکم زکوٰۃ مکہ میں ہی نازل ہوا تھا لیکن اس کا نصاب اور اس کی مقدار بیان نہیں ہوئے تھے، وہ چیز جو مدینہ میں تشریع ہوئی وہ زکوٰۃ کے نصاب اور مقدار کا مسئلہ تھا۔

---

[1] تفسیر المیزان، جلد ۲۰ ص ۱۵۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چند نکات

عقیدت کے ساتھ علمی آمادگی کی ضرورت

اہم اجتماعی کاموں کو انجام دینے کے لیے —— خاص طور پر زندگی کے تمام حالات میں ایک وسیع و عریض انقلاب پیدا کرنے کے لیے —— ہر چیز سے پہلے ایک انسانی پختہ اور مسلّم طاقت کی ضرورت ہے، جو اس کام کے لیے، راسخ اعتقاد، مکمل آگاہی، ضروری علمی و فکری تعلیمات اور اخلاقی تربیت کے ساتھ بنی ہو۔

اور یہ ایسا دقیق کام تھا جسے پیغمبر اسلامؐ نے، مکہ میں بعثت کے ابتدائی سالوں میں، بلکہ اپنی عمر کے سارے دور میں انجام دیا اور اسی بناء پر، اور اسی محکم بنیاد کی وجہ سے، اسلام کے پودے نے سرعت کے ساتھ نشو و نما پائی، کونپلیں پھوٹیں اور شاخ و برگ نکالے۔

جو کچھ اس سورہ میں آیا ہے، وہ اسی جالب شعلہ اور نپے تلے پروگرام کا ایک زندہ اور بہت ہی منہ بولتا نمونہ ہے۔ دو تہائی رات یا کم از کم ایک تہائی رات کے محکم عبادت نے —— جو تلاوت اور قرآن مجید کی آیات میں غور و خوض کے ساتھ توام تھی —— مسلمانوں کی روح میں عجیب و غریب تاثیر پیدا کردی اور انہیں "قول ثقیل" اور "سبح طویل" کو قبول کرنے کے لیے آمادہ کر دیا۔ یہ رات کی حرکات اور "نمازِ شب ناشئات" جو قرآنی تعبیر کے مطابق "اشد وطأ" اور "اقوم قیلا" ہیں، انہوں نے اپنا کام دکھایا اور محروم عوام اور مستضعف طبقات کو ایک چھوٹا سا گروہ اس طرح کا بنا دیا کہ انہوں نے جہان کے ایک عظیم حصہ پر حکومت کرنے کی لیاقت پیدا کرلی۔

اور آج بھی اگر ہم مسلمان چاہیں کہ اپنی دیرینہ عظمت و شوکت دوبارہ حاصل کرلیں تو ہمارا راستہ یہی راستہ ہے اور وہ پروگرام یہی پروگرام ہے ہمیں ہرگز یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ ہم ایسے افراد کے ساتھ، جو فکر و نظر اور ایمان کے لحاظ سے ضعیف و ناتواں ہیں، ایسے افراد جنہوں نے ضروری علمی اور اخلاقی تربیت حاصل نہیں کی ہے، "یہودیوں" کے تسلط اور غلبہ کو اسلامی ملک کے اندر سے باہر نکال پھینکیں گے اور اجنبی جنایتکار سپر طاقتوں کے ہاتھ کو اسلامی ممالک تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے، لیکن آخرکار بات "یک حرف بس است"

۲۔ غور و فکر کے ساتھ تلاوت قرآن

روایات اسلامی سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن کی فضیلت زیادہ پڑھنے سے نہیں ہے بلکہ اچھی طرح سے پڑھنے اور اس میں سوچ بچار اور غور و فکر کرنے سے ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اوپر والی آیت کے ذیل میں جو یہ حکم دیتی ہے کہ قرآن میں سے جتنا تمہارے لیے میسر ہے، اتنا پڑھو "فاقرءوا ما تیسر منه" ایک روایت امام علی بن موسیٰ رضاؑ سے آئی ہے کہ آپ نے اپنے جدّ بزرگوار سے اس طرح نقل فرمایا ہے:

ماتیسر منه لكم فیه خشوع القلب وصفاء السر

"بس اتنا پڑھو جس میں خشوعِ قلب، صفائے باطن اور روحانی و معنوی نشاط حاصل ہو"[1]

ایسا کیوں نہ ہو جبکہ تلاوت کا ہدف اور مقصد اصلی تعلیم و تربیت ہے۔

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۸۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور اس سلسلہ میں روایات بہت ہیں۔

۲۔ معاش کی تلاش جہاد کے ہمردیف

اوپر والی آیت میں ـــــــ جیسا کہ ہم نے دیکھ لیا ہے ـــــــ زندگی بسر کرنے کے لیے تلاش معاش کو "جہاد فی سبیل اللہ" کے ساتھ قرار دیا ہے اور یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام اس موضوع کے لیے بہت زیادہ اہمیت کا قائل ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔ حالانکہ ایک فقیر، بھوکی اور دوسروں کی محتاج قوم ہرگز استقلال، عظمت اور سربلندی حاصل نہیں کر پائے گی اور اصولی طور پر "جہاد اقتصادی" "دشمن کے ساتھ جہاد" کا ایک حصہ ہے۔

اس سلسلہ میں مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود کا ایک جملہ نقل ہوا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ایما رجل جلب شیئاً الی مدینة من مدائن المسلمین، صابراً محتسباً، فباعه بسعر یومه، کان عند الله بمنزلة الشهداء، ثم قرأ "واٰخرون یضربون فی الارض"....

جو شخص کچھ مال مسلمانوں کے کسی شہر میں لے جائے اور اس راہ میں اپنی زحمتوں کو خدا کے لیے محسوب کرے اور پھر اس کو اس دن کی بازاری قیمت پر فروخت کر دے تو ایسا شخص خدا کی بارگاہ میں شہیدوں کی منزلت رکھتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے سورۂ مزمل کی آخری آیت کے اس جملہ کو شاہد کے طور پر تلاوت کیا "واٰخرون یضربون فی الارض"[1]

خداوندا! ہمیں تمام ابعاد و جہات میں جہاد کرنے کی توفیق عطا فرما۔

بارالٰہا! ہم سب کو رات کے قیام، اور قرآن کریم کی تلاوت اور اس آسمانی کتاب کے نور کے سایہ میں اپنی اصلاح کی توفیق مرحمت فرما۔

پروردگارا! ہمارے اسلامی معاشرے کو اس عظیم سورہ سے ہدایت حاصل کرنے کے ساتھ شائستہ مقام اور دیرینہ عظمت تک پہنچا!

آمین یارب العالمین

اختتام سورۂ مزمل

اول ماہ صفر ۱۴۰۷، ۸۵/۷/۱۴

اختتام ترجمہ

بروز منگل بوقت تقریباً ساڑھے چار بجے سہ پہر ۵ صفر ۱۴۰۸ھ

مطابق ۲۹ ستمبر ۱۹۸۷ء ـ ۸۱ راوی ماڈل ٹاؤن ـ لاہور

---

[1] "مجمع البیان" "تفسیر ابوالفتوح رازی" "تفسیر قرطبی" زیر بحث آیت کے ذیل میں۔ ضمنی طور پر ایک دوسری حدیث سے جو اس حدیث کے مشابہ ہے اور تفسیر قرطبی میں رسول اکرم سے نقل ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی تھی، بلکہ پیغمبر سے لی تھی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورہ مُدّثر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی

اور

اس کی ۵۶ آیات ہیں

تاریخ شروع

۲، صفر ۱۴۰۷ ہجری

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ مدثر کے مضامین

اس میں شک نہیں کہ یہ سورہ ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئی ہیں، لیکن اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ کیا یہ وہ پہلی سورت ہے جو پیغمبر پر نازل ہوئی ہے یا یہ سورۂ اقراء کے بعد نازل ہوئی ہے۔

لیکن سورہ "اقرأ" اور "سورۂ مدثر" کے مضامین میں غور و خوض کرنے سے اس بات کا پتہ چل جاتا ہے کہ "اقراء" آغاز دعوت میں نازل ہوئی تھی علاوہ سورۂ مدثر اس زمانہ کے ساتھ مربوط ہے جب پیغمبر آشکار دعوت پر مامور ہوئے، اور پوشیدہ اور پنہاں دعوت کا دور ختم ہوا، لہٰذا بعض نے کہا ہے کہ سورہ "اقراء" وہ پہلا سورہ ہے جو آغاز بعثت میں نازل ہوئی اور سورۂ "مدثر" وہ پہلا سورہ ہے جو آشکار دعوت کے سبب ہے اور یہ بات بہت اچھی نظر آتی ہے۔

بہر حال مکی سورتوں کا مزاج و طبیعت۔ جو مبداء و معاد کی دعوت اور شرک سے مبارزہ اور مخالفین کو عذاب الٰہی کا انذار اور تہدید ہے۔ اس سورہ میں مکمل طور سے منعکس ہے۔

اس سورہ کے مباحث مجموعی طور سے سات محوروں کے گرد گردش کرتے ہیں:

۱۔ پیغمبر کو قیام، انذار، آشکار تبلیغ کی دعوت اور اس راہ میں صبر و استقامت اور اس کام کے لیے ضروری آمادگیوں کی تیاری۔

۲۔ قیامت کی طرف اشارہ، دوزخیوں کی صفات، وہی جو قرآن سے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے اور جنہوں نے حق کا مذاق اڑایا۔

۳۔ کافروں کو ڈرانے کے ساتھ دوزخ کی خصوصیات کا ایک حصہ۔

۴۔ بار بار کی قسموں کے ذریعہ امر قیامت پر تاکید۔

۵۔ ہر انسان کی سرنوشت کا اس کے اعمال کے ساتھ ربط اور اس سلسلہ میں ہر قسم کے غیر منطقی افکار کی نفی۔

۶۔ جنتیوں اور دوزخیوں کی بعض خصوصیات اور ان میں سے ہر ایک کی سرنوشت۔

۷۔ جاہل، بے خبر، مغرور اور خود غرض لوگوں کے حق سے فرار کی کیفیت۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

پیغمبر گرامی اسلام سے ایک حدیث میں آیا ہے:

من قرأ سورة المدثر اعطى من الاجر عشر حسنات بعدد من صدق بمحمد (ص) وكذب به بمكة

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"جو شخص سورۂ مدثر کو پڑھے گا، اسے ان لوگوں کی تعداد میں جنہوں نے مکہ میں پیغمبر اسلام کی تصدیق یا تکذیب کی تھی، دس نیکیاں دی جائیں گی۔"[1]

ایک اور دوسری حدیث میں امام باقرؑ سے آیا ہے:

من قرأ فی الفریضة سورة المدثر کان حقا علی الله ان یجعله مع محمد (ص) فی درجته، ولا یدرکه فی حیاة الدنیا شقاء ابدا

"جو شخص سورۂ مدثر کو واجب نماز میں پڑھے تو خدا پر حق ہے کہ اس کو پیغمبر کے ہمراہ ان کے جوار میں اور ان کے درجہ میں قرار دے اور دنیا کی زندگی میں بدبختی اور رنج و تکلیف اسے دامن گیر نہ ہو۔"[2]

یہ بات واضح ہے کہ اس قسم کے نتائج صرف سورہ کے الفاظ پڑھنے پر مترتب نہیں ہوں گے بلکہ ضروری ہے کہ سورہ کے مضامین کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر پوری طرح عمل کیا جائے۔

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝

۲۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝

۳۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝

۴۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝

۵۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

۶۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝

۷۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

۸۔ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝

۹۔ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝

۱۰۔ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝

ترجمہ

شروع اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱۔ اے بستر خواب میں آرام کرنے والے

۲۔ اٹھ کھڑا ہو اور انذار کر (اور عالمین کو ڈرا)

۳۔ اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر

۴۔ اور اپنے لباس کو پاک کر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۵۔ اور پلیدگیوں سے پرہیز کر۔
۶۔ اور کسی پر منت نہ رکھ اور زیادتی کا مطالبہ نہ کر۔
۷۔ اور اپنے پروردگار کے لیے صبر کر۔
۸۔ جس وقت صور پھونکا جائے گا۔
۹۔ وہ دن بہت ہی سخت دن ہوگا۔
۱۰۔ اور کافروں کے لیے آسان نہیں ہوگا۔

تفسیر

اٹھ اور عالمین کو ڈرا!

اس میں شک نہیں کہ ان آیات میں مخاطب خود پیغمبر کی ذات ہے۔ اگرچہ اس بات کی ان میں صراحت نہیں ہوئی ہے۔ لیکن ان آیات میں موجود قرائن اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

پہلے فرماتا ہے: "اے بستر خواب میں آرام کرنے والے اور اے چادر اوڑھ کر سونے والے" (یا ایھا المدثر)۔

"اٹھ کھڑا ہو اور انذار کر اور عالمین کو ڈرا" (قم فانذر)۔

کیونکہ سونے اور آرام کرنے کا وقت گزر گیا ہے اور قیام و تبلیغ کا زمانہ آگیا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ انذار پر تکیہ۔ حالانکہ پیغمبر "بشیر" بھی ہیں اور "نذیر" بھی۔ اس بنا پر ہے کہ "انذار" خصوصیت کے ساتھ کام کے آغاز میں، سوئی ہوئی اور دلوں کو بیدار کرنے میں، زیادہ عمیق اور گہری تاثیر رکھتا ہے۔

اس بارے میں کہ پیغمبر بستر میں کیوں آرام کر رہے تھے، کہ اس خطاب نے آپ کو قیام کی دعوت دی، مفسرین نے بہت سے احتمال دیئے ہیں۔

۱۔ مشرکین عرب موسم حج کے قریب جمع ہوئے اور ان کے سرداروں مثلاً ابوجہل، ابوسفیان، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث وغیرہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ باہر سے مکہ میں آنے والے لوگوں کے سوالات کے مقابلہ میں، جنھوں نے اِدھر اُدھر سے پیغمبر اسلام کے ظہور کے سلسلہ میں مختلف مطالب سنے ہیں کیا کہیں؟

• اگر ہر ایک الگ الگ جواب دینا چاہے، ایک اسے کاہن کہے، دوسرا مجنون کہے، تیسرا ساحر کہے تو یہ اختلاف ان کے لیے اچھا اثر نہ چھوڑے گا لہٰذا ضروری ہے کہ پیغمبر کے برخلاف پروپیگنڈے کی جنگ متحد ہو کر لڑے ہو جائیں۔ بحث و گفتگو کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ سب سے بہتر یہ ہے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کہ سب کے سب اسے "ساحر" کہیں، کیونکہ "جادو" کے واضح آثار میں سے ایک بیوی اور شوہر اور باپ اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈالنا ہے اور پیغمبر نے دینِ اسلام کو پیش کر کے اس قسم کا کام انجام دیا ہے۔

یہ بات پیغمبرؐ کے کان تک پہنچی تو آپ کو بہت دکھ ہوا اور بیماروں کی طرح غمگین حالت میں گھر میں آ گئے اور بستر میں لیٹ گئے، تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں اور آپ کو قیام اور مبارزہ کی دعوت دی۔

۲۔ یہ آیات وہ پہلی آیات تھیں جو پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوئیں، کیونکہ "جابر بن عبداللہ" کے واسطے سے پیغمبرؐ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں کوہِ حرا پر تھا کہ ایک آواز بلند ہوئی اور کہا، اے محمدؐ! "تو خدا کا رسول ہے"۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا تو مجھے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ میں نے اپنے سر کے اوپر دیکھا، تو ایک فرشتے کو عرش پر آسمان و زمین کے درمیان دیکھا، میں ڈر گیا اور خدیجہ کی طرف لوٹ آیا، اور میں نے کہا: "مجھ پر کپڑا ڈال دو، مجھ پر کپڑا ڈال دو اور ٹھنڈا پانی مجھ پر ڈالو"، یہ وہ منزل تھی کہ جبرئیل مجھ پر نازل ہوئے اور "یا ایہا المدثر" لائے۔"

لیکن اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ اس سورہ کی آیات آشکار دعوت کو بیان کر رہی ہیں، اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ آیات کم از کم تین سال تک پوشیدہ طور سے دعوت کرنے کے بعد نازل ہوئی ہیں، اور یہ بات اس چیز سے جو اوپر والی روایت میں بیان کی گئی ہے سازگار نہیں ہے۔ مگر یہ کہ یہ کہا جائے کہ اس سورہ کی چند ابتدائی آیات آغازِ دعوت میں نازل ہوئی تھیں اور بعد والی آیات چند سال کے بعد سے تعلق رکھتی ہیں۔

۳۔ پیغمبر سوئے ہوئے تھے اور اوپر چادر لی ہوئی تھی کہ جبرئیل نازل ہوئے اور آپ کو بیدار کیا اور یہ آیات آپ کے سامنے پڑھیں کہ اٹھ جائیے اور بستر اور نیند سے کنارہ کشی کیجیے اور رسالت اور پیغامِ الٰہی کو انجام دیجیے۔

۴۔ کپڑا اوڑھنے سے مراد ظاہری کپڑا نہیں ہے، بلکہ لباسِ نبوت و رسالت ہے، جیسا کہ پرہیزگاری کو "لباس التقوٰی" کہا گیا ہے۔

۵۔ "مدثر" سے مراد ایسا شخص ہے جس نے گوشۂ عزلت اختیار کر لیا ہو اور علیحدگی اور تنہائی میں زندگی بسر کرتا ہو، اس بناء پر آیت یہ کہتی ہے کہ عزلت اور گوشہ نشینی سے باہر نکل آؤ اور مخلوق کو انذار اور خدا کے بندوں کو ہدایت کرو۔

ان سب تفاسیر میں سے پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ "فانذر" (انذار کرو) کا جملہ یہ بیان کرتا ہے کہ کس چیز سے ڈراؤ؟ اور کس موضوع میں انذار کرو؟ اور یہ حقیقت میں عمومیت کے بیان کے لیے ہے، یعنی بت پرستی، شرک و کفر، ظلم و بیدادگری اور فساد و عذابِ الٰہی اور حسابِ محشر وغیرہ کے بارے میں لوگوں کو خبردار کرو، (اور اصطلاح کے مطابق متعلقات کا محذوف ہونا عمومیت پر دلالت کرتا ہے) ضمنی طور پر یہ عذابِ دنیا کو بھی شامل ہے اور عذابِ آخرت کو بھی اور انسان کے اعمال کے بُرے نتائج کو بھی جو اسے دامن گیر ہوں گے۔

اور قیام و انذار کی دعوت کے بعد پیغمبر اسلامؐ کو پانچ حکم دیتا ہے، جو دوسروں کے لیے ایک نمونہ ہیں، ان میں سے پہلا حکم توحید کے بارے میں ہے۔ فرماتا ہے: "صرف اپنے پروردگار کو بڑا سمجھ" (وربک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فکبّر)[1]

وہی خدا جو تیرا مالک و مربی ہے اور جو کچھ تیرے پاس ہے وہ اسی کی طرف سے ہے۔

تو اس کے غیر کو بالکل بھول جا اور تمام جھوٹے معبودوں پر سرخ لکیر پھیر دے، اور ہر قسم کے شرک اور بت پرستی کے آثار کو محو کر دے۔

لفظ "رب" "پر تکیہ اور اس کو" کبّر" پر مقدم رکھنا انحصار کی دلیل ہے، اس مختصر سی عبارت میں مسئلہ توحید کو دلیل کے ذکر کے ساتھ پیش کرتا ہے، قرآن کی تعبیریں کتنی عمدہ اور مضامین سے پُر ہیں کہ ایک مختصر سی عبارت میں یہ سب معنی بیان ہو گئے ہیں۔

" فکبّر " کے جملے سے مراد صرف " اللہ اکبر " کہنا نہیں ہے ـــــ اگرچہ اللہ اکبر بھی کہنا اس کا ایک معنی ہے، جس کی طرف روایات میں بھی اشارہ ہوا ہے ـــــ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے خدا کو اعتقاد کے لحاظ سے بھی عمل کے لحاظ سے بھی اور گفتگو میں بھی بڑا سمجھو، اور اس کو اوصافِ جمال کے ساتھ متصف اور ہر قسم کے نقص و عیب سے منزہ جان، بلکہ اس کو اس سے برتر سمجھ کہ اس کی تعریف و توصیف ہو سکے۔ جیسا کہ روایات اہل بیت میں آیا ہے کہ " اللہ اکبر " کا معنی یہ ہے کہ خدا اس سے برتر ہے کہ اس کی توصیف ہو سکے، اور وہ فکرِ انسانی میں سما سکے، اس بنا پر " تکبیر " " تسبیح " کی نسبت زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے جو صرف ہر قسم کے نقص و عیب سے تنزیہ کو شامل ہوتی ہے۔

مسئلہ توحید کے بعد دوسرا حکم آلودگیوں سے پاکیزگی کے بارے میں دیتے ہوئے مزید کہتا ہے، " اور اپنے لباس کو پاک کر "۔
(وثیابک فطھّر)۔

" لباس " کی تعبیر ممکن ہے انسان کے عمل سے کنایہ ہو، کیونکہ ہر شخص کے اعمال، اس کے بمنزلہ لباس ہیں، اور اس کا ظاہر اس کے باطن کو بیان کرتا ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں لباس سے مراد دل، روح اور جان ہے، یعنی اپنے دل کو ہر قسم کی آلودگی سے پاک کر، جہاں لباس کو پاک ہونا چاہیے، تو صاحبِ لباس اولویت رکھتا ہے کہ وہ پاک ہو۔

بعض نے اسی ظاہری لباس کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے، کیونکہ لباس کے ظاہر کی پاکیزگی کسی کی شخصیت کے اہم ترین پہلو اور انسان کی تربیت اور تہذیب و تمدن کی نشانی ہے۔ خصوصاً زمانۂ جاہلیت میں بہت کم لوگ غلاظت سے اجتناب کرتے تھے اور بہت ہی گندا لباس رکھتے تھے خصوصاً معمول یہ تھا (جیسا کہ اس آخری زمانۂ جاہلیت میں گرفتار شدہ افراد میں بھی یہی معمول ہے) کہ لباس کے دامن کو بہت بڑا کرتے ہیں، اس طرح کہ وہ زمین پر کھنچتا ہے اور آلودہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ جو بعض روایات میں امام صادق سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: آیت کا معنی یہ ہے کہ ثیابک فقصّر (اپنے لباس کو چھوٹا کر)[2] یہ بھی اسی معنی کو بیان کرتا ہے۔

بعض نے اس کی بیویوں کے ساتھ تفسیر کی ہے کیونکہ قرآن کہتا ہے تم اپنی بیویوں کا لباس ہو اور وہ بھی تمہارا لباس ہیں (کیونکہ تم ایک دوسرے کی آبرو کی حفاظت کرتے ہو اور ایک دوسرے کی زینت ہو)۔ (ھن لباس لکم وانتم لباس لھن) (بقرہ آیہ ۱۸۷)

---

۱ " فکبّر " میں " فا " بعض کے نظریے کے مطابق زائدہ ہے اور تاکید کے لیے آیا ہے اور بعض کے نظریے کے مطابق " شرط " کے معنی کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے اور جملہ کا معنی اس طرح ہے: جو بھی حوادث و واقعات پیش آئیں خدا کے بڑا ہونے کو نہ بھول جا (بعد والی آیات کے بارے میں بھی یہی گفتگو ہے)

۲ مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۸۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان معانی کے درمیان جمع کرنا بھی ممکن ہے۔

حقیقت میں آیت کا اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ رہبرانِ الٰہی کی باتیں اسی وقت نفوذ کر سکتی ہیں جبکہ ان کا دامن ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہو اور ان کا تقویٰ و پرہیزگاری ہر لحاظ سے مسلم ہو، اسی لیے قیام و انذار کے بعد پاکدامنی کا حکم دیتا ہے

تیسرے حکم میں فرماتا ہے: "ناپاکیوں سے اور ان چیزوں سے جو عذابِ الٰہی کا موجب ہیں پرہیز کر" والرجز فاهجر)۔

رجز (پلیدگی) کے مفہوم کی وسعت کے سبب اس کے لیے گوناگوں تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔

کبھی اس کی بتوں کے ساتھ، کبھی ہر قسم کی معصیت و نافرمانی کے ساتھ، کبھی قبیح و ناپسندیدہ اخلاق کے ساتھ، کبھی محبت دنیا کے ساتھ جو ہر گناہ اور خطا کا سرچشمہ ہے، کبھی عذابِ الٰہی کے ساتھ جو شرک و معصیت کا نتیجہ ہے اور کبھی ہر اس چیز کے معنی میں جو انسان کو خدا سے غافل کر دیتی ہے، تفسیر کی ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ "رجز" اصل میں اضطراب و تزلزل کے معنی میں ہے[1] اور اس کے بعد ہر قسم کے گناہ، شرک، بت پرستی، شیطانی وسوسوں، اخلاقِ ذمیمہ اور عذابِ الٰہی کے لیے ——— جو انسان کے اضطراب کا سبب بنتے ہیں اور اس کو صحیح راستے سے منحرف کر دیتے ہیں، اطلاق ہونے لگا۔

حالانکہ بعض اس لفظ کا معنی "عذاب" کرتے ہیں[2]۔ اور چونکہ شرک و گناہ، برے اخلاق اور دنیا کی محبت عذابِ الٰہی کو جلب کرتے ہیں، لہٰذا ان پر بھی "رجز" کا اطلاق ہونے لگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ قرآن مجید میں لفظ "رجز" (بروزن شرک) عام طور پر عذاب کے معنی میں آیا ہے[3]

بعض یہ نظریہ بھی رکھتے ہیں کہ "رجز" اور "رجس" جو "پلیدگی" کے معنی میں ہیں دونوں مترادف اور ہم معنی ہیں[4]

یہ تینوں معانی اگرچہ آپس میں مختلف ہیں، لیکن پھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ قریبی ارتباط رکھتے ہیں۔ بہرحال آیت ایک جامع مفہوم رکھتی ہے جو ہر طرح کے انحراف، پلید اور قبیح عمل اور ہر اس کام کو جو دنیا و آخرت میں خدا کے غیظ و غضب اور اس کے عذاب کا موجب ہو، شامل ہے۔

مسلّم طور پر پیغمبر اسلام نبوت سے پہلے بھی ان امور سے پرہیز کرتے تھے اور ان سے نفرت رکھتے تھے اور آپ کی زندگی کی تاریخ بھی جس کے دوست و دشمن سب ہی معترف ہیں، اس پر گواہ ہیں، لیکن یہاں دعوت الی اللہ کی راہ میں ایک اساسی اور بنیادی اصل کے عنوان سے بھی اور سب کے لیے ایک نمونہ اور اسوہ کے عنوان سے بھی، اس پر تکیہ ہوا ہے۔

---

[1] "مفردات" راغب

[2] "المیزان" و "فی ظلال القرآن" (زیر بحث آیت کے ذیل میں)

[3] سورۂ اعراف کی آیہ ۱۳۴ ، ۱۳۵ ۔ اور سبا کی آیہ ۵ ، اور جاثیہ کی آیہ ۱۱ اور بقرہ کی آیہ ۵۹ ، اور اعراف کی آیہ ۱۶۲، اور عنکبوت کی آیہ ۳۴ کی طرف رجوع کریں۔

[4] فخر رازی کی تفسیر میں یہ معنی ایک احتمال کی صورت میں بیان ہوا ہے۔ (جلد ۳۰ ص ۱۹۲)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چوتھے حکم میں فرماتا ہے: احسان نہ جتلاؤ اور زیادتی کا مطالبہ نہ کرو" (ولا تمنن تستکثر)۔[۱]

اس بارے میں کہ احسان جتلانے اور زیادتی طلب کرنے سے نہی کن موارد میں ہے، یہاں پر آیت کا مفہوم پھر کلی اور وسیع ہے، اور خالق اور مخلوق پر ہر قسم کے احسان جتلانے کو شامل ہے: نہ تو پروردگار پر احسان جتلاؤ کہ تم اس کے لیے جہاد اور سعی و کوشش کرتے ہو، کیونکہ اس نے تم پر احسان کیا ہے کہ یہ بلند مقام تمہیں عطا کیا ہے۔

اسی طرح اپنی عبادت، اطاعت اور نیک اعمال کو زیادہ شمار نہ کرو، بلکہ ہمیشہ اپنے آپ کو "کمی" اور "تقصیر" میں سمجھو اور عبادت کو اپنے لیے ایک قسم کی بہت بڑی توفیق شمار کرو۔

دوسرے لفظوں میں تمہیں اپنے قیام شب و انذار، توحید کی نشر و اشاعت، پروردگار کی عظمت کو بیان کرنے، کپڑوں کو پاک رکھنے اور تم کو گناہ سے پرہیز کرو، خدا پر احسان شمار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی انہیں کوئی بڑا کام سمجھنا چاہیے بلکہ انہیں اپنے پروردگار کے گراں بہا ہدیے سمجھنا چاہیے اور ان کی وجہ سے خدا کا ممنون رہنا چاہیے۔ اس کے عشق و محبت میں اس طرح غرق رہنا چاہیے، کہ تم ان اہم کاموں کو بہت ہی ناچیز سمجھو۔

اور اگر تم مخلوق کی بھی کوئی خدمت کرتے ہو چاہے وہ معنوی جہات میں ہو، جیسے تبلیغ و ہدایت، اور چاہے مادی جہات میں ہو مثلاً انفاق و بخشش، ان میں سے کسی چیز کو بھی احسان جتانے یا کمی کی توقع سے اور وہ تلافی بھی زیادتی کے ساتھ تو ام نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ احسان جتلانا نیک اعمال کو باطل اور بے اثر کر دیتا ہے۔ (یاایھا الذین امنوا لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ)

(بقرہ ــــ ۲۶۴)

"لا تمنن" "منت" کے مادہ سے، ایسے موارد میں ایسی گفتگو کے معنی میں ہے جو اس نعمت کی اہمیت کو بیان کرے جو انسان نے کسی دوسرے کو دی ہے اور یہاں سے اس کا رابطہ "استکثار" (زیادہ طلب کرنے) کے مسئلہ کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر انسان اپنی خدمت کو ناچیز اور حقیر سمجھے، تو پھر وہ کسی اجر کی توقع نہیں رکھتا، چہ جائیکہ وہ زیادتی کا مطالبہ کرے، اس طرح سے احسان جتلانا ہمیشہ "استکثار" کا سرچشمہ بنتا ہے اور یہ ایک ایسا عمل ہے جو نعمت کی قدر و قیمت کو کلی طور پر ختم کر دیتا ہے۔

اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ: لا تعط تلتمس اکثر منھا، تو کسی کو کوئی ایسی چیز دے جس سے بیشتر کی توقع رکھتا ہو۔[۲] حقیقت میں یہ آیہ شریفہ کے کلی مفہوم کی ایک شاخ کا بیان ہے۔

جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ امام صادقؑ نے اس آیہ کی تفسیر میں فرمایا:

لا تستکثر ما عملت من خیر للّٰہ

جو نیک کام تم اللہ کے لیے انجام دیتے ہو اسے ہرگز زیادہ نہ سمجھنا۔ یہ بھی اس مفہوم کلی کی ایک شاخ ہی ہے۔

---

[۱] توجہ رہے کہ "تستکثر" حال ہے: نہی کا جواب ذکر کر کے مرفوع صورت میں آیا ہے، اس بنا پر آیت کا مفہوم اس طرح ہوگا: "احسان نہ جتلاؤ درحالیکہ تم زیادتی طلب کرتے ہو یا اپنے عمل کو بڑا اور زیادہ سمجھتے ہو۔

[۲] نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۵۴، "تفسیر برہان" جلد ۴ ص ۴۰۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعد والی آیت میں اس سلسلے کے آخری حکم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: "اور اپنے پروردگار کے لیے صبر و شکیبائی اختیار کر۔ (ولربك فاصبر)۔

یہاں پیغمبر "صبر و استقامت اور شکیبائی کے ایک وسیع مفہوم کا سامنا ہے، جو ہر چیز کو شامل ہے۔

یعنی اس عظیم رسالت کی ادائیگی کی راہ میں صبر و شکیبائی کر، مشرکین اور جاہل و نادان دشمنوں کی تکلیف کے مقابلہ میں صابر رہ، فرمان خدا کی اطاعت کی عبودیت میں استقامت دکھا اور نفس سے جہاد اور دشمن کے ساتھ میدان جنگ کے جہاد میں صابر و شکیبا رہ۔

مسلّم طور پر صبر و استقامت تمام گزشتہ پروگراموں کے اجراء کی بنیاد اور ضامن ہے۔ اصولی طور پر تبلیغ و ہدایت کی راہ میں اہم ترین سرمایہ یہی صبر و استقامت ہے۔ لہٰذا گزشتہ حکمتیں بلافاصلہ ان پر تکیہ ہوا اور اسی وجہ سے امیرالمومنین علیؑ کے ارشادات گرامی میں آیا ہے۔

الصبر من الایمان کالرأس من الجسد

"صبر و استقامت کی ایمان کے مقابلہ میں وہی حیثیت ہے جو سر کی بدن کے مقابلہ میں ہے"[1]

اور اسی بناء پر انبیاء اور مردانِ خدا کا ایک اہم ترین پروگرام یہی صبر و استقامت کا پروگرام تھا جتنے زیادہ سخت اور سنگین حوادث ان پر پڑتے جاتے تھے اتنا ہی ان کا صبر و استقامت بڑھتا جاتا تھا۔

ایک حدیث میں پیغمبر اسلامؐ سے آیا ہے کہ آپ نے صابرین کے اجر کے سلسلہ میں فرمایا:

قال اللہ تعالیٰ: اذا وجهت الی عبد من عبیدی مصیبة فی بدنه او ماله او ولده، ثم استقبل ذالك بصبر جمیل استحییت منه یوم القیامة ان انصب له میزانا او انشر له دیوانا

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: جس وقت میں اپنے بندوں میں سے کسی بندے کی طرف اس کے بدن یا مال یا اولاد کے لیے مصیبت لاتا ہوں اور وہ صبر جمیل کے ساتھ اس کا سامنا کرتا ہے تو مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس کے لیے قیامت کے دن اعمال تولنے کے لیے میزان نصب کروں یا میں اس کے نامہ عمل کو کھولوں[2]

اس حکم کے بعد جو قیام و انذار کے سلسلہ میں گزشتہ آیات میں آیا ہے، زیر بحث آیات میں انذار کو ایک بہت ہی تاکیدی اور رسا بیان کے ساتھ شروع کرتا ہے اور فرماتا ہے: "جب صور میں پھونکا جائے گا" (فاذا نقر فی الناقور)۔

تو وہ دن ایک بہت ہی سخت دن ہوگا" (فذالك یومئذ یوم عسیر)[3]

---

[1] نہج البلاغہ، کلمات قصار ۸۲

[2] تفسیر "روح المعانی" جلد ۲۹ ص ۱۲۰ [3] اس جملہ کی ترکیب میں کئی احتمال دیئے گئے ہیں ان میں سے سب سے پہلا وجہ ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"وہ بہت ہی پرمشقت دن ہوگا، جو کافروں کے لیے آسان نہیں ہوگا" (علی الکافرین غیر یسیر)۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ "ناقور" اصل میں مادہ "نقر" سے اس طرح دبانے کے معنی میں ہے، جس سے سوراخ ہو جائے اور "منقار" بھی جو پرندوں کی چونچ ہے، جس سے پرندے ناکر سوراخ کرتے ہیں اسی معنی سے لی گئی ہے، اسی بناء پر بگل کو، جس کی آواز گویا انسان کے کان میں سوراخ کرتی ہے اور دماغ میں اُتر جاتی ہے "ناقور" کہا جاتا ہے۔

قرآن کی آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی انتہا اور قیامت کی ابتداء میں دو مرتبہ صور پھونکا جائے گا یعنی دو صدائیں زیادہ وحشت انگیز اور ہلا دینے والی صدائیں ——— جن میں سے پہلی موت کی صدا ہے اور دوسری بیداری اور حیات کی صدا ہوگی ——— پوری دنیا کو گھیر لیں گی، جنہیں "نفخ صور اول" اور "نفخ صور دوم" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور زیر بحث آیت "نفخ دوم" کی طرف اشارہ ہے، جس سے قیامت برپا ہو جائے گی اور وہ کافروں پر سخت اور سنگین دن ہوگا۔

ہم "صور" اور "نفخ صور" کے بارے میں تفصیلی بحث سورۂ زمر کی آیہ ۶۸ جلد ۱۱ میں کر چکے ہیں۔

بہر حال اوپر والی آیات اس واقعیت کو بیان کرتی ہیں کہ قیامت کے نفخ میں کافروں کی مشکلات ایسے[1] مجموعے نمایاں ہوں گی وہ بہت ہی دردناک دن ہوگا اور ایسا مصیبت بار اور طاقت فرسا ہوگا کہ وہ طاقتور ترین انسان کے بھی گھٹنے ٹکوا دے گا۔

---

[1] [illegible] "فذلک یومئذ" [illegible] "یوم عسیر" اس کی خبر ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۱۔ ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ۙ

۱۲۔ وَّ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ۙ

۱۳۔ وَّ بَنِیۡنَ شُہُوۡدًا ۙ

۱۴۔ وَّ مَہَّدۡتُّ لَہٗ تَمۡہِیۡدًا ۙ

۱۵۔ ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ ٭ۙ

۱۶۔ کَلَّا ؕ اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیۡدًا ؕ

۱۷۔ سَاُرۡہِقُہٗ صَعُوۡدًا ؕ

ترجمہ

۱۱۔ مجھے اس شخص کے ساتھ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے چھوڑ دے۔

۱۲۔ وہی شخص جس کے لیے میں نے وسیع مال قرار دیا ہے۔

۱۳۔ اور ایسے بیٹے جو ہمیشہ اس کے پاس (اور اس کی خدمت میں) رہتے ہیں۔

۱۴۔ اور میں نے ہر لحاظ سے اس کے لیے زندگی کے وسائل فراہم کیے ہیں۔

۱۵۔ پھر بھی وہ یہی طمع رکھتا ہے کہ میں اس میں اور اضافہ کر دوں۔

۱۶۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا کیونکہ وہ ہماری آیات کے بارے میں دشمنی کرتا ہے۔

۱۷۔ عنقریب ہم اسے مجبور کردیں گے کہ وہ زندگی کی چوٹی کے اوپر جائے، (پھر ہم اسے نیچے پھینک دیں گے)

شانِ نزول

ان آیات کے لیے دو شانِ نزول بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ قریش "دار الندوہ" (مسجد الحرام کے قریب ایک مرکز تھا جس میں وہ اہم مسائل میں مشورہ کرنے کے لیے جمع ہوتے تھے) میں جمع ہوئے۔ "ولید" (مکہ کا ایک مشہور اور جانا پہچانا شخص تھا، جس کی عقل اور سمجھ کے مشرکین قائل تھے اور اہم مسائل میں اس سے مشورہ لیا کرتے تھے)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نے ان کی طرف رُخ کرکے کہا: تم بلند نسب اور عقل وخرد کے مالک ہو، اور عرب ہر طرف سے (خانہ کعبہ کی زیارت اور دوسرے امور کے لیے) تمہارے پاس آتے ہیں، اور وہ تم سے مختلف جواب سنتے ہیں، تم اپنی بات کو (متفق ہوکر) ایک کرو۔

پھر اس نے ان کی طرف رُخ کرکے کہا: تم اس شخص کے بارے میں (پیغمبر اکرمؐ کی طرف اشارہ ہے) کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم کہتے ہیں: وہ "شاعر" ہے۔ ولید نے منہ چڑھا کر کہا: ہم نے شعر بہت سنے ہیں، لیکن اس کی باتیں شعر کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتیں۔ انھوں نے کہا: ہم کہتے ہیں کہ وہ "کاہن" ہے۔ اس نے کہا: جب تم اس کے پاس جاتے ہو تو وہ باتیں جو کاہن (اخبار غیبی کی صورت میں) کہتے ہیں، وہ تو اس میں تمھیں نہیں ملتیں، انھوں نے کہا: ہم کہتے ہیں کہ وہ "دیوانہ" ہے۔ اس نے کہا جب تم اس کے پاس جاؤ گے تو تم اس میں جنون کا کوئی اثر نہیں پاؤ گے۔

انھوں نے کہا: ہم کہتے ہیں وہ "ساحر" ہے۔ اس نے کہا ساحر کس معنی میں؟ انھوں نے کہا: ایسا شخص جو دشمنوں اور دوستوں کے درمیان دشمنی پیدا کر دیتا ہے، وہ کہنے لگا: ہاں! وہ "ساحر" ہے، اور وہ ایسا کرتا ہے، (کیونکہ ان میں سے بعض مسلمان ہوجاتے ہیں اور اپنی راہ دوسروں سے الگ کر لیتے ہیں)۔

اس کے بعد وہ "دارالندوۃ" سے باہر نکلے اور حالت ان کی یہ تھی کہ جو بھی ان میں سے پیغمبر اکرمؐ سے ملتا تھا تو کہتا تھا: اے ساحر! اے ساحر!

یہ مطلب پیغمبرؐ پر بہت گراں گزرا تو خدا نے اس سورہ کی ابتدائی آیات اور اوپر والی آیات (آیہ ۲۵ تک) نازل فرمائیں (اور اپنے پیغمبرؐ کی دلداری کی)۔

۲۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ جس وقت سورۂ "الم سجدہ" (سورۂ فاطر) کی آیات نازل ہوئیں تو پیغمبرؐ مسجد الحرام میں (نماز میں) کھڑے تھے اور "ولید بن مغیرہ" حضرتؐ کے قریب تھا اور آپؐ کی تلاوت کو سن رہا تھا، جب پیغمبرؐ نے اس بات کی طرف توجہ کی، تو آپؐ نے ان آیات کی تلاوت کو دہرایا۔

"ولید" اپنی قوم ——— قبیلہ بنو مخزوم ——— کی مجلس میں آیا اور کہا، خدا کی قسم ابھی میں نے محمدؐ سے ایسا کلام سنا ہے جو نہ انسانوں کے کلام کے مشابہ ہے اور نہ جنوں کی باتوں کے۔

وان له لحلاوة وان عليه لطلاوة وان اعلاه لمثمر، وان اسفله لمغدق
وانه ليعلوا وما يعلى.

"اس کی گفتگو میں ایک خاص شیرینی ہے اور اس میں ایک خاص زیبائی اور طراوت ہے، اس کی شاخیں پھلوں سے پُر ہیں اور اس کی جڑیں قوی اور طاقتور ہیں، وہ ایسا کلام ہے جو دوسرے ہر کلام سے برتر ہے، اور کوئی کلام اس پر برتری حاصل نہیں کر سکتا۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے گھر کی طرف پلٹ گیا، قریش نے ایک دوسرے سے کہا، خدا کی قسم! وہ محمدؐ کے دین کا فریفتہ ہوگیا ہے، اور ہمارے دین سے نکل گیا ہے اور وہ تمام قریش کو منحرف کر دے گا، اور وہ ولید کو "ريحانة قريش" (قریش کا گل سرسبد) کہتے تھے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابوجہل نے کہا: میں اس کام کا کوئی علاج کرتا ہوں وہ اٹھ کر چل پڑا، اور غمگین چہرے کے ساتھ ولید کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

ولید نے کہا: اے بھتیجے! تو کس لیے غمگین ہے؟ اس نے کہا: قریش اس سن و سال کے باوجود تجھ پر عیب لگاتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ تو نے محمد کی بات کو زینت بخشی ہے۔ وہ ابوجہل کے ساتھ اٹھا اور اپنے قبیلہ کی مجلس میں آیا اور کہا: کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ محمد دیوانہ ہے؟ کیا تم نے کبھی جنون کے آثار اس میں دیکھے ہیں؟ انھوں نے کہا: نہیں!

اس نے کہا: کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ کاہن ہے؟ کیا تم نے اس میں کبھی کہانت کے آثار دیکھے ہیں؟ انھوں نے کہا نہیں! کیا تم یہ تصور کرتے ہو کہ وہ شاعر ہے۔ کیا تم نے کبھی اسے شعر کہتے ہوئے دیکھا ہے؟۔ انھوں نے کہا نہیں"۔

اس نے کہا: پھر کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے؟ کیا تم نے اسے ماضی میں کبھی جھوٹ بولتے ہوئے دیکھا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، وہ دعوائے نبوت سے پہلے بھی ہمارے ہاں ہمیشہ "صادق امین" کے عنوان سے پہچانا جاتا تھا۔

اس مرحلہ پر قریش نے "ولید" سے کہا: تیرے نظریہ کے مطابق ہم اسے کیا کہیں؟ ولید سوچ میں پڑ گیا، نگاہ کی اور منہ چڑا کر بولا: وہ صرف ایک جادوگر ہے، کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ مرد اور عورت، اولاد اور دوستوں کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے؟ (ایک گروہ اس پر ایمان لاتا ہے اور اپنے خاندان سے جدا ہو جاتا ہے)۔

اس بناء پر وہ جادوگر ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے ایک موثر جادو ہے۔[1]

تفسیر

"ولید" ایک حق ناشناس مغرور ثروت مند

گزشتہ آیات کے بعد، جن میں کافروں کو مجموعی طور پر ڈرایا گیا ہے۔ زیر بحث آیات، خصوصیت کے ساتھ ان کے بعض افراد پر، جو زیادہ موثر تھے، انگلی رکھتے ہوئے، اس پر گویا دناطق، رسا اور سرکوبی کرنے والی تعبیروں کے ساتھ، شدید ترین انتقام کی بوچھاڑ کر رہی ہیں۔

پہلے کہتا ہے: مجھے اس کے ساتھ جسے میں نے اکیلے ہی پیدا کیا ہے، چھوڑ دے" (ذرنی ومن خلقت وحیدا)۔

یہ آیت اور بعد والی آیات ـــ جیسا کہ ہم نے شان نزول میں بیان کیا ہے ـــ ولید بن مغیرہ مخزومی ـــ جو قریش کے مشہور سرغنوں میں سے تھا ـــ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

"وحیداً" (اکیلا) کی تعبیر ممکن ہے خالق کی توصیف میں ہو یا مخلوق کی، پہلی صورت میں بھی دو احتمال ہیں، پہلا یہ کہ مجھے اسی کے ساتھ تنہا چھوڑ دے کہ میں خود اس کو شدید سزا دوں، یا یہ کہ میں خود تنہا نے اسے پیدا کیا ہے، اور یہ سب نعمتیں اسے بخشی ہیں، لیکن اس نے

---

[1] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۸۶ - اس شان نزول کو بہت سے مفسرین مثلاً "قرطبی"، "مراغی"، "فخر رازی"، "فی ظلال القرآن" اور المیزان وغیرہ نے (کچھ اختلاف کے ساتھ) نقل کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تک جرأئی کی ہے۔

اور دوسری صورت میں بھی دو احتمال ہیں: ممکن ہے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ ماں کے پیٹ میں بھی اور پیدائش کے وقت بھی یکہ و تنہا تھا، نہ اس کے پاس مال تھا نہ اولاد۔ اور یہ سب کچھ ہم نے اسے بعد میں بخشا ہے۔

یا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو "وحید" (بے مثل و بے مثال)، (عربوں میں بے نظیر شخص) کا نام رکھتا تھا، اور وہ یہ کہا کرتا تھا:

انا الوحيد ابن الوحيد، ليس لي في العرب نظير، ولا لابي نظير

"میں وحید عصر ہوں اور وحید عصر کا بیٹا ہوں، عرب میں نہ کوئی میرا مثل و نظیر ہے اور نہ ہی میرے باپ کا"۔[1]

اس مطلب کا استہزاء کے عنوان سے آیہ میں تکرار ہوا ہے۔

لیکن ان چاروں تفسیروں میں سے پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ "میں نے اس کیلئے بہت ہی زیادہ وسیع مال قرار دیا" (وجعلت له مالاً ممدوداً)۔

"ممدود" اصل میں کھینچے ہوئے کے معنی میں ہے، جو یہاں اس کے مال کی وسعت اور حجم کے بیان کے لیے آیا ہے، یا زمانہ اور مکان کے لحاظ سے کشش کے معنی میں ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس کے اموال اس قدر وسیع تھے کہ اس کے پاس مکہ اور طائف کے درمیان کے فاصلہ میں بہت سے اونٹ، گھوڑے اور زرعی زمینیں تھیں۔

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس کے پاس اتنے باغات اور کھیت تھے کہ ان میں سے ایک کا غلہ ابھی ختم نہیں ہوتا تھا کہ دوسرا تیار ہو جاتا تھا علاوہ ازیں وہ ایک لاکھ دینار طلائی کا مالک تھا، اور یہ تمام معانی لفظ "ممدود" میں جمع ہیں۔

اس کے بعد اس کی افرادی قوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ہم نے اس کے لیے ایسی اولاد قرار دی ہے جو ہمیشہ اس کے پاس اور اس کی خدمت میں حاضر رہتی ہے۔ (و بنین شهوداً)۔

وہ ہمیشہ اس کی مدد اور خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں اور ان کی موجودگی اس کے انس اور راحت کا سبب تھی اور وہ تنگی معیشت کی وجہ سے ہرگز مجبور نہیں تھے کہ ان میں سے کوئی بھی اور مدد کے علاقے کی طرف سفر کرے اور باپ کو دوری، ہجر اور تنہائی کا رنج پہنچائیں۔ بعض روایات میں

---

[1] تفسیر "فخر رازی"، "کشاف"، "مراغی" اور "قرطبی" زیر بحث آیات کے ذیل میں۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "وحید" غیر طیب کے اور غیر شرعی بیٹے کے معنی میں ہے، لیکن اس روایت میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ آیت کی تفسیر میں گئے... علاوہ ازیں اور دسرے سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ معنی اور پہلی آیت کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آیا ہے کہ اس کے دس بیٹے تھے۔

اس کے بعد ان تمام نعمتوں کی طرف، جو اس نے اسے دے رکھی تھیں، کلی طور پر اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "میں نے اس کے لیے ہر لحاظ سے وسائل زندگی فراہم کیے" (ومھدت لہ تمھیدا)۔

نہ صرف مال اور آبرو مند بیٹے ہی، بلکہ وہ اجتماعی اور جسمانی پہلوؤں سے بھی، ہر لحاظ سے نعمتوں میں غرق تھا۔

"تمھید" "مھد" کے مادہ سے اصل میں اس جگہ کے معنی میں ہے جسے چھوٹے بچے کے لیے تیار کرتے ہیں (گہوارہ اور اسی قسم کی کوئی چیز) اس کے بعد ہر قسم کے راحت و آرام، پیش رفت اور اجتماعی عمدہ مقام و حیثیت پر اس کا اطلاق ہونے لگا اور مجموعی طور پر اس کا ایک وسیع معنی ہے، جو زندگی کی انواع و اقسام کی نعمتوں، اور پیش رفت و موفقیت کے وسائل کو شامل ہے

لیکن وہ ان تمام نعمتوں کے بخشنے والے کے آگے سر تسلیم خم کرنے اور اس کے آستانہ پر پیشانی جھکانے کے بجائے کفران نعمت کرنے اور زیادہ طلب کرنے لگا: "اور اس قدر مال اور نعمت رکھنے کے باوجود، پھر بھی یہ لالچ رکھتا ہے کہ ہم اس کی نعمتوں میں اضافہ کریں" (ثم یطمع ان ازید)۔

یہ بات "ولید بن مغیرہ" میں ہی منحصر نہیں تھی، بلکہ تمام دنیا پرست ایسے ہی ہوتے ہیں، ان کی پیاس ہرگز نہیں بجھتی اور اگر ہفت اقلیم بھی ان کے زیر نگیں دے دی جائیں تو وہ پھر بھی ایک اور اقلیم کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

لیکن بعد والی آیت پوری شدت کے ساتھ اس نامحرم کی خواہشات کو رد کرتے ہوئے کہتی ہے: "ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ ہم اس کی نعمت میں اور اضافہ کریں، کیونکہ وہ ہماری آیات سے دشمنی رکھتا ہے" (کلا انہ کان لاٰیاتنا عنیدًا)۔

اور باوجود اس کے کہ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ یہ قرآن نہ تو جن کا کلام ہے اور نہ ہی یہ بشر کا کلام ہے، اور یہ طاقتور جڑیں، پر ثمر شاخیں اور بے مثال کشش رکھتا ہے، پھر بھی وہ اس کو "سحر" کا نام دیتا تھا اور اس کے لانے والے کو ساحر کہتا تھا۔

"عنید" "عناد" کے مادہ سے، بعض کے قول کے مطابق اس قسم کی مخالفت اور دشمنی کے لیے بولا جاتا ہے، جو جانتے بوجھتے صورت پذیر ہو، یعنی انسان کسی چیز کی حقانیت کو درک کرے، اور پھر اس کی مخالفت کے لیے کھڑا ہو جائے اور "ولید" اس معنی کا مصداق تھا۔

"کان" کی تعبیر بتاتی ہے کہ اس کا حق کے ساتھ عناد ایک امر مستمر اور ہمیشگی کا تھا، ٹوٹنے والا اور جلدی گزر جانے والا نہیں تھا۔

آخر میں آخری زیر بحث آیت میں اس کی دردناک سرنوشت کی طرف مختصر اور پر معنی عبارت کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ہم عنقریب اسے مجبور کریں گے کہ وہ زندگی کی "صعب العبور" ــــ (جس سے گزرنا مشکل ہے) ــــ چوٹی سے اوپر جائے" (اور پھر ہم اس چوٹی کی بلندی سے اسے نیچے پھینک دیں)۔ (سارھقہ صعودًا)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"ساُرھقہ" "ارھاق" کے مادہ سے، اصل میں کسی چیز کو سختی کے ساتھ ڈھانپ لینے کے معنی میں ہے اور سخت کاموں کے برداشت کرنے اور انواع واقسام کے عذاب میں مبتلا کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔

"صعود" (بروزن قبول) اس جگہ کے معنی میں ہے جس سے اوپر جاتے ہیں اور "صعود" (بروزن قعود) "اوپر جانے" کے معنی میں ہے۔

اور چونکہ بلند چوٹیوں سے اوپر جانا بہت ہی مشکل کام ہے، اس لیے یہ تعبیر ہر مشکل اور زحمت والے کام کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اسی لیے بعض نے اس کی عذاب الٰہی کے ساتھ تفسیر کی ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ "صعود" جہنم میں آگ کا ایک پہاڑ ہے، اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کے اوپر چڑھے، یا یہ ایک ایسا پہاڑ ہے جسے عبور کرنا سخت مشکل ہے، جس کی ڈھلوان تیز اور زیادہ ہے، جب وہ اس کے اوپر جائے گا تو گر جائے گا اور پیچھے آپڑے گا اور اس بات کا بار بار تکرار ہوگا۔

یہ احتمال بھی ہے کہ یہ آیت اس جہان میں "ولید" کے دنیاوی عذاب کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ ــــــ جیسا کہ تاریخ میں آیا ہے ــــــ وہ انفرادی واجتماعی زندگی میں کامیابی کی چوٹی کی بلندی پر پہنچنے کے بعد اس طرح گرا کہ آخر عمر تک مسلسل اپنے مال اور اولاد کو ہاتھ سے دیتا رہا یہاں تک کہ بے حد مجبور اور دیوالیہ ہوگیا۔[1]

---

[1] تفسیر "مراغی" جلد ۲۹ ص ۱۳۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۸۔ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ

۱۹۔ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ

۲۰۔ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ

۲۱۔ ثُمَّ نَظَرَ

۲۲۔ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ

۲۳۔ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ

۲۴۔ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ

۲۵۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ

ترجمہ

۱۸۔ اس نے (قرآن سے مبارزہ کرنے کے لیے) غور و فکر کی، اور ایک مطلب تیار کر لیا۔

۱۹۔ وہ ہلاک ہو جائے، کس طرح (حق سے مبارزہ کرنے کے لیے) اس نے مطلب تیار کیا۔

۲۰۔ پھر وہ مرے، اس نے کس طرح سے مطلب (اور اپنے شیطانی منصوبہ) کو آمادہ کیا۔

۲۱۔ پھر اس نے نگاہ ڈالی۔

۲۲۔ پھر اس نے اپنا منہ چڑھایا اور جلدی سے کام میں لگ گیا۔

۲۳۔ پھر اس نے (حق کی طرف) پشت کی اور تکبر کیا۔

۲۴۔ اور آخرکار اس نے کہا یہ (قرآن) گزشتہ لوگوں کے جادو کی طرح، ایک پرکشش اور پرتاثیر جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

۲۵۔ یہ انسان کے قول کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

ہلاک ہوجائے وہ، اس نے کتنا بُرا منصوبہ بنایا

ان آیات میں اس شخص کے بارے میں، جسے خدا نے فراواں مال و اولاد دی تھی اور وہ پیغمبر اسلام کی مخالفت کرنے لگا ——— یعنی "ولید بن مغیرہ مخزومی کی ——— مزید وضاحتیں آئی ہیں۔

فرماتا ہے: "اس نے سوچا کہ پیغمبر اور قرآن کو کس چیز کے ساتھ متہم کرے؟ اور اس نے ایک منصوبہ اپنے ذہن میں تیار کر لیا (انه فکر وقدر)۔

واضح رہے کہ غور و فکر کرنا اپنی ذات سے ایک اچھا کام ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حق کی راہ میں ہو۔ بعض اوقات اس کی ایک ساعت ایک سال کی عبادت، بلکہ عمر بھر کی عبادت کی فضیلت رکھتی ہے۔ کیونکر وہی ایک لحظہ ہو سکتا ہے کہ انسان کی سرنوشت کو دگرگوں کر دے لیکن اگر غور و فکر کو کفر و فساد اور شیطنت کی راہ میں استعمال کیا جائے تو وہ مذموم اور قبیح ہے اور ولید کی فکر اور سوچ اسی قسم کی تھی۔

"قدر" ... "تقدیر" کے مادہ سے، یہاں مطلب کو ذہن میں آمادہ کرنے اور اس قبیح منصوبہ کے اجراء کے لیے مصمم ارادہ کرنے کے معنی میں ہے۔

پھر اس کی مذمت کے لیے مزید کہتا ہے: "وہ ہلاک ہوجائے" اس نے حق سے مبارزہ کرنے کے لیے کیسا منصوبہ بنایا ہے (فقتل کیف قدر)۔

اس کے بعد تاکید کے عنوان سے مزید کہتا ہے: "پھر بھی وہ مارا جائے، اس نے حق سے مقابلہ کرنے کے لیے، کس قسم کا منصوبہ تیار کیا ہے" (ثم قتل کیف قدر)۔

اور یہ اسی چیز کی طرف اشارہ ہے جو شانِ نزول میں آئی ہے کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ مشرکین کے انکار کو متحد کرے اور انہیں ایک ہی جہت دے، تاکہ یک زبان ہو کر پیغمبرؐ کے خلاف ایک ہی طرح کا پروپیگنڈا کریں اور جب انھوں نے یہ پیش نہاد کی کہ حضرتؐ کو "شاعر" کا لقب دیں تو اس نے قبول نہ کیا،

اس کے بعد انھوں نے "کاہن" کے عنوان کی پیش کش کی تو اس نے اس سے بھی موافقت نہ کی، پھر "مجنون" کے عنوان کو پیش کیا تو اس نے اسے بھی پسند نہ کیا، آخر میں انھوں نے یہ پیش کش کی کہ پیغمبرؐ کو "ساحر" کہہ کر پکاریں تو اس نے ان کے ساتھ موافقت کی، کیونکہ اس کے خیال میں جادو کا اثر دو دوستوں کے درمیان جدائی ڈالنا اور دو مخالف افراد کے درمیان دوستی پیدا کرنا تھا اور یہ بات اسلام اور قرآن کے ظہور کے بعد پیدا ہو گئی تھی، اور چونکہ یہ نقشہ اور منصوبہ مطالعہ کرنے اور سوچ بچار کرنے کے بعد تیار کیا گیا تھا لہٰذا قرآن انہیں "فکر وقدر" کی تعبیر کے ساتھ جو بہت ہی مختصر اور پُر معنی ہے، پیش کرتا ہے۔ اس طرح اگرچہ پیش نہاد دوسروں کی طرف سے ہوئی تھی، لیکن غور و فکر اور انتخاب "ولید" کی طرف

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے جاتا تھا۔

بہرحال یہ جملہ ــــ خصوصاً اس کے تکراروں کی طرف توجہ کرتے ہوئے ــــ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے اپنے شیطانی افکار و نظریات میں پوری مہارت تھی، اس طرح سے کہ اس کی فکر اور سوچ باعث تعجب ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اس نے دوبارہ نظر کی"۔ (ثم نظر)۔

اور اس نے اپنی ساختہ و پرداختہ فکر کی نئے سرے سے جانچ پڑتال کی، تاکہ اس کے عنوان کے استحکام و انسجام اور مختلف پہلوؤں سے آگاہ و مطمئن ہوجائے۔

"پھر اس نے اپنا منہ چڑھایا اور جلد بازی سے کام لیا"۔ (ثم عبس و بسر)۔

"پھر اس نے حق کی طرف سے پشت پھیرلی اور تکبر کیا" (ثم ادبر واستکبر)۔

اور آخر کار اس نے کہا: "یہ چیز ایک عمدہ اور پرکشش جادو کے سوا ــــ جیسا کہ گزشتہ لوگوں سے نقل ہوا ہے ــــ کچھ نہیں ہے"۔ (فقال ان ھٰذا الا سحر یؤثر)۔

"یہ صرف انسان کا قول ہے اور اس کا وحی الٰہی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے" (ان ھٰذا الا قول البشر)۔

اس طرح سے اس نے اپنی آخری بات، قرآن سے مبارزہ اور مقابلہ کرنے کے لیے، بار بار کے مطالعہ اور شیطانی سوچ کے بعد کہی، اور زمانۂ جاہلیت و شرک کے اس متفکر دماغ نے اپنی پوری شیطنت خرچ کرنے کے باوجود اسی بات سے قرآن کی حد سے زیادہ مدح و ثنا اور تعریف و تمجید کر ڈالی، حالانکہ وہ خود اس بات کو نہیں سمجھا، اس نے اس بات کی نشاندہی کی کہ قرآن ایسی کشش اور حد سے زیادہ قوت جاذبہ رکھتا ہے، جو ہر انسان کے دل کو مسخر کرلیتا ہے اور اس کے قول کے مطابق اس میں ایسی سحر انگیز تاثیر ہے جو دلوں کو مسخر کرتی ہے اور چونکہ قرآن میں جادوگروں کے جادو سے کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے، بلکہ وہ منطقی، موزوں اور نپے تلے اقوال اور باتوں کا مجموعہ ہے، لہٰذا یہ بات خود اس چیز کی دلیل ہے کہ وہ انسان کا کلام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک آسمانی وحی ہے اور اس نے ماوراء الطبیعت عالم اور خدا کے بے پایاں علم سے سرچشمہ حاصل کیا ہے جس میں پورے نظم و انسجام اور استحکام کے ساتھ تمام خوبیاں اور زیبائیاں جمع ہیں۔

"عبس" "عبوس" (بروزن جلوس) کے مادہ سے، منہ چڑھانے کے معنی میں ہے اور "عبوس" (بروزن مجوس) اس شخص کے معنی میں ہے جو اس صفت کا حامل ہو۔

"بسر" "بسور" کے مادہ سے اور "بسر" (بروزن نصر) بعض اوقات تو کسی کام کے وقت آنے سے پہلے اس میں جلدی کرنے کے معنی میں آتا ہے اور کبھی منہ چڑھانے اور چہرہ کو ترش کرنے کے معنی میں ہے۔

زیر بحث آیت میں اگر دوسرا معنی مراد ہو تو یہ "عبس" کے جملے سے ہم آہنگ ہوجاتا ہے اور اگر یہ پہلے معنی میں ہو، تو یہ قرآن کے لیے ایک غلط عنوان چسپاں کرنے میں، لہٰذا گھبراہٹ اور سراسیمگی کے ساتھ جلد بازی سے تصمیم گیری کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"یوثر" کا جملہ "اثر" کے مادہ سے، اس روایت کے معنی میں ہے، جو گزشتہ لوگوں سے نقل ہوئی ہو، اور وہ آثار جو ان سے باقی رہ گئے ہوں اور بعض نے اسے "ایثار" کے مادہ سے، انتخاب کرنے اور مقدم رکھنا اور ترجیح دینے کے معنی میں کہا ہے۔

پہلے معنی کے مطابق "ولید" کہتا ہے، یہ گزشتہ لوگوں سے نقل شدہ جادو کی مانند ایک جادو ہے اور دوسرے معنی کے مطابق وہ یہ کہتا ہے یہ ایک ایسا جادو ہے جو اپنی حلاوت اور کشش کی بنا پر دلوں میں اثر کرتا ہے، اور لوگ اس کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں۔

بہرحال یہ قرآن کے اعجاز کا ایک ضمنی اعتراف ہے، کیونکہ قرآن جادوگروں کے خارق عادت کاموں کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں رکھتا یہ ایک ایسا منظم و محکم کلام ہے، جو معنویت سے پُر ہے اور بے مثل و نظیر قوت جاذبہ و نفوذ رکھتا ہے۔ اگر یہ "ولید" کے قول کے مطابق بشر کا کلام ہوتا، تو پھر دوسرے بھی اس کی مثل و نظیر لا سکتے تھے، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن نے بارہا مقابلہ کی دعوت دی ہے، لیکن اس کے ان سخت ترین دشمنوں میں سے ——— جو عربی زبان میں سب سے زیادہ مہارت رکھتے تھے ——— کوئی بھی اس جیسی چیز نہ بنا سکے، بلکہ وہ اس سے کمتر بھی نہ لا سکے، اور معجزہ کا معنی یہی ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۶۔ سَاُصۡلِیۡهِ سَقَرَ ۝

۲۷۔ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝

۲۸۔ لَا تُبۡقِیۡ وَلَا تَذَرُ ۝

۲۹۔ لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ ۝

۳۰۔ عَلَیۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ۝

ترجمہ

۲۶۔ (لیکن) ہم عنقریب اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

۲۷۔ اور تو نہیں جانتا کہ دوزخ کیا چیز ہے؟

۲۸۔ (وہ ایک ایسی آگ ہے جو) نہ کسی چیز کو باقی رہنے دیتی ہے اور نہ ہی کسی چیز کو چھوڑتی ہے۔

۲۹۔ وہ بدن کی جلد کو کلی طور پر دگرگوں کر دیتی ہے۔

۳۰۔ انیس (عذاب کے فرشتے) اس پر مقرر کیے گئے ہیں۔

تفسیر

اس کی سرنوشت شوم

گزشتہ آیات کو جاری رکھتے ہوئے، جو شرک کے بعض سرغنوں کی وضع و کیفیت، اور قرآن مجید اور پیغمبر اسلامؐ کی رسالت کی نفی و انکار کی بات کرتی تھیں، ان آیات میں قیامت میں ان کے دہشت ناک عذاب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

فرماتا ہے: "ہم عنقریب اس کو جہنم میں داخل کریں گے، اور دوزخ کی آگ میں جلائیں گے" (ساصلیه سقر)۔

"سقر" اصل میں "سقر" (بروزن فقر) کے مادہ سے دگرگوں ہونے اور سورج کی گرمی کے اثر سے پگھل جانے کے معنی میں ہے اس کے بعد جہنم کے ناموں میں سے ایک نام کے عنوان سے انتخاب ہوا ہے اور بارہا قرآنی آیات میں آیا ہے شاید اس نام کا انتخاب دوزخ کے ہولناک عذابوں کی طرف اشارہ ہے، جو اہل دوزخ کو دامن گیر ہوں گے۔ اور بعض نے جہنم کے ہول انگیز طبقات و درکات میں سے ایک کا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نام سمجھا ہے۔

اس کے بعد عذاب دوزخ کی عظمت و شدت کے بیان کے لیے کہتا ہے: "تو کیا جانتا ہے کہ سقر کیا ہے" (وما ادراك ما سقر)۔ یعنی اس کا عذاب اس قدر شدید ہے جو دائرہ تصور سے باہر ہے اور کسی شخص کے فکر و خیال میں نہیں سماتا، جیسا کہ جنت کی نعمتوں کی اہمیت و عظمت کسی کی فکر و خیال میں نہیں سماتیں۔

"وہ نہ کسی چیز کو باقی رہنے دیتی ہے اور نہ ہی کسی چیز کو چھوڑتی ہے" (لا تبقی ولا تذر)۔

یہ جملہ ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ جہنم کی آگ، دنیا کی آگ کے برخلاف ـــــ جو کبھی بدن کے ایک حصہ پر اثر انداز ہوتی ہے اور دوسرا حصہ صحیح و سالم رہ جاتا ہے اور کبھی جسم پر اثر کرتی ہے، لیکن روح اس سے امان میں رہتی ہے ـــــ ایک ایسی گھیرنے والی آگ ہے جو انسان کے پورے وجود کو اپنے احاطہ میں لے لی گی اور کسی چیز کو نہیں چھوڑے گی۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخیوں کو نہ تو مارے گی اور نہ ہی زندہ رہنے دے گی، بلکہ وہ ہمیشہ موت و حیات کے درمیان گرفتار رہیں گے، جیسا کہ سورۂ اعلیٰ کی آیہ ۱۲ میں آیا ہے لا یموت فیہا ولا یحییٰ "نہ وہ اس میں مریں گے اور نہ ہی وہ زندہ رہیں گے"۔

یا یہ ہے کہ نہ تو جلد اور گوشت بدن پر رہنے دے گی اور نہ ہی ہڈیوں کو صحیح و سالم چھوڑے گی، اس بناء پر آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کلی طور پر جلا دے گی اور نابود کر دے گی، کیونکہ یہ معنی اس چیز سے، جو سورۂ نساء کی آیہ ۵۶ میں آئی ہے، سازگار نہیں ہے، جہاں فرماتا ہے: (کلما نضجت جلودھم بدلنا ھم جلودًا غیرھا لیذوقوا العذاب) جس وقت ان کے بدن کی جلدیں جل جائیں گی تو ہم ان پر دوسری جلدیں بدل کر دیں گے، تاکہ وہ خدا کے عذاب کا مزہ چکھیں۔

اس کے بعد قہر الٰہی کی اس جلانے والی آگ کی دوسری صفت کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "وہ بدن کی جلد کو کامل طور پر جلا کر رکھ دے گی، جو بہت دور کے فاصلے سے انسانوں کے لیے نمایاں ہوگی" (لواحۃ للبشر)۔[1]

وہ چہرے کو اس طرح سے سیاہ اور تاریک بنا دے گی کہ وہ شب تاریک سے زیادہ سیاہ نظر آئے گا۔

"بشر" یہاں "بشرہ" کی جمع ہے، جو بدن کی ظاہری جلد کے معنی میں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ انسانوں کے معنی میں ہو، "لواحۃ" "لوح" کے مادہ سے، کبھی تو ظاہر و آشکار ہونے کے معنی میں آتا ہے، اور کبھی تغیر دینے اور دگرگوں کرنے کے معنی میں۔

پہلے معنی کی بناء پر آیت کی تفسیر اس طرح ہوگی: دوزخ دور کے فاصلے سے انسانوں کے لیے نمایاں ہوگی، جیسا کہ سورۂ نازعات کی آیہ ۳۶ میں آیا ہے، وبرزت الجحیم لمن یرٰی "دوزخ دیکھنے والوں کے لیے ظاہر و آشکار ہوگی"۔

---

[1] "لواحۃ" مبتدائے محذوف کی خبر ہے اور تقدیر میں "ھی لواحۃ" ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana.Jabir Abbas

اور دوسرے معنی کی بناء پر آیت کی تفسیر اس طرح ہے: "دوزخ بدن کی جلد کے رنگ کو کلی طور پر دگرگوں کر دے گی"۔

اور آخری زیر بحث آیت میں فرماتا ہے: "انیس عذاب کے فرشتے جہنم پر مقرر کیے گئے ہیں" (علیها تسعة عشر)[1]

وہ فرشتے جو قطعی طور سے ترحم، شفقت اور مہربانی پر مامور نہیں ہیں، بلکہ سزا دینے، عذاب اور سختی پر مامور ہیں۔

اگرچہ اوپر والی آیت میں صرف انیس کے عدد کا ذکر ہوا ہے اور عذاب پر مامور ملائکہ کی تصریح نہیں ہوئی، لیکن بعد والی آیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تعداد عذاب پر مامور فرشتوں کی تعداد کی طرف اشارہ ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ فرشتوں کے انیس گروہوں کی طرف اشارہ ہے، نہ کہ انیس افراد کی طرف، اور "وما یعلم جنود ربك الا هو" (تیرے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا) کا جملہ، جو بعد والی آیت میں آیا ہے، اس کو اس معنی پر قرینہ سمجھتے ہیں۔

لیکن مامورین عذاب الٰہی کے لیے اعداد میں سے صرف انیس کا عدد ہی کیوں انتخاب کیا گیا، کوئی بھی شخص وقت کے ساتھ ٹھیک ٹھیک نہیں جانتا، لیکن کچھ لوگوں نے یہ احتمال دیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انیس کے عدد میں، اکائیوں میں سب سے بڑا عدد (نو کا عدد) اور دہائیوں میں سے سب سے چھوٹا عدد (دس کا عدد) جمع ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاق رذیلہ جو انیس ظاہری و باطنی اخلاق کی طرف لوٹتی ہیں اور چونکہ اخلاق رذیلہ میں سے ہر ایک عذاب الٰہی کا ایک عامل ہے، اس لیے دوزخ کے انیس طبقے ہیں، جو ان کی تعداد کے مطابق ہیں اور ہر طبقہ پر ایک فرشتہ یا فرشتوں کا ایک گروہ عذاب پر مامور ہے۔

اصولی طور پر قیامت، بہشت و دوزخ اور ان کے جزئیات و خصوصیات سے مربوط مسائل ہم لوگوں کے لیے، جو محدود دنیا کے محیط میں اسیر ہیں، پورے طور پر واضح نہیں ہیں، جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ ان کے کلیات ہیں۔ اسی لیے روایات میں یہ آیا ہے کہ ان انیس فرشتوں میں سے ہر ایک بہت بڑی قدرت رکھتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ایک بہت بڑے قبیلہ کو آسانی کے ساتھ جہنم میں پھینک سکتا ہے۔

اور یہاں سے ان لوگوں کے افکار کا ضعف و ناتوانی واضح ہو جاتا ہے، جو ابو جہل کی طرح سوچتے ہیں، اس نے جب یہ آیت سنی تو اس نے قبیلہ قریش سے بطور استہزاء کے یہ کہا کہ تمہاری مائیں تمہاری عزا میں بیٹھیں، کیا تم سنتے نہیں ہو کہ "ابن ابی کبشہ" (پیغمبر اکرمؐ کی طرف اشارہ ہے)[2]

---

[1] اس جملہ میں "علیها" خبر مقدم ہے اور "تسعة عشر" مبتدائے مؤخر ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ لفظ مبنی بر فتح ہے اس لیے ظاہری طور پر اس پر رفع نہیں آ سکتا اور اس کی وجہ نحویوں نے یہ بتائی ہے کہ وہ واو عاطفہ کے معنی کو متضمن ہے۔

[2] اس بارے میں کہ قریش پیغمبرؐ کو اس عنوان سے کیوں پکارتے تھے، بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قبیلۂ "خزاعہ" کا ایک شخص "ابو کبشہ" نامی تھا جو زمانۂ جاہلیت میں بت پرستی کی جماعت سے دستبردار ہو گیا تھا اور چونکہ پیغمبرؐ بت پرستی کے شدید مخالف تھے لہٰذا وہ آپ کو "ابو کبشہ" کے بیٹے کے نام سے پکارتے تھے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ابو کبشہ پیغمبرؐ کے مادری اجداد میں سے تھا لیکن بہرحال اس میں شک نہیں کہ ان کا مقصد اس نام کے انتخاب کرنے میں تمسخر و استہزاء تھا کیونکہ عربی زبان میں "کبش" "مینڈھے" کے معنی میں ہے اگرچہ یہ نام

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیا کرسکتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ دوزخ کے خازن انیس افراد ہیں، لیکن تم بہادروں کا ایک بہت بڑا گروہ ہو، کیا تم میں سے ہر دس آدمی بھی ان میں سے ایک کو مغلوب نہیں کر سکتا؟" ابوالاسد جمحی" (قریش میں سے ایک طاقت ور شخص) نے کہا: میں ان میں سے سترہ کے لیے کافی ہوں، باقی کے دو نفر کا حساب چکا لینا۔[1]

یہ پست دماغ کے لوگ یہ چاہتے تھے کہ اس تمسخر اور استہزاء کے ذریعہ، نورِ حق کا راستہ روک دیں، اور اپنے آپ کو حتمی اور یقینی نابودی سے نجات دیں۔

ایک نکتہ

انیس کا عدد، عذاب کے فرشتوں کا عدد ہے

اوپر والی آیات میں، جہنم کے خازنوں کی تعداد واضح طور پر انیس افراد یا انیس گروہ اور لشکر بتائی گئی ہے اور بعد والی آیات میں اسی مطلب پر تکیہ ہوا ہے، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض منحرف فرقے اس عدد کے مقدس ہونے پر اصرار کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کی کوشش یہ ہے کہ سال کے مہینوں کی تعداد اور مہینوں کے دنوں کی تعداد ـــــــ تمام طبعی اور فلکی موازین کے برخلاف ـــــــ اسی انیس کے محور پر منظم کریں، اور اپنے عملی احکام بھی اسی کے مطابق قرار دیں۔

اور اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک مؤلف جو شاید ان کے نظریات کے ساتھ ارتباط رکھتا ہے، ایک ہنسانے والا، اور عجیب اصرار رکھتا ہے کہ وہ قرآن کی ہر چیز کی انیس کی بنیاد پر توجیہ کرے، اور بہت سے ایسے موارد میں، جہاں یہ عدد اس کی دلی خواہش کے مطابق، آیاتِ قرآنی میں موجود حقیقتوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ وہاں وہ اپنی مرضی سے کچھ کم اور کچھ زیادہ کرتا ہے تاکہ وہ انیس کے عدد یا انیس کے عدد کی فروع سے ہم آہنگ ہو جائے اور ان کے مطالب کو ذکر کرنے میں وقت صرف کرنا، یا ان کے جواب دینا شاید اتلافِ وقت میں محسوب ہوگا۔

ہاں! ایک "دوزخی مذہب" کو "دوزخی عدد" کے محور پر ہی گردش کرنا چاہیے اور ایک دوزخی گروہ کو عذاب کے فرشتوں کے عدد کے ساتھ ہی ہم آہنگ ہونا چاہیے۔

---

[1] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۸۸ اور دوسری تفاسیر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۱- وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝

ترجمہ

۳۱- ہم نے جہنم کے مامورین (عذاب کے) فرشتوں کے سوا اور کسی کو قرار نہیں دیا، اور ان کی تعداد بھی کافروں کی آزمائش کے علاوہ اور کسی بات کے لیے معین نہیں کی، تاکہ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) یقین کر لیں اور مومنین کے ایمان میں اضافہ ہو اور اہلِ کتاب اور مومنین (اس آسمانی کتاب کی حقانیت میں) شک و تردد نہ کریں، وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کافر کہیں: خدا کا اس تعریف سے کیا مقصد ہے؟ ہاں! خدا جسے چاہتا ہے، اسی طرح سے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور تیرے پروردگار کے لشکروں کو اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، اور یہ انسانوں کی تنبیہ اور تذکر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

تفسیر

دوزخ کے مامورین کی یہ تعداد کس لیے ہے؟

جیسا کہ گزشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ خدا نے دوزخ کے خازنوں اور مامورین کی تعداد انیس افراد (یا انیس گروہ) بیان کی ہے نادر یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس عدد کا ذکر مشرکین اور کفار کے درمیان گفتگو کا سبب بنا، اور ایک گروہ نے اس کا مذاق اڑایا اور ان کی تعداد کے کم ہونے کو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس بات کی دلیل خیال کیا کہ ان پر غلبہ حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

زیر بحث آیت جو اس سورہ کی طویل ترین آیت ہے انھیں جواب دیتی ہے، اور اس سلسلہ میں بہت سے حقائق کو واضح کرتی ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: "ہم نے جہنم کے مامورین (عذاب کے) فرشتوں کے سوا اور کسی کو قرار نہیں دیا" (وما جعلنا اصحاب النار الا ملائکة)[1]

طاقت ور اور قدرت والے فرشتے اور قرآن کی تعبیر میں، "غلاظ" و "شداد" بہت شدید اور سخت گیر، جن کے سامنے تمام گنہگار ضعیف و ناتواں ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "ہم نے ان کی تعداد کا فروں کی آزمائش کے سوا اور کسی بات کے لیے قرار نہیں دی ہے" (وما جعلنا عدتهم الا فتنة للذين كفروا)۔

یہ آزمائش دو لحاظ سے تھی، ایک تو یہ کہ وہ استہزاء اور تمسخر کرتے تھے کہ تمام اعداد میں سے انیس (۱۹) کا عدد ہی کیوں انتخاب کیا گیا حالانکہ دوسرا جو بھی عدد انتخاب ہوتا، اسی میں یہ سوال پیدا ہوتا۔

اور دوسری طرف وہ اس تعداد کو بہت کم سمجھتے تھے، اور بطور تمسخر و استہزاء کے کہتے تھے، کہ ہم ان میں سے ہر ایک کے مقابلہ کے لیے دس دس افراد کھڑے کر دیں گے اور انھیں درہم برہم کر کے رکھ دیں گے۔

حالانکہ خدا کے فرشتے ایسے ہیں کہ قرآن کے قول کے مطابق ان میں سے چند افراد ہی قوم لوط کی ہلاکت پر مامور ہوئے تھے، اور انھوں نے ان کے آباد شہروں کو زمین سے اٹھا کر زیر و زبر کر دیا تھا اور اس سے قطع نظر، جہنم کے خازنوں کے لیے انیس کے عدد کا انتخاب، دوسرے معانی بھی رکھتا ہے، جو گزشتہ آیات کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اس سے مقصد یہ تھا کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) یقین پیدا کر لیں" (ليستيقن الذين اوتوا الكتاب)۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ یہودیوں کے ایک گروہ نے بعض اصحاب پیغمبر سے خازنین جہنم کی تعداد کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ اسی وقت جبرئیل نازل ہوئے اور پیغمبر کو خبر دی، "عليها تسعة عشر" "انیس افراد (یا انیس گروہ) اس پر مقرر کیے گئے ہیں"[2]

اور چونکہ انھوں نے اس موضوع پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے اپنی کتب کے ساتھ ہم آہنگ پایا، اور پیغمبر اسلام کی نبوت پر ان کے یقین میں اضافہ ہوا، اور یہی چیز اس بات کا سبب بنی کہ مومنین بھی اپنے عقیدہ اور ایمان میں زیادہ راسخ ہو جائیں۔

---

[1] "اصحاب النار" کی تعبیر قرآن مجید کی آیات میں بہت زیادہ ذکر ہوئی ہے، اور ہر جگہ "دوزخیوں" کے معنی میں ہے، سوائے اس جگہ کے کہ یہاں "خازنین" کے معنی میں ہے، ضمنی طور پر ان کے بارے میں اس تعبیر کا ذکر یہ بتاتا ہے کہ گزشتہ آیات میں "سقر" کا معنی سارا جہنم ہے، نہ کہ اس کا ایک حصہ۔

[2] اس حدیث کو "بیہقی"، "ابن ابی حاتم" اور "ابن مردویہ" نے پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے۔ (تفسیر مراغی، جلد ۲۹، ص ۱۳۴)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس لیے بعد والے جملے میں مزید کہتا ہے: "اس سے مقصد یہ تھا کہ مومنین کے ایمان میں اضافہ ہو جائے" (ویزداد الذین اٰمنوا ایماناً)۔

اور اس جملے کے ذکر کے بعد بلا فاصلہ انہی ضمنی اہداف و مقاصد کی طرف، تاکید کے عنوان سے لوٹتا ہے اور نئے سرے سے اہل کتاب کے ایمان، اس کے بعد مومنین کے ایمان اور پھر کفار و مشرکین کی آزمائش پر تکیہ کرتے ہوئے کہتا ہے: "اور مقصد یہ تھا اور اہل کتاب اور مومنین قرآن کی حقانیت میں شک اور تردد نہ کریں اور کافر اور وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ کہیں کہ خدا کا اس توصیف سے کیا ارادہ ہے اور کیا مقصد ہے؟ (ولا یرتاب الذین اوتوا الکتاب والمؤمنون و لیقول الذین فی قلوبھم مرض و الکافرون ماذا اراد اللہ بھذا مثلاً)۔[1]

اس بارے میں کہ "الذین فی قلوبھم مرض" (وہ لوگ کہ جن کے دل میں بیماری ہے) سے کون لوگ مراد ہیں؟ ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد "منافقین" ہیں، کیونکہ قرآنی آیات میں یہ تعبیر ان کے بارے میں آئی ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیہ ۱۰ میں آیا ہے، جو قبل و بعد کی آیات کے قرینہ سے منافقین کے بارے میں گفتگو کرتی ہے: فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضاً:

ان کے دلوں میں ایک قسم کی بیماری ہے اور خدا ان کی بیماری کو مزید بڑھا دیتا ہے اور اسی بات کو وہ آیت کے مدنی ہونے کی دلیل قرار دیتے ہیں کیونکہ گروہ منافقین اسلام کی قدرت کے موقع پر مدینہ میں پیدا ہوا تھا نہ کہ مکہ میں۔

لیکن آیات قرآنی میں اس تعبیر کے ذکر کا مطالعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ تعبیر منافقین میں منحصر نہیں ہے، بلکہ یہ ان تمام کفار کے لیے جو حق تعالیٰ کی آیات کے بارے میں عناد، ہٹ دھرمی اور دشمنی رکھتے تھے، ——— اطلاق ہوئی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات اس کا منافقین پر عطف ہوا ہے، جو ممکن ہے کہ ان کی دوگانگی اور الگ الگ ہونے پر دلیل ہو، مثلاً سورۂ انفال کی آیہ ۴۹ میں آیا ہے۔

اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض غرّ ھٰؤلاء دینھم

"جس وقت منافقین اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری تھی یہ کہا کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے"۔

اور اسی طرح اور دوسری آیات۔

اس بناء پر اس آیت کے مکی ہونے کی نفی پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، خصوصاً جبکہ یہ ماقبل کی آیات کے ساتھ مکمل ہم آہنگی اور ارتباط رکھتی ہے۔ جن میں مکی ہونے کی نشانیاں مکمل طور پر نمایاں ہیں۔ (غور کیجیے)

پھر ان باتوں کے بعد، جو مومنین اور بیمار دل کافروں کی ارشادات الٰہی سے فائدہ اٹھانے کی کیفیت کے بارے میں تھیں، مزید کہتا ہے "اس طرح سے خدا جسے چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے" (کذالک یضل اللہ من یشاء و

---

[1] اس بات پر توجہ رہے کہ "لیستیقن" میں "لام"، "لام علت" ہے اور "لیقول" میں "لام غایت" اور شاید اسی بناء پر تکرار ہوا ہے۔ ورنہ اگر دونوں کا ایک ہی معنی ہوتا تو پھر تکرار کی ضرورت نہیں تھی اور دوسرے لفظوں میں مومنین میں یقین پیدا کرنا، خدا کی مشیت اور اس کا حکم تھا، لیکن کافروں کی گفتگو نیز باتیں اس کی مشیت اور حکم نہیں ہیں، بلکہ وہ ان کے اس کام کا انجام اور نتیجہ تھیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ویھدی من یشاء)۔

گزشتہ جملے، اس بات کی اچھی طرح سے نشاندہی کرتے ہیں کہ بعض کی ہدایت اور بعض دوسرے کی گمراہی کے بارے میں یہ مشیت و ارادۂ الٰہی، بے حساب نہیں ہے، وہ لوگ جو معاند، ہٹ دھرم اور دل کے بیمار ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی حق نہیں رکھتے، اور وہ لوگ جو خدا کے فرمان کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور وہ مومن ہیں وہ اسی قسم کی ہدایت کے مستحق ہیں۔

آیت کے آخر میں فرماتا ہے: "بہرحال تیرے پروردگار کے لشکر کو اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، اور یہ چیز انسانوں کو تنبیہ کرنے اور تذکر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے (وما یعلم جنود ربک الا ھو وما ھی الا ذکری للبشر)۔

اس بنا پر اگر دوزخ کے انیس خازنین کا ذکر درمیان میں آیا ہے تو اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ خدا کے لشکر انہیں میں منحصر ہیں، بلکہ پروردگار کے لشکر اس قدر زیادہ ہیں کہ بعض روایات کی تعبیر کے مطابق تمام زمین اور آسمانوں کو انھوں نے بھر رکھا ہے، یہاں تک کہ تمام عالم ہستی میں پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ہے مگر یہ کہ وہاں خدا کا ایک فرشتہ تسبیح میں مشغول ہے۔

اس بارے میں کہ "وما ھی الا ذکری للبشر" (اور یہ انسانوں کے لیے تذکرہ کے علاوہ کچھ نہیں) کے جملہ میں ھی کی ضمیر کس چیز کی طرف لوٹتی ہے، مفسرین نے مختلف احتمال دیئے ہیں۔

کبھی تو یہ کہا ہے کہ: یہ جنود اور خدا کے لشکروں کی طرف لوٹتی ہے، جن میں سے ایک گروہ خازنینِ دوزخ ہیں۔

اور کبھی یہ کہا ہے کہ: سقر یعنی خود دوزخ کی طرف لوٹتی ہے۔

اور کبھی یہ کہا ہے کہ: قرآن مجید کی آیات کی طرف اشارہ ہے۔

اگرچہ یہ سب چیزیں تذکر، بیداری اور آگاہی کا سبب ہیں، لیکن آیات کے لب و لہجہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے کیونکہ مقصد اس حقیقت کو بیان کرنا ہے کہ اگر خدا نے اپنے لیے لشکروں کا انتخاب کیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ خود معاندین اور گنہگاروں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچا سکتا، اور عذاب نہیں دے سکتا، بلکہ یہ سب کچھ تذکر و بیداری اور عذابِ الٰہی کے مسئلے کی حقیقت جاننے کی طرف توجہ کے لیے ہے۔

ایک نکتہ

پروردگار کے لشکروں کی تعداد

ہر چند کہ خدا کا مقصد اور اس کی قدرت کی وسعت، تمام عالم ہستی میں، اس کی پاک ذات کو ہر قسم کے یار و مددگار اور لشکر سے بے نیاز کر دیتی ہے لیکن اس کے باوجود مخلوقات کو اپنی عظمت بتانے، اور ان کے تذکر اور یاد دہانی کے لیے اس نے فراواں لشکروں کا انتخاب کیا ہے، جو سارے عالم میں اس کے فرمان کو اجراء کرنے والے ہیں۔

اسلامی روایات میں پروردگار کے لشکروں کی کثرت و عظمت اور وسعت کے لیے عجیب و غریب تعبیریں وارد ہوئی ہیں، چونکہ وہ ان موازین کے ساتھ، جن سے ہم سروکار رکھتے ہیں سازگار نہیں ہیں، اسی لیے ان کا سننا ہمارے لیے بہت تعجب آور ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہاں پر ہم علیؑ کے اس عظمت والے کلام پر، جو اس سلسلہ میں نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ میں نقل ہوا ہے، قناعت کرتے ہیں، اور چونکہ عبادت طولانی ہے، لہٰذا ہم اس کا صرف ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

اس وقت اوپر والے آسمانوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا، اور ان کو فرشتوں کی مختلف اصناف و اقسام سے پُر کر دیا۔

ان میں سے ایک گروہ ہمیشہ سجدہ میں رہتا ہے اور وہ رکوع میں نہیں جاتا۔

اور ایک گروہ ہمیشہ رکوع میں رہتا ہے اور وہ رکوع سے سر نہیں اٹھاتا۔

اور ایک گروہ ہمیشہ قیام میں رہتا ہے اور عبادت میں مشغول رہتا ہے اور وہ اپنی جگہ کو نہیں بدلتا۔

ایک گروہ ہمیشہ تسبیح کرتا ہے اور تھکتا نہیں۔

کبھی نیند ان کی آنکھوں کو بند نہیں کرتی اور سہو و نسیان ان کی عقل پر غالب نہیں آتے۔

ان کے جسم سستی کی طرف مائل نہیں ہوتے اور غفلت اور فراموشی انھیں لاحق نہیں ہوتی۔

اور ایک دوسرا گروہ اس کی وحی کا امین ہے اور اس کے پیغمبروں کی طرف اس کی زبان ہے اور یہ گروہ اس کے فرمان اور امر کی تبلیغ کے لیے مسلسل آتا جاتا رہتا ہے۔

کچھ اور اس کے بندوں کے محافظ ہیں اور بہشت بریں کے دربان ہیں۔

ان میں سے بعض کے پاؤں زمین کے نچلے طبقات میں ثابت اور ان کی گردنیں آسمان بریں سے آگے نکل گئی ہیں اور ان کے وجود کا ارکان ابعاد و اطراف جہان سے خارج ہو گئے ہیں اور ان کے کندھے عرش خدا کے پایوں کی حفاظت کے لیے آمادہ ہیں[1]

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں (ملک) ایک وسیع و عریض مفہوم رکھتا ہے جو ان فرشتوں کو بھی شامل ہے جو عقل و شعور اور اطاعت و تسلیم کے حامل ہیں اور عالم ہستی کی بہت سی قوتوں اور توانائیوں کو بھی۔

ہم نے اس موضوع کے بارے میں سورۂ فاطر کے آغاز کی آیات میں (جلد ۱۰ ص ۱۶۲ سے آگے) مزید تفصیل بیان کی ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ اول

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۲۔ كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝

۳۳۔ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ۝

۳۴۔ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ۝

۳۵۔ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ۝

۳۶۔ نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ۝

۳۷۔ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۝

ترجمہ

۳۲۔ جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں، ایسا نہیں ہے، چاند کی قسم۔

۳۳۔ اور رات کی قسم جب (وہ دامن سمیٹے اور) پشت پھیرے۔

۳۴۔ اور صبح کی قسم جب وہ چہرہ کھولے۔

۳۵۔ کہ وہ (قیامت کے ہولناک حوادث) اہم مسائل میں سے ہیں۔

۳۶۔ تمام انسانوں کے لیے تنبیہ اور انذار ہے۔

۳۷۔ تم میں سے ان لوگوں کے لیے جو یہ چاہتے ہیں کہ آگے بڑھ جائیں یا پیچھے رہ جائیں (یعنی نیکیوں کی ہدایت کے لیے آگے بڑھ جائیں یا آگے نہ بڑھیں)

تفسیر

پیغمبر اسلام کی نبوت کے منکرین اور قیامت کے انکار کی بحث کو جاری رکھتے ہوئے، ان آیات میں کئی ایک قسمیں کھائی ہیں، اور قیامت، قبروں سے اٹھنے اور دوزخ و عذاب کے مسئلہ پر تاکید ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: "جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں، ایسا نہیں ہے، چاند کی قسم (کلا والقمر)۔"

"کلا" حرف "ردع" ہے اور عام طور پر ان باتوں کی نفی کے لیے آتا ہے جنہیں طرف مقابل نے پہلے ذکر کیا ہو اور کبھی بعد والی باتوں کی نفی کے لیے بھی ہوتا ہے اور یہاں گزشتہ آیات کے قرینہ سے ان منکرین کے گمان کی جو دوزخ اور اس کے عذاب کے منکر تھے، اور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جہنم کے خازن فرشتوں کا مذاق اڑاتے اور تمسخر کرتے تھے، نفی کرتا ہے۔

"چاند" کی قسم کا ذکر اس بناء پر ہے کہ وہ خدا کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے، خلقت کے لحاظ سے بھی اور نظم اور دور اور گردش کرنے کے لحاظ سے بھی، اور روشنی و خوبصورتی اور مد بھی تغیرات کے لحاظ سے بھی، جو دنوں کی تشخیص کے لیے خود ایک زندہ تقویم اور جنتری ہے

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اور قسم ہے رات کی جس وقت وہ پشت پھیرے اور دامن سمیٹے (واللیل اذ ادبر)۔

"اور قسم ہے صبح کی جس وقت وہ اپنے چہرے سے نقاب اٹھائے" (والصبح اذا اسفر)۔[1]

حقیقت میں یہ تینوں قسمیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ چاند کی جلوہ گری راتوں میں ہے اور دن کے وقت چاند کی روشنی، سورج کی روشنی کے تحت الشعاع میں ہوتی ہے اور وہ مطلقاً جلوہ نہیں دکھاتا۔

رات بھی اگرچہ آرام بخش ہوتی ہے اور عاشق اور حق تعالیٰ کے عاشقوں کے راز و نیاز کا وقت ہوتا ہے، لیکن یہ شب تاریک اس وقت بہت ہی عمدہ دکھائی دیتی ہے جب وہ پشت پھیرتی ہے اور صبح روشن کی طرف رُخ کرتے ہوئے آگے بڑھتی ہے اور آخر سحر کا وقت ہوتا ہے اور صبح کا طلوع کرنا، جو شب تاریک کا اختتام ہے، سب سے زیادہ دل آویز ہوتا ہے، جو ہر انسان کو وجد و نشاط میں لاتا ہے اور نور و صفا میں غرق کر دیتا ہے۔

ضمنی طور پر یہ تینوں قسمیں "قرآن" کے نور ہدایت اور "شرک و بت پرستی" کی تاریکیوں کے پشت پھیرنے اور "توحید" کی صبح کی سپیدی کے پھوٹنے کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں۔

ان قسموں کو بیان کرنے کے بعد اس چیز کی طرف رُخ کرتا ہے جس کے لیے یہ قسمیں کھائی گئی ہیں، فرماتا ہے: "یقیناً قیامت کے ہولناک حوادث، دوزخ اور عذاب گزشتہ اہم مسائل میں سے ہیں" (انہا لاحدی الکبر)۔[2]

"انہا" کی ضمیر یا تو "سقر" (دوزخ) کی طرف لوٹتی ہے یا "جنود" "اور پروردگار کے لشکروں کی طرف، یا قیامت کے تمام حوادث کی طرف اور ان میں سے جو بھی ہو، اس کی عظمت واضح ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "دوزخ کی خلقت کا مقصد انتقام جوئی ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ تو انسانوں کو ڈرانے کا ایک ذریعہ ہے (نذیرا للبشر)۔[3]

---

[1] "اسفر" "سفر" (بروزن فقر) کے مادہ سے ڈھکن کھولنا اور حجاب دور کرنے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے بے پردہ عورتوں کو "سافرات" کہا جاتا ہے اور یہ تعبیر طلوع سحر کے لیے ایک خوبصورت اور عمدہ تشبیہ ہے۔

[2] "کبر" "کبریٰ" کی جمع ہے جو بزرگ اور بڑی چیز کے معنی میں ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ "سقر" دوزخ کا ایک بہت بڑا طبقہ ہے۔ لیکن یہ تفسیر اس چیز کے ساتھ جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے، عبارت سے معلوم ہوتا ہے، سازگار نہیں ہے۔

[3] "نذیرا" "انہا" کی ضمیر کا حال ہے جو سقر کی طرف لوٹتی ہے اور بعض نے تمیز کا احتمال بھی دیا ہے۔ اس صورت میں ہے کہ "نذیر" مصدری معنی رکھتا ہو اور "انذار" کے معنی دیتا ہو لیکن

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تا کہ سب کو ڈرائے اور انذار کرے اور اس وحشت ناک عذاب سے، جو گناہ گاروں اور حق کے دشمنوں کے انتظار میں ہے، بچائے۔

آخر میں زیادہ تاکید کے لیے مزید کہتا ہے: "یہ انذار کسی معین گروہ کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ یہ تو تمام افراد بشر کے لیے ہے، تم میں سے ان سب لوگوں کے لیے، جو آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور نیکیوں اور فرمانِ خدا کی اطاعت کی طرف پیش دستی کرنا چاہتے ہیں اور چاہے وہ لوگ ہوں جو اس قافلے سے پیچھے رہ جانے کی طرف مائل ہوں" (لمن شاء منکم ان یتقدم او یتأخر)۔

جو شخص آگے بڑھنے کی راہ پر چل پڑے، تو اس کا کیا ہی کہنا ہے اور جو تاخیر کی راہ اپنائے اور پیچھے کو ہٹے تو اس کا بُرا حال ہوگا۔

بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ یہاں تقدم و تاخر سے مراد جہنم کی آگ کی طرف تقدم اور اسی سے پیچھے ہٹنا ہے۔

اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد نفسِ انسانی کا تقدم اور تکامل و ارتقاء ہے یا اس کا انحطاط اور تاخر ہے۔

پہلا اور تیسرا معنی زیادہ مناسب ہے، اور دوسری تفسیر چنداں مناسب نہیں ہے۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۸- كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۙ

۳۹- إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۙ

۴۰- فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ۙ

۴۱- عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۙ

۴۲- مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ

۴۳- قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۙ

۴۴- وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۙ

۴۵- وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۙ

۴۶- وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۙ

۴۷- حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ؕ

۴۸- فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ؕ

ترجمہ

۳۸- ہر شخص اپنے اعمال کے لیے گرو ہے۔

۳۹- مگر "اصحاب یمین" (جن کا اعمال نامہ ایمان و تقویٰ کی نشانی کے طور پر ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا)

۴۰- وہ جنت کے باغات میں ہوں گے اور وہ سوال کریں گے۔

۴۱- مجرموں سے

۴۲- تمھیں دوزخ کی طرف کس چیز نے بھیجا۔

۴۳- وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴۴۔ اور مسکینوں اور محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

۴۵۔ اور ہمیشہ اہلِ باطل کے ہم نشین و ہم صدا رہتے تھے۔

۴۶۔ اور ہمیشہ روزِ جزا کا انکار کرتے تھے۔

۴۷۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔

۴۸۔ لہٰذا شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ان کے لیے سود مند نہیں ہوگی۔

تفسیر

تم اہلِ دوزخ کیوں ہو گئے؟

اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے جو گزشتہ آیات میں مجرمین اور دوزخیوں کے بارے میں آئی ہے۔ ان آیات میں مزید کہتا ہے: "ہر شخص اپنے اعمال کے لیے گرو ہے" (کل نفس بما کسبت رھینۃ)۔

"رھینۃ" "رھن" کے مادہ سے (گرو) کے معنی میں ہے اور یہ وہ وثیقہ ہے جو عام طور پر "قرض" کے مقابلہ میں دیتے ہیں گویا انسان کا تمام وجود اس کے وظائف و تکالیف اور ذمہ داریوں کے انجام دینے میں گرو ہے، جس وقت انہیں انجام دے لیتا ہے، آزاد ہو جاتا ہے، ورنہ قید اسارت میں رہے گا۔

اہلِ لغت کے بعض کلمات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "رہن" کے معانی میں سے ایک ملازمت و ہمراہی ہے[1]۔ اس معنی کے مطابق آیت کا مفہوم اس طرح ہوگا، کہ سب لوگ اپنے اعمال کے ہمراہ ہوں گے چاہے نیکو کار ہوں یا بدکار۔

لیکن بعد والی آیات کے قرینہ سے پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

لہٰذا بلافاصلہ فرماتا ہے: "مگر اصحاب یمین، جو اس اسارت کی قید سے آزاد ہیں"۔ (الا اصحاب الیمین)۔[2]

انھوں نے ایمان اور عملِ صالح کے سائے میں، اسارت کے طوق اور زنجیروں کو توڑ دیا ہے، لہٰذا وہ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔

اس بارے میں کہ یہاں "اصحاب الیمین" سے کون لوگ مراد ہیں، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

---

[1] "لسان العرب" مادہ "رہن"۔

[2] اس بارے میں کہ یہاں استثناء "متصل" ہے یا "منقطع"، بعض نے مثلاً مرحوم شیخ طوسی نے "تبیان" میں اسے "منقطع" تصور کیا ہے اور بعض نے مثلاً صاحب المیزان نے اسے متصل جانا ہے۔ یہ فرق ان مختلف تفسیروں کے ساتھ مربوط ہے جو ہم نے "رھینۃ" کے مفہوم کے بارے میں ذکر کی ہیں۔ پہلی تفسیر کہ جو ہم نے انتخاب کیا ہے، اس کے مطابق استثناء منقطع ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق استثناء متصل ہوگا۔ (غور کیجئے)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعض نے تو اس کی ایسے افراد کے ساتھ تفسیر کی ہے جن کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہوگا۔
اور بعض انھیں ایسے مومنین سمجھتے ہیں، جنھوں نے بالکل گناہ نہ کیا ہو، اور بعض فرشتوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور دوسرے احتمالات بھی ہیں۔

لیکن جو کچھ قرآن کی مختلف آیات سے معلوم ہوتا ہے اور اس پر قرآن گواہ ہے، وہی پہلا معنی ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان اور عمل صالح کے حامل ہیں اور اگر ان سے کوئی چھوٹے موٹے گناہ ہوئے بھی ہوں، تو وہ ان کی نیکیوں کے تحت الشعاع میں ہیں اور ان الحسنات یذھبن السیئات)۔ (ہود ۱۱۴) کے حکم میں ہیں۔
ان کے نیک اعمال ان کے اعمالِ بد کو چھپالیں گے، یا تو وہ بلاحساب کے جنت میں وارد ہوجائیں گے، اور اگر ان کا حساب ہوا بھی، تو وہ سہل، سادہ اور آسان ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ انشقاق کی آیہ ۸ میں آیا ہے: فاما من اوتی کتابه بیمینه فسوف یحاسب حسابًا یسیرًا ۔ لیکن وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں ہوگا، اس کا حساب آسان ہوگا"۔
اہلِ سنت کے مشہور مفسر "قرطبی" نے امام باقرؑ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

نحن و شیعتنا اصحاب الیمین، و کل من ابغضنا اھل البیت فھم المرتھنون

"ہم اور ہمارے شیعہ اصحابِ یمین ہیں اور جو شخص ہم اہل بیت کو دشمن رکھتا ہے، تو وہ اپنے اعمال کی قید میں ہے"۔[1]

اس حدیث کو دوسرے مفسرین، منجملہ "مجمع البیان" اور تفسیر "نور الثقلین" کے مؤلف اور بعض دوسروں نے بھی زیرِ بحث آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

اس کے بعد "اصحاب الیمین" اور ان کے مدمقابل گروہ کے حالات کے ایک گوشہ کی تشریح کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "وہ جنت کے پُرنعمت اور باعظمت باغوں میں ہوں گے اور اس حال میں وہ سوال کریں گے" (فی جنات یتساءلون)۔[2]

"گنہگاروں سے" (عن المجرمین)۔

---

[1] تفسیر "قرطبی" جلد ۱۰ ص ۶۸۷۸

[2] "یتساءلون" اگرچہ باب "تفاعل" سے ہے، جو عام طور پر دو افراد یا چند افراد کے درمیان ہونے والے کام کے لیے آتا ہے۔ لیکن یہاں بعض دوسرے مقامات کے مانند یہ معنی نہیں دیتا اور یہاں "یسألون" کے معنی دیتا ہے۔ ضمنی طور پر "جنات" کا نکرہ ہونا اس کی عظمت کے بیان کے لیے ہے۔ اور بہرحال "فی جنات" ایک محذوف مبتدا کی خبر ہے اور تقدیر میں "ھم فی جنات" ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہ کہیں گے، "تمھیں دوزخ میں کس چیز نے پہنچا دیا" (ما سلککم فی سقر)۔

ان آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ بہشتیوں اور دوزخیوں کے درمیان کلی طور پر رابطہ منقطع نہیں ہوگا، جنتی اپنے عالم سے دوزخیوں کی حالت کا مشاہدہ کرسکیں گے اور ان سے گفتگو کرسکیں گے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مجرمین "اصحاب الیمین" کے اس سوال کا کیا جواب دیتے ہیں؟ وہ اس سلسلہ میں اپنے چار گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

پہلا یہ کہ وہ کہیں گے: "ہم نمازگزاروں میں سے نہیں تھے" (قالوا لم نک من المصلین)۔

اگر ہم نماز پڑھتے، تو نماز ہمیں خدا کی یاد دلاتی اور فحشاء اور منکر سے روکتی، اور ہمیں خدا کی صراطِ مستقیم کی دعوت دیتی"۔

دوسرا یہ کہ "ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے" (ولم نک نطعم المسکین)۔

"اطعام مسکین" کا معنی اگرچہ ظاہر میں مسکین کو کھانا کھلانا ہے، لیکن ظاہراً اس سے مراد، ضرورت مندوں کی ہر ضرورت و حاجت میں مدد کرنا ہے، چاہے وہ خوراک ہو یا پوشاک و مسکن وغیرہ۔

اور بہت سارے مفسرین نے تصریح کی ہے، اس سے مراد "زکاتِ واجب" ہے، کیونکہ مستحبی انفاقات کو ترک کرنا جہنم میں داخل ہونے کا سبب نہیں بنتا، اور یہ آیت دوبارہ اس مطلب کی تاکید کرتی ہے کہ زکات کا حکم اجمالی طور پر مکہ میں ہی نازل ہوا تھا، اگرچہ جزئیات کی تشریح اور حدود کی خصوصیات کا تعین، خصوصاً اس کا بیت المال میں مرکز ہونا، مدینہ میں ہوا تھا۔

تیسرا یہ کہ "ہم ہمیشہ اہل باطل کے ساتھ ہم نشین اور ہم صدا ہوجاتے تھے" (وکنا نخوض مع الخائضین)۔

حق کے خلاف جس گوشہ سے بھی کوئی صدا بلند ہوتی اور جو مجلس بھی باطل کی ترویج کے لیے برپا ہوتی، اور ہم اس سے باخبر ہوجاتے تو ہم ان کا ساتھ دیتے، اور جماعت کے رنگ میں رنگے جاتے، ان کی باتوں کی تصدیق کرتے اور ان کے تکذیب اور انکار کرنے کو صحیح قرار دیتے اور حق کا استہزاء کرنے اور تمسخر اڑانے سے لذت حاصل کرتے تھے۔

"نخوض" "خوض" (بروزن حوض) کے مادہ سے، اصل میں پانی میں داخل ہونے اور اس میں حرکت کرنے کے معنی میں ہے، اس کے بعد تمام امور میں داخل ہونے اور ان میں آلودہ ہونے کے لیے بھی بولا جانے لگا، لیکن قرآن مجید میں اکثر باطل اور بے بنیاد مطالب میں وارد ہونے کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔

"باطل میں خوض" ایک وسیع و عریض معنی رکھتا ہے، جو ان لوگوں کی مجالس میں داخل ہونے کو بھی شامل ہے، جو آیاتِ خدا کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں، یا بدعت کی ترویج کرتے ہیں، یا پست اور چھچھوری باتیں کرتے ہیں یا ان گناہوں کو جنھیں انھوں نے انجام دیا ہے، فخریہ اور مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں، اسی طرح غیبت، تہمت اور لہو و لعب وغیرہ کی مجالس میں شرکت کرنا، لیکن زیر بحث آیت میں زیادہ تر ان مجالس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، جو خدا کے دین کو کمزور کرنے اور اس کے مقدسات کا استہزاء اور مذاق اڑانے اور کفر و شرک و

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بے دینی کی ترویج کے لیے قائم کی جاتی ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اور ہم ہمیشہ روزِ جزا کا انکار کیا کرتے تھے"۔ (وکنا نکذب بیوم الدین)۔

یہاں تک کہ ہماری موت کا وقت آپہنچا" (حتّٰی اتانا الیقین)۔

یہ بات واضح ہے کہ معاد و قیامت اور حساب و جزا کے دن کا انکار تمام الٰہی اور اخلاقی قدروں کو متزلزل کر دیتا ہے اور انسان کو گناہ کے ارتکاب کی جرأت دلاتا ہے اور اس راستے کی رکاوٹوں کو دور کر دیتا ہے، خصوصاً اگر یہ سلسلہ آخر عمر تک ایک مسلسل عمل کی صورت اختیار کرے۔

بہرحال ان آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ اوّلاً کفار بھی، اصولِ دین کی طرح سے، فروعِ دین کے بھی مکلّف ہیں اور اس سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ چاروں امور یعنی نماز، زکوٰۃ، اہل باطل کی مجالس کو ترک کرنا اور قیامت پر ایمان رکھنا، ایمان کی ہدایت اور تربیت میں حد سے زیادہ اثر رکھتے ہیں اور اس طرح سے جہنم، دائمی نماز گزاروں، زکوٰۃ دینے والوں، باطل کو ترک کرنے والوں اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کی جگہ نہیں ہے۔

البتہ نماز اس لحاظ سے کہ وہ خدا کی عبادت ہے لہٰذا وہ خدا پر ایمان کے بغیر اسے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس بناء پر اس کا ذکر، خدا پر ایمان و اعتقاد اور اس کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی ایک رمز ہے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چاروں امور توحید سے شروع ہوتے ہیں اور معاد و قیامت پر ختم ہوتے ہیں اور خالق و مخلوق اور انسان کے خود اپنے آپ سے ربط کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

مفسرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ "یقین" سے مراد یہاں موت ہے، کیونکہ یہ موت کا فرد دونوں کے لیے ایک یقینی امر شمار ہوتی ہے اور انسان ہر چیز میں شک کر سکتا ہے لیکن موت میں شک نہیں کر سکتا، سورۂ حجر کی آیہ ۹۹ میں بھی آیا ہے و اعبد ربک حتّٰی یأتیک الیقین "اپنے خدا کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین (موت) آجائے"۔

لیکن بعض نے یہاں یقین کی، انسان کی موت کے بعد، برزخ، قیامت کے مسائل کے بارے میں آگاہی حاصل ہونے کے معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے جو پہلی تفسیر کے ساتھ ایک جہت سے ہم آہنگ ہے۔

آخری زیرِ بحث آیت میں اس گروہ کے بُرے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: "لہٰذا شفاعت کرنے والوں میں سے کسی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ان کی حالت کو کوئی فائدہ نہیں دے گی" (فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین)۔

نہ تو خدا کے انبیاء، رسولوں اور آئمہ معصومین کی شفاعت اور نہ ہی فرشتوں، صدیقین، شہداء اور صالحین کی شفاعت، کیونکہ شفاعت کے لیے مناسب حالات کی ضرورت ہے اور انھوں نے تمام اسباب کو کلی طور پر ختم کر دیا ہے، شفاعت اس شفاف پانی کے مانند ہے، جسے کسی کمزور پودے کی جڑ پر ڈالا جائے، لیکن یہ بات واضح ہے کہ اگر پودا کلی طور پر مر چکا ہو تو یہ صاف ستھرا پانی اسے زندہ نہیں کر سکتا، دوسرے لفظوں میں جیسا کہ ہم شفاعت کی بحث میں بیان کر چکے ہیں "شفاعت" شفع کے مادہ سے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ضمیمہ کرنے کے معنی میں ہے اور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کی شفاعت کی جارہی ہے اس نے راستہ کا کچھ حصّہ اپنے پاؤں سے طے کیا ہے اور سخت قسم کے نشیب و فراز میں پیچھے رہ گیا ہے، شفاعت کرنے والا اس کا ضمیمہ بن کر اس کی مدد کرتا ہے تاکہ وہ باقی راستہ طے کرے۔[1]

ضمنی طور پر یہ آیت، دوبارہ مسئلہ شفاعت اور بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرنے والوں کے تنوع اور تعدد کی تاکید کرتی ہے اور ان لوگوں کے لیے جو اصل شفاعت کے منکر ہیں، ایک دندان شکن جواب ہے۔ اسی طرح یہ اس بات کے لیے ایک تاکید بھی ہے کہ شفاعت بے قید و شرط کے نہیں ہوگی اور گناہ کے لیے ہری جھنڈی کے معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ انسان کی تربیت کا ایک ایسا عامل ہے جو اسے کم از کم اس مرحلہ تک پہنچا دے، کہ اس میں شفاعت کرانے کی قابلیت پیدا ہو جائے، اور خدا اور اس کے اولیاء سے اس کا رابطہ کلی طور پر منقطع نہ ہو جائے۔

یہ نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ زیر بحث آیت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ شفاعت کرنے والے اس قسم کے لوگوں کی شفاعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ چونکہ شفاعت ان کی حالت کے لیے سود مند نہیں ہوگی، لہٰذا وہ ان کی شفاعت نہیں کریں گے، کیونکہ اولیاء خدا لغو و بیہودہ کاموں کے مرتکب نہیں ہوتے۔

ایک نکتہ

روزِ جزا کے شفاعت کرنے والے

زیر بحث آیات اور اسی طرح قرآن مجید کی بعض اور دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں شفاعت کرنے والے متعدد ہوں گے (اور ان کے شفاعت کا دائرہ مختلف ہوگا) ان تمام روایات سے جو شیعہ اور اہل سنت کے منابع سے نقل ہوئی ہیں ——— اور یہ روایات بہت زیادہ ہیں ——— معلوم ہوتا ہے کہ یہ شفاعت کرنے والے قیامت کے دن ان گنہ گاروں کے لیے، جن میں شفاعت کی استعداد موجود ہے، شفاعت کریں گے۔

۱۔ سب سے پہلی شفاعت کرنے والی ہستی پیغمبر اسلامؐ کی ذاتِ مقدس ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

انا اول شافع فی الجنة[2]

"جنت کے بارے میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا میں ہوں گا۔"

۲۔ تمام انبیاء قیامت کے دن شفاعت کریں گے، جیسا کہ ایک اور حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

یشفع الانبیاء فی کل من یشھد ان لا الٰہ الا اللہ مخلصا فیخرجونھم منھا

---

[1] تفسیر نمونہ جلد اول، سورۂ بقرہ کی آیہ ۴۸ کے ذیل میں
[2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۳۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"انبیاء ان تمام افراد کے بارے میں شفاعت کریں گے جو خلوصِ نیت کے ساتھ خدا کی وحدانیت کی گواہی دیں گے اور وہ انھیں دوزخ سے باہر نکال لیں گے۔"[1]

۲۔ فرشتے بھی روزِ محشر شفاعت کریں گے، جیسا کہ رسولِ خدا سے نقل ہوا ہے:

یؤذن للملائکۃ والنبیین والشہداء ان یشفعوا

"اس دن فرشتوں، انبیاء اور شہداء کو اجازت دی جائے گی کہ وہ شفاعت کریں۔"[2]

۴، ۵۔ آئمہ معصومینؑ اور ان کے شیعہ بھی شفاعت کریں گے، جیسا کہ علیؑ فرماتے ہیں:

لنا شفاعۃ ولاھل مودتنا شفاعۃ

"ہمارے لیے حقِ شفاعت ہے اور ہمارے شیعہ اور دوستوں کے لیے بھی مقامِ شفاعت ہے۔"[3]

۶، ۷۔ علماء اور دانشور اور اسی طرح شہداء راہِ خدا شفاعت کرنے والوں میں سے ہوں گے، جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ سے ایک حدیث میں آیا ہے:

یشفع یوم القیامۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشہداء

"روزِ قیامت پہلے انبیاء شفاعت کریں گے، پھر علماء اور اس کے بعد شہداء۔"[4]

یہاں تک کہ ایک حدیث میں آنحضرتؐ سے آیا ہے:

یشفع الشہید فی سبعین انسانا من اھل بیتہ

"شہید کی شفاعت اس کے خاندان کے ستر افراد تک قابلِ قبول ہوگی۔"[5]

ایک اور دوسری حدیث میں جسے مرحوم "علامہ مجلسیؒ" نے "بحارالانوار" میں نقل کیا ہے:

"ان کی شفاعت ستر ہزار افراد کے لیے قابلِ قبول ہوگی۔"[6]

اور اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ستر اور ستر ہزار کا عدد دونوں اعدادِ تکثیر میں سے ہیں، لہٰذا ان دونوں روایات میں کوئی منافات نہیں ہے۔

۸۔ قرآن بھی قیامت کے دن شفاعت کرے گا، جیسا کہ علیؑ فرماتے ہیں:

---

[1] "مسند احمد" جلد ۳ ص ۱۲

[2] "مسند احمد" جلد ۵ ص ۴۳

[3] "خصال الصدوق" ص ۶۲۴

[4] "سنن ابی ماجہ" جلد ۲ ص ۱۴۴۳

[5] "سنن ابی داؤد" جلد ۲ ص ۱۵

[6] "بحار الانوار" جلد ۱۰۰ ص ۱۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

واعلموا انہ (القرآن) شافع ومشفع

"جان لو کہ قرآن شفاعت کرنے والا ہے اور مقبول الشفاعۃ ہے" [1]

وہ لوگ جنھوں نے ایک عمر اسلام میں صرف کی ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے آیا ہے:

اذا بلغ الرجل التسعین غفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر وشفع فی اھلہ

"جب انسان نوے سال کا ہو جاتا ہے (اور ایمان کے راستے پر چل رہا ہوتا ہے) تو خدا اس کے گزشتہ اور آئندہ کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اس کے گھر والوں کے لیے اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے" [2]

۱۰۔ عبادات بھی شفاعت کریں گی، جیسا کہ ایک حدیث میں رسولِ خدا سے آیا ہے:

الصیام والقرآن یشفعان للعبد یوم القیامۃ

"روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندوں کی شفاعت کریں گے" [3]

۱۱۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال بھی شفاعت کریں گے، اور امانت جس کی حفاظت کرنے میں انسان نے کوشش کی ہو، قیامت میں انسان کی شفاعت کریں گے [4]

۱۲۔ سب سے جالب بات یہ ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود خداوندِ عالم بھی گنہگاروں کی شفاعت کرے گا، جیسا کہ ایک حدیث میں رسولِ اکرمؐ سے آیا ہے:

یشفع النبیون والملائکۃ والمؤمنون فیقول الجبار بقیت شفاعتی

"قیامت میں انبیاء، فرشتے اور مومنین شفاعت کریں گے اور خدا کہے گا کہ ابھی میری شفاعت باقی رہ گئی ہے" [5]

اس بارے میں روایات بہت زیادہ ہیں اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ ان کا ایک گوشہ ہے [6]

ہم دوبارہ اس بات کو دہراتے ہیں کہ شفاعت کے کچھ شرائط و قیود ہیں، جن کے بغیر شفاعت ممکن نہیں ہے، جیسا کہ زیرِ بحث آیات میں بھی صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ مجرموں کے ایک گروہ کے بارے میں تمام شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بے اثر ہوگی۔ اہم بات یہ ہے کہ قابل میں قابلیت بھی ہو، کیونکہ فاعل کی فاعلیت اکیلی کافی نہیں ہے (ہم اس سلسلے میں مزید تشریح جلد اول میں شفاعت کی بحث میں پیش کر چکے ہیں)۔

---

[1] "نہج البلاغہ" خطبہ ۱۷۶

[2] "مسند احمد" جلد ۲ ص ۸۹

[3] "مسند احمد" جلد ۲ ص ۱۷۴

[4] "مناقب ابن شہر آشوب" جلد ۲ ص ۱۴

[5] "صحیح بخاری" جلد ۹ ص ۱۴۹

[6] مزید وضاحت کے لیے کتاب "مفاہیم القرآن" جلد ۴ ص ۲۰۰ تا ۲۱۱ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴۹۔ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۝

۵۰۔ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ۝

۵۱۔ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝

۵۲۔ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُنَشَّرَةً ۝

۵۳۔ كَلَّا ۖ بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ۝

۵۴۔ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ۝

۵۵۔ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ۝

۵۶۔ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝

ترجمہ

۴۹۔ وہ اس تذکرہ سے گریزاں کیوں ہیں ؟

۵۰۔ گویا وہ وحشت زدہ گدھے ہیں۔

۵۱۔ جو شیر سے بھاگ رہے ہیں۔

۵۲۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک اس بات کا منتظر ہے (کہ خدا کی طرف سے) ایک علیحدہ خط اسے بھیجا جائے۔

۵۳۔ جیسا وہ کہتے ہیں ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔

۵۴۔ جیسا وہ کہتے ہیں ایسا نہیں ہے، وہ (قرآن) تو ایک تذکرا اور یاد آوری ہے۔

۵۵۔ جو شخص چاہتا ہے اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔

۵۶۔ اور کوئی شخص نصیحت نہیں لیتا مگر یہ کہ خدا چاہے وہ اہل تقویٰ اور اہل مغفرت ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

حق سے اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح شیر سے گدھے

اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے جو گزشتہ آیات میں مجرموں اور دوزخیوں کے بارے میں آئی تھی، زیر بحث آیات میں اس معاند اور ہٹ دھرم گروہ کی حق بات سننے، اور ہر قسم کی پند و نصیحت سے وحشت کرنے کو، واضح ترین صورت میں بیان کرتا ہے۔

پہلے کہتا ہے: "وہ اس تذکرہ اور یاد آوری سے روگرداں کیوں ہیں؟" (فما لھم عن التذکرة معرضین)۔[1]

وہ قرآن جیسی شفا بخش دوا سے فرار کیوں کرتے ہیں؟ وہ ہمدرد طبیب کی بات کو رد کیوں کرتے ہیں؟ واقعاً تعجب کا کام ہے۔

"گویا وہ وحشت زدہ ہو کر بھاگنے والے گدھے ہیں"۔ (کانھم حمر مستنفرة)۔

"جنھوں نے شیر یا شکاری سے فرار کیا ہے" (فرت من قسورة)۔

"حمر" "حمار" کی جمع ہے، گدھے کے معنی میں، البتہ یہاں شیر یا شکاری کے چنگل سے فرار کے قرینے سے، وحشی گدھا یا "گورخر" مراد ہے۔[2] دوسرے لفظوں میں یہ لفظ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے جو وحشی اور اہلی دونوں قسم کے گدھے کو شامل ہے۔

"قسورة" "قسر" کے مادہ سے ——— (جو قہر و غلبہ کے معنی میں ہے) ——— لیا گیا ہے، اور وہ شیر کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور بعض نے اس کی تیرانداز یا شکاری کے معنی میں تفسیر کی ہے، لیکن یہاں پہلا معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔

مشہور ہے کہ "وحشی گدھا" "شیر" سے عجیب و غریب وحشت رکھتا ہے، یہاں تک کہ وہ شیر کی آواز کو سنتا ہے تو اس طرح کی وحشت اس پر طاری ہو جاتی ہے کہ وہ دیوانہ وار ہر طرف کو بھاگتا ہے، خاص طور پر اس وقت جب شیر ان کے گروہ میں پہنچ جائے تو وہ اس طرح سے پراگندہ ہو کر ہر طرف کو دوڑتے ہیں کہ یہ نظارہ عجیب افراتفری کا عالم پیش کرتا ہے۔ (آج کل فلموں میں شیر کو جانوروں کا شکار کرتے ہوئے عام دکھایا جاتا ہے)

بہرحال یہ آیت، مشرکین کے قرآن کی روح پرور آیات سے وحشت کرنے اور ان سے فرار کرنے کی ایک بہت ہی رسا، گویا اور ناطق تعبیر ہے، ان کو گورخر کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس میں عقل و شعور بھی نہیں ہے اور وحشی ہونے کی بناء پر ہر چیز سے گریزاں بھی ہے حالانکہ ان کے سامنے "تذکرہ" (یاد آوری، بیداری اور ہوشیاری کے ایک وسیلہ کے) سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔

---

[1] اس جملہ میں "ما" "مبتدا" ہے اور "لھم" "خبر" اور "معرضین" "ھم" کی ضمیر کے لیے حال ہے اور "عن التذکرة" "جار و مجرور" "معرضین" سے متعلق ہے۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ "عن التذکرة" کا "معرضین" سے مقدم ہونا حصر پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی وہ صرف مفید قسم کی یاد آوریوں سے منہ پھیرتے ہیں۔ بہرحال یہاں "تذکرہ" سے مراد، ہر قسم کی مفید و سودمند یاد آوری ہے، جس کا اعلیٰ ترین مصداق قرآن مجید ہے۔

[2] "گورخر" "گور" بمعنی "صحرا" اور "خر" بمعنی (گدھا) سے مرکب ہے، اسی لیے اسے "خروحشی اور خرصحرائی" بھی کہتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن اس نادانی اور بے خبری کے باوجود وہ ایسے مغرور اور متکبر ہیں کہ ان میں سے ہر ایک یہ توقع رکھتا ہے کہ خدا کی طرف سے اسے ایک علیحدہ خط دیا جائے" (بل یرید کل امرئ منھم ان یؤتی صحفا منشرۃ)۔[1]

یہ اس چیز کے مشابہ ہے، جو سورۂ اسراء کی آیہ ۹۳ میں آئی ہے: (ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ) "اگر تو آسمان پر بھی چڑھ جائے تو بھی ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے، مگر یہ کہ (خدا کی طرف سے) ہم پر تو کوئی خط نازل کرے"، یا سورۂ انعام کی آیہ ۱۲۴ کی طرح ہے جو یہ کہتی ہے: (قالوا لن نؤمن حتی نؤتی مثل ما اوتی رسل اللہ) وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے: جب تک کہ وہی چیز جو اللہ کے رسولوں پر نازل ہوتی ہے، ہمیں نہ دی جائے"۔

اور اس طرح سے ان میں سے ہر ایک یہ توقع رکھتا تھا کہ وہ اولوالعزم پیغمبر ہو اور خدا کی طرف سے اس کے نام کا خصوصی خط آسمان سے نازل ہو، اور اگر اس قسم کی چیز ان پر نازل ہو بھی جاتی تب بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ایمان لے آئیں گے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابوجہل اور قریش کی ایک جماعت نے کہا: اے محمد! ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے، جب تک تو آسمان سے ایسا ایک خط نہ لائے جس کا عنوان یہ ہو: "خداوند رب العالمین کی طرف سے فلاں ابن فلاں کے نام، اور اس میں رسمی طور پر یہ حکم دیا جائے کہ ہم تجھ پر ایمان لے آئیں"[2]

اس لیے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "جس طرح سے وہ کہتے ہیں ایسا نہیں ہے" (کلا)۔
ان پر آسمانی کتاب کا نازل ہونا اور اسی قسم کے دوسرے مطالب یہ سب بہانے ہیں۔
"حقیقت میں وہ آخرت سے نہیں ڈرتے" (بل لا یخافون الآخرۃ)۔
اگر وہ آخرت سے ڈرتے ہوتے، تو یہ سب بہانے نہ کرتے، رسول خدا کی تکذیب نہ کرتے، آیات الٰہی کا مذاق نہ اڑاتے اور عذاب پر مامور فرشتوں کی تعداد کو استہزاء کا ذریعہ نہ بناتے۔

اور یہاں سے تقویٰ، گناہ سے پرہیز اور انواع و اقسام کے گناہان کبیرہ سے پاک ہونے میں، معاد پر ایمان کا اثر واضح ہوجاتا ہے۔

حق بات یہ ہے کہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ عالم محشر پر ایمان اور قیامت میں جزا و سزا ملنے کا عقیدہ، انسان کو ایک نئی شخصیت عطا کرتا ہے اور بے قید و بند، متکبر، خود خواہ اور ظالم افراد کو، عہد کی پابندی کرنے والے، متقی، متواضع اور عدالت پیشہ انسان میں تبدیل کرسکتا ہے۔

---

[1] "صحف" "صحیفہ" کی جمع ہے، جو اس ورق کے معنی میں ہے، جسے اِس طرف اور اُس طرف کرتے ہیں" (چونکہ "صحف" اور "صحیفہ" کا اصل مادہ چہرہ کی مانند پھیلی ہوئی چیز کے معنی میں ہے، اس لیے خط اور کتاب پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

[2] "تفسیر قرطبی"، "تفسیر مراغی" اور دوسری تفاسیر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے بعد ایک مرتبہ اور تاکید کرتا ہے کہ جس طرح وہ قرآن کے بارے میں سوچتے ہیں ایسا نہیں ہے" (کلا)۔
یقیناً قرآن تو تذکر اور یادآوری ہے" (انہ تذکرۃ)۔

" اور جو شخص چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے" (فمن شاء ذکرہ)۔
قرآن نے راستے کی نشاندہی کر دی ہے ، اور دیکھنے والی آنکھوں کو بھی اختیار دے دیا ہے اور نورِ آفتاب بھی ہے تاکہ انسان اپنے آگے دیکھ کر چلے۔

اس کے باوجود اس سے پند و نصیحت حاصل کرنا، خدا کی مشیت اور توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور وہ نصیحت نہیں لیتے مگر یہ کہ خدا چاہے"
(وما یذکرون الا ان یشاء اللہ)۔
اس جملہ کی کئی تفسیریں ہیں ، ایک تو وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے ، یعنی انسان پروردگار کی عنایت کے دامن سے توسل کیے بغیر ہدایت کی راہ کو طے نہیں کر سکتا، اور نہ ہی اس کی توفیق و امداد کے بغیر ہدایت پا سکتا ہے۔ ؎

تا کہ از جانبِ معشوق نباشد کششی
کوشش عاشق بے چارہ بہ جائے نرسد

"جب تک محبوب کی طرف سے کشش نہ ہو
بے چارے عاشق کی کوشش کچھ کام نہیں دیتی"

البتہ یہ خدائی امداد استعداد رکھنے والوں پر نازل ہوتی ہے۔
دوسری یہ کہ : " فمن شاء ذکرہ " کا جملہ جو گزشتہ آیت میں آیا ہے، ممکن ہے یہ توہم پیدا کرے کہ ہر چیز خود انسان کے ارادہ کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کا ارادہ ہر لحاظ سے استقلال رکھتا ہے، تو یہ آیت اس اشتباہ کو دور کرنے کے لیے کہتی ہے کہ انسان مختار و آزاد ہونے کے باوجود مشیتِ الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے ، وہ مشیت جو سارے عالم ہستی اور جہان آفرینش پر حکم فرما ہے ، دوسرے لفظوں میں انسان کا یہی اختیار و آزادی بھی، اس کی مشیت کے ساتھ ہے اور وہ جس لمحہ چاہے، اس کو اس سے لے لے۔
تیسری یہ کہ کہتا ہے، وہ کسی قیمت پر ایمان نہیں لائیں گے، مگر یہ کہ خدا چاہے اور انہیں مجبور کر دے ، اور ہم جانتے ہیں کہ خدا کسی کو ایمان یا کفر پر مجبور نہیں کرتا۔
البتہ پہلی اور دوسری تفسیر بہتر اور زیادہ مناسب ہے۔
اور آیت کے آخر میں کہتا ہے : " وہ اہلِ تقویٰ اور اہلِ مغفرت ہیں"۔ (ھو اھل التقوٰی واھل المغفرۃ)۔
مناسب یہی ہے کہ اس کے عذاب سے ڈریں اور کسی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دیں ، اور یہی شائستہ بات ہے کہ اس کی مغفرت کے امیدوار رہیں۔
حقیقت میں یہ جملہ " خوف " و " رجاء " کے مقام اور " عذاب " و " مغفرت " الٰہی کی طرف اشارہ ہے ، اور یہ حقیقت میں پہلی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آیت کے لیے ایک علت کو بیان کرتی ہے ۔

اسی لیے ایک حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا : خدا فرماتا ہے :

انا اھل ان اتقی، ولا یشرك بی عبدی شیئًا وانا اھل ان لم یشرك بی شیئًا ان ادخله الجنة

"میں اس لائق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرا بندہ کسی چیز کو میرا شریک قرار نہ دے اور میں اس کا اہل ہوں کہ اگر میرا بندہ کسی چیز کو میرا شریک قرار نہ دے تو میں اسے جنت میں داخل کروں"۔[1]

اگرچہ تمام مفسرین نے ـــــــ جہاں تک ہم نے دیکھا ہے ـــــــ "تقویٰ" کو یہاں مفعول کے معنی میں تفسیر کی ہے، اور یہ کہا ہے کہ خدا اس کا اہل ہے کہ اس سے (اس کے شرک اور نافرمانی سے) پرہیز کریں، لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ فاعل کے معنی میں اس کی تفسیر ہو۔ یعنی خدا اہل تقویٰ ہے اور وہ ہر قسم کے ظلم، قبیح فعل اور ہر قسم کے خلاف حکمت کام سے پرہیز کرتا ہے، اور حقیقت میں تقویٰ کا بالاترین مقام خدا ہی کے لیے ہے، اور بندوں میں جو کچھ ہے وہ اس غیر متناہی تقویٰ کی ایک ضعیف سی چنگاری ہے، اگرچہ خدا کے بارے میں اسم فاعل کے معنی میں "تقویٰ" کی تعبیر بہت کم ہوتی ہے۔

بہرحال یہ سورہ "انذار" اور "وظائف اور مسئولیتوں" کے حکم سے شروع ہوا اور "تقویٰ" کی دعوت اور مغفرت کے وعدے پر ختم ہوا، یہ وہ مقام ہے جہاں ہم انتہائی خضوع اور تضرع کے ساتھ اس کی مقدس بارگاہ میں عرض کرتے ہیں :

پروردگارا ! ہمیں تقویٰ اور اپنی مغفرت کے مستحق افراد میں قرار دے۔

خداوندا ! جب تک تیری توفیق اور تیرا لطف ہماری دستگیری نہیں کرے گا ہم کچھ نہیں کر سکتے، ہمیں اس عنایت کا مشمول فرما۔

بارالٰہا ! جاں بخت سب اور راستہ پر پیچ و خم ہے اور شیطان گمراہ کرنے پر آمادہ ہے، اس راستہ کو تیری مدد کے بغیر طے نہیں کیا جا سکتا، ہماری مدد فرما۔

آمین یا رب العالمین

سورۂ مدثر کا اختتام ۱۹ ماہ صفر ۱۴۰۷ھ

اختتام ترجمہ

بوقت پانچ بجے سہ پہر بروز ہفتہ ۲۱ صفر ۱۴۰۸ ہجری

مطابق ۵ ستمبر ۱۹۸۷ء - ۱۰۱ ای ماڈل ٹاؤن لاہور

صفدر حسین نجفی

---

[1] تفسیر برہان، جلد ۴ ص ۴۰۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ قیامت

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی

اور

اس کی ۴۰ آیات ہیں

تاریخ شروع

۱۹ صفر ۱۴۰۷ھ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ قیامت کے مضامین

جیسا کہ اس سورہ کے نام سے واضح ہے یہ قیامت کے دن اور معاد سے مربوط مسائل کے محور کے گرد گردش کرتی ہے، سوائے چند آیات کے، جو قرآن مجید اور اس کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں اور وہ مباحث جو اس سورہ میں قیامت کے بارے میں آئے ہیں وہ مجموعی طور پر چار قسم پر ہیں:

۱۔ اشراط الساعۃ (وہ عجیب و غریب اور بہت ہی ہولناک حوادث، جو اس جہان کے اختتام اور قیامت کے آغاز کے وقت رونما ہوں گے) سے مربوط مسائل۔

۲۔ اس دن نیکو کاروں اور بدکاروں کی حالت سے مربوط مسائل۔

۳۔ موت کے پُر اضطراب لمحوں اور اس جہان سے دوسرے جہان کی طرف انتقال سے مربوط مسائل

۴۔ انسان کی خلقت کے مقصد سے مربوط مسائل اور اس کا مسئلہ معاد سے ربط

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے آیا ہے:

من قرأ سورة القيامة شهدت انا وجبريل له يوم القيامة انه كان مؤمناً بيوم القيامة، وجاء وجهه مسفر على وجوه الخلائق يوم القيامة

"جو شخص سورۂ قیامت کو پڑھے گا، تو میں اور جبرئیل اس کے لیے قیامت کے دن گواہی دیں گے، کہ وہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتا تھا، اور اس دن اس کا چہرہ تمام لوگوں سے زیادہ درخشندہ ہوگا"[1]

ایک حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

---

[1] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۹۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

من ادمن قراءة "لا اقسم" وكان يعمل بها، بعثها الله يوم القيامة معه في قبره، في احسن صورة تبشره وتضحك في وجهه، حتى يجوز الصراط والميزان

"جو شخص سورۃ "لا اقسم" (قیامت) کو پابندی کے ساتھ پڑھے گا اور اس پر عمل کرے گا، تو خدا اس سورہ کو قیامت کے دن اس کے ہمراہ اس کی قبر سے بہترین چہرے کے ساتھ اٹھائے گا، اور یہ اُس کو بشارت دیتی رہے گی اور اس کے سامنے ہنستی رہے گی، یہاں تک کہ وہ پل صراط اور میزان سے گزر جائے گا۔"[1]

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کی سورتوں کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں دوسرے مقامات پر جو کچھ ہم نے قرآن سے معلوم کیا تھا وہ یہاں متن روایت میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: جو شخص اس کو پابندی کے ساتھ پڑھے گا" اور اس پر عمل کرے گا" اس بناء پر یہ سب کچھ اس کے مضمون کا پابند ہونے اور اس پر عمل کرنے کا ایک مقدمہ ہے۔

---

[1] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۲۹۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

۱۔ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ○

۲۔ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ○

۳۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ○

۴۔ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ○

۵۔ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ○

۶۔ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ○

ترجمہ

رحمٰن ورحیم خدا کے نام سے

۱۔ قیامت کے دن کی قسم

۲۔ اور نفسِ لوامہ، بیدار اور ملامت کرنے والے وجدان کی قسم (کہ قیامت حق ہے)۔

۳۔ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے۔

۴۔ ہاں! ہاں! ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں (کے سرے کی لکیروں) کو بھی ٹھیک اسی طرح بنا دیں۔

۵۔ (انسان قیامت کے بارے میں شک نہیں رکھتا) بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ (آزاد رہے اور) زندگی بھر گناہ کرتا رہے۔

۶۔ (اسی لیے) پوچھتا ہے کہ قیامت کب ہوگی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

قیامت کے دن کی اور ملامت کرنیوالے وجدان کی قسم

یہ سورہ دو پُر معنی قسموں کے ساتھ شروع ہو رہا ہے، فرماتا ہے: "قیامت کے دن کی قسم" (لا اُقسم بیوم القیامۃ)۔

"اور قسم ہے انسان کے بیدار وجدان اور ملامت کرنے والے نفس کی"۔ (ولا اقسم بالنفس اللوامۃ)۔

اس بارے میں کہ "لا" ان دونوں آیات میں "زائدہ" اور تاکید کے لیے ہے (اس بنا پر قسم کی نفی نہیں کرتا، بلکہ اس کی اور زیادہ تاکید کرتا ہے)۔ یا "لا" نافیہ ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ کہے کہ یہ موضوع اس قدر اہم ہے کہ میں اس کی قسم نہیں کھاتا۔ (جیسا کہ لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں، میں تیری جان کی قسم نہیں کھاتا کہ وہ قسم سے برتر ہے) مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

اکثر مفسرین نے پہلے احتمال کو انتخاب کیا ہے، جبکہ بعض دوسری تفسیر کے طرفدار ہیں اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ "لا" زائدہ ابتدائے کلام میں نہیں آتا، بلکہ اسے وسطِ کلام میں ہونا چاہیے۔

لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح نظر آتی ہے، کیونکہ قرآن نے قیامت سے زیادہ اہم امور مثلاً خدا کی پاک ذات کی قسم کھائی ہے، اس بنا پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہاں قیامت کے دن کی قسم نہ کھائی جائے اور "لا" زائدہ کے آغازِ کلام میں ہونے کی کئی مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ امرؤالقیس کے اشعار میں آیا ہے کہ اس نے اپنے قصائد کے آغاز میں لاء زائدہ کا استعمال کیا ہے۔[1]

لیکن ہمارے نظریہ کے مطابق "لا" کے زائدہ ہونے یا نافیہ ہونے کے بارے میں بحث کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، کیونکہ دونوں کا آخری تیجہ ایک ہی ہے، اور وہ اس موضوع کی اہمیت ہے، جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ان دونوں قسموں (قیامت کے دن کی قسم اور بیدار وجدان کی قسم) کے درمیان کیا رابطہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاد کے وجود کی ایک دلیل، انسان کی روح کے اندر "محکمۂ وجدان" کا وجود ہے، جو نیک کام کو انجام دینے کے وقت، انسان کی روح کو خوشی اور نشاط سے پُر کر دیتا ہے، اور اس طریقہ سے اسے جزا دیتا ہے اور بُرے کام کے انجام دینے یا کسی جرم کا ارتکاب کرنے کے موقع پر، اس کی روح پر سخت دباؤ ڈال کر اسے سزا دیتا ہے اور شکنجہ میں جکڑتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایات وجدان کے عذاب سے نجات پانے کے لیے انسان خودکشی تک کا اقدام کر لیتا ہے۔

---

[1] لا و ابیک ابنۃ العامر
لا یدعی القوم انی افر

"اے دختر عامر تیرے باپ کی قسم ہے، قوم ہرگز یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ میں بھاگ جاؤں گا۔"

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یعنی حقیقت میں وجدان نے اس کے قتل کرنے کا حکم صادر کیا ہے اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے اجراء کرتا ہے۔

"نفس لوامہ" کا ردعمل اور اثر انسانوں کے وجود میں بہت ہی وسیع و عریض ہے اور ہر لحاظ سے قابلِ غور و مطالعہ ہے، اور ہم نکات کی بحث میں اس کی طرف مزید اشارہ کریں گے۔

جب "عالمِ صغیر" یعنی انسان کا وجود اپنے اندر ایک چھوٹا سا محکمہ اور عدالت رکھتا ہے تو "عالمِ کبیر" اپنی اس عظمت کے باوجود ایک عظیم محکمہ عدل کیوں نہ رکھتا ہوگا۔

اور یہ وہ مقام ہے جہاں سے ہم؟ وجدانِ اخلاقی" کے وجود سے" قیامت اور معاد" کے وجود کی ٹوہ لگاتے ہیں اور یہیں سے ان دونوں قسموں کا ایک عمدہ رابطہ واضح ہو جاتا ہے اور دوسرے لفظوں میں دوسری قسم پہلی قسم کی ایک دلیل ہے۔

اس بارے میں کہ "نفسِ لوامہ" سے کیا مراد ہے؟ مفسرین نے اس کی بہت سی تفسیریں بیان کی ہیں، ان میں سے ایک مشہور تفسیر تو وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ یعنی "اخلاقی وجدان" جو انسان کو غلط اعمال کے وقت اسی دنیا میں ملامت کرتا ہے اور تلافی و تجدید نظر پر اسے ابھارتا ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد تمام انسانوں کا قیامت میں اپنی خود ملامت کرنا ہے۔ مومنین اس لیے اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ ہم نے نیک اعمال تھوڑے کیوں کیے؟ اور کفار اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر و شرک اور گناہ کی راہ کیوں اختیار کی؟

ایک اور تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد صرف کافروں کا نفس ہے، جو قیامت میں ان کی، ان کے برے اعمال کی وجہ سے بہت زیادہ ملامت اور سرزنش کرے گا۔

لیکن قبل و بعد کی آیت کے ساتھ مناسب وہی پہلی تفسیر ہی ہے۔

ہاں! یہ عدالتِ وجدان اتنی عظمت و احترام کی حامل ہے کہ خدا اس کی قسم کھا رہا ہے اور اس کو عظیم شمار کرتا ہے اور واقعاً وہ عظیم و بزرگ ہے کیونکہ وہ انسان کی نجات کا ایک اہم عامل شمار ہوتی ہے، بشرطیکہ وجدان بیدار ہو اور کثرتِ گناہ کی وجہ سے ضعیف و ناتوان نہ ہو جائے۔

یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ ان دو پر اہمیت اور پر معنی قسموں کے بعد یہ بیان نہیں ہوا کہ یہ کس چیز کے لیے قسم کھائی گئی ہے اور اصطلاح کے مطابق "مقسم لہ" محذوف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد والی آیات کے سیاق سے مطلب بالکل واضح ہے۔ اس بناء پر اوپر والی آیات اس طرح کا معنی دیتی ہیں "قیامت کے دن اور نفسِ لوامہ کی قسم ہے کہ تم سب قیامت میں اٹھائے جاؤ گے اور اپنے اعمال کا بدلہ پاؤ گے" [2]

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ قیامت کے دن کی قسم کھائی گئی ہے جو قیامت، اور قبروں سے اٹھنے کا دن ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قبروں سے اٹھنے کا مسئلہ اتنا مسلّم شمار کیا گیا ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں اس کی قسم تک کھائی جا سکتی ہے۔

اس کے بعد ایک استفہام انکاری کے عنوان سے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو

---

[1] "لوامۃ" مبالغہ کا صیغہ ہے، اور بہت زیادہ ملامت کرنے والے کے معنی میں ہے۔

[2] تقدیر میں لتبعثن یوم القیامۃ "یا" انکم تبعثون" ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جمع نہیں کریں گے" (ایحسب الانسان الّن نجمع عظامہ)۔

ہاں ہم اس بات پر قادر ہیں، کہ اس کی انگلیوں (کے سروں کی لکیروں) تک کو بھی ٹھیک اسی طرح بنا دیں" (بلیٰ قادرین علیٰ ان نسوّی بنانہ)۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ مشرکین میں سے ایک شخص جو پیغمبر کی ہمسائیگی میں رہتا تھا اور اس کا نام "علی بن ربیعہ" تھا، آنحضرت کی خدمت میں آیا اور اس نے روز قیامت کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کس طرح ہے؟ اور کب آئے گی؟ اس کے بعد اس نے مزید کہا: اگر میں اس دن کو اپنی آنکھ سے دیکھ لوں تو پھر بھی تیری تصدیق نہیں کروں گا اور تجھ پر ایمان نہیں لاؤں گا، کیا یہ ممکن ہے کہ خدا ان ہڈیوں کو جمع کرے؟ یہ بات قابل یقین نہیں ہے۔

اس موقع پر اوپر والی آیات نازل ہوئیں اور اس کو جواب دیا، لہٰذا پیغمبر نے اس ہٹ دھرم اور عناد رکھنے والے شخص کے بارے میں فرمایا:

اللّٰھم اکفنی شر جاری السوء

خداوندا! اس برے ہمسایے کے شر کو مجھ سے دور کر۔[1]

اس معنی و مفہوم کی نظیر قرآن کی دوسری آیات میں بھی نظر آتی ہے۔ منجملہ ان کے سورۂ یٰس کی آیہ ۷۸ میں آیا ہے کہ معاد کے منکرین میں سے ایک شخص ایک بوسیدہ ہڈی کا ٹکڑا ہاتھ میں لیے ہوئے تھا اور پیغمبر سے کہتا تھا: من یحی العظام و ھی رمیم؟ "ان ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا، درآں حالیکہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہیں"؟

ضمنی طور پر "یحسب" کی تعبیر ("حسبان" کے مادہ سے گمان کے معنی میں) اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ منکرین اپنی کسی ہوئی بات پر ہرگز ایمان نہیں رکھتے تھے بلکہ صرف بے ہودہ اور بے بنیاد خیال اور گمانوں پر تکیہ کرتے تھے۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ انھوں نے خصوصیت کے ساتھ ہڈیوں پر ہی کیوں تکیہ کیا ہے۔

اولاً تو ہڈیاں باقی اعضاء کی نسبت زیادہ دیر تک قائم رہتی ہیں، لہٰذا جب یہ بھی بوسیدہ اور خاک ہو جائیں اور ان کے غبار کے ذرات پراگندہ ہو جائیں تو ان کی بازگشت کی امید بھی افراد کی نظر میں کم ہو جاتی ہے۔

ثانیاً ہڈی انسانی بدن کا اہم ترین رکن ہے کیونکہ بدن کا ہر ستون ہڈیوں سے مل کر بنتا ہے اور تمام حرکات اور گھومنا پھرنا اور بدن کی اہم کارکردگیاں ہڈیوں کے ذریعہ ہی انجام پاتی ہیں اور انسان کے بدن میں ہڈیوں کی کثرت اور مختلف اشکال اور انداز نے مخلوق کی خلقت کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں اور انسان کی پشت کے ایک ہی مہرے کی قدر و قیمت کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ بیکار ہو جائے اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کا سارا بدن مفلوج ہو کر رہ گیا ہے۔

"بنان" لغت میں "انگلیوں" کے معنی میں بھی آتا ہے اور "انگلیوں کے سروں" (پوروں) کے معنی میں بھی، اور دونوں صورتوں میں

---

[1] اس روایت کو "مراغی" نے اور اسی طرح "روح المعانی" اور "تفسیر صافی" نے مختصر سے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک ہی نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نہ صرف ہڈیوں کو جمع کرے گا اور انھیں پہلی حالت کی طرف پلٹائے گا بلکہ انگلیوں کی چھوٹی پتلی اور باریک ہڈیوں کو بھی ان کی اپنی جگہ پر قرار دے گا، اور ان سے بھی بالا تر بات یہ ہے کہ انگلیوں کے پوروں تک کو موزوں صورت میں پہلی حالت میں پلٹا دے گا۔

یہ تعبیر ممکن ہے، انسانی پوروں کی لکیروں کی طرف، ایک لطیف اشارہ ہو، کہتے ہیں کہ بہت کم انسان روئے زمین میں ایسے پیدا ہوتے ہیں، جن کے پوروں کی لکیریں ایک دوسرے کے ساتھ ملتی ہوں یا دوسرے لفظوں میں باریک اور پیچیدہ لکیریں جو ہر انسان کے پوروں میں نقش ہوتی ہیں، اس شخص کے تعارف کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ اس لیے ہمارے زمانہ میں "انگشت نگاری" یعنی پوروں کی لکیروں کے آثار کو ضبط کرنے کا شعبہ ایک مستقل علم کی صورت اختیار کر گیا ہے اور اس کے ذریعہ بہت سے مجرم پہچانے جاتے ہیں اور بہت سے جرموں کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جب ایک چور کرے یا کسی گھر میں داخل ہوتا ہے تو وہ اپنا ہاتھ دروازے کے قبضہ یا کمرے کے شیشے یا تالے اور صندوق پر رکھتا ہے تو اس کی انگلی کی لکیریں اس پر رہ جاتی ہیں، تو فوراً اس کا نمونہ حاصل کرکے، چوروں اور مجرموں کے سابقہ ریکارڈ کے ساتھ مطابقت کرکے، مجرم کو ڈھونڈ لیا جاتا ہے۔

بعد والی آیت میں معاد کے انکار کی ایک حقیقی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ایسا نہیں ہے کہ انسان ہڈیوں کے جمع کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے پر خدا کی قدرت کے بارے میں شک رکھتا ہو، بلکہ ان کا مقصد انکار کرنے سے یہ ہے کہ وہ ساری زندگی گناہ کرتا رہے" (بل یرید الانسان لیفجر امامہ)۔

وہ چاہتا ہے کہ انکار معاد کے ذریعہ ہر قسم کی ہوس رانی ظلم و بیداد گری اور گناہ کے لیے آزادی حاصل کرے اور اس طریقہ سے بحث شاہد سے سیر کرے، اور مخلوقِ خدا کے مقابلہ میں بھی اپنے لیے کسی جوابدہی کا قائل نہ ہو۔ کیونکہ معاد و قیامت پر ایمان رکھنا اور دادگاہ عدل الٰہی کا قائل ہونا، ہر قسم کے عصیان و گناہ کے مقابلہ میں ایک عظیم رکاوٹ ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس لگام کو پکڑے اور اس بند کو توڑ دے اور آزادانہ طور پر جو عمل چاہے وہ کرتا پھرے۔

یہ بات گزشتہ زمانوں کے ساتھ ہی منحصر نہیں تھی آج بھی مادیت کی طرف میلان اور مبداء و معاد کے انکار کا ایک سبب فسق و فجور اور ذمہ داریوں سے گریز اور ہر قسم کے خدائی قانون کو توڑنے کے لیے آزادی حاصل کرنا ہے، ورنہ مبداء و معاد کے دلائل واضح و آشکار ہیں۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں آیا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

یقدم الذنب ویؤخر التوبۃ و یقول سوف اتوب

"آیت میں ایسے شخص کی طرف اشارہ ہے جو گناہ کو آگے رکھتا ہے اور توبہ کو تاخیر میں ڈالتا ہے، اور کہتا ہے، میں بعد میں توبہ کروں گا۔"

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں "فجور" سے مراد "جھٹلانا" ہے، اس طرح سے آیت کا معنی یہ ہے: انسان چاہتا ہے کہ معاد و قیامت کو جو اس کے سامنے ہے جھٹلائے، لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اعمال سے بعد مزید کہتا ہے: "اس لیے پوچھتا ہے قیامت کب آئے گی؟" (یسئل ایان یوم القیامۃ)۔

ہاں! وہ ذمہ داریوں سے گریز کے لیے قیام قیامت کے وقت کے بارے میں، استفہام انکاری کے طور پر پوچھتا ہے، تاکہ اپنے فسق و فجور کے لیے راستہ ہموار کرے۔

اس نکتہ کی یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ قیامت کے وقت کے بارے میں ان کا سوال کرنا، اس معنی میں نہیں ہے کہ وہ اصل قیامت کو قبول کرتے ہیں اور صرف اس کے وقت کے بارے میں سوال کرتے ہیں، بلکہ یہ سوال اصل قیامت کے انکار کے لیے ایک مقدمہ اور تمہید ہے ٹھیک اس طرح سے جیسا کوئی کہے کہ فلاں شخص سفر سے آئے گا" اور جب اس کے آنے میں طول ہو اور وعدہ آئے تو دوسرا شخص جو اس مسافر کے آنے کا منکر ہو، یہ کہتا ہے: وہ مسافر کب تک آئے گا؟

چند نکات

۱۔ عدالتِ وجدان اور قیامتِ صغریٰ

قرآن مجید سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفسِ انسانی تین مراحل رکھتی ہے:

۱۔ "نفسِ امارہ" یعنی سرکش نفس، جو انسان کو ہمیشہ برائیوں اور بدیوں کی دعوت دیتا ہے اور شہوات اور فجور کو اس کے سامنے زینت بخشتا ہے، یہ وہی چیز ہے کہ جب اس ہوس باز محبت، عزیزِ مصر کی بیوی نے اپنے بُرے کام کے انجام کا مشاہدہ کیا تو کہا: وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء "میں ہرگز اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتی، کیونکہ سرکش نفس ہمیشہ برائیوں کا حکم دیتا ہے"

(یوسف ــــــ ۵۳)

۲۔ "نفسِ لوّامہ" جس کی طرف زیرِ بحث آیات میں اشارہ ہوا ہے، وہ بیدار اور نسبتاً آگاہ و باخبر نفس ہے، اگرچہ اس نے گناہ کے مقابلہ میں معصومیت حاصل نہیں کی ہے لہٰذا اس سے بعض اوقات لغزش ہو جاتی ہے۔

اور وہ گناہ کر بیٹھتا ہے لیکن تھوڑی دیر کے بعد بیدار ہو جاتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے اور سعادت کی راہ کی طرف لوٹ آتا ہے، اس کی طرف سے انحراف کامل طور پر ممکن ہے لیکن وہ وقتی ہوتا ہے، دائمی نہیں، اس سے گناہ تو سرزد ہو جاتا ہے لیکن زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ وہ اپنے طور پر ملامت، سرزنش اور توبہ کا آغاز کر دیتا ہے۔

یہ وہی چیز ہے کہ جسے "اخلاقی وجدان" کے عنوان سے یاد کرتے ہیں اور بعض انسانوں میں بہت قوی اور طاقتور ہوتا ہے، بعض میں بہت ضعیف و ناتواں، لیکن اس کے باوجود یہ ہر انسان میں موجود ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ کثرتِ گناہ کی وجہ سے اسے بیکار بنا دیا جائے۔

۳۔ "نفسِ مطمئنہ" یعنی تکامل وارتقاء کو پہنچی ہوئی روح، جو اطمینان کے مرحلہ تک پہنچی ہوئی ہو، جس نے سرکش نفس کو رام کر لیا ہو اور تقوائے کامل اور احساسِ مسئولیت کے مقام پر پہنچ گئی ہو کہ اب اس کے لیے آسانی کے ساتھ لغزش کرنا ممکن نہ رہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں سورۂ والفجر کی آیہ ۲۷ تا ۲۸ میں فرماتا ہے: یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ ـــــ "اے نفسِ مطمئنہ! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ، جبکہ تو بھی اس سے راضی ہے اور وہ بھی تجھ سے خوش ہے"۔

بہرحال ـــــ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ـــــ یہ "نفسِ لوامہ" انسان میں ایک چھوٹی سی قیامت ہے اور نیک یا بد کام بجا دینے کے بعد، جان کے اندر اس کا محکمہ فوراً قائم ہو جاتا ہے اور وہ اس کا حساب و کتاب کرتا ہے۔

اسی لیے بعض اوقات وہ ایک اچھے اور اہم کام کے مقابلہ میں ایسا اندرونی سکون محسوس کرتا ہے اور اس کی روح مسرت و نشاط سے اس طرح لبریز ہو جاتی ہے کہ جس کی لذت شان اور زیبائی کسی بیان اور قلم سے قابلِ توصیف نہیں۔

اس کے برعکس وہ بعض اوقات کسی غلطی اور عظیم جرم کے بعد ایسے وحشت ناک خواب، اور غم واندوہ کے طوفان میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اندر ہی اندر اس طرح جلتا رہتا ہے کہ زندگی سے کلی طور پر سیر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس پریشانی کے چنگل سے آزاد ہونے کے لیے قاضی کو اپنا تعارف کرانے پھانسی پر چڑھنے کے لیے اپنے آپ کو سپرد کر دیتا ہے۔

یہ عجیب و غریب اندرونی عدالت، قیامت کی عدالت کے ساتھ بلاکی مشابہت رکھتی ہے۔

۱۔ حقیقت میں یہاں قاضی و شاہد اور حکم کا اجرا کرنے والا ایک ہی ہے جیسا کہ قیامت میں بھی اسی طرح ہے: عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادک: "پروردگارا! تو پنہاں اور آشکار بھیدوں سے آگاہ ہے اور تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا" (زمر ـــــ ۴۶)

۲۔ یہ وجدانی عدالت سفارش، رشوت، پارٹی بازی اور افسانوں میں رائج سفارشی خطوں کو قبول نہیں کرتی، جیسا کہ قیامت کی عدالت کے بارے میں بھی یہی آیا ہے:

واتقوا یوما لاتجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منھا شفاعۃ ولا یؤخذ منھا عدل ولا ھم ینصرون

"اس دن سے ڈرو جس میں کسی شخص کو کسی دوسرے کی جگہ پر سزا نہیں دی جائے گی اور نہ ہی کوئی سفارش قبول ہو گی، اور نہ ہی کوئی فدیہ و رشوت کو قبول کیا جائے گا، اور نہ ہی ان کی کوئی مدد و نصرت کی جائے گی"۔

(بقرہ ـــــ ۴۸)

۳۔ عدالتِ وجدان: اہم ترین اور عظیم ترین اعمال ناموں کی مختصر ترین مدت میں جانچ پڑتال کرتا ہے اور اپنا آخری فیصلہ بڑی تیزی کے ساتھ صادر کر دیتا ہے، نہ اس میں نئے سرے سے درخواست دینے کی ضرورت ہے نہ تجدیدِ نظر کی، اور نہ ہی مہینوں اور سالوں تک جھگڑ لگانے کی، جیسا کہ قیامت کی عدالت کے بارے میں بھی یہی بات ہے: واللہ یحکم لا معقب لحکمہ وھو سریع الحساب "خدا حکم کرتا ہے، اور اس کا حکم نہ رد ہوتا ہے اور نہ ہی ٹوٹتا ہے اور اس کا حساب و کتاب بہت ہی تیز ہو گا"

(رعد ـــــ ۴۱)

۴۔ اس کی سزا اور کیفرِ کردار، اس جہان کی رسمی عدالتوں کی سزاؤں کے برخلاف، اس کے اولین شعلے اس کے دل و جان کی گہرائیوں میں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جوش کھاتے ہیں اور وہاں سے باہر کی طرف سرایت کرتے ہیں، پہلے وہ انسان کی روح کو تکلیف و آزار پہنچاتے ہیں، اس کے بعد اس کے آثار جسم اور چہرہ میں اور اس کے خواب و خوراک کے دگرگوں اور تبدیل ہونے میں ظاہر و آشکار ہوتے ہیں، جیسا کہ قیامت کی عدالت کے بارے میں بھی بیان ہوا ہے (نار الله الموقدة التی تطلع علی الافئدة) خدا کی روشن کی ہوئی آگ دلوں سے شعلے نکالتی ہے۔

(ہمزہ ــــــ ۶، ۷)

۵۔ اس وجدان کی عدالت کو، دیکھنے والوں اور گواہوں کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ خود ملزم انسان کی معلومات اور آگاہیوں کو، اس کے نفع میں یا اس کے برخلاف "گواہیوں" کے عنوان سے قبول کرتا ہے، جیسا کہ قیامت کی عدالت میں بھی، انسان کے وجود کے ذرات، یہاں تک کہ اس کے ہاتھ پاؤں اور اس کے بدن کی جلد اس کے اعمال کے گواہ ہوں گے، جیسا کہ فرماتا ہے:

حتی اذا ما جاءوها شهد علیهم سمعهم وابصارهم وجلودهم

"جب وہ جہنم کی آگ کے پاس پہنچیں گے تو ان کے کان، آنکھیں اور بدن کی جلد ان کے خلاف گواہی دیں گے"۔ (حٰم السجدۃ ــــــ ۲۰)

ان دونوں عدالتوں کے درمیان، یہ عجیب و غریب مشابہت مسئلہ معاد کے فطری ہونے کی ایک اور نشانی ہے۔ کیونکہ یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک انسان کے وجود میں تو ــــــ جو اس عالم ہستی کے عظیم سمندر میں ایک چھوٹا سا قطرہ ہے ــــــ اس قسم کا حساب و کتاب اور رموز و اسرار آمیز عدالت موجود ہو، لیکن اس عظیم عالم کے اندر بالکل کوئی حساب و کتاب، عدالت و محکمہ موجود نہ ہو، بھلا یہ چیز باور کرنے کے قابل ہے؟[1]

۲۔ قرآن مجید میں قیامت کے نام

ہم جانتے ہیں کہ قرآن کے معارف، اور اس کے اعتقادی مسائل کا ایک اہم حصہ، قیامت و معاد سے مربوط مسائل کے محور کے گرد گردش کرتا ہے، کیونکہ وہ انسان کی تربیت اور تکامل و ارتقاء کی طرف بڑھنے میں اہم ترین تاثیر رکھتے ہیں۔

قرآن میں اس عظیم دن کے لیے جو نام انتخاب کیے گئے ہیں وہ بھی بہت ہیں، جن میں سے ہر ایک اس دن کے مختلف جہات و ابعاد میں سے ایک جہت و بعد کو بیان کرتا ہے اور اس سلسلہ میں بہت سے مسائل کو اکیلا ہی واضح کر دیتا ہے۔

"فیض کاشانی" کے قول کے مطابق، جو انہوں نے "محجة البیضاء" میں لکھا ہے، ان ناموں میں سے ہر ایک کے نیچے کوئی نہ کوئی راز چھپا ہوا ہے اور ہر توصیف میں کوئی نہ کوئی اہم معنی بیان ہوا ہے، لہٰذا کوشش سے ان معانی کا ادراک کرنا چاہیے اور ان اسرار کو معلوم کرنا چاہیے۔

انہوں نے قیامت کے ایک سو سے زیادہ نام ذکر کیے ہیں، ان تمام کو یا ان میں سے اکثر کو قرآن مجید سے معلوم کیا جا سکتا ہے مثلاً "یوم الحسرة" "یوم الندامة" "یوم المحاسبة" "یوم المسألة" "یوم الواقعة"

---

[1] محکمہ وجدان کے سلسلہ مزید وضاحت کے لیے کتاب "رہبران بزرگ" (بحث وجدان) اور کتاب "معاد و عالم پس از مرگ" (بحث دلائل) کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"یوم القارعۃ" "یوم الراجفۃ" "یوم الرادفۃ" "یوم الطلاق" "یوم الفراق" "یوم الحساب" "یوم التناد" "یوم العذاب" "یوم الفرار" یوم الحق" "یوم الحکم" یوم الفصل" "یوم الجمع" "یوم الدین" "یوم تبلی السرائر" "یوم لا یغنی مولی عن مولی شیئا" "یوم یفر المرء من اخیہ" "یوم لا ینفع مال ولا بنون" "ویوم التغابن" و......[1]

لیکن اس کا زیادہ مشہور نام "یوم القیامۃ" ہی ہے جس کا قرآن مجید میں ستر بار ذکر ہوا ہے اور وہ بندوں کے عمومی قیام اور انسانوں کے عظیم معاد کی ترجمانی کرتا ہے اور اس کی طرف توجہ کرنا بھی، انسان کو اس دنیا میں، اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے قیام کی دعوت دیتا ہے۔

ہمارے نظریہ کے مطابق، خواب غفلت اور فریب سے بیدار ہونے اور سرکش نفس کو لگام دینے اور انسان کی تعلیم و تربیت کے لیے یہی کافی ہے کہ ہم ان ناموں میں غور و فکر کریں اور اس عظیم دن میں ——— جس میں ہم سب خدا کی عظیم بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور پردے ہٹ جائیں گے اور اندرونی بھید کھل جائیں گے اور جنت کو مزین کیا جائے گا اور جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔ اور سب کے سب میزانِ عدلِ الٰہی کے پاس حاضر ہوں گے ——— ہم اپنی حالت کو نظر میں رکھیں۔ (خداوندا! ہمیں اس دن اپنی پناہ میں جگہ دے دے)۔

---

[1] "المحجۃ البیضاء" جلد ۸ ص ۳۳۱ (تلخیص کے ساتھ)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۷۔ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝

۸۔ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝

۹۔ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝

۱۰۔ يَقُولُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝

۱۱۔ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝

۱۲۔ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۣالْمُسْتَقَرُّ ۝

۱۳۔ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۣ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝

۱۴۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝

۱۵۔ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝

ترجمہ

۷۔ اس وقت آنکھیں شدت وحشت سے پھرنے لگیں گی۔

۸۔ اور چاند بے نور ہو جائے گا

۹۔ اور سورج اور چاند ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔

۱۰۔ اس دن انسان کہے گا: بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟

۱۱۔ ہرگز ایسا نہیں ہے، کوئی راہِ فرار اور پناہ گاہ نہیں ہے۔

۱۲۔ اصلی پناہ گاہ تو تیرے پروردگار کی طرف ہی ہے۔

۱۳۔ اس دن انسان کو ان تمام کاموں سے جو آگے یا پیچھے کیے ہیں، آگاہ کیا جائے گا۔

۱۴۔ بلکہ انسان تو خود اپنی حالت سے آگاہ ہے۔

۱۵۔ اگرچہ (ظاہر میں) وہ اپنے لیے عذر (اور بہانے) تراشے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

انسان خود اپنے لیے بہترین فیصلہ کرنے والا ہے

گزشتہ آیات میں گفتگو اس سوال پر کہ ـــــ جو منکرین قیامت اور معاد کے بارے میں کرتے تھے ـــــ ختم ہوئی تھی، وہ کہتے تھے کہ اگر قیامت سچ ہے تو وہ کب آئے گی، زیر بحث آیات گویا اس سوال کا ایک واضح جواب ہیں۔

پہلے قیامت سے قبل کے حوادث کی طرف ـــ یعنی اسی انقلاب عظیم کے سلسلہ میں جو دنیا میں پیدا ہوگا، اور اس دنیا کا نظام متلاطم اور خراب ہو جائے گا، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "جب آنکھیں خوف اور دہشت کی شدت سے گردش کر رہی ہوں گی اور مضطرب ہوں گی" (فاذا برق البصر)[1]

"اور جس وقت چاند بے نور اور منخسف ہو جائے گا" (وخسف القمر)۔

"اور جب سورج اور چاند ایک جگہ جمع ہو جائیں گے" (وجمع الشمس والقمر)۔

اس بارے میں کہ "چاند اور سورج" کے جمع ہونے سے کیا مراد ہے؟ مفسرین نے مختلف تفاسیر بیان کی ہیں۔

کبھی کہا ہے: دونوں ایک ساتھ اکٹھے ہو جائیں گے یا دونوں اکٹھے مشرق سے طلوع کر کے مغرب میں غروب ہوں گے۔

اور کبھی کہا ہے: دونوں اس صفت میں کہ اپنا نور کھو بیٹھیں گے، جمع ہوں گے۔[2]

یہ احتمال بھی ہے کہ چاند بتدریج سورج کی قوت جاذبہ کے زیر اثر اس کے نزدیک اور انجام کار اس میں جذب ہو جائے گا اور پھر دونوں بے نور ہو جائیں گے۔

بہر حال یہاں دنیا کے آخر میں ظاہر ہونے والے انقلابوں میں سے دو اہم ترین حصوں، یعنی چاند کے بے نور ہو جانے اور سورج اور چاند کے

---

[1] "برق" "برق" کے مادہ سے (بروزن فرق) اصل میں روشنی اور اس بجلی کے معنی میں ہے جو بادلوں کے درمیان ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کی روشنی پر اطلاق ہونے لگا۔ آنکھوں کا چکا چوند ہونا، جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہوا ہے، شدید اور اضطراب آمیز حرکت کے معنی میں ہے جو ہول اور خوف کی شدت سے برق ہے۔ بعض نے آنکھ کے ڈھیلے کے کھل جانے اور شگافتہ ہونے یا ادھر کہ ایک ہی نکتہ کی طرف نگاہ کرنے کے معنی میں ـــ جو وحشت اور پریشانی کی نشانی ہے ـــ تفسیر کرتے ہیں اور بعض نے اس کو آنکھ کا چکا چوند ہونا، تیسرے معنی میں ہے۔ اشعار عرب سے کچھ شواہد لائے ہیں لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

[2] مرحوم "طبرسی" مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ جمع کی تعبیر کئی قسم کی ہوتی ہے ایک مکان کے لحاظ سے جمع ہونا اور ایک چیز میں کئی اوصاف کا جمع ہونا مثلاً علم و عدالت کا ایک شخص میں جمع ہونا (یعنی دو چیزوں کا کسی ایک صفت میں اشتراک کے معنی میں جمع ہونا، مثلاً چاند اور سورج کا بے نور ہونا، ایک قسم کی مجازی تعبیر ہے (جیسا کہ مذکور ہوا ہے)۔

(مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۳۹۵)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو جانے کی طرف اشارہ ہوا ہے، جس کی طرف قرآن کی دوسری آیات میں بھی کم و بیش اشارے ہوئے ہیں، مثلاً سورۂ تکویر کی پہلی آیہ میں فرماتا ہے: "اذا الشمس کوّرت" "جس وقت سورج تاریک ہو جائے گا" اور ہم جانتے ہیں کہ چاند کا نور سورج سے ہے۔ تو جب سورج تاریک ہوگا تو پھر چاند بھی تاریک ہو جائے گا اور نتیجہ میں کرۂ زمین ایک دہشت ناک ظلمت اور تاریکی میں ڈوب جائے گا۔

اس طرح سے یہ دنیا ایک عظیم تحول اور انقلاب کے ساتھ ختم ہو جائے گی، اس کے بعد ایک دوسرے انقلاب سے (دوسرے نفخ صور سے جو نفخۂ حیات ہے)، انسان کا قبروں سے اٹھنا شروع ہوگا۔ "اور اس دن انسان کہے گا کہ فرار کی راہ کہاں ہے؟" (یقول الانسان یومئذ این المفر)[1]

ان کافر اور گنہگار انسان، جو قیامت کے دن کی تکذیب کیا کرتے تھے، اس دن شدت خجالت اور شرم سے کوئی پناہ گاہ تلاش کریں گے اور گناہ کے بوجھ کی سنگینی اور عذاب کے خوف سے فرار کی راہ ڈھونڈیں گے، بالکل اسی دنیا کی طرح کہ جب وہ کسی خطرناک حادثہ کا سامنا کرتے تھے تو بھاگنے کی سوچتے تھے، لہٰذا اس جگہ کا بھی اُس جگہ سے قیاس کریں گے۔

لیکن بہت جلد ان سے کہہ دیا جائے گا: "ہرگز ایسا نہیں ہے، یہاں راہ فرار اور کوئی پناہ گاہ نہیں ہے" (کلا لا وزر)[2]

"بلکہ سب سے اصلی قرارگاہ پروردگار کی طرف ہے" اور اس کے علاوہ کوئی اور پناہ گاہ نہیں ہے (الی ربک یومئذ المستقر)۔

اس آیت کے لیے پہلی تفسیر کے علاوہ دوسری تفسیریں بھی بیان کی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ، اس دن آخری حکم خدا کے ہاتھ میں ہے۔

یا یہ کہ آخری قرارگاہ، جنت اور دوزخ میں اس کے حکم سے ہوگی۔

یا یہ کہ محاکمہ اور حساب کے لیے اسی کی بارگاہ میں ٹھہرنا ہوگا۔

لیکن بعد والی آیت کی طرف توجہ کرتے ہوئے، وہ تفسیر جو ہم نے انتخاب کی ہے سب سے زیادہ مناسب ہے۔

بعض کا نظریہ یہ ہے کہ یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جو انسان کے ابدی تکامل وارتقاء کے راستے کو بیان کرتی ہیں اور یہ آیت ان آیات کے زمرے میں سے ہے جو کہتی ہیں "و الیہ المصیر" "سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے" (تغابن ——— ۳) اور

---

[1] "مفر" "فرار" سے اسم مکان ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مصدر ہے، لیکن یہ احتمال یہاں بعید نظر آتا ہے۔

[2] "وزر" (بروزن قمر) اصل میں پہاڑی پناہ گاہ و قلعہ کے معنی میں ہے اور "وزیر" کو اس لیے "وزیر" کہتے ہیں، کہ لوگ اپنے کاموں میں اس کی پناہ لیتے ہیں بہرحال زیر بحث آیت میں ہر قسم کی پناہ گاہ کے معنی میں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(یاایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ) اے انسان تو سعی و کوشش اور زحمت و مشقت کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف بڑھتا ہے۔ اور تو اس سے ملاقات کرے گا" (انشقاق ـــــ ۶) وان الی ربک المنتھٰی" اور یہ کہ سب تیرے پروردگار کی طرف پلٹ جائیں گے" (نجم ـــــ ۴۲)[1]

زیادہ واضح تعبیر میں انسان ایسے رہرو ہیں جو عدم کی سرحد سے چلے ہیں اور انھوں نے سلطنتِ وجود کا یہ سارا راستہ طے کیا ہے، اور اس سلطنتِ وجود میں بھی وہ خدا کے وجودِ مطلق اور بے پایاں ہستی کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ اور اگر وہ اصل راستے اور صراطِ مستقیم سے منحرف نہ ہوں، تو یہ ارتقائی حرکت ابد تک جاری رہے گی اور وہ ہر روز قربِ خدا کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہوں گے، لیکن اگر وہ اپنی راہ سے منحرف ہو جائیں تو گر کر تباہ ہو جائیں گے۔

اس کے بعد اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے: "اس دن انسان کو ان تمام کاموں سے جنھیں اس نے "مقدم" رکھا تھا یا "موخر" کیا تھا، آگاہ کیا جائے گا" (ینبؤا الانسان یومئذ بما قدم واخر)۔

اس بارے میں کہ ان دونوں تعبیروں سے کیا مراد ہے؟ بہت سی تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔

پہلی تفسیر یہ کہ اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس نے اپنی زندگی میں آگے بھیجے ہیں، یا وہ آثار جو موت کے بعد اس سے باقی رہ گئے ہیں، چاہے وہ نیک سنت ہو یا بد، جو اس نے لوگوں میں چھوڑی ہے اور وہ اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کی نیکیاں اور برائیاں اس کو پہنچتی رہتی ہیں، یا کتاب اور تحریریں اور خیر و شر کی بنیادیں، یا نیک و بد اولاد، جن کے آثار اس تک پہنچیں گے۔

دوسری تفسیر سے مراد وہ اعمال ہیں جو وہ پہلے بجا لایا تھا اور وہ آخری اعمال جنھیں اس نے اپنی تمام عمر میں انجام دیئے، دوسرے لفظوں میں وہ اپنے تمام اعمال سے باخبر ہو جائے گا۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے وہ مال مراد ہے جو اس نے آگے بھیجا ہے اور وہ مال جو اس نے وارثوں کے لیے چھوڑا ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد وہ گناہ ہیں، جنھیں اس نے مقدم رکھا، اور وہ اطاعتیں ہیں جنھیں اس نے مؤخر رکھا تھا، یا اس کے برعکس۔

لیکن سب سے مناسب پہلی تفسیر ہے، خاص طور پر جبکہ ایک حدیث میں امام باقرؑ سے اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے، کہ آپ نے فرمایا:

(ینبؤ) بما قدم من خیر و شر وما اخر من سنۃ لیس بھا من بعدہ فان کان شرًا کان علیہ مثل وزرھم ولاینقص من وزرھم شیئًا وان کان خیرًا کان لہ مثل اجورھم، ولاینقص من اجورھم شیئًا

---

[1] انسان آیات کی تفسیر میں کچھ دوسرے نظریات بھی ہیں جو ہم نے انھیں آیات کے ذیل میں بیان کیے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"اس دن انسان کو اس کے خیر اور شر سے باخبر کیا جائے گا جسے اس نے مقدم رکھا تھا یا مؤخر کیا تھا۔ ان سنتوں کے طور پر جنہیں اس نے یادگار کے طور پر چھوڑا تھا، تاکہ وہ لوگ جو اس کے بعد آئیں گے اس پر عمل کریں اور اگر وہ بری سنت تھی تو عمل کرنے والوں کے گناہوں کے برابر اس کے گناہ میں اضافہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی، اور اگر وہ اچھی سنت تھی تو ان ہی جیسے اجر و ثواب اس کے لیے بھی ہوں گے اور ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی"۔[1]

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: اگرچہ خدا اور اس کے فرشتے انسان کو اس کے تمام اعمال سے آگاہ کریں گے، لیکن اس اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلکہ انسان خود اپنی حالت سے آگاہ ہے اور اس عظیم دن میں وہ خود اور اس کے اعضاء اس کی گواہی دیں گے:
(بل الانسان علیٰ نفسه بصیرة)۔[2]

"چاہے وہ ظاہر میں اپنے لیے کتنے ہی عذر تراشتا ہے" (ولو القیٰ معاذیره)۔
یہ آیات حقیقت میں وہی چیز بیان کر رہی ہیں جو قرآن کی دوسری آیات میں، انسان کے اعمال پر اس کے اعضاء کی گواہی کے بارے میں آیا ہے، مثلاً سورۂ حٰم سجدہ کی آیہ ۲۰ میں آیا ہے: (شهد علیهم سمعهم وابصارهم وجلودهم بما کانوا یعملون) "ان کے کان اور آنکھیں اور بدن کی جلد ان کے اعمال کی گواہی دیں گے" اور سورۂ یٰس کی آیہ ۶۵ میں آیا ہے (وتکلمنا ایدیهم و تشهد ارجلهم بما کانوا یکسبون) "ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کی جنہیں وہ انجام دیتے تھے گواہی دیں گے"
اس بناء پر قیامت کی اس عظیم عدالت میں انسان کے اعمال کا بہترین گواہ وہ خود ہی ہے، کیونکہ وہ اپنی حالت سے سب سے زیادہ آگاہ ہے، اگرچہ خدا نے اتمام حجت کے طور پر بہت سے دوسرے گواہ بھی اس کے لیے تیار کیے ہیں۔
"بصیرة" مصدری معنی بھی رکھتا ہے (بینائی و آگاہی) اور وصفی معنی بھی (آگاہ شخص) اس لیے بعض نے اس کی حجت "دلیل اور برہان کے معنی میں جو آگاہی بخش ہوتی ہے" تفسیر کی ہے۔
"معاذیر" "معذرت" کی جمع ہے، جو اصل میں ایسی چیز کے پیدا کرنے کے معنی میں ہے، جو گناہ کے آثار کو ختم کر دے، جو کبھی تو واقعی عذر ہوتا ہے اور کبھی ظاہری، اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ "معاذیر" "معذار" کی جمع ہے، جو پردہ اور پوشش کے معنی میں ہے۔ اس تفسیر کے مطابق آیت کا معنی اس طرح ہوتا ہے۔ انسان اپنے اوپر آگاہی رکھتا ہے، چاہے وہ اپنے اعمال پر کتنے ہی پردے ڈالے اور اپنے کاموں کو

---

[1] تفسیر برہان جلد ۴ ص ۴۰۶۔ اسی حدیث کے مشابہ تفسیر قرطبی جلد ۱۰ ص ۶۸۹۱ میں بھی آیا ہے۔
[2] پہلے احتمال کی بناء پر "اس کی "تاء" مصدری ہے اور دوسرے احتمال کی بناء پر "تاء" تانیث ہے کیونکہ انسان یہاں "نفس" کے معنی میں ہے یا "نفس" کے معنی میں ہے جو تانیث مجازی ہے اور بعض نے "تاء" مبالغہ سمجھتے ہیں، جو انسان کی اپنے بارے میں شدت آگاہی کی مظہر ہوتی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پوشیدہ کے لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

بہرحال اس عظیم دن حساب و جزا پر حاکم وہ ہستی ہے جو ظاہر و باطن کے بھیدوں سے آگاہ ہے اور خود انسان کو بھی اس کے اعمال پر حساب کرنے والا قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ اسراء کی آیہ ۱۴ میں آیا ہے: اقرأ کتابك کفٰی بنفسك الیوم علیك حسیبًا " اپنے نامۂ اعمال کو پڑھ، آج تو اپنے حساب کے لیے خود ہی کافی ہے۔

اگرچہ زیر بحث آیات سب کی سب معاد اور قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں لیکن ان کا مفہوم وسیع ہے، اس دنیا کو بھی شامل ہے یہاں بھی لوگ اپنے حال سے آگاہ ہیں، اگرچہ کچھ لوگ جھوٹ موٹ اسے پس پشت ڈال کر، ظاہر سازی اور ریاکاری سے اپنے حقیقی چہرے کو چھپا لیتے ہیں۔

اسی لیے ایک حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

ما یصنع احدکم ان یظہر حسنًا و یسر سیئًا الیس اذا رجع الی نفسہ یعلم انہ لیس کذٰلك، واللہ سبحانہ یقول: بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ، ان السریرۃ اذا صلحت قویت العلانیۃ۔

"جب تم میں سے کوئی شخص اپنے ظاہر کو آراستہ کرے، لیکن پوشیدہ طور پر بدکار ہو تو وہ کہہ سکتا ہے کیا جب وہ اپنے نفس کی طرف لوٹتا ہے تو وہ نہیں جانتا کہ وہ ایسا نہیں ہے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: بلکہ اپنی حالت سے آگاہ ہے جب انسان کا باطن صالح اور درست ہو جائے تو اس کے ظاہر کو بھی تقویت پہنچتی ہے"[1]

بیمار کے روزہ کی احادیث میں بھی آیا ہے کہ امام صادقؑ کے ایک صحابی نے آپ سے سوال کیا ما حد المرض الذی یفطر صاحبہ؟ اس بیماری کا معیار کیا ہے جس سے افطار جائز ہو جاتا ہے تو امام نے اس کے جواب میں فرمایا:

"بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ، ھو اعلم بما یطیق"

انسان اپنی حالت پر سب سے زیادہ آگاہ ہے اور وہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ اس میں کس قدر توانائی ہے[2]

---

[1] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۳۹۶

[2] وہی مدرک (اس حدیث کو مرحوم صدوق نے "من لا یحضرہ" کی کتاب صیام میں بھی نقل کیا ہے۔ جلد ۲ ص ۱۳۳۔ باب حد المرض الذی یفطر صاحبہ حدیث ۱۹۲۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۶۔ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝
۱۷۔ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝
۱۸۔ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝
۱۹۔ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝

ترجمہ

۱۶۔ اس قرآن کو پڑھنے میں جلدی کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دے۔
۱۷۔ کیونکہ اس کو جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔
۱۸۔ اور جب ہم اسے پڑھ چکیں تو پھر اس کی پیروی کر۔
۱۹۔ پھر اس کو بیان کرنا (اور اس کی وضاحت کرنا بھی) ہمارے ہی ذمہ ہے۔

تفسیر

قرآن کا جمع کرنا اور اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے

یہ آیات حقیقت میں جملہ معترضہ کے طور پر آئی ہیں۔ جیسے گفتگو کرنے والا اپنی گفتگو کے درمیان میں لاتا ہے، مثلاً کوئی شخص تقریر کر رہا ہے اور وہ یہ دیکھتا ہے کہ مجلس کا آخری حصہ لوگوں سے پُر ہو گیا ہے جبکہ اس کا اگلا حصہ خالی ہے تو وہ وقتی طور پر اپنی تقریر روک کر حاضرین کو آگے آنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے جگہ کھلی ہو جائے اور پھر اپنی تقریر کو شروع کر دیتا ہے یا کوئی استاد درس کے دوران اپنے کسی شاگرد کو غافل دیکھتا ہے تو وہ اپنی گفتگو کو توڑ کر اسے تنبیہ کرتا ہے اور پھر درس کو جاری کر دیتا ہے۔

اگر کوئی بے خبر آدمی اس تقریر یا درس کو ٹیپ سے سنے تو ممکن ہے وہ اشتباہ میں پڑ جائے اور ان جملوں کے قبل و بعد کے جملوں سے غیر مربوط ہونے پر تعجب کرے، لیکن مجلس کے مخصوص حالات میں دقت اور غور کرنے سے ان معترضہ جملوں کا فلسفہ واضح ہو جاتا ہے۔

اس سادہ سے مقدمہ کی طرف توجہ کرنے کے بعد ہم زیرِ بحث آیات کی تفسیر پیش کرتے ہیں

خدا نے قیامت، مومنین اور کفار کے حالات کے بارے میں جو سلسلہ گفتگو تھا، اسے وقتی طور پر چھوڑ دیا ہے اور اپنے پیغمبر کو قرآن کے بارے میں، ایک مختصر سی یاد دہانی کراتا ہے۔ اور فرماتا ہے: "اپنی زبان کو اس کے پڑھنے میں جلدی کرنے کے لیے حرکت نہ دے" (لا تحرك به لسانك لتعجل به)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہے اور مجموعی طور پر اس کے لیے تین تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔
پہلی تفسیر تو وہی معروف تفسیر ہے جو ابن عباس سے کتب حدیث و تفسیر میں بیان ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ پیغمبر اس شدید عشق اور لگاؤ کی بنا پر، جو آپ قرآن کو حاصل کرنے اور اسے حفظ کرنے کے بارے میں رکھتے تھے، جب وحی لانے والا فرشتہ آپ کے سامنے قرآنی آیات کو پڑھتا تھا، تو آپ اس کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کو حرکت دیتے تھے اور جلدی کرتے تھے، خدا نے آپ کو منع کیا کہ یہ کام نہ کیجیے ہم خود اسے تیرے لیے جمع کر رہے ہیں۔
دوسری تفسیر یہ ہے کہ: قرآن کے دو نزول ہیں: "نزولِ دفعی" یعنی وہ سارا کا سارا یکجائی طور پر "شب قدر" میں پیغمبر کے پاک دل پر نازل ہوا اور "نزولِ تدریجی" جو ۲۳ سال کے عرصہ میں صورت پذیر ہوا، پیغمبر اس جلدی کی بنا پر جو انھیں دعوت کی تبلیغ کے بارے میں تھی، بعض اوقات نزولِ تدریجی سے پہلے یا اس کے ہمراہ آیات کی تلاوت کرتے تھے، تو انھیں حکم دیا گیا کہ یہ کام نہ کریں اور ہر آیت کی اپنے موقع پر ہی تلاوت اور تبلیغ کریں۔
اس طرح سے اس آیت کا مضمون سورۂ طٰہٰ کی آیہ ۱۱۴ کے مانند ہے۔ (ولا تعجل بالقرأن من قبل ان يقضى اليك وحيه)۔ "وحی کے مکمل ہونے سے پہلے قرآن کے بارے میں جلدی نہ کرو"۔
یہ دونوں تفاسیر ایک دوسرے سے کوئی زیادہ فرق نہیں رکھتیں اور مجموعی طور پر ان کی بازگشت اس معنی کی طرف ہے کہ پیغمبر کو وحی کے حاصل کرنے کے لیے بھی عجلت، اور جلد بازی نہیں کرنا چاہیے۔
تیسری تفسیر جس کے طرف دار بہت ہی کم ہیں، یہ ہے کہ ان آیات میں مخاطب، قیامت میں گنہگار ہیں، جنھیں حکم دیا جائے گا کہ اپنے نامۂ اعمال کو پڑھیں اور اپنا حساب خود کریں اور انھیں کہا جائے گا کہ اس کے پڑھنے میں جلدی نہ کریں۔ یہ فطری بات ہے کہ وہ اپنا نامۂ اعمال پڑھتے وقت جب اپنی "برائیوں" تک پہنچیں گے تو پریشان ہو جائیں گے اور ان سے جلدی کے ساتھ گزر جانا چاہیں گے تو یہ حکم انھیں دیا جائے گا اور انھیں جلد بازی سے روکا جائے گا اور ان کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ جس وقت خدا کے فرشتے ان کے اعمال نامے پڑھیں تو وہ ان کی پیروی کریں۔
اس تفسیر کے مطابق، یہ آیات جملہ معترضہ کی صورت میں نہیں ہیں بلکہ یہ گزشتہ اور آئندہ کی آیات کے ساتھ مربوط ہیں اور سب کی سب ایک دوسرے کے ساتھ ربط رکھتی ہیں، کیونکہ یہ سب ہی قیامت و معاد کے حالات کے ساتھ مربوط ہیں، لیکن پہلی اور دوسری تفسیر کے مطابق ——— جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ——— یہ آیات جنبۂ معترضہ رکھتی ہیں۔
لیکن بہرحال تیسری تفسیر ——— خصوصاً قرآن کے نام کے ذکر کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جو بعد کی آیات میں آیا ہے ——— بہت بعید نظر آتی ہے اور اصلی طور پر آیات کا لب و لہجہ بخوبی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ گزشتہ دو تفسیروں میں سے کوئی سی ایک مراد ہے اور ان دونوں کے جمع کرنے میں بھی کوئی مانع نہیں ہے اگرچہ بعد والی آیات کا لب و لہجہ پہلی تفسیر یعنی مشہور تفسیر کے موافق ہے (غور کیجیے)

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اس کو جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے"۔ (ان علينا جمعه وقرانه)۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے جمع کرنے کے سلسلہ میں تو پریشان نہ ہو، ہم اس کی آیات کو جمع بھی کریں گے اور وحی لانے والے فرشتے کے ذریعہ تیرے سامنے پڑھیں گے بھی۔

اور جب ہم اسے پڑھ چکیں پھر تو اس کی پیروی کر اور اسے پڑھ۔ (فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ)۔

پھر اس کو بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے " (ثم ان علینا بیانہ)۔

اس بناء پر قرآن کا جمع کرنا، اور اس کی تیرے سامنے تلاوت کرنا اور اس کے معانی کی توضیح و تفصیل بتانا، یہ تینوں امور ہمارے ذمہ ہیں۔ لہٰذا تو کسی طرح بھی اس سلسلہ میں پریشان نہ ہو، جس ہستی نے اس وحی کو نازل کیا ہے، وہی تمام مراحل میں اس کا محافظ ہے تیری ذمہ داری تو صرف ایک طرف تو وحی لانے والے فرشتے کی تلاوت کی پیروی کرنا ہے اور دوسری طرف عامۃ الناس کو اس رسالت کی تبلیغ کرنا ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ جمع کرنے سے مراد وحی کی زبان میں جمع کرنا نہیں ہے، بلکہ پیغمبر کے سینہ میں جمع کرنا اور آنحضرتؐ کی زبان سے اس کی تلاوت ہے، یعنی جلدی نہ کرو۔ ہم ان تمام آیات کو تیرے سینہ میں جمع کر دیں گے اور پھر اس کی قرأت تیری زبان پر جاری کریں گے۔

بہر حال یہ تمام تعبیریں پہلی تفسیر کی تائید کرتی ہیں کہ پیغمبرؐ جبرئیل کے ذریعہ نزول وحی کے وقت، ہمیشہ جلدی کرتے تھے کہ آیات کو جلدی کے ساتھ تکرار کریں کہ کہیں ان کے حافظہ سے نکل نہ جائیں اور اس موقع پر خدا کی طرف سے انہیں یہ بتایا گیا کہ آپ مطمئن رہیں کہ نہ صرف آیات کے جمع کرنے اور ان کے پڑھنے بلکہ ان کے معانی کی توضیح و تشریح کی بھی، خدا کی طرف سے ضمانت دی جاتی ہے

ضمنی طور پر یہ آیات قرآن کی اصالت اور اس کی ہر قسم کی تحریف اور تبدیلی سے حفاظت کو بیان کرتی ہیں، کیونکہ خدا نے اس کے جمع کرنے اس کی تلاوت کرنے اور اس کی معانی کی وضاحت و تشریح کرنے کا وعدہ دیا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ ان آیات کے نزول کے بعد، جب جبرئیل آپ پر نازل ہوتے تو آپ مکمل طور سے سکوت اختیار کرتے اور جب جبرئیل چلے جاتے، تو پھر آپ آیات کی تلاوت شروع کرتے [1]

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۹۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۰۔ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۙ

۲۱۔ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۗ

۲۲۔ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ۙ

۲۳۔ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ

۲۴۔ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۙ

۲۵۔ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۗ

ترجمہ

۲۰۔ جیسا کہ تم خیال کرتے ہو ایسا نہیں ہے (تم معاد کے دلائل کو مخفی شمار کرتے ہو) بلکہ تم جلدی گزر جانے والی دنیا کو دوست رکھتے ہو (اور بے قید و شرط ہوس رانی کو چاہتے ہو)۔

۲۱۔ اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

۲۲۔ اس دن کچھ چہرے تو شاداب و مسرور ہوں گے۔

۲۳۔ اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

۲۴۔ اور اس دن کچھ چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔

۲۵۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے بارے میں ایسا عذاب انجام پائے گا، جو کمر کو توڑ کر رکھ دے گا۔

تفسیر

میدانِ محشر میں کچھ چہرے ہنستے ہوئے، اور کچھ بگڑے ہوئے ہوں گے

ان آیات میں پھر دوبارہ معاد و قیامت سے مربوط مباحث کو شروع کرتا ہے۔ قیامت کی کچھ خصوصیات۔ اسی طرح معاد کے انکار کے علل و اسباب کو بیان کرتا ہے، فرماتا ہے: اس طرح نہیں ہے کہ معاد و قیامت کے دلائل مخفی ہوں اور تم اس کی حقانیت تک۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نہ پہنچ سکتے ہو، "بلکہ تم اس جلدی گزر جانے والی دنیا کو دوست رکھتے ہو" (کلا بل تحبون العاجلة)۔

"اور اسی بناء پر تم آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو" (و تذرون الاخرة)۔

معاد کے انکار کی اصلی وجہ، خدا کی قدرت "بوسیدہ ہڈیوں" کو جمع کرنے اور پراگندہ مٹی کو اکٹھا کرنے میں شک اور تردد نہیں ہے بلکہ دنیا اور سرکش شہوات اور ہوس رانیوں کے ساتھ تمہارا شدید لگاؤ اس بات کا سبب بنتا ہے کہ تم ہر قسم کے موانع اور رکاوٹوں کو اپنے راستے سے ہٹا دو، اور چونکہ معاد اور خدا کے امر و نہی کو قبول کر لینا اس راستے میں بہت سے موانع اور رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے اس لیے یہ لوگ اصل مطلب کے انکار کے پیچھے ہو جاتے ہیں اور آخرت کو کلی طور پر چھوڑ دیتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ مادیت کی طرف جھکاؤ اور مبداء و معاد کے انکار کا ایک اہم سبب، شہوات و لذات اور ہر قسم کے گناہ کے مقابلہ میں بے قید و شرط آزادی حاصل کرنا ہے، نہ صرف گزشتہ زمانہ میں بلکہ موجودہ زمانہ میں بھی یہ معنی زیادہ واضح اور آشکار صورت میں صادق آتا ہے۔

یہ دونوں آیات حقیقت میں اسی چیز کی ایک تاکید ہے جو گزشتہ آیات میں گزر چکی ہے، جس میں فرمایا تھا: بل یرید الانسان لیفجر امامہ۔ یسئل ایان یوم القیامة[1]

اس کے بعد اس دن میں نیکوکار مومنین اور بدکار کفار کی حالت کو بیان کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے: "اس دن کچھ صورتیں ہنسی خوشی اور نورانی و خوبصورت ہوں گی" (وجوہ یومئذ ناضرة)۔

"ناضرة" "نضرة" کے مادہ سے ایک خاص قسم کی خوشی کے معنی میں ہے جو وفور نعمت اور مرفہ حالی کی وجہ سے انسان کو حاصل ہوتی ہے جس میں سرور و زیبائی اور نورانیت ہوتی ہے، یعنی ان کے رخسار کا رنگ ان کی حالت کی خبر دیتا ہے کہ وہ خدا کی نعمتوں میں کس طرح سے غرق ہیں۔ حقیقت میں یہ اسی چیز کے مشابہ ہے جو سورۂ مطففین کی آیہ ۲۴ میں آیا ہے: تعرف فی وجوھھم نضرة النعیم، ——— "تم ان (بہشتیوں) کے چہروں پر نعمت کی شادابی کو مشاہدہ کرو گے"۔

یہ تو مادی جزاؤں کے لحاظ سے ہے، لیکن ان کی روحانی جزاؤں کے بارے میں فرماتا ہے "وہ صرف اپنے پروردگار کی پاک ذات کی طرف دیکھیں گے" (الی ربها ناظرة)۔

دل کی آنکھ اور شہود باطنی کا دیدار، وہ دیدار جس سے وہ اس بے مثال ذات اور اس کمال و جمال مطلق کے مجذوب بن جائیں گے اور ایک

---

[1] بعض نے اوپر والی آیات میں "کلا" کو ان کے قرآن مجید میں تدبر کرنے کی نفی میں بجا ہے لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے، کیونکہ ——— جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ——— قرآن سے مربوط آیات میں مخاطب پیغمبر ہیں اور وہ جنبہ معترضہ رکھتی ہیں، لیکن زیر بحث آیات کا قیامت کے سلسلہ میں ایک تسلسل ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

روحانی اور ناقابلِ بیان لذت انھیں حاصل ہوگی، جس کا ایک ایک لمحہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے برتر و بالاتر ہے۔

اس بات پر توجہ رہے کہ " الی ربھا " کا " ناظرۃ " پر مقدم ہونا حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی اسی کی طرف دیکھیں گے، نہ کہ اس کے غیر کی طرف۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ بہشتی یقینی طور پر اس کے غیر کی طرف بھی نگاہ کریں گے تو ہم کہتے ہیں: اگر وہ اس کے غیر کی طرف نگاہ کریں گے تو ان سب کو اس کے آثار میں سے سمجھیں گے اور اثر کی طرف نگاہ کرنا مؤثر کی طرف نگاہ کرنا ہے، دوسرے لفظوں میں وہ ہر جگہ اسی کو دیکھیں گے اور ہر چیز میں اسی کی قدرت اور جمال و کمال کا مشاہدہ کریں گے، لہٰذا جنت کی نعمتوں کی طرف توجہ بھی انھیں خدا کی ذات کی طرف نظر کرنے سے غافل نہیں کرے گی۔

اسی وجہ سے بعض روایات میں ـــــ جو اس آیت کی تفسیر میں بیان کی گئی ہیں ـــــ آیا ہے کہ: وہ خدا کی رحمت، اس کی نعمت اور اس کے ثواب کی طرف نظر کریں گے۔[1] کیونکہ ان چیزوں کی طرف دیکھنا بھی، اس ذاتِ مقدس کی طرف ہی دیکھنا ہے۔

بعض بے خبروں نے اوپر والی آیت کو قیامت میں خدا کے حسی مشاہدہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس دن خدا کو اسی ظاہری آنکھ کے ساتھ دیکھیں گے۔

حالانکہ اس قسم کے مشاہدہ کا لازمہ، خدا کا جسمانی ہونا، اور کسی خاص مکان، کیفیت اور حالتِ جسمانی میں ہونا ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی پاک ذات ان آلودگیوں سے منزہ ہے، جیسا کہ قرآن کی مختلف آیات میں بارہا اس پر تکیہ ہوا ہے۔ منجملہ ان کے سورۂ انعام کی آیہ ۱۰۲ میں آیا ہے: لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار: " اس کو آنکھیں نہیں دیکھتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے، یہ آیت مطلق ہے اور دنیا کے ساتھ کسی قسم کا اختصاص نہیں رکھتی۔

بہرحال خدا کے حسی مشاہدہ کا نہ ہونا اس سے کہیں زیادہ واضح ہے کہ ہم اس پر مزید بحث کرنا چاہیں، جو شخص قرآن اور معارفِ اسلامی سے معمولی سی بھی آشنائی رکھتا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کرے گا۔

بعض نے " ناظرۃ " کی ایک اور تفسیر بیان کی ہے اور یہ کہا ہے کہ وہ " انتظار " کے مادہ سے ہے۔ یعنی اس دن مومنین صرف خدا کی ذاتِ پاک سے توقع رکھتے ہوں گے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نیک اعمال پر بھی تکیہ نہیں کریں گے۔ اور ہمیشہ اس کی رحمت اور نعمت کے منتظر رہیں گے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اس انتظار میں ایک قسم کی پریشانی آمیزہ ہوگی حالانکہ وہاں مومنین کے لیے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ تو وہ جواب میں یہ کہتے ہیں: اس انتظار میں پریشانی ہوتی ہے جس کے انجام کے بارے میں اطمینان نہ ہو، لیکن جب اطمینان حاصل ہو، تو پھر ایسا انتظار آرام و سکون کے ساتھ آمیزہ ہوتا ہے۔[2]

---

[1] نور الثقلین جلد ۵ ص ۴۶۴، ۴۶۵

[2] بعض کا نظریہ یہ ہے کہ " نظر " بمعنی انتظار کے معنی میں ہے وہ " الی " کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا، بلکہ وہ حرف جر کے بغیر متعدی ہوگا، لیکن اشعار عرب میں سے کچھ ایسے شواہد موجود ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ " نظر " جو انتظار کے معنی میں ہے وہ " الی " کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے (دقائق التاویل کا مطالعہ کریں)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

" نظر کرنے " اور " انتظار کرنے " کے معنی کے درمیان جمع کرنا بھی بعید نظر آتا ہے۔ کیونکہ ایک لفظ کا استعمال متعدد معانی میں جائز ہے لیکن مگر بنا بریں ان دو معانی میں سے صرف ایک ہی مراد ہو تو ترجیح پہلے معنی کو ہے۔

ہم اس گفتگو کو پیغمبر اکرمؐ کی ایک پُر معنی حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

" اذا دخل اهل الجنة الجنة یقول الله تعالٰی تریدون شیئًا ازیدکم؟

فیقولون الم تبیض وجوهنا؟ الم تدخلنا الجنة و تنجینا من النار؟

قال فیکشف الله تعالٰی الحجاب فما اعطوا شیئًا احب الیهم من النظر الی ربهم! "

" جب اہلِ جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو خداوند عالم فرمائے گا، کیا تم کوئی اور چیز چاہتے ہو، جس کا میں تمھارے لیے اضافہ کروں؟

وہ کہیں گے: (پروردگارا! تو نے ہمیں سب کچھ دیا ہے) کیا تو نے ہمارے چہروں کو سفید نہیں کیا؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور جہنم سے رہائی نہیں بخشی؟

اس وقت تمام پردے ہٹ جائیں گے (اور وہ خدا کا چشم دل سے مشاہدہ کریں گے) اور اس حالت میں ان کے نزدیک کوئی چیز اپنے پروردگار کی طرف نگاہ کرنے سے زیادہ محبوب نہیں ہوگی[1]

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث میں " انس بن مالک " کے واسطے سے آنحضرتؐ سے آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

ینظرون الی ربهم بلاکیفیة ولا حد محدود ولا صفة معلومة ؛

" وہ اپنے پروردگار کو دیکھیں گے لیکن کسی کیفیت کو نہیں اور نہ ہی کسی محدود حد اور مشخص صفت کو" [2]

اور یہ حدیث شہود باطنی پر ایک تاکید ہے، نہ کہ آنکھ سے مشاہدہ کرنے پر۔

مومنین کے اس گروہ کے مقابلہ میں ایک دیگر گروہ بھی ہوگا جن کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے " (و وجوه یومئذ باسرة)۔

" باسرة " " بسر " (بروزن نصر کے مادہ سے، ناپختہ چیز اور وہ سے پہلے کام کرنے کے معنی میں ہے، اسی لیے کھجور کے کچے پھل کو " بسر " (بروزن سر) کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد چہرے کے بگڑنے اور ترش ہونے پر بولا جانے لگا، کیونکہ یہ وہ عکس العمل ہے جس کا انسان رنج، تکلیف اور پریشانی کے کے سے پہلے اظہار کرتا ہے۔

بہر حال جس وقت وہ لوگ عذاب کی نشانیوں کو دیکھیں گے اور اپنے نامۂ اعمال کو نیکیوں سے خالی اور برائیوں سے بھرا ہوا پائیں گے تو سخت پریشان، رنجیدہ اور غمگین ہوں گے اور منہ چڑھالیں گے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۳۹۸، اور تفسیر قرطبی جلد ۱۰ ص ۶۹۰۰ کی طرف رجوع کریں۔

[1] " روح المعانی " جلد ۲۹ ص ۱۴۵

[2] " تفسیر المیزان " جلد ۲۰ ص ۲۰۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انھیں معلوم ہے کہ وہ سخت عذاب جوان کی کمر کو توڑ ڈالے گا ان پر واقع ہو کر رہے گا (تظن ان یفعل بھا فاقرۃ)۔

بہت سے مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ یہاں "ظن" علم کے معنی میں ہے یعنی انھیں اس قسم کے عذاب کے بارے میں یقین ہو جائے گا جبکہ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں "ظن" نے اپنے اصلی معنی یعنی گمان میں ہے البتہ وہ اجمالی طور پر یہ یقین رکھتے ہیں کہ انھیں عذاب ہوگا، البتہ اس قسم کے کمر توڑ عذاب کے بارے میں وہ گمان کرتے ہیں[1]

"فاقرۃ" "فقرۃ" (بروزن ضربۃ) کے مادہ سے ہے اور اس کی جمع فقار ہے جو پشت کے مہروں کے معنی میں ہے۔ اس بنا پر "فاقرہ" اس سنگین حادثہ کو کہتے ہیں جو کمر کے مہروں کو توڑ دیتا ہے اور "فقیر" کو اس وجہ سے فقیر کہا گیا ہے کہ گویا اس کی کمر ٹوٹی ہوئی ہے[2]

بہرحال یہ تعبیر ان سنگین اور سخت سزاؤں سے کنایہ ہے جو دوزخ میں اس گروہ کے انتظار میں ہیں، یہ گروہ کمر شکن عذابوں کا منتظر ہے جبکہ سابقہ گروہ پروردگار کی رحمت کے انتظار میں ہے اور محبوب کی ملاقات کے لیے آمادہ ہے۔ ان کے لیے بدترین عذاب ہے اور ان کے لیے بدترین جسمانی رحمت، نعمت اور روحانی لذت ہے۔

---

[1] بعنوان شواہد کے جو اس موضوع کے سلسلے میں بعض نے نقل کیے ہیں یہ ہے کہ اگر "ظن" علم کے معنی میں ہوتا اس کے بعد "ان" ہے لئے "مثقلہ" نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ مخففہ ہونا چاہیے حالانکہ زیر بحث آیت میں "ان" "مصدریہ" ہے اور اس میں قرینہ یہ ہے کہ اس نے نصب دی ہے۔

[2] "فاقرۃ" ایک محذوف موصوف کی صفت ہے اور تقدیر میں "داھیۃ فاقرۃ" ہے اور "تظن" فعل ہے جس کا فاعل "وجوہ" ہے اور تقدیر میں "ارباب الوجوہ" یا "ذوات الوجوہ" ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۶۔ كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝

۲۷۔ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝

۲۸۔ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝

۲۹۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝

۳۰۔ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۝

ترجمہ

۲۶۔ اس طرح نہیں ہے، جب تک اس کی جان گلے تک نہ پہنچے، وہ ایمان نہیں لائے گا۔

۲۷۔ اور یہ کہا جائے گا: کیا کوئی ہے جو اس بیمار کو موت سے نجات دے؟!

۲۸۔ اور دنیا سے فراق کا یقین پیدا کرے۔

۲۹۔ اور پاؤں کی پنڈلیاں (جان کنی کی شدت سے) ایک دوسرے کے ساتھ پیچ کھائیں۔

۳۰۔ (ہاں) اس دن سب کا راستہ تیرے پروردگار (کی دادگاہ) کی طرف ہی ہوگا۔

تفسیر

دوسرے عالم اور مومنین و کفار کی سرنوشت سے مربوط مباحث کو جاری رکھتے ہوئے، ان آیات میں، موت کے دردناک لمحہ کے بارے میں گفتگو ہے جو دوسرے جہان کا ایک دریچہ ہے۔

فرماتا ہے: "اس طرح نہیں ہے، جب تک اس کی جان اس کے گلے تک نہ پہنچ جائے، وہ ایمان نہیں لائے گا" (کلا اذا بلغت التراقی)۔[1]

اس دن اس کی برزخی آنکھ کھل جائے گی، حجاب اور پردے ہٹ جائیں گے اور وہ عذاب و کیفر کردار کی نشانیاں دیکھیں گے اور اپنے اعمال سے واقف ہو جائیں گے اور اس لمحہ میں وہ ایمان لے آئیں گے لیکن وہ ایسا ایمان ہوگا جو ان کی حالت کے لیے ہرگز مفید نہیں ہوگا۔

---

[1] بیان: "اذا" شرطیہ ہے اور اس کی جزا محذوف ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے "اذا بلغت التراقی انکشف لہ حقیقۃ الامر و وجد ما عملہ منا" بلغت "کا فاعل نفس" ہے جو محذوف ہے اور قرینہ کلام سے معلوم ہو جاتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"تراقی" "ترقوہ" کی جمع ہے جو حلق اور گلے کے گرد کی ہڈیوں کے معنی میں ہے اور روح کا گلے تک پہنچنا، عمر کے آخری لمحوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جس وقت روح بدن سے نکلتی ہے تو وہ اعضاء جو دل سے زیادہ فاصلہ رکھتے ہیں (مثلاً ہاتھ پاؤں) وہ جلدی بیکار ہوجاتے ہیں، گویا روح خود کو بدن سے منقطع کرتی ہے، یہاں تک کہ گلے تک پہنچ جاتی ہے۔

اس موقع پر اس کے اردگرد کے لوگ سراسیما اور پریشان ہوجاتے ہیں اور اس کی نجات کی تدبیریں کرتے ہیں" اور یہ کہا جاتا ہے کہ کوئی ہے جو آکر اس بیمار کو نجات دے" (و قیل من راق)۔

یہ بات عجز، ناامیدی اور بے چارگی کی بناء پر کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اب کام بس سے باہر ہوگیا ہے۔ اور طبیب سے بھی اب کچھ نہیں ہوسکتا۔

"راق" "ساقی" (بروزن نہی) کے مادہ سے اور "رقیہ" (بروزن خفیہ) "اوپر جانے" کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ "رقیہ" ان اوراد اور دعاؤں پر بولا جاتا ہے جو بیمار کے لیے موجب نجات ہیں، خود طبیب کو بھی اسی وجہ سے کہ وہ بیمار کو رہائی بخشتا ہے اور اسے نجات دیتا ہے "راقی" کہا جاتا ہے۔ اس بناء پر آیت کا مفہوم اس طرح ہے کہ مریض کے اردگرد کے لوگ اور کبھی وہ خود تکلیف کی شدت کی وجہ سے پکارتا ہے، کیا کوئی طبیب مل جائے گا؟ کیا کوئی ہے جو دعا پڑھے اور بیمار رہائی پائے؟

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے، کہ فرشتوں میں سے کون اس کی روح کو قبض کرے گا اور اوپر لے جائے گا؟ کیا عذاب کے فرشتے، یا رحمت کے فرشتے؟

اور بعض نے یہ اضافہ کیا ہے کہ چونکہ خدائی فرشتے اس قسم کے بے ایمان انسان کی روح کو قبض کرنا اور اوپر لے جانا پسند نہیں کرتے، تو ملک الموت کہتا ہے، کون ہے جو اس کی روح کو اوپر لے کر جائے؟

لیکن پہلی تفسیر سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ مناسب ہے۔

بعد والی آیت میں "محتضر" کی مکمل مایوسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: "اس حالت میں وہ زندگی سے مطلق طور پر مایوس ہوجائیگا اور اسے دنیا کے فراق اور جدائی کا یقین ہوجائے گا" (وظن انہ الفراق)۔

"اور پاؤں کی پنڈلیاں ایک دوسرے کے ساتھ پیچ کھائیں گی اور موت کا لمحہ آن پہنچے گا" (والتفت الساق بالساق)۔

ان کا ایک دوسرے کے ساتھ پیچ کھانا یا تو جان کنی کی تکلیف کی شدت کی وجہ سے ہوگا، یا ہاتھ پاؤں کے بیکار ہوجانے اور ان سے روح کے نکل جانے کے نتیجہ میں ہوگا۔

اس آیت کے لیے اور تفسیریں بھی نقل کی گئی ہیں منجملہ ان کے ایک حدیث میں امام باقرؑ سے آیا ہے۔

التفت الدنیا بالآخرۃ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"دنیا آخرت کے ساتھ لپیٹ دی جائے گی"۔[1]

تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی یہی معنی بیان ہوا ہے۔[2]

ابن عباس سے بھی یہی نقل ہوا ہے کہ اس سے مراد امر آخرت کی شدت میں امر دنیا سے مل جانا ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد موت کے شدائد کا قیامت کے شدائد کے ساتھ مل جانا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ سب تفاسیر اسی معنی کی طرف لوٹتی ہیں جو امام باقرؑ سے نقل ہوئے ہیں۔

یہ تفسیر اس وجہ سے کی گئی ہے کہ لغت عرب میں ساق کا ایک معنی شدید حادثہ، مصیبت اور بلائے عظیم بھی ہے۔

اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد پاؤں کی پنڈلیوں کا کفن میں لپٹا جانا ہے۔

البتہ یہ تفاسیر آپس میں کوئی تضاد نہیں رکھتیں اور یہ سب کی سب آیت کے معنی میں جمع ہو سکتی ہیں۔

آخری زیر بحث آیت میں فرماتا ہے: "اس دن تمام مخلوق کی بازگشت تیرے پروردگار کی عدالت کی طرف سے ہوگی" (الیٰ ربک یومئذ المساق)۔

ہاں! سب کے سب اسی کی طرف لوٹیں گے اور اس کی دادگاہ عدل میں حاضر ہوں گے اور تمام راستے اس پر جا کر ختم ہو جائیں گے۔

یہ آیت مسئلہ معاد و قیامت اور بندوں کی عمومی رستاخیز پر ایک تاکید بھی ہے اور اس کی ذات پاک کی طرف مخلوق کی حرکت تکاملی کے رخ کرنے کا اشارہ بھی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ ایک ایسی ذات ہے جو ہر لحاظ سے غیر متناہی ہے۔

ایک نکتہ

موت کا دردناک لمحہ

جیسا کہ ہم جانتے ہیں قرآن بار بار موت کے مسئلہ کی بات کرتا ہے اور انسانوں کو خبردار کرتا ہے کہ ان سب کو اس قسم کا لمحہ درپیش ہے کبھی تو اسے "سکرۃ الموت" (موت کی حالت کی مستی اور تنگی) سے تعبیر کیا ہے[3]

اور کبھی "غمرات الموت" یعنی موت کے شدائد "سے تعبیر کیا ہے[4]

کبھی "روح کے حلق تک پہنچنے" کی تعبیر کی ہے[5] اور کبھی "روح کی تراقی تک پہنچنے کی تعبیر ہے، یعنی گلے کے گرد کی ہڈیوں تک۔

---

[1] [2] "نورالثقلین" جلد ۵ ص ۴۶۵

[3] وجاءت سکرۃ الموت بالحق۔ (ق — ۱۹)

[4] سورۂ انعام ۹۳

[5] فلولا اذا بلغت الحلقوم (واقعہ — ۸۳)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(زیر بحث آیات) ۔

ان تمام باتوں سے اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ لمحہ ـــــ بعض مادیین کے کہنے کے برخلاف ـــــ سخت اور دردناک لمحہ ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ وہ اس جہان سے دوسرے جہان کی طرف انتقال کا لمحہ ہوگا۔ یعنی جس طرح انسان کے عالم جنین (شکم مادر) سے عالم دنیا کی طرف انتقال کا لمحہ بہت زیادہ درد اور تکلیف سے وابستہ ہوتا ہے، دوسرے جہان کی طرف انتقال بھی طبعی طور پر ایسا ہی ہوگا۔

لیکن اسلامی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لمحہ مومنین پر آسانی کے ساتھ گزر جائے گا، جبکہ بے ایمان افراد کے لیے سخت دردناک ہوگا یہ اس بناء پر ہوگا کہ پروردگار کی لقاء اور اس کی بے پایاں رحمت اور نعمتوں کا شوق پہلے گروہ کو اس طرح اپنے آپ سے بے خود کر دے گا کہ وہ انتقال کے لمحے کی تکلیف کو محسوس ہی نہیں کرے گا۔

جبکہ دوسرے گروہ کے لیے عزرائیل کی وحشت ایک طرف سے اور اس دنیا کے فراق کی مصیبت جس سے اس نے دل لگایا ہوا تھا، دوسری طرف سے دنیا کے انتقال کے لمحے کی تکلیف کو کئی گنا کر دے گا۔

ایک حدیث میں امام علی بن الحسینؑ سے کہا ہے، جب آپ سے موت کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

"موت مومن کے لیے میلے کچیلے جوؤں سے بھرے ہوئے لباس کو اتارنے اور سنگین اور وزنی طوق اور زنجیروں کو کھولنے، اور انھیں بہترین لباسوں، خوشبودار ترین عطروں، تیز رو سواریوں اور مرفہ ترین مکانوں سے تبدیل کرنے کے مانند ہے اور کافر کے لیے ایک فاخرہ لباس اتارنے اور مرفہ مکانوں سے نقل مکانی کرنے اور اس کے کثیف ترین اور خشن ترین لباسوں، وحشت ناک ترین مکانوں اور عظیم ترین عذابوں میں بدل جانے کے مانند ہے۔"[1]

ایک اور حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے موت کی تعریف کرنے کی درخواست کی، تو آپ نے فرمایا:

للمؤمن كالطيب ريح يشمه فينعس لطيبه و ينقطع التعب والالم كله عنه، وللكافر كلسع الافاعى ولدغ العقارب او اشد!

"مومن کے لیے تو بہت ہی خوشبودار عطر کی مانند ہے، جسے سونگھنے سے نیند کے مانند کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے اور درد اور تکلیف کلی طور پر اس سے منقطع ہوجاتا ہے اور کافر کے لیے سانپوں اور بچھوؤں کے کاٹنے کی مانند ہے یا اس سے بھی زیادہ شدید۔"[2]

بہر حال موت عالم بقاء کے لیے ایک دریچہ ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں علیؑ سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

لكل دار باب و باب دار الأخرة الموت

"ہر گھر کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور آخرت کے گھر کا دروازہ موت ہے۔"[3]

---

[1] بحار الانوار، جلد ۶ ص ۱۵۵

[2] وہی مدرک، ص ۱۵۲

[3] "شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲۰ ص ۲۴۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہاں! موت کی طرف توجہ، شہوات کے توڑنے، لمبی چوڑی آرزوؤں کو توڑنے، اور آئینۂ دل سے غفلت کا زنگ اتارنے میں ایک گہرا اثر رکھتی ہے، اسی لیے ایک حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

"ذکر الموت یمیت الشھوات فی النفس و یقلع منابت الغفلۃ ویقوی القلب بمواعد اللہ و یرق الطبع، و یکسر اعلام الھوی، ویطفی نار الحرص، و یحقر الدنیا، و ھو معنی ما قال النبی (ص) فکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ"

موت کی یاد انسان کے اندر سرکش شہوتوں کو مار دیتی ہے اور غفلت کی جڑوں کو دل سے اکھاڑ دیتی ہے، دل کو خدائی وعدوں کے ساتھ تقویت بخشتی ہے، اور انسان کی طبیعت میں نرمی اور لطافت پیدا کرتی ہے ہوا پرستی کی نشانیوں کو توڑ دیتی ہے حرص کی آگ کو بجھا دیتی ہے اور دنیا کو انسان کی نظروں میں حقیر بنا دیتی ہے اور اس بات کا مطلب جو پیغمبرؐ نے فرمائی تھی یہی ہے: "ایک ساعت کی فکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔[1]

البتہ اس سے مراد غور و فکر کرنے کے ایک واضح مصداق کو بیان کرنا ہے، نہ یہ کہ غور و فکر کرنے کا موضوع بس اسی میں منحصر ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور بحث جلد ۱۷ ص ۵۱۹ پر (سورۂ ق کی آیہ ۱۹ کے ذیل میں) گزر چکی ہے۔

---

[1] بحار الانوار جلد ۶ ص ۱۳۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۱۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۙ

۳۲۔ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۙ

۳۳۔ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی ؕ

۳۴۔ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ۙ

۳۵۔ ثُمَّ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ؕ

۳۶۔ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی ؕ

۳۷۔ اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ۙ

۳۸۔ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ۙ

۳۹۔ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ؕ

۴۰۔ اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِ الْمَوْتٰی ۧ

ترجمہ

۳۱۔ وہ ہرگز ایمان نہیں لایا اور نہ اس نے نماز پڑھی۔

۳۲۔ بلکہ اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔

۳۳۔ پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف متکبرانہ چال سے قدم اٹھاتے ہوئے پلٹ گیا۔

۳۴۔ عذاب الٰہی تیرے لیے زیادہ شائستہ ہے، زیادہ شائستہ۔

۳۵۔ پھر بھی عذاب الٰہی ہی تیرے لیے زیادہ شائستہ ہے، زیادہ شائستہ۔

۳۶۔ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے یونہی فضول اور بغیر کسی مقصد کے چھوڑ دیا جائے گا؟

۳۷۔ کیا وہ اس منی کا نطفہ نہیں تھا جو رحم میں ڈالا جاتا ہے۔؟

۳۸۔ پھر اس نے جمے ہوئے خون کی صورت اختیار کر لی۔ پھر اس کو خلق کیا اور موزوں بنایا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۹۔ اور اس سے دو جوڑے مذکر و مؤنث بنائے۔
۴۰۔ کیا ایسی ہستی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے۔

تفسیر

وہ خدا جس نے انسان کو ایک ناچیز نطفہ سے پیدا کیا

گزشتہ آیات میں آچکے ہیں، زیر بحث آیات موت سے مربوط ابحاث کو جاری رکھتے ہوئے، جو سفر آخرت کا پہلا قدم ہے اور میں، کافروں کے اس توشہ مسافرت سے خالی ہاتھ ہونے کی بات کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "یہ منکر معاد انسان ہرگز ایمان نہیں لایا، نہ ہی اس نے آیات خدا کی تصدیق کی، اور نہ ہی اس کے لیے نماز پڑھی" (فلا صدق ولا صلی)۔[1]

"بلکہ اس نے تکذیب کی راہ اختیار کی، اور حکم خدا کی طرف سے پشت پھیر لی" (ولکن کذب و تولی)۔

"فلا صدق" کے جملے سے مراد قیامت، حساب و کتاب، جزا و سزا، آیات الٰہی، توحید و نبوت اور پیغمبر اسلام کی تصدیق کرنا ہے، لیکن بعض نے اسے، اس کے نماز کے ساتھ ذکر ہونے کے باعث، کفار کی طرف سے "انفاق و صدقہ" کو ترک کرنے کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔

لیکن دوسری آیت اچھی طرح سے اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اس تصدیق کا نقطہ مقابل تکذیب ہے۔ اس بناء پر پہلی تفسیر زیادہ صحیح نظر آتی ہے۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ گیا جبکہ وہ متکبرانہ چال کے ساتھ چل رہا تھا" (ثم ذھب الی اھلہ یتمطی)۔

وہ اس گمان میں کہ اس نے بے اعتنائی اور پیغمبر اور آیات الٰہی کی تکذیب کی بناء پر اہم کامیابی حاصل کرلی ہے، باد غرور سے مست اپنے گھر والوں کی طرف آرہا تھا تاکہ معمول کے مطابق ان افتخار آمیز مسائل کو جو گھر سے باہر رونما ہوئے تھے ان کے سامنے بیان کرے۔ بیانک کر اس کا چلنا اور اس کے جسم کے اعضاء کی حرکت سب ہی اس کے کبر و غرور کو بیان کر رہے تھے۔

---

[1] "صدق و صلی" کے جملوں میں جو ضمیر ہے وہ معاد کے منکر انسان کی طرف لوٹتی ہے جو کلام کے لب و لہجہ سے سمجھا جاتا ہے، اور سورہ کے آغاز میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"یتمطی" "مطی" کے مادہ سے اصل میں پشت کے معنی میں ہے اور "تمطی" بے اعتنائی، غرور یا تھکان اور بے حالی سے پشت کو کھینچنے کے معنی میں ہے اور یہاں دہی پہلا معنی مراد ہے۔

بعض اس کو "مط" (بروزن خط) کے مادہ سے، پاؤں یا باقی اعضاء بدن کو بے اعتنائی یا تھکان کے اظہار کے وقت کھینچنے کے معنی میں سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کا "مطا" سے اشتقاق ظاہر لفظ کے ساتھ زیادہ مناسب ہے[1]

بہرحال یہ مطلب اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ "مطففین" کی آیہ ۳۱ میں آیا ہے: واذا انقلبوا الی اھلھم انقلبوا فکھین: جس وقت وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جاتے ہیں تو استہزاء کے طور پر مومنین کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔

پھر اس قسم کے بے ایمان افراد کو مخاطب کرتے ہوئے تہدید کے طور سے کہتا ہے: "عذاب الٰہی تیرے لیے زیادہ مناسب ہے اور زیادہ مناسب ہے" (اولی لك فاولی)۔

"پھر بھی عذاب الٰہی ہی تیرے لیے زیادہ مناسب ہے اور زیادہ مناسب ہے" (ثم اولی لك فاولی)۔

مفسرین نے اور دوسری متعدد تفاسیر بھی اس آیت کے لیے بیان کی ہیں منجملہ ان کے یہ ہیں کہ:

یہ ان کے لیے ایک تہدید ہے کہ تجھ پر عذاب ہو اور پھر تجھ پر عذاب ہو۔

یا یہ حالت جو تو رکھتا ہے یہی تیرے لیے زیادہ لائق ہے اور زیادہ لائق ہے۔

یا سرزنش اور مذمت تیرے لیے بہتر ہے اور پھر بہتر ہے۔

یا وائے ہو تجھ پر اور پھر بھی وائے ہو تجھ پر

یا دنیا کی نیکیاں تجھ سے دور رہیں اور آخرت کی بھلائیاں بھی تجھ سے دور رہیں۔

یا شر و عذاب تجھے دامن گیر رہے اور پھر شر و عذاب تجھے دامن گیر رہے۔

یا جس عذاب کا میدان بدر میں تو نے مشاہدہ کیا ہے وہ تیرے لیے اس دنیا میں زیادہ مناسب ہے اور قبر و قیامت کا عذاب بھی تیرے لیے زیادہ مناسب ہے[2]

---

[1] کیونکہ اگر یہ "مطا" کے مادہ سے ہو تو پھر تو ظاہر لفظ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن اگر یہ "مط" کے مادہ سے ہو تو پھر "یتمطی" کا مادہ اصل میں "یتمطط" تھا جس کی آخری "طاء" "یاء" کے ساتھ تبدیل ہوگئی ہے۔

[2] بعض تفاسیر کے مطابق یہاں "اولی" "افعل تفضیل" ہے اور بعض کے مطابق "اولی" "فعل ماضی" ہے، باب افعال سے "ولی" کے مادہ سے، اور جملہ کا مفہوم اس طرح سے ہوگا "قاربك الله العذاب" اور بعض نے یہ کہا ہے کہ "اولی" "اسماء افعال" سے ہے اور "قارب" کا معنی رکھتا ہے لیکن مناسب وہی پہلا معنی ہے۔ (البیان فی غریب اعراب القرآن، روح المعانی، المیزان اور مجمع البیان کی طرف رجوع کریں)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن یہ بات کے بغیر واضح ہے کہ ان معانی میں سے اکثر ایک کلی اور وسیع معنی کی طرف لوٹتے ہیں، جو عذاب، مذمت، شر اور عقاب کی تہدید کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، چاہے وہ عذاب دنیا ہو یا عذاب برزخ و قیامت۔

روایات میں آیا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہل کا ہاتھ پکڑا (اور بعض روایات کے مطابق اس کا گریبان پکڑا) اور فرمایا:

اولی لک فاولی ثم اولی لک فاولی

تو ابوجہل نے کہا:

"مجھے کس چیز کی دھمکی دیتے ہو تم اور تمہارا پروردگار مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، میں اس سرزمین کے قدرت مند ترین افراد میں سے ہوں"۔

اس موقع پر یہی جملے پیغمبر پر آیات کی صورت میں نازل ہوئے۔[1]

اس کے بعد قیامت کے بارے میں دو بہت ہی عمدہ استدلال پیش کرتا ہے، جن میں سے ایک تو "خلقت کے ہدف اور خدا کی حکمت" کے بیان کے طریق سے ہے اور دوسرا عالم جنین کے مختلف مراحل میں انسانی نطفہ کی تبدیلیوں اور تکامل و ارتقاء کے استناد سے اس کی قدرت کے بیان کے طریق سے۔

پہلے فرماتا ہے: "کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے فضول اور بے مقصد چھوڑ دیا جائے گا" (ایحسب الانسان ان یترک سدًی)۔

"سدًی" (بروزن ہدیٰ) مہمل، فضول، بے ہودہ اور بے مقصد کے معنی میں ہے، عرب کہتے ہیں" ابل سدی" اس اونٹ کے بارے میں جو ساربان کے بغیر چھوڑ دیا گیا ہو اور جہاں چاہے چرنے کے لیے چلا جائے۔

اس آیت میں" انسان" سے مراد وہی انسان ہے، جو معاد و قیامت کا منکر ہے، آیت کہتی ہے کہ اسے کیسے یقین آگیا کہ خدا نے اس وسیع و عریض عالم کو تو اس عظمت اور ان تمام عجائبات کے ساتھ انسان کے لیے پیدا کیا ہے، لیکن خود انسان کی خلقت میں کوئی ہدف اور مقصد نہ رکھا ہو۔ یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ انسان کے اعضاء میں سے ہر عضو تو کسی خاص ہدف اور مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہو، آنکھ دیکھنے کے لیے، کان سننے کے لیے اور دل غذا، آکسیجن اور پانی تمام بدن کے سلولوں تک پہنچانے کے لیے، یہاں تک کہ انسان کی انگلیوں کے پوروں کی لکیریں بھی حکمت و فلسفہ رکھتی ہیں لیکن اس کے پورے وجود کا کوئی ہدف و مقصد نہ ہو اور وہ یونہی فضول، مہمل اور کسی امر و نہی اور ذمہ داری اور مسئولیت کے پروگرام کے بغیر ہی پیدا کر دیا گیا ہو؟

ایک عام آدمی بھی اگر ایک چھوٹی سی چیز بغیر کسی مقصد کے بنائے تو اس پر اعتراض کرتے ہیں اور اس کا نام عقل مند انسانوں کی فہرست سے خارج کر دیتے ہیں تو پھر حکیم علی الاطلاق خدا سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس قسم کی بے مقصد مخلوق کو پیدا کرے۔

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۱۹۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اب اگر یہ کہا جائے کہ ہدف و مقصد یہی دنیا کی چند روزہ زندگی ہے، یہی بار بار کا کھانا اور سونا، جس میں ہزاروں قسم کے درد اور تکلیفیں ملی ہوئی ہیں، تو یقیناً یہ ایسی چیز نہیں ہے جو اس عظیم خلقت کی توجیہ کر سکے۔

اس بناء پر ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ انسان ایک عظیم ترین ہدف، یعنی جوار قرب رحمت حق تعالیٰ میں جاودانی زندگی اور بے وقفہ اور بے پایاں تکامل اور ارتقاء کے لیے پیدا ہوا ہے۔[1]

اس کے بعد دوسری دلیل کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "کیا انسان ابتداء میں منی کا ایک نطفہ نہیں تھا، جو رحم میں ڈالا جاتا ہے"۔ (الم یک نطفة من منی یمنیٰ)۔

"پھر اس مرحلے کے بعد جمے ہوئے خون کی صورت اختیار کی اور خدا نے اسے نئی خلقت بخشی اور موزوں بنایا"۔ (ثم کان علقة فخلق فسوّیٰ)۔

"پھر اس مرحلہ میں بھی توقف نہ رہا، خدا نے اسی نطفہ سے دو جفت مرد و عورت پیدا کیے"۔ (فجعل منه الزوجین الذکر والانثیٰ)۔

کیا وہ ہستی، جو ایک چھوٹے سے حقیر و ناچیز نطفہ کو ظلمت کدہ رحم مادر میں، ہر روز ایک نئی آفرینش عطا کرتی ہے اور حیات و زندگی کا ایک نیا لباس اسے پہناتی ہے، اور ایک سنے سے نیا چہرہ اسے دیتی ہے، یہاں تک کہ وہ ایک کامل مذکر و مؤنث انسان ہو جاتا ہے اور ماں سے متولد ہوتا ہے، تو کیا ایسی ذات مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟!" (الیس ذالك بقادر علیٰ ان یحیٔ الموتیٰ)۔

یہ بیان حقیقت میں ایسے منکرین کے مقابلہ میں ہے جو معاد جسمانی کے مسئلہ میں عام طور پر اس کے محال ہونے کا دم بھرتے ہیں اور مرنے اور خاک ہو جانے کے بعد زندگی کی بازگشت کے امکان کی نفی کرتے ہیں اور قرآن اس مطلب کو ثابت کرنے کے لیے انسان کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کی خلقت کے آغاز کی طرف پلٹاتا ہے۔ جنین کے عجیب و غریب مرحلے اور ان مرحلوں میں، انسان کی حیرت انگیز تبدیلیوں کی، اسے نشاندہی کرتا ہے۔ تاکہ وہ جان لے کہ خدا ہر چیز پر قادر و توانا ہے، اور دوسرے لفظوں میں کسی چیز کے وقوع کی بہترین دلیل اس کا وقوع میں آ جانا ہے۔

---

[1] ہم نے اس سلسلہ میں ایک اور بحث سورۂ مومنون کی آیہ ۱۱۵ کے ذیل میں (جلد ۸ ص ۲۰۰ پر) بھی کی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چند نکات

جنین کی تبدیلیاں یا بار بار کی رستاخیز

"نطفہ" اصل میں تھوڑے یا صاف پانی کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد پانی کے ان قطرات پر بولا جانے لگا جو لقاح اور جفتی کرنے کے طریقہ سے انسان یا حیوان کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں۔

حقیقت میں نطفہ کا جنینی دور میں مختلف مراحل میں تبدیل ہونا، عالم ہستی کے عجیب ترین مراحل میں سے ہے جو "جنین شناسی" کے علم کا موضوع ہے اور آخری صدیوں میں اس کے اسرار سے بہت زیادہ حد تک پردہ اٹھ چکا ہے۔

قرآن نے اس زمانہ میں جبکہ ابھی تک یہ مسائل واضح نہیں ہوئے تھے۔ بارہا خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک ہونے کے تحت اس کا ذکر کیا ہے، اور یہ بات خود اس عظیم آسمانی کتاب کی عظمت کی ایک نشانی ہے۔

اگرچہ ان آیات میں صرف جنین کے بعض مراحل ذکر ہوئے ہیں، لیکن قرآن کی دوسری آیات میں مثلاً سورۂ حج کے آغاز کی آیات اور سورہ مومنون کے اوائل میں بہت سے مراحل بیان ہوئے ہیں اور ہم نے ان آیات کے ذیل میں اس ضمن میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے[۱]

" ذالك " جو اسم اشارہ بعید ہے، خدا کے لیے اس کے مقام کی عظمت سے کنایہ ہے، اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی پاک ذات اس قدر بلند ہے کہ وہ افکار بشر کی دسترس سے باہر ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جس وقت الیس ذالك بقادر علی ان یحیی الموتی : کیا خدا ان تمام توانائیوں کے ساتھ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کرے " کی آیات نازل ہوئیں ؟ تو رسول خدا نے فرمایا:

سبحانك اللّٰھم و بلٰی

"اے خدا! تیری ذات پاک ہے، بیشک تو یہ توانائی رکھتا ہے"

یہی معنی امام باقرؑ اور امام صادقؑ سے بھی نقل ہوا ہے۔[۲]

۲۔ جہان بشریت میں نظامِ جنسیت

ان تمام باتوں کے باوجود، جو جنین کی جنسیت کے عوامل کے بارے میں ہوئی ہیں اور اس بارے میں کہ کن امور کے ماتحت "مذکر" یا "مونث" کی جنس میں تبدیلی ہوتی ہے، ابھی تک کوئی شخص ٹھیک طرح سے نہیں جانتا کہ اس کے عوامل اصلی کیا ہیں؟

یہ ٹھیک ہے کہ بعض مواد غذائی یا چند ایک دوائیاں ممکن ہے کہ اس مسئلہ میں بے اثر ہوں، لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی یقینی طور پر تعین کنندہ شمار نہیں ہوتی، دوسرے لفظوں میں یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا علم خدا ہی کے پاس ہے۔

دوسری طرف تمام معاشروں میں ہمیشہ ایک تعادل نسبی ان دونوں صنفوں کے درمیان نظر آتا ہے۔ اگرچہ اکثر معاشروں میں عورتوں کی تعداد کچھ زیادہ

---

[۱] تفسیر نمونہ جلد ۷

[۲] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۰۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوتی ہے اور بعض معاشروں میں شاذ و نادر مردوں کی تعداد کچھ زیادہ ہوتی ہے لیکن مجموعی طور پر ان دونوں اصناف میں ایک تعادل نسبی پایا جاتا ہے۔
اگر فرض کریں کہ کوئی ایسا وقت آجائے کہ یہ تعادل اور برابری ٹوٹ جائے اور مثلاً عورتوں کی تعداد مردوں سے دس گنا ہو جائے یا مردوں کی تعداد عورتوں سے دس گنا ہو جائے تو پھر خود دیکھیے کہ انسانی معاشرے کا نظام کس طرح درہم برہم ہو سکتا ہے اور اس طرح سے کیسے عجیب و غریب مفاسد وجود میں آئیں گے کہ ہر ایک عورت کے مقابلہ میں دس مرد ہوں گے یا پھر دس مردوں کے مقابلہ میں ایک عورت ہو تو کیسا جنجال برپا ہونے کا خطرہ ہے
اوپر والی آیات جو کہتی ہیں: فجعل منه الزوجين الذكر والانثىٰ تو یہ ان دونوں موضوعات کی طرف ایک لطیف اور سربستہ اشارہ ہے: ایک طرف تو انسانوں کے پُراسرار تنوع اور ان کے جنینی دور میں ان دو جنسوں میں تقسیم ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسری طرف اس تعادل نسبی[1] اور برابری کی طرف اشارہ ہے۔

خداوندا! ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ ایک ہی لمحہ میں تمام مردوں کو حیات و زندگی کا لباس پہنا دے، کوئی بھی چیز تیری قدرت کے مقابلہ میں مشکل اور پیچیدہ نہیں ہے۔

پروردگارا! جس دن روحیں گلے تک پہنچ جائیں گی، اور ہم ہر چیز سے قطع امید کر لیں گے، تیری پاک ذات ہی ہماری امید ہے۔

بارالٰہا! ہمیں خلقت و آفرینش کے ہدف سے آشنا فرما۔

آمین یا رب العالمین

سورۂ قیامت کا اختتام

۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

اختتام ترجمہ

۲۰ صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۷ء

بروز بدھ وقت تقریباً ساڑھے سات بجے شب

۱۸ / ای ماڈل ٹاؤن ——— لاہور

صفدر حسین نجفی

---

[1] یہ جو مشہور ہے کہ ہر معاشرے میں عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے اور اسے وہ تعدد ازدواج کی ایک دلیل قرار دیتے ہیں۔ قابل قبول ہے۔ لیکن یہ بات تعادل نسبی کے ساتھ منافات نہیں رکھتی مثال کے طور پر ایک معاشرے میں ۵۰ ملین افراد ہیں، جن میں سے کل ۲۶ ملین عورتیں اور ۲۴ ملین مرد ہوں یہ دو ملین کا فرق بلکہ اس سے بھی کم کا ہو۔ لیکن یہ بات کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے کئی گنا زیادہ ہو کسی بھی معاشرے میں نہیں دیکھی گئی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas





سورۂ انسان (دہر)

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی

اور

اس کی ۳۱ آیات ہیں

تاریخ شروع

۷، ربیع الاوّل ۱۴۰۷ھ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ انسان (دہر) کے مضامین

یہ سورہ مختصر ہونے کے باوجود عمیق، متنوع اور جامع مضامین رکھتا ہے اور ایک لحاظ سے اسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلے حصہ میں: انسان کی آفرینش اور اس کی نطفۂ امشاج (ملے جلے) سے خلقت اور پھر اس کی ہدایت اور ارادہ کی آزادی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

دوسرے حصہ میں ابرار اور نیک افراد کے اجر و ثواب کے بارے میں گفتگو ہے، جو اہلِ بیت کے بارے میں ایک خاص شانِ نزول رکھتا ہے، جس کی طرف اشارہ ہوگا۔

تیسرے حصہ میں ان ثوابوں کے استحقاق کے دلائل کو مختصر اور موثر جملوں میں بیان کرتا ہے۔

چوتھے حصہ میں قرآن کی اہمیت، اور اس کے احکام کے اجراء کے طریقہ اور خود سازی کی نشیب و فراز سے بھری ہوئی راہ کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

اور پانچویں حصہ میں (انسان کے مختار ہونے کے باوجود) مشیت الٰہی کی حاکمیت کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے۔

اس سورہ کے متعدد نام ہیں جن میں سے زیادہ مشہور سورۂ انسان اور سورۂ "دہر" اور سورۂ "ہل اتیٰ" ہے، جن میں سے ہر ایک اس سورہ کے اوائل کے الفاظ سے لیا گیا ہے۔ اگرچہ ان روایات میں جو بعد میں اس سورہ کی فضیلت کے متعلق بیان ہوں گے، صرف "ہل اتیٰ" کا ذکر آیا ہے۔

کیا یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا ہے؟

اس بارے میں کہ سورہ "ہل اتیٰ" مدنی ہے یا مکی؟ مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، لیکن شیعہ علماء و مفسرین کا اجماع و اتفاق اس بات پر ہے کہ سارا کا سارا سورہ، یا کم از کم سورہ کے آغاز کی آیات کا وہ حصہ جو ابرار کے مقام اور ان کے اعمال صالح کو بیان کرتا ہے، وہ مدینہ میں نازل ہوا ہے، جس کا شانِ نزول، یعنی علیؑ، فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور فضہ کے نذر کرنے کی داستان تفصیل کے ساتھ بیان ہوگی اور اسی طرح سے علماءِ اہلِ سنت کے درمیان بھی مشہور اس کا مدینہ میں نزول ہی ہے جیسا کہ اہلِ سنت کے مشہور مفسر قرطبی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں۔

وقال الجمهور مدنية

"مشہور علماء کا نظریہ اور عقیدہ یہ ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا ہے"۔[1]

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد ۱۰، ص ۶۹۰۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان علماء میں سے جو اس ساری سورت کو یا اس کی آیات کے ایک حصّہ کو ـــــــــ جس کی طرف اوپر اشارہ ہوا ہے ـــــــــ مدنی سمجھتے ہیں، ذیل کے علماء کا نام لیا جا سکتا ہے۔

۱۔ حاکم ابوالقاسم حسکانی نے ابن عباس سے ان آیات کی تعداد جو مکّہ میں اور مدینہ میں نازل ہوئی ہیں، بالترتیب تفصیل کے ساتھ نقل کی ہیں اور اس سورہ کو مدنی سورتوں میں شمار کیا ہے جو سورۂ رحمٰن کے بعد اور سورۂ طلاق سے پہلے نازل ہوا ہے۔[1]

صاحب کتاب "ایضاح" استاد احمد زاہد نے بھی یہی معنی ابن عباس سے نقل کیا ہے۔[2]

۲۔ "تاریخ القرآن" میں ابو عبداللہ زنجانی نے کتاب "نظم الدرر وتناسق الآیات والسور" سے اہل سنت کے بزرگوں کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے سورۂ انسان کو مدنی سورتوں کی ردیف میں شمار کیا ہے۔[3]

۳۔ اور اسی کتاب میں "فہرست ابن ندیم" سے بھی ابن عباس ہی سے یہ نقل ہوا ہے کہ وہ سورہ ہل اتی کو گیارہویں مدنی سورت شمار کرتے ہیں۔[4]

۴۔ سیوطی نے "اتقان" میں بیہقی کی "دلائل النبوت" سے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ سورۂ ہل اتی مدینہ میں نازل ہوا ہے۔[5]

۵۔ "درالمنثور" میں بھی یہی مضمون ابن عباس سے مختلف طریقوں سے نقل ہوا ہے۔[6]

۶۔ زمخشری نے "تفسیر کشاف" میں اس سورہ کی ابتدائی آیات کا مشہور شانِ نزول علیؑ اور ان کی زوجہ محترمہ اور ان کے بچوں کی نذر کے بارے میں نقل کیا ہے۔[7]

۷۔ مذکورہ بالا افراد کے علاوہ اہل سنت کے دوسرے بہت سے علماء کی ایک کثیر جماعت نے اس سورہ کی ابتدائی آیات (ان الابرار ...) کا نزول علیؑ، فاطمہ زہراؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے بارے میں نقل کیا ہے، جو اس بات کی شہادت ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے (کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی ولادت مدینہ میں ہوئی ہے)۔ مثلاً واحدی نے "اسباب النزول" میں، بغوی نے "معالم التنزیل" میں، سبط ابن جوزی نے "تذکرہ" میں، گنجی شافعی نے "کفایۃ الطالب" میں، اور بہت سے دوسرے علماء نے۔[8]

یہ مسئلہ اس قدر مشہور و معروف ہے کہ (اہل سنت کے چار اماموں میں سے ایک) "محمد بن ادریس شافعی" اپنے مشہور اشعار میں کہتے ہیں:

الی م الی م و حتی متی ؟ اعاتب فی حب ھٰذا الفتی

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۰۵

[2] گزشتہ مدرک

[3] تاریخ القرآن ص ۵۵

[4] تاریخ القرآن

[5] تفسیر المیزان جلد ۲۰ ص ۲۲۱

[6] کشاف جلد ۴ ص ۶۷۰

[7] احقاق الحق جلد ۳ ص ۱۵۷ تا ۱۷۰ (کتابوں کے نام اور مصنفات کے ذکر کے ساتھ)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وھل زوجت فاطمۃ غیری؛ وفی غیری ھل اتی ہل اتی؛

یہ کب تک، کس وقت تک اور کس زمانہ تک:

مجھے اس جواں مرد کی محبت میں سوزش کرتے رہو گے

کیا فاطمہ کی اس کے علاوہ کسی اور سے شادی ہوئی ہے؟

اور کیا سورۂ ہل اتی اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں نازل ہوئی ہے [1]

اس سلسلہ میں اور بھی بہت سے مدرک موجود ہیں، جن کے ایک حصہ کی طرف ہم ان الابرار یشربون ...... والی آیات کا شانِ نزول بیان کرتے وقت اشارہ کریں گے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بعض متعصب افراد کا اصرار ہے کہ اس سورہ کو مکی کہیں اور مدینہ میں اس کے نزول کی تمام روایات کا اور اسی طرح اس سورہ کے علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ کے بارے میں نزول کا انکار کریں۔

واقعاً عجیب بات ہے کہ جب کوئی آیت یا روایت علیؑ اور اہل بیتؑ کے فضائل بیان کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے تو ایک گروہ داد و فریاد کرنے لگ جاتا ہے اور حد سے زیادہ حساسیت دکھانے لگتا ہے، گویا کہ اسلام خطرے میں پڑ گیا ہے۔

حالانکہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ علیؑ کو خلفاء راشدین اور اسلام کے عظیم پیشواؤں میں سے سمجھتے ہیں اور اہل بیت کے بارے میں بھی اظہار عقیدت کرتے ہیں۔ ہمارے نظریہ کے مطابق یہ تعصب اس گروہ کے اندر روح اموی کی حکومت کا نتیجہ ہے اور اسی شوم دشمنوں والے پروپیگنڈوں کی پیداوار ہے۔ خدا ہم سب کو اسی قسم کے اشتباہات سے محفوظ رکھے۔

سورۂ انسان (دہر) کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے آیا ہے:

من قرأ سورۃ "ھل اتی" کان جزاؤہ علی اللّٰہ جنۃ وحریرًا

"جو شخص سورۂ ہل اتی کو پڑھے گا اس کی جزا اور ثواب خدا پر جنت اور جنت کے ریشمی لباس ہیں" [2]

اور ایک حدیث میں امام باقرؑ سے آیا ہے:

"جو شخص ہر جمعرات کی صبح کو سورۂ ہل اتی پڑھے گا، اس کی جزاؤں میں سے ایک جزاء یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن پیغمبرؐ خدا کے ساتھ ہو گا" [3]

---

[1] گزشتہ مدرک ص ۱۰۰

[2][3] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۰۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝

۲۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝

۳۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝

۴۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝

ترجمہ

رحمٰن ورحیم خدا کے نام سے

۱۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ انسان پر ایک طویل زمانہ ایسا گزرا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر شے نہیں تھا؟

۲۔ ہم نے انسان کو ملے جُلے نطفہ سے پیدا کیا ہے، ہم اس کو آزمائیں گے (اس لیے) ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا قرار دیا ہے۔

۳۔ ہم نے اسے راستے کی نشاندہی کر دی ہے، اب چاہے وہ شاکر ہو جائے (اور قبول کرلے) یا کفران کرے۔

۴۔ ہم نے کفار کے لیے زنجیریں، طوق اور جلانے والے شعلے تیار کر رکھے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

ہم نے ناچیز نطفہ کو انسان بنا دیا، اور ہدایت کے تمام ذرائع اس کے اختیار میں دے دیئے

اس کے باوجود کہ اس سورہ کے زیادہ تر مباحث قیامت اور جنت کی نعمتوں کے بارے میں ہیں، لیکن اس کی ابتداء میں گفتگو انسان کی خلقت کے بارے میں ہے، کیونکہ اس زمینہ ساز خلقت کی طرف توجہ کرنا قیامت و معاد کی طرف توجہ کرنا ہے۔ جیسا کہ ہم سورہ قیامت کی تفسیر میں اس سے چند صفحہ پہلے تشریح کر چکے ہیں۔

فرماتا ہے: "کیا ایسا نہیں ہے کہ انسان پر ایک طویل زمانہ ایسا گزرا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا" (ھل اتٰی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئًا مذکورًا)۔

ہاں! اس کے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ کسی گوشہ میں بکھرا پڑا تھا۔ مٹی کے درمیان، دریاؤں اور سمندروں کے پانی کے قطروں میں، اس ہوا میں جو زمین کی فضا میں موجود ہے، اس کے وجود کا اصلی مواد ہر ایک ان تینوں وسیع محیطوں کے کسی ایک گوشہ میں پڑا ہوا تھا، اور وہ حقیقت میں ان کے درمیان گم شدہ اور بالکل قابلِ ذکر نہیں تھا۔

کیا یہاں "انسان" سے مراد نوعِ انسانی ہے، اور یہ تمام افرادِ بشر کو شامل ہے؟ یا اس سے خاص طور پر [illegible] مراد ہیں؟

بعد والی آیت جو یہ کہتی ہے کہ ہم نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا ہے، وہ پہلے معنی پر ایک واضح اور روشن قرینہ ہے، اگرچہ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ "انسان" پہلی آیت میں حضرت آدمؑ کے معنی میں ہے اور دوسری آیت میں اولادِ آدم کی طرف اشارہ ہے لیکن اس مختصر سے فاصلہ میں یہ جدائی بعید نظر آتی ہے۔

"لم یکن شیئًا مذکورًا" (کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا) کے جملہ کی تفسیر میں اور دوسرے ذکر بھی کیے گئے ہیں۔ کہ جن میں سے ایک یہ ہے کہ: انسان جب عالم نطفہ میں تھا اور جنین تھا تو وہ کوئی قابلِ ذکر وجود نہیں تھا، لیکن جب اس نے تکامل و ارتقاء کے مراحل طے کر لیے تو وہ ایک قابلِ ذکر وجود میں تبدیل ہو گیا۔

ایک حدیث میں امام باقرؑ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"انسان" "علم خدا میں" مذکور تھا، اگرچہ "عالم خلق" میں مذکور نہیں تھا"۔[1]

بعض تفاسیر میں یہ بھی آیا ہے کہ یہاں "انسان" سے مراد علماء اور دانش مند ہیں، جو علم کے حاصل کرنے سے پہلے قابلِ ذکر نہیں تھے لیکن علم حاصل کرنے کے بعد، زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی، تمام لوگوں کے درمیان ہر جگہ ان کا ذکر ہوتا ہے۔

بعض نے یہ نقل کیا ہے کہ "عمر بن خطاب" نے کسی سے یہ آیت سنی تو کہا: اے کاش! آدم اسی طرح سے غیر مذکور رہتا اور ہمارے ...

---

[1] مجمع البیان۔ جلد ۱۰ ص ۴۰۶

[2] ایضاً

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

پیدا ہی نہ ہوا ہوتا اور اس کی اولاد امتحان میں مبتلا نہ ہوتی۔[1]

یہ بات حیرت انگیز ہے چونکہ یہ تو مسئلہ آفرینش و خلقت پر ایک اعتراض ہے۔

بہر حال اس مرحلے کے بعد انسان کی خلقت اور اس کے قابلِ ذکر موجود ہونے کی بات ہے۔ مزید فرماتا ہے: "ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفے سے پیدا کیا ہے اور ہم اس کو آزمائیں گے لہٰذا ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا ہے" (انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعا بصيرا)۔

"امشاج" "مشج" (بروزن نسج یا بروزن سبب) کی جمع ہے یا "مشیج" (بروزن مریض) کی جمع ہے، جو مخلوط اور ملی جلی چیز کے معنی میں ہے۔

"نطفہ مخلوط" سے انسان کی خلقت ممکن ہے کہ عورت اور مرد کے نطفے کے مشتملات "اسپرم" اور "اووول" کی ترکیب کی طرف اشارہ ہو، جیسا کہ روایات اہل بیت میں اجمالی طور پر اس کی طرف اشارہ ہوا ہے، یا ان مختلف استعدادوں کی طرف اشارہ ہے جو عامل وراثت کے لحاظ سے، کہ جو اجداد اور اسلاف کے مانند دوسری چیزوں کے طریق سے نطفے کے اندر پائی جاتی ہیں، یا نطفے کی ترکیب میں مختلف مواد کے اختلاط کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ بہت سے مختلف اجزاء سے تشکیل پاتا ہے یا ان سب کا ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط، آخری معنی سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ مناسب ہے۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ امشاج، جنینی دور میں نطفے کی مختلف حالتوں میں تبدیلیوں کی طرف اشارہ ہے۔[2]

"نبتليه" کا جملہ انسان کے "تکلیف و ذمہ داری" "تعہد و مسئولیت" اور آزمائش و امتحان کے مقام تک پہنچنے کی طرف اشارہ ہے اور یہ خدا کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے، جو اس نے انسان کو ودیعت فرمائی ہے اور اسے "تکلیف، ذمہ داری اور مسئولیت" کے لیے شائستہ اور اہل قرار دیا ہے۔

اور چونکہ آزمائش اور تکلیف "آگاہی اور علم" کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس لیے آیت کے آخر میں شناخت اور معرفت کے آلات، آنکھ اور کان کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اس نے انسانوں کے اختیار میں دے دیے ہیں۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں ابتلاء و آزمائش سے مراد وہ تبدیلیاں ہیں، جو جنین کو نطفے کے مرحلے سے لے کر ایک مکمل انسان تک پہنچنے کے لیے پیش آتی ہیں۔ لیکن "نبتليه" کی تعبیر اور اسی طرح "انسان" کی تعبیر کی طرف توجہ کرنے سے پہلی تفسیر ہی زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

ضمنی طور پر اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے تمام ادراکات کی اصل اور بنیاد اس کے حسی ادراکات ہوتے ہیں اور دوسرے لفظوں میں

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۰۶

[2] اس بات پر توجہ رکھنا چاہیے کہ نطفے کے مفرد ہونے کے باوجود اس کی صفت "امشاج" جمع کی صورت میں آئی ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ نطفہ مختلف اجزاء سے تشکیل پاتا ہے اور جمع کے حکم میں ہے اور بعض مفسرین مثلاً "زمخشری" نے "کشاف" میں کہا ہے کہ امشاج مفرد ہے اگرچہ جمع کے وزن پر ہے۔

Presented by: Rana Jabir Abbas
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جیسا کمالات تمام "معقولات" کی "ماں" ہوتے ہیں، اور بہت سے اسلامی فلاسفہ کا یہی نظریہ ہے، اور فلاسفہ یونان میں "ارسطو" بھی اسی نظریہ کا طرفدار تھا۔

چونکہ انسان کی تکلیف و ذمہ داری اور آزمائش، علم و آگاہی اور آلات شناخت کے علاوہ دو اور عوامل کی محتاج ہے، یعنی مسئلہ "ہدایت" و "اختیار" اس لیے بعد والی آیت میں ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: "ہم نے اسے راستہ کی نشاندہی کر دی ہے، اب چاہے وہ شاکر ہو جائے اور اسے قبول کرے، یا کفران کرکے قبول نہ کرنے والا بن جائے" (انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا واما کفورا)[1]۔

"ھدایت" یہاں ایک وسیع و عریض معنی رکھتا ہے جو "ہدایت تکوینی" کو بھی شامل ہے اور "ہدایت فطری" اور "ہدایت تشریعی" کو بھی اگرچہ آیت کا سیاق زیادہ تر ہدایت تشریعی کی طرف ہے۔

اس کی "وضاحت" اس طرح ہے کہ چونکہ خدا نے انسان کو ابتلاء و آزمائش اور تکامل و ارتقاء کے مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اس مقصد تک پہنچنے کے مقدمات تو اس نے اس کے وجود میں پیدا کیے ہیں اور اسے عضوی قوتیں بخشی ہیں۔ اور اسی کو ہدایت تکوینی کہتے ہیں، اس کے بعد اس کی خلقت کی گہرائیوں میں اس راستہ کو طے کرنے کا عشق پیدا کر دیا اور فطری الہامات کے طریق سے اسے راستہ کی نشاندہی کر دی، لہٰذا اس لحاظ سے اسے "فطری" ہدایت بھی کر دی اور دوسری طرف سے آسمانی رہبر اور بزرگ انبیاء روشن اور واضح تعلیمات اور قوانین کے ساتھ راستہ دکھانے کی لیے مبعوث کیے اور ان کے ذریعہ "ہدایت تشریعی" فرمائی۔ البتہ ہدایت کے یہ تینوں شعبے عمومی پہلو رکھتے ہیں، اور تمام انسانوں کو شامل ہیں۔

مجموعی طور پر یہ آیت انسانی زندگی میں تین اہم اور سرنوشت ساز مسائل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

"مسئلہ تکلیف" و "مسئلہ ہدایت" اور "مسئلہ آزادی ارادہ و اختیار" جو ایک دوسرے کے لازم و ملزوم اور ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔

ضمنی طور پر "انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا" کا جملہ مکتب جبر پر خط بطلان کھینچتا ہے۔

"شاکرا" اور "کفورا" کی تعبیر وہ مناسب ترین تعبیر ہے جو یہاں ممکن ہو سکتی ہے، کیونکہ جن لوگوں نے خدائی ہدایت جیسی عظیم نعمت کو قبول کرتے ہوئے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور راہ ہدایت پر چل پڑے تو وہ اس نعمت کا شکر بجا لائے اور جنہوں نے مخالفت کی انھوں نے کفران کیا۔

اور چونکہ ہاتھ اور زبان سے کوئی شخص بھی اس کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا شکر کے بارے میں اسم فاعل کی تعبیر لایا ہے، جبکہ کفران کے بارے میں "کفور" (مبالغہ کا صیغہ) آیا ہے کیونکہ وہ لوگ جو اس نعمت کو نظر انداز کر دیتے ہیں وہ سب سے بڑے

---

[1] بہت سے مفسرین کے نظریہ کے مطابق "شاکرا" اور "کفورا" "ھدیناہ" کے مفعول کی ضمیر سے حال ہے یہ احتمال بھی ہے کہ یہ "یکون" محذوف کی خبر ہو اور تقدیر میں اس طرح ہو (اما یکون شاکرا واما یکون کفورا)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کفران کا ارتکاب کرتے ہیں، کیونکہ خدا نے انواع و اقسام کے وسائل ہدایت ان کے اختیار میں دے رکھے ہیں اور یہ انتہائی کفران ہے کہ انھیں نظر انداز کر کے خطا اور غلطی کی راہ پر چل پڑیں۔

ضمنی طور پر اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے کہ "کفور" ایک ایسا لفظ ہے جو کفرانِ نعمت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور کفر اعتقادی کے بارے میں بھی (جیسا کہ راغب نے مفردات میں بیان کیا ہے)۔

آخری زیر بحث آیت میں، ان لوگوں کی سرنوشت کی طرف جو کفر و کفران کا راستہ طے کرتے ہیں، ایک مختصر اور پر معنی اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ہم نے کفار کے لیے زنجیریں طوق اور جلانے والے شعلے تیار کر رکھے ہیں" (انا اعتدنا للکافرین سلاسلاْ و اغلالاً و سعیراً)۔

"اعتدنا" (ہم نے تیار کر رکھا ہے) کی تعبیر اس گروہ کی سزا کے حتمی و یقینی ہونے کے مسئلہ پر ایک تاکید ہے یہ ٹھیک ہے کہ پہلے سے تیار کر رکھنا، ایسے لوگوں کا کام ہے جو محدود توانائی رکھتے ہوں اور انھیں یہ احتمال ہو کہ ضرورت کے وقت توانائی پیدا نہ کر سکیں گے لیکن یہ مفہوم خدا کے بارے میں کوئی معنی نہیں رکھتا، کیونکہ خدا تو جس چیز کا ارادہ کرے وہ "کن" کے فرمان سے فوراً موجود ہو جاتی ہے اس کے باوجود کافروں کی سزا کے قطعی ہونے کے بیان کے لیے اعلان کرتا ہے کہ ان کی سزا کے وسائل ابھی سے آمادہ و تیار ہیں۔

"سلاسل" جمع ہے سلسلہ کی، جو زنجیر کے معنی میں ہے اور "اغلال" جمع ہے "غل" کی جو اس حلقہ (طوق) کے معنی میں ہے جسے گردن یا ہاتھوں میں ڈال دیتے ہیں، اس کے بعد اسے زنجیر سے باندھ دیتے ہیں[1]

بہر حال غل و زنجیر کا ذکر اور اس کے بعد آگ کے جلانے والے شعلوں کا ذکر، اس گروہ کی بہت بڑی سزا کو بیان کرتے ہیں جس کی طرف قرآن کی دوسری آیات میں بھی اشارہ ہوا ہے، اور اس میں "عذاب" اور "اسارت" دونوں جمع ہیں۔

یہاں کی شہوات میں آزادی ان کے لیے وہاں کی اسارت کا سبب بن جائے گی اور وہ آگ جو انھوں نے اس دنیا میں بھڑکائی ہے وہ وہاں جسم اختیار کرے گی اور وہ ان کے دامن گیر ہو جائے گی۔

ایک نکتہ

جنین کا پُر شور عالم

ہم جانتے ہیں کہ انسان کا نطفہ، مرد اور عورت کے نطفہ سے ——— جن میں سے پہلا "اسپر" یا (جرثومہ) اور دوسرا "اوول" یا (بیضہ) کہلاتا ہے ——— مل کر بنتا ہے۔

"نطفہ" کا اصل وجود، اور اس کے بعد اس کی ترکیب، اور پھر جنین کے مختلف مراحل، عالم آفرینش کے عظیم عجائبات میں سے ہیں، جس کے اسرار سے "جنین شناسی" کے علم کی پیش رفت کے باعث پردہ ہٹ چکا ہے۔ اگرچہ بہت سے اسرار

---

[1] "اغلال" کے معنی کی مزید وضاحت سورہ یٰس کی آیہ ۸ کے ذیل میں جلد ۱۰ -

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابھی تک پردۂ اخفاء میں ہیں۔

مذکورہ عجائبات میں سے، جو ایک چھوٹے سے گوشہ کو تشکیل دیتے ہیں، ذیل کے امور ہیں۔

۱۔ "سپرم" جو مرد کے نطفہ کے پانی کے ساتھ خارج ہوتا ہے، ایک بہت ہی چھوٹا سا موجود یعنی زندہ و متحرک موجود ہے، جو ایک سر گردن اور متحرک دم کا حامل ہوتا ہے، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ مرد کے ہر انزال میں دو سو سے پانچ سو ملین تک اسپرم موجود ہو سکتے ہیں جو کئی ملکوں کی لوگوں کی تعداد کے برابر ہوتے ہیں۔ لیکن اس بے شمار تعداد میں سے صرف ایک یا چند عدد بیضہ میں داخل ہوتے ہیں، اور وہ بارور ہو جاتا ہے۔ مرد کے نطفہ کی اس تعداد کے وجود کی وجہ یہ ہے کہ سپرموں کے بیضوں تک پہنچنے اور اس سے ترکیب پانے کے لیے، بہت زیادہ تلف ہو جاتے ہیں اور اگر یہ اتنی بڑی تعداد نہ ہوتی تو شاید بارآور ہونے کا معاملہ مشکل ہو جاتا۔

۲۔ رحم حاملہ ہونے سے پہلے صرف ایک اخروٹ کے برابر ہوتا ہے، لیکن نطفہ کے انعقاد، اور جنین کی پرورش کے بعد اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ وہ کافی جگہ کو گھیر لیتا ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کی دیوار اپنی پہلی حالت پر آجانے کی اتنی قابلیت رکھتی ہے کہ اس عظیم حجم کا بخوبی مقابلہ کر سکتی ہے۔

۳۔ رحم کی دیوار کی رگوں میں خون نہیں ہوتا، بلکہ وہ عضلات کے اندر پرنالے کی صورت میں جاری ہوتا ہے، کیونکہ اگر اس میں کوئی رگ ہوتی تو یقینی طور پر رحم کی دیوار کی حد سے زیادہ کشش کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکتی۔

۴۔ بعض ماہرین کا نظریہ یہ ہے کہ عورت کا نطفہ "مثبت برقی بار" کا حامل ہوتا ہے اور "سپرم" "منفی برقی بار" رکھتا ہے، لہٰذا وہ ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہیں، اور اسی بناء پر دوسرے "سپرم" جو اس کے اطراف میں ہوتے ہیں، پیچھے دھکیل دیئے جاتے ہیں، اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ "سپرم" کے داخل ہونے کے ساتھ ہی اس سے مخصوص کیمیائی مادہ نکلتا ہے جو باقی تمام سپرموں کو دور دھکیل دیتا ہے۔

۵۔ جنین ایک بڑے تھیلے کے اندر ایک گاڑھے قسم کے پانی میں ـــــــ جسے "آمنی یوس" کہا جاتا ہے، غوطہ ور ہوتا ہے، جو ماں کی طرح طرح کی تند و تیز حرکات، یا شکم کے اوپر کسی چیز کے لگنے کے مقابلہ میں ضد ضرب کی خاصیت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں جنین کو ایک خاص حد تک گرم رکھنے کی صورت میں حفاظت کرتا ہے اور بیرونی حرارت میں تبدیلیاں اس میں جلدی سے اثر نہیں کرتیں، اور سب سے زیادہ عمدہ اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اسے بے وزنی کی حالت میں قرار دے دیتا ہے؛ اور جنین کے مختلف اعضاء کو، ایک دوسرے پر دباؤ ڈالنے سے ـــــــ جو بعض نقصانات کا سبب بن سکتے ہیں ـــــــ روکتا ہے۔

۶۔ جنین کی خوراک اور غذا "جفت" (آنول) "بند ناف" کے راستہ سے صورت پذیر ہوتی ہے۔ یعنی ماں کا خون تمام غذائی مواد اور آکسیجن کے ساتھ آنول نال میں داخل ہو جاتا ہے اور نئے سرے سے صاف ہو کر بند ناف کی راہ سے جنین کے دل میں داخل ہو جاتا ہے، اور وہاں سے تمام اعضائے بدن میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ دل کا دایاں اور بایاں بطن ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ چونکہ وہاں خون کے صاف ہونے کا سلسلہ پھیپھڑے کے ذریعہ نہیں ہوتا، کیونکہ جنین سانس نہیں لیتا، لیکن پیدا ہونے کے ساتھ ہی بطن کے دونوں غار (گڑھے) ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں: اور آلاتِ تنفس اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔[1]

---

[1] اس بحث میں کتاب "اولین دانشگاہ و آخرین پیامبر" کی جلد اوّل اور دوسری کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۵۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۚ

۶۔ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝

۷۔ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝

۸۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝

۹۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝

۱۰۔ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝

۱۱۔ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۚ

ترجمہ

۵۔ ابرار (نیک لوگ) ایسے پیالے سے پئیں گے، جس میں عمدہ عطر کی آمیزش ہوگی۔

۶۔ وہ ایسا چشمہ ہوگا جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے اور وہ اسے جہاں چاہیں گے جاری کرلیں گے۔

۷۔ وہ اپنی نذر کو پورا کرتے ہیں، اور اس دن سے کہ جس کا عذاب وسیع ہوگا، ڈرتے رہتے ہیں۔

۸۔ اور "اپنا" کھانا، اس کی خواہش اور احتیاج رکھنے کے باوجود، مسکین ویتیم واسیر کو دے دیتے ہیں۔

۹۔ (اور وہ یہ کہتے ہیں:) ہم تو تمھیں خدا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں، اور ہم تم سے نہ تو کسی قسم کا کوئی اجر مانگتے ہیں اور نہ ہی ہم تم سے کسی شکریہ کے طلبگار ہیں۔

۱۰۔ ہم تو اپنے پروردگار سے اس دن سے ڈرتے ہیں جو بہت ہی سخت اور شدید ہوگا۔

۱۱۔ اسی وجہ سے خدا انھیں اس دن کے شر سے بچالے گا اور ان کا اس حال میں استقبال کرے گا کہ وہ شاداں اور مسرور ہوں گے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شانِ نزول

اہلِ بیتِ پیغمبرؐ کی فضیلت پر ایک عظیم سند

ابن عباس کہتے ہیں کہ حسنؑ و حسینؑ بیمار ہوئے تو پیغمبرؐ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی عیادت کے لیے آئے اور علیؑ سے کہا اے ابوالحسن بہتر یہ ہے کہ تم اپنے بچوں کی شفا کے لیے نذر مانو، تو علیؑ اور فاطمہؑ اور فضہ نے ـــــــ جو ان کی خادمہ تھیں، نذر مانی، کہ اگر انہوں نے شفا پائی تو وہ تین دن روزہ رکھیں گے۔ (بعض روایات کے مطابق حسنؑ و حسینؑ نے بھی کہا کہ ہم بھی نذر مانتے ہیں کہ ہم بھی روزہ رکھیں گے) زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ دونوں شفا یاب ہو گئے لیکن حالت یہ تھی کہ ان کے پاس کھانے کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔ علیؑ نے تین صاع جو قرض لیے اور فاطمہؑ نے اس میں سے ایک تہائی کا آٹا پیسا اور روٹیاں پکائیں، ایک سائل گھر کے دروازے پر آیا اور اس نے کہا:

السلام علیکم اہلِ بیت محمدؐ! اے اہلِ بیتِ محمدؐ تم پر سلام ہو! میں ایک مسلمان فقیر و مسکین ہوں، مجھے کھانا دو، خدا تمھیں بہشتی کھانے دے، ان سب نے مسکین کو اپنے اوپر ترجیح دی اور اپنا اپنا حصہ اس کو دے دیا اور اس رات انھوں نے صرف پانی سے افطار کیا۔

دوسرے دن اسی طرح روزہ رکھا اور افطار کے وقت جب (اسی نانِ جویں کا) کھانا تیار ہو گیا تو ایک یتیم گھر کے دروازے پر آیا، تو اس دن بھی ایثار کیا اور اپنا کھانا اسے دے دیا (دوبارہ پھر پانی سے ہی افطار کیا اور تیسرا روزہ بھی رکھا)۔

تیسرے دن غروبِ آفتاب کے وقت ایک اسیر (قیدی) گھر کے دروازے پر آیا، پھر سب نے اپنے اپنے کھانے کا حصہ اسے دے دیا، جب صبح ہوئی تو علیؑ نے حسنؑ و حسینؑ کا ہاتھ پکڑا اور پیغمبرؐ کی خدمت میں آئے، جب پیغمبرؐ نے مشاہدہ کیا تو دیکھا کہ وہ بھوک کی شدت سے کانپ رہے تھے، آپ نے فرمایا، تمھاری یہ حالت جو میں دیکھ رہا ہوں میرے لیے بہت ہی گراں ہے۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے اور ان کے ساتھ چل پڑے جب آپ فاطمہؑ کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ محرابِ عبادت میں کھڑی ہیں اور بھوک کی شدت سے ان کا پیٹ پشت سے لگ گیا ہے اور آنکھیں دھنسی ہوئی ہیں، پیغمبرؐ کو سخت دکھ ہوا۔

اسی وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا اے محمدؐ! یہ سورہ لیجیے، خدا ایسے اہلِ بیت کے لیے آپ کو مبارک باد دیتا ہے۔ اس کے بعد سورہ "ہل اتیٰ" کی تلاوت کی، (بعض نے کہا ہے کہ آیہ "ان الابرار" سے لے کر "کان سعیکم مشکورًا" کی آیت تک، جو مجموعی طور پر اٹھارہ آیات ہیں اسی موقع پر نازل ہوئی ہیں)۔

ہم نے جو کچھ اوپر بیان کیا ہے، یہ اس حدیث کی نص ہے جو کتاب "الغدیر" میں اسی سلسلہ کی بہت سی روایات میں قدرِ مشترک کے عنوان سے، تھوڑے سے اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور اسی کتاب میں اہلِ سنت کے مشہور علماء میں سے ۳۴ افراد کے نام لکھے ہیں، جنھوں نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے (کتاب کے نام اور اس کے صفحہ کے ذکر کے ساتھ)۔

اس طرح سے اوپر والی روایت ان روایات میں سے ہے جو اہلِ سنت میں مشہور بلکہ متواتر ہے[1]

---

[1] "الغدیر" جلد ۳ ص ۱۰۷ تا ۱۱۱، اور کتاب "احقاق الحق" جلد ۳ ص ۱۵۷ تا ۱۷۱، میں اوپر والی حدیث اہلِ سنت کے ۳۶ علماء سے مآخذ کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باقی رہے شیعہ علماء تو وہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ اٹھارہ آیات، یا یہ سارے کا سارا سورہ، اوپر والے واقعہ میں نازل ہوا ہے اور سب نے بلا استثناء، تفسیر یا حدیث کی کتابوں میں، اس واقعہ سے مربوط روایت کو، علیؑ وفاطمہؑ اور ان کے بیٹوں کے افتخارات اور اہم فضائل میں سے ایک کے عنوان سے نقل کیا ہے۔

یہاں تک کہ ـــــــ جیسا کہ ہم نے سورہ کے آغاز میں بیان کیا تھا ـــــــ یہ مطلب اتنا مشہور و معروف ہے کہ شعراء کے اشعار اور حتیٰ کہ "امام شافعی" کے مشہور اشعار میں آیا ہے۔

یہاں بہانہ جوئی کرنے والے لوگوں نے ـــــــ جو علیؑ کے فضائل تک پہنچتے ہی حد سے زیادہ حساس ہو جاتے ہیں ـــــــ اس شانِ نزول کے سلسلہ میں انتہائی محنت کے ساتھ اعتراض گھڑ رکھے ہیں اور بہت زیادہ نکتہ چینیاں کی ہیں، منجملہ ان کے یہ ہیں۔

۱۔ یہ سورہ "مکی" ہے، جبکہ شانِ نزول کی داستان امام حسینؑ اور امام حسنؑ کی ولادت کے بعد سے مربوط ہے، جو یقینی طور پر مدینہ میں ہوئی ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے اس سورہ کے آغاز میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ہمارے پاس ایسے واضح اور روشن دلائل موجود ہیں، جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ سارے کا سارا سورہ "ہل اتیٰ" یا کم از کم اس کی اٹھارہ آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔

۲۔ آیت کے الفاظ عام ہیں، انہیں معین افراد کے ساتھ کس طرح تخصیص دی جا سکتی ہے۔

لیکن یہ بات کسے نہیں واضح ہے کہ آیت کے مفہوم کا عام ہونا، اس کے خاص محل میں نازل ہونے کے ساتھ منافات نہیں رکھتا، قرآن کی بہت سی آیات عام اور وسیع مفہوم رکھتی ہیں، لیکن اس کی شانِ نزول جو اس کا کامل اور اعلیٰ مصداق ہے۔ وہ ایک خاص محل کے لیے ہوتا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ کوئی شخص آیت کے مفہوم کو شانِ نزول کی نفی پر دلیل قرار دے۔

۳۔ بعض نے کچھ اور دوسرے شانِ نزول نقل کیے ہیں جو اوپر والے شانِ نزول کے ساتھ سازگار نہیں ہیں، منجملہ ان کے "سیوطی" نے "درالمنثور" میں یہ نقل کیا ہے کہ ایک سیاہ فام آدمی پیغمبر کی خدمت میں آیا، اور اس نے "تسبیح" و "تہلیل" کے بارے میں سوال کیا۔ تو عمر نے کہا بس کرو۔ رسولِ خدا نے زیادہ سوالات نہ کرو، پیغمبر نے فرمایا: اے عمر خاموش رہو، تو اس موقع پر "سورہ ہل اتیٰ" پیغمبر پر نازل ہوئی[1]

ایک اور دوسری حدیث میں اسی کتاب میں آیا ہے کہ حبشہ کا ایک شخص رسولِ خدا کی خدمت میں آیا، وہ آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا تھا۔ پیغمبر نے فرمایا، کہ سوال کرو اور اس کا جواب لو، اس نے عرض کیا: اے رسولِ خدا آپ کا گروہ رنگ، صورت اور نبوت کے لحاظ سے ہم پر برتری رکھتا ہے، لیکن اگر میں اس چیز پر ایمان لے آؤں جس پر آپ ایمان لائے ہیں اور جو عمل آپ کرتے ہیں میں بھی وہ عمل کروں، تو کیا میں جنت میں آپ کے ساتھ ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جنت میں سیاہ رنگ والوں کی سفیدی ہزار سال کی راہ سے نظر آئے گی اور پھر پیغمبر نے لا الٰہ الا اللہ اور سبحان اللہ وبحمدہ کہنے کے لیے بہت سے اہم ثواب بیان فرمائے اور اس موقع پر سورہ "ہل اتیٰ" نازل ہوئی[2]

---

[1] "درالمنثور" جلد ۶ ص ۲۹۷

[2] گزشتہ ماخذ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ روایات تقریباً کسی قسم کی مناسبت، سورۃ "ہل اتی" کی آیات کے مضمون کے ساتھ نہیں رکھتیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ شانِ نزول کو پامال کرنے کے لیے، بنی امیہ کے کارندوں یا ان ہی جیسے لوگوں کی طرف سے گھڑی گئی ہے۔

۴۔ ایک اور بہانہ جو ممکن ہے بیان پیش کیا جائے، یہ ہے کہ انسان تین دن تک کس طرح سے بھوکا رہ سکتا ہے کہ صرف پانی پر ہی افطار کرے؟

لیکن یہ ایک عجیب اعتراض ہے، کیونکہ ہم نے خود کئی ایسے افراد کو دیکھا ہے کہ انھوں نے بعض طبی علاجوں کے لیے ـــــ تین دن تو بہت ہی آسان ہیں ـــــ مشہور "چالیس دن" کا چلّہ کاٹا ہے، یعنی مکمل چالیس دن تک صرف پانی پیا ہے اور بالکل کوئی کھانا نہیں کھایا اور یہی چیز ان کو بہت سی بیماریوں کی شفاء کا باعث بن گئی۔ یہاں تک کہ ایک غیر مسلم مشہور طبیب "الکسی سوفورین" نے ایک کتاب اس قسم کے صبر کرنے سے علاج کے اہم اثرات کے سلسلہ میں، اس کے دقیق پروگرام کے ذکر کے ساتھ لکھی ہے[1]

یہاں تک کہ اگر آپ تعجب نہ کریں تو تفسیر نمونہ کے بعض ہم کاروں نے یہ چلّہ ۴۲ دن تک عملاً انجام دیا ہے۔

۵۔ بعض دوسرے افراد اس بناء پر کہ آسانی کے ساتھ اس فضیلت کے قریب سے گزر جائیں، ایک اور طریقہ سے وارد ہوئے ہیں مثلاً "آلوسی" کہتا ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ سورہ علیؑ و فاطمہؑ کے بارے میں نازل نہیں ہوا تو ان کی قدر و منزلت میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کا "ابرار" کے عنوان میں داخل ہونا ایک واضح و آشکار مطلب ہے، جسے ہر شخص جانتا ہے، اس کے بعد ان کے بعض فضائل پیش کر کے کہتا ہے، ان دو بزرگ ہستیوں کے بارے میں انسان کیا کہہ سکتا ہے، سوائے اس کے کہ علیؑ مومنین کے مولا اور پیغمبرؐ کے وصی ہیں، اور فاطمہ پیغمبر کے بدن کا حصہ اور وجودِ محمدیؐ کا جزء ہیں اور حسنینؑ روح و ریحان اور جوانانِ جنت کے سردار ہیں، لیکن اس بات کا مفہوم دوسروں کو چھوڑ دینا اور انہیں ترک کرنا نہیں ہے، بلکہ جو شخص اس راستہ کے علاوہ کوئی اور راہ اختیار کرے وہ گمراہ ہے[2]

لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر بنا یہ ہو کہ اس فضیلت کو باوجود اس شہرت کے نظر انداز کر دیں تو باقی فضائل بھی آہستہ آہستہ اس قسم کی سرنوشت سے دوچار ہو جائیں گے اور ایک دن ایسا آ جائے گا کہ بعض لوگ علیؑ اور خاتونِ اسلام اور حسنین علیہما السلام کی اصل فضیلت کا ہی انکار کر دیں گے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ بعض روایات میں خود علیؑ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے متعدد موارد میں، ان آیات کے اپنے اور اپنے شہزادوں کے بارے میں نزول سے مخالفین کے مقابلہ میں استدلال کیا ہے[3]

یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ "اسیر" عام طور پر "مدینہ" میں ہی موجود تھے اور مکہ میں اس بناء پر کہ ابھی اسلامی جنگیں شروع ہی نہیں ہوئی تھیں، لہٰذا کسی اسیر کا وجود ہی نہیں تھا، اور یہ اس سورۃ کے مدنی ہونے کی ایک اور گواہی ہے۔

---

[1] یہ کتاب "روزہ۔ روش نوین برائے درمان بیماریہا" کے نام سے فارسی میں ترجمہ و نشر ہو چکی ہے۔

[2] "روح المعانی" جلد ۲۹ ص ۱۰۸

[3] "احتجاج طبرسی" و "خصال صدوق" (مطابق نقل المیزان جلد ۲۰ ص ۲۲۴)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آخری نکتہ کہ جس کا ذکر کرنا ہم یہاں ضروری سمجھتے ہیں یہ ہے کہ علماءِ اسلام کی ایک جماعت کے قول کے مطابق جن میں اہلِ سنت کے مشہور مفسر "آلوسی" بھی ہیں، اس سورہ میں جنت کی بہت سی نعمتوں کو شمار کیا گیا ہے۔ لیکن حورالعین کے بارے میں ——— جنہیں عام طور پر قرآن مجید میں جنت کی نعمتوں کو شمار کرتے وقت بیان کیا جاتا ہے ——— بالکل گفتگو نہیں کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ امر اس بناء پر ہو کہ چونکہ اس سورہ کا نزول فاطمہ زہراؑ، ان کے شوہر نامدار اور ان کے فرزندانِ عالی قدر کے بارے میں ہے، لہٰذا بانوئے اسلام کے احترام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے "حور" کا کوئی ذکر درمیان میں نہیں آیا ہے۔[1]

اگرچہ ہماری بحث اس شانِ نزول کے سلسلہ میں طویل ہو گئی ہے، لیکن بہانہ گھڑنے والے لوگوں کی اعتراض تراشیوں کے مقابلہ میں اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

تفسیر

ابرار کے لیے عظیم اجر

گزشتہ آیات میں، انسانوں کو دو گروہوں "شکور" و "کفور" یا "شکر گزار" اور "کفران کرنے والوں" میں تقسیم کرنے کے بعد، کفران کرنے والوں کے لیے سخت سزا اور عذاب کا ایک مختصر سا اشارہ ہوا تھا۔ زیرِ بحث آیات میں شکر کرنے والوں اور ابرار (نیک و پاک) لوگوں کی جزا کو بیان کرتا ہے، اور اس سلسلہ میں بہت ہی عمدہ نکات پیش کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "نیک لوگ ایسے جام سے نوش کریں گے، جس میں بہت ہی اچھے عطر کی آمیزش ہو گی" (انّ الابرار یشربون من کأس کان مزاجھا کافوراً)۔

"ابرار" جمع ہے "بر" (بروزن رب) کی جو اصل میں وسعت اور پھیلاؤ کے معنی میں ہے اور اسی بناء پر وسیع و عریض صحراؤں کو "بر" کہتے ہیں اور چونکہ نیکو کار افراد کے اعمال معاشرے کی سطح پر وسیع نتائج رکھتے ہیں، لہٰذا اس لفظ کا ان پر اطلاق ہوتا ہے اور "بر" (باء کی زیر کے ساتھ) "نیکوکاری" کے معنی میں ہے، بعض نے کہا ہے کہ اس کے اور "خیر" کے درمیان یہ فرق ہے کہ "بر" اس نیکی کے معنی میں ہے جو توجہ کے ساتھ ملی ہوئی ہو، جبکہ خیر اس سے عام معنی رکھتا ہے۔

"کافور" کے لغت میں متعدد معنی ہیں، اس کے مشہور معانی میں سے ایک اچھی خوشبو جیسا کسی طرح سے ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے اور اس کے معانی میں سے ایک وہی عام "کافور" ہے جس کی بو تیز ہوتی ہے اور طبی مصارف کے لیے، منجملہ ان کے متعفن کے توڑ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

بہرحال اوپر والی آیت بتاتی ہے کہ جنت کی یہ شراب طہور بہت ہی معطر اور خوشبودار ہے، جس سے قوتِ ذائقہ بھی لذت

---

[1] روح المعانی جلد ۲۹ ص ۱۵۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حاصل کرتی ہے اور قوتِ شامہ بھی۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ "کافور" جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے، لیکن یہ تفسیر "کان مزاجها کافورًا" کی تعبیر کے ساتھ جو یہ کہتی ہے کہ کافور کی اس میں آمیزش ہوگی، سازگار نہیں ہے۔

دوسری طرف اس بات پر توجہ کرتے ہوئے کہ "کافور" "کفر" کے مادہ سے "ڈھانپنے" کے معنی میں ہے۔ بعض ارباب لغت کا نظریہ جیسا کہ "راغب" نے "مفردات" میں لکھا ہے، یہ ہے کہ "کافور" کے لیے اس نام کا انتخاب اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس درخت کا پھل ——— جس سے یہ مادہ لیا جاتا ہے ——— غلافوں کے درمیان پوشیدہ ہوتا ہے۔

بعض نے "کافور" کی تعبیر کو اس کی حد سے زیادہ سفیدی اور ٹھنڈک کی طرف اشارہ کہا ہے، کیونکہ عام کافور بھی "ٹھنڈک" اور "سفیدی" کے لحاظ سے ضرب المثل ہے۔

لیکن مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب نظر آتی ہے خصوصاً اس بناء پر کہ بعض اوقات تعبیروں میں کافور کو مشک و عنبر کا ہم پلہ شمار کرتے ہیں جو بہترین خوشبوؤں میں سے ہیں۔

اس کے بعد اس سرچشمہ کی طرف جس سے شراب طہور کا یہ جام پُر ہوتا ہے، اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "یہ ایک خاص چشمہ ہے جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے اور اسے جہاں چاہیں گے، جاری کریں گے۔" (عینا یشرب بها عباد الله یفجرونها تفجیرًا)۔[1][2]

ہاں! یہ شرابِ طہور کا چشمہ کچھ اس طرح سے ابرار اور عباد اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ جہاں کہیں سے ارادہ کریں گے وہیں سے پھوٹ پڑے گا اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث میں امام باقرؑ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے اس کی تعریف و توصیف میں فرمایا:

هي عين في دار النبي (ص) تفجر الى دور الانبياء والمؤمنين

یہ ایک ایسا چشمہ ہے جو پیغمبر اسلامؐ کے گھر میں ہے اور وہاں سے تمام انبیاء اور مومنین کے گھروں میں جاری ہوگا۔[3]

ہاں! جس طرح دنیا میں علم و رحمت کے چشمے پیغمبر اکرمؐ کے گھر سے خدا کے بندوں اور نیک لوگوں کی طرف جاتے ہیں، آخرت میں بھی جو اس

---

[1] اس بارے میں کہ "عینا" کی نصب کس بناء پر ہے بہت سے احتمال دیئے گئے ہیں شاید سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ "عینا" منصوب بنزع خافض ہے اور تقدیر میں "من عین" تھا اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ "کافورًا" سے "بدل" ہے یا اختصاص یا مدح کی بناء پر منصوب ہے، یا ایک مقدر فعل کا مفعول ہے اور تقدیر میں "یشربون عینا" ہے لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، پہلا معنی زیادہ مناسب ہے۔

[2] "یشرب" "باء" کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے اور اس کے بغیر بھی، اور "بها" کی "باء" ممکن ہے کہ "من" کے معنی میں ہو۔

[3] تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۴۷۷ اور روح المعانی جلد ۲۹ ص ۱۵۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پروگرام کا ایک عظیم تجسم ہے۔ خدا کی شراب طہور کا چشمہ اسی بیت وحی سے پھوٹے گا، اور اس کی شاخیں مومنین کے گھروں تک جائیں گی

"یفجرون" "تفجیر" کے مادہ سے اصل میں "فجر" سے لیا گیا ہے، جو وسیع پیمانہ پر شگاف کرنے کے معنی میں ہے چاہے زمین میں شگاف کرنا ہو، یا کسی دوسری چیز میں اور چونکہ صبح کی روشنی گویا رات کے پردے کو پھاڑ دیتی ہے، اس لیے اس کو فجر کہا جاتا ہے اور فاسق شخص کو اس لیے "فاجر" کہتے ہیں، کیونکہ اس نے حیاء و شرم اور پاکیزگی کے پردہ کو چاک کر دیا ہے، اور حق کے راستہ سے باہر ہو گیا ہے۔

لیکن زیر بحث آیت میں زمین میں شگاف کرنے کے معنی میں ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ جنت کی فراواں نعمتوں میں سے جو اس سورہ میں بیان کی گئی ہیں، پہلی نعمت "خاص قسم کی معطر شراب طہور" کا ذکر ہوا ہے، اور یہ شاید اس بناء پر ہے کہ محشر کے حساب سے فارغ ہونے کے بعد، پہلے ہی قدم میں جو وہ جنت میں رکھیں گے، تو اس شراب کے پینے ہی ہر قسم کے غم واندوہ پریشانی اور آلائش کو اپنی جان سے دھو ڈالیں گے، اور حق تعالیٰ کے عشق سے سرمست ہو کر جنت کے باقی مواہب اور نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔

بعد والی آیت میں ان اعمال و اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو "ابرار" اور "عباداللہ" میں پائے جاتے ہیں، پانچ صفات کا ذکر کرنے کے ساتھ ان بے مثل و بے نظیر نعمتوں کے لیے ان کے استحقاق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہ اپنی نذر کو پورا کرتے ہیں" (یوفون بالنذر)۔

"اور اس دن سے کہ جس کا شر اور عذاب پھیلا ہوا ہوگا، ڈرتے ہیں" (ویخافون یوما کان شرہ مستطیرا)۔

"یوفون" "ویخافون" اور اس کے بعد والے جملے، جو سب کے سب "فعل مضارع" کی صورت میں آئے ہیں اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ ان کا دائمی اور ہمیشہ کا پروگرام ہے۔ البتہ جیسا کہ ہم نے شان نزول میں بیان کیا ہے۔ ان آیات کے اتم و اکمل مصداق امیرالمومنین علیؑ و فاطمہ زہراؑ اور ان کے فرزند حسنؑ و حسینؑ "سلام اللہ علیہم اجمعین" ہیں، جنہوں نے تین دن روزہ رکھنے کے سلسلہ میں اپنی نذر پوری کی، اور انہوں نے پانی کے علاوہ اور کسی چیز سے افطار نہیں کیا اور ان کا دل خوف خدا اور خوف قیامت سے مالا مال تھا۔

"مستطیر" وسیع اور پھیلے ہوئے کے معنی میں ہے اور اس دن کے گوناگوں اور وسیع عذابوں کی طرف اشارہ ہے۔

بہرحال جب وہ ان نذروں کو جو انہوں نے اپنے اوپر واجب کر لی ہیں، پورا کرتے ہیں، تو واجبات الٰہی کو تو بطریق اولیٰ احترام کے ساتھ پورا کرتے ہیں، یعنی ان کو بخوبی انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس عظیم دن کے شر سے ان کا خوف، مسئلہ معاد کے بارے میں ان کے ایمان، اور حکم خدا کے مقابلہ میں شدید احساس مسئولیت کی طرف اشارہ ہے۔

وہ معاد پر اچھی طرح یقین رکھتے ہیں اور بدکاروں کی تمام سزاؤں پر ان کا ایمان ہے اور اس ایمان کا اثر ان کے اعمال میں پورے طور پر نمایاں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے بعد ان کے تیسرے اچھے عمل کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: "وہ اپنا کھانا اس کی ضرورت و احتیاج ہونے کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو دے دیتے ہیں۔ (و یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا)۔

ان کا کھانا کھلانا کوئی آسان بات نہیں ہے، بلکہ شدید ضرورت اور احتیاج کے وقت میں ایثار و قربانی کے ساتھ وابستہ ہے، اور دوسری طرف وہ ایک ایسا وسیع پیمانہ کا کھانا کھلانا ہے جو کئی قسم کے ضرورت مندوں، مسکین، یتیم و اسیر کو شامل ہے، تو اس طرح سے ان کی رحمت عام اور ان کی خدمت وسیع ہے۔

"علی حبہ" کی ضمیر "طعام" کی طرف لوٹتی ہے، یعنی باوجود اس کے کہ انھیں کھانے کی خود ضرورت ہے، پھر بھی وہ انفاق کر دیتے ہیں، اس طرح یہ اسی چیز سے مشابہ ہے جو سورۂ آلِ عمران کی آیہ ۹۲ میں آئی ہے، (لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون) تم ہرگز بھی نیکوکاری کی حقیقت کو نہ پہنچو گے، جب تک کہ تم اس میں سے خرچ نہ کرو، جسے تم دوست رکھتے ہو۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ مذکورہ ضمیر "اللہ" کی طرف لوٹتی ہے، جو گزشتہ آیات میں آیا ہے، یعنی وہ پروردگار کے عشق میں کھانا کھلاتے ہیں، لیکن اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہی معنی بعد والی آیت میں آرہا ہے، پہلا معنی زیادہ صحیح نظر آتا ہے۔

"مسکین" و "یتیم" و "اسیر" کے معنی واضح ہیں، لیکن اس بارے میں کہ اسیر سے مراد کون سا اسیر ہے؟ مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

بہت سوں نے تو یہ کہا ہے کہ اس سے مراد وہ اسیر ہیں جنھیں مشرکین و کفار میں سے پکڑ کر حکومت اسلامی کے قلمرو، مدینہ میں لے آتے تھے، بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ اس سے مراد وہ غلام ہیں جو اپنے مالک کے ہاتھوں میں اسیر ہوتے ہیں اور بعض نے اس کی زندان کے قیدیوں کے ساتھ تفسیر کی ہے، لیکن پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب اور زیادہ مشہور ہے۔

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ شانِ نزول کے مطابق وہ اسیر شخص علیؑ کے گھر کے دروازے پر افطار کے وقت آیا، تو کیا قیدی زندان میں نہیں ہوتے تھے؟

لیکن ایک نکتہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے یہ سوال واضح ہو جاتا ہے کہ تواریخ کی نقل کے مطابق پیغمبرؐ کے زمانہ میں کوئی قید خانہ نہیں تھا، اور آنحضرتؐ اسیروں کو تقسیم کرکے مسلمانوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے، اور انھیں یہ حکم دیا کرتے تھے کہ تم ان کی نگرانی کرو، اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو، مگر جب وہ ان کو کھانا دینے کی توانائی نہیں رکھتے تھے، تو وہ دوسرے مسلمانوں سے قیدیوں کے کھانے کے سلسلہ میں مدد لیتے تھے، اور انھیں اپنے ہمراہ لے جاکر یا کبھی اپنی ہمراہی کے بغیر بھی دوسرے مسلمانوں کی طرف بھیج دیتے تھے، تاکہ وہ ان کی مدد کریں، کیونکہ اس وقت مسلمان انتہائی تنگی میں تھے۔

البتہ بعد میں جب سلطنت اسلامی میں وسعت پیدا ہو گئی اور اسیروں کی تعداد بڑھ گئی، اور حکومت کے دامن کی وسعت کی بناء پر مجرمین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو پھر قید خانے بنائے گئے اور اسیروں اور مجرموں کے کھانے پینے کا انتظام بیت المال کے ذریعہ ہونے لگا۔[۱]

---

[۱] مزید وضاحت کے لیے کتاب "احکام زندان در اسلام" کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بہرحال اوپر والی آیت سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ بہترین اعمال میں سے ایک عمل محروم اور ضرورت مندوں کو کھانا کھلانا ہے، نہ صرف مسلمان ضرورت مند بلکہ بادشرک کے اسیر بھی اسلام کے اس حکم کے ماتحت آتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو کھانا کھلانا "ابرار" کے عمدہ کاموں میں سے ایک عمدہ کام شمار ہوا ہے۔

ایک حدیث میں رسولِ خدا سے آیا ہے:

استوصوا بالاسرٰی خیرًا وکان احدھم یؤثر اسیرہ بطعامہ

اسیروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، مسلمانوں نے جب یہ بات سنی تو وہ بعض اوقات اپنا کھانا بھی قیدی کو دے دیتے تھے، اور اسے اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے[1]

ابرار کا چوتھا عمدہ عمل اخلاص کو شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمہیں صرف خدا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے نہ تو اس کا کوئی اجر مانگتے ہیں، اور نہ ہی کسی شکریہ کے طالب ہیں" (انما نطعمکم لوجہ اللہ لانرید منکم جزاءً ولا شکورًا)۔

یہ پروگرام مسئلہ اطعام پر ہی منحصر نہیں ہے، بلکہ ان کے تمام اعمال مخلصانہ اور خدا کی پاک ذات کے لیے ہوتے تھے، اور وہ لوگوں کی طرف سے کسی اجر کی امید، بلکہ ان کی طرف سے کسی قدردانی اور تشکر کی تمنا بھی نہیں کرتے، اور اسلام میں اصولی طور پر عمل کی قدر و قیمت خلوصِ نیت پر ہے، ورنہ وہ اعمال جو غیر اللہ کے لیے کئے جائیں، چاہے وہ ریاکارانہ ہوں یا جذبۂ نفس کی بناء پر ہوں، یا لوگوں کے تشکر اور قدردانی کی وجہ سے یا مادی اجر و پاداش کی بناء پر، ان کی کوئی معنوی اور خدائی قدر و قیمت نہیں ہے اور پیغمبر اکرم کی مشہور حدیث:

"لا عمل الا بالنیۃ و انما الاعمال بالنیات"

بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

"وجہ اللہ" سے مراد، وہی خدا کی ذات ہی ہے، ورنہ خدا کوئی جسمانی چہرہ نہیں رکھتا، اور یہ وہی چیز ہے، جس پر قرآن کی تمام آیات میں تکیہ و تاکید ہوئی ہے، سورۂ بقرہ کی آیہ ۲۷۲ میں آیا ہے: (وما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ) تم خدا کے علاوہ اور کسی کے لیے انفاق نہ کرو، اور سورۂ کہف کی آیہ ۲۸ میں پیغمبر کے شائستہ اصحاب کی توصیف میں اس طرح آیا ہے،

(واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ)
"ایسے لوگوں کے ساتھ رہ جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں اور صرف اسی کی ذات کو چاہتے ہیں۔"

اور "ابرار" کی آخری توصیف میں فرماتا ہے: "وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے پروردگار سے اس دن کے لیے خائف ہیں جو بہت ہی سخت اور شدید ہوگا" (انا نخاف من ربنا یومًا عبوسًا قمطریرًا)۔

---

[1] "کامل ابن اثیر" جلد ۲ ص ۱۳۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ بات " ابرار " کی زبانِ حال بھی ہو سکتی ہے اور زبانِ قال بھی ۔

روزِ قیامت کی " عبوس " اور " سخت " دن کے ساتھ تعبیر، جبکہ عبوس انسان کی ایک صفت ہے اور ایسے افراد کو کہتے ہیں، جن کے چہرے بگڑ جائیں، یہ اس دن کی وحشت ناک وضع وکیفیت کی تاکید کے لیے ہے، یعنی اس دن کے حوادث اس قدر سخت اور تکلیف دہ ہیں کہ نہ صرف انسان اس دن عبوس اور ترش رو ہوں گے، بلکہ گویا خود وہ دن بھی عبوس اور بگڑے ہوئے چہرہ والا ہو گا ۔

اس بارے میں کہ " قمطریر " کس مادہ سے لیا گیا ہے، مفسرین اور اربابِ لغت کے درمیان اختلاف ہے، بعض اس کو " قمطر " سے سمجھتے ہیں اور بعض اس کو " قطر " (بروزن مرغ) سے مشتق اور اس کی میم کو زائد سمجھتے ہیں ۔

لیکن مشہور وہی پہلا ہے جو شدید اور عبوس کے معنی میں ہے [1]

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر " ابرار " صرف خدا ہی کی پاک ذات کے لیے کام کرتے ہیں تو پھر وہ یہ کیوں کہتے ہیں کہ ہم قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرتے ہیں، کیا خدائی محرک، قیامت کے عذاب کے خوف کے محرک کے ساتھ سازگار ہے ؟ :

لیکن ایک نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ بہر حال خدا کے لیے قدم اٹھاتے ہیں، اور اگر وہ قیامت کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا کا عذاب ہے، اور اگر وہ جنت کی نعمتوں کو چاہتے ہیں تو اس بناء پر کہ وہ نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں، اور یہ وہی چیز ہے جو فقہ میں " نیت عبادت " کے باب میں بیان ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ : عبادات میں قصدِ قربت، ثواب کی آرزو، عذاب کے خوف، یہاں تک کہ خدا سے اس دنیا کی مادی نعمتوں کے طلب کرنے (مثلاً بارش کے طلب کرنے کے لیے نمازِ استسقاء) کے محرکات کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا، کیونکہ ان سب کی بازگشت خدا کی طرف سے ہے اور اصطلاح کے مطابق " داعی پر داعی " کی قسم سے ہے، اگرچہ عبادت کا اعلیٰ ترین مرحلہ یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں کی خواہش اور دوزخ کے عذاب کا خوف بھی اس کا محرک نہ ہو بلکہ وہ سراسر " حبا للہ " کے عنوان سے انجام پائے ۔

" انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا " کی تعبیر بھی اس بات پر شاہد ہے کہ یہ خوف بھی پروردگار کے خوف میں سے ہے ۔

قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ ان پانچوں اوصاف میں سے دوسرا وصف اور پانچواں وصف، دونوں خوف کا مسئلہ ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ پہلی میں صرف قیامت کے دن کے خوف کے متعلق گفتگو ہے اور دوسری میں قیامت کے دن پروردگار کا خوف ہے، ایک موقع پر روزِ قیامت کی اس طرح سے توصیف ہوئی ہے کہ اس کا شر اور عذاب وسیع اور پھیلا ہوا ہے اور دوسرے موقع پر عبوس اور شدید ہے، جو حقیقت میں ایک تو اس کی وسعت کو بتاتی ہے اور دوسری اس کی کیفیت کی وسعت کو ۔

آخری زیرِ بحث آیت میں " ابرار " کے نیک اعمال اور پاک نیتوں کے اجمالی نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے : " انھیں امور کی بناء پر خدا انھیں اس دن کے شر سے بچائے گا اور ان کا مسرت وشادمانی کی حالت میں استقبال کرے گا (فوقاھم اللہ شر

---

[1] " مفردات " " راغب " " لسان العرب " " المنجد " " قرطبی " و " مجمع البیان "

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ذالك اليوم ولقاهم نضرة وسرورا)۔

" نضرة " طراوت، خوشی اور ایک خاص قسم کی شادابی کے معنی میں ہے جو وفورِ نعمت اور آسودگی کے زیرِ اثر انسان کو حاصل ہوتی ہے، ہاں! اس دن ان کے رخساروں کا رنگ ان کے سکون و آرام اور اندرونی سرور و نشاط کی خبر دے گا۔

اس بنا پر اگر وہ دنیا میں اس دن کے احساسِ مسئولیت سے خوف زدہ تھے، تو خدا اس کے بدلے میں انھیں قیامت کے دن سرور و شادمانی میں غرق کر دے گا۔

" لقاهم " کی تعبیر بہت ہی عمدہ تعبیروں میں سے ہے، جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ خداوند عالم ان گرامی قدر مہمانوں کا اپنے خاص لطف سے استقبال کرے گا اور انھیں جو خوشی و سرور میں غرق ہوں گے، اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے گا۔

ایک نکتہ

بھوکوں کو سیر کرنا بہترین حسنات میں ہے

نہ صرف زیرِ بحث آیات میں، کھانا کھلانے کو ابرار اور عباد اللہ کے عمدہ کاموں میں سے ایک شمار کرتا ہے، بلکہ قرآن کی بہت سی آیات میں اس معنی پر تکیہ اور تاکید ہوئی ہے، اور یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ کام خدا کی بارگاہ میں ایک خاص قسم کی محبوبیت رکھتا ہے۔

اور اگر ہم آج کی دنیا پر نگاہ کریں تو منتشر ہونے والی خبروں کے مطابق، ہر سال کئی ملین افراد بھوک سے مر جاتے ہیں، جبکہ دنیا کے دوسرے امیر علاقوں میں، اس قدر زیادہ بچے ہوئے کھانے کوڑے میں پھینک دیئے جاتے ہیں کہ جس کا کوئی حساب نہیں ہے، اس سے ایک طرف تو اس اسلامی حکم کی اہمیت اور دوسری طرف سے آج کی دنیا کا اخلاقی اقدار و موازین سے دور ہو جانا واضح ہو جاتا ہے۔

اسلامی روایات میں بھی اس سلسلہ میں بہت زیادہ تاکید نظر آتی ہے، ہم نمونہ کے طور پر یہاں چند احادیث نقل کرتے ہیں۔

۱۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے آیا ہے:

من اطعم ثلاثة نفر من المسلمين اطعمه الله من ثلاث جنان في ملكوت السماوات

" جو شخص مسلمانوں میں سے تین افراد کو کھانا کھلائے گا تو خدا اسے آسمانوں کے ملکوت میں جنت کے تین باغوں سے کھانا کھلائے گا۔" [1]

---

[1] " اصول کافی " جلد دوم باب " اطعام المؤمن " حدیث ۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔ ایک اور حدیث میں امام صادق سے یہ آیا ہے:

من اطعم مؤمنا حتی یشبعه لم یدر احد من خلق الله ماله من الاجر فی الاٰخرة، لا ملك مقرب ولا نبی مرسل الا الله رب العالمین

"جو شخص کسی مومن کو کھانا کھلائے گا، یہاں تک کہ وہ سیر ہو جائے، تو مخلوقِ خدا میں سے کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ اسے آخرت میں کس قدر اجر و ثواب ملے گا، نہ کوئی خدا کا مقرب فرشتہ اور نہ ہی کوئی نبی مرسل، سوائے خدا کے جو عالمین کا پروردگار ہے"[1]

۲۔ ایک اور حدیث میں اسی امامؑ سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

ولان اطعم مؤمنا محتاجا احب الیّ من ان ازوره، ولان ازوره احب الیّ من ان اعتق عشر رقاب

"اگر میں کسی محتاج مومن کو کھانا کھلاؤں، تو یہ بات میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں صرف اس کے دیدار اور زیارت کے لیے جاؤں، اور اگر میں اس کے دیدار اور زیارت کے لیے جاؤں تو یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں دس غلاموں کو آزاد کروں"[2]

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ روایات میں صرف محتاجوں اور بھوکوں پر تکیہ نہیں ہوا ہے، بلکہ بعض روایات میں تو صراحت کے ساتھ آیا ہے، کہ مومنین کو کھانا کھلانا، اگرچہ وہ بے نیاز ہی کیوں نہ ہوں، غلام آزاد کرنے کے مانند ہے، اور یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس کام کا مقصد احتیاجات کو دور کرنے اور ضروریات کو پورا کرنے کے علاوہ، جلب محبت اور دوستی و الفت کے رشتوں کی مضبوطی بھی ہے۔ اس کے برعکس کہ جو کچھ آج کی مادی دنیا میں معمول ہو چکا ہے کہ بعض اوقات دو قریبی دوست یا دو رشتہ دار کسی ہوٹل یا مہمان خانے میں جاتے ہیں، تو ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے حصّہ کی رقم ادا کرتا ہے، گویا مہمان بنانے کا مسئلہ خصوصاً زیادہ افراد کو مہمان بنانا گویا ان کے لیے بہت ہی تعجب کا باعث ہے۔

۳۔ بعض روایات میں یہ تصریح بھی ہوئی ہے کہ بھوکوں کو مطلق طور پر کھانا کھلانا (چاہے وہ مومن اور مسلمان نہ بھی ہوں) افضل اعمال میں سے ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں پیغمبر گرامی اسلامؐ سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

من افضل الاعمال عند الله ابراد الکباد الحارة واشباع الکباد الجائعة والذی نفس محمد صلی الله علیه واٰله، بیده لا یؤمن بی عبد یبیت شبعان واخوه - او قال جاره - المسلم جائع

"خدا کے نزدیک افضل اعمال میں سے ایک عمل پیاسوں کو ٹھنڈا پانی پلانا، اور بھوکے شکموں کو

---

[1] اصول کافی جلد دوم باب "اطعام المومن" حدیث ۶۔

[2] مدرک بالا، حدیث ۱۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سیر کرتا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے: جو بندہ رات کو سیر ہو کر سو جائے اور اس کا بھائی ـــــ یا یہ فرمایا کہ اس کا مسلمان ہمسایہ ـــــ بھوکا ہو تو وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا[1]

او پر والی حدیث کا آخری حصہ اگرچہ مسلمانوں کو سیر کرنے کے بارے میں ہے، لیکن اس کا آغاز ہر پیاسے اور بھوکے سے ہوا ہے اور بعید نہیں ہے کہ اس کے مفہوم کی وسعت جانوروں تک کو بھی شامل ہو۔

اور اس سلسلہ میں روایات بہت ہیں[2]

---

[1] "بحار الانوار" جلد ۷۴، ص ۳۶۹، قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ مرحوم علامہ مجلسی نے اس سلسلہ میں ایک باب عنوان کیا ہے جس میں ۱۱۲ احادیث نقل کی ہیں جو مومن کو کھانا کھلانے، سیراب کرنے، لباس پہنانے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بارے میں ہیں اور ان میں سے بعض بہت ہی دلکش ہیں۔

[2] مدرک بالا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۲۔ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝

۱۳۔ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَاۤىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝

۱۴۔ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝

۱۵۔ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ۝

۱۶۔ قَوَارِيْرَا۟ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝

۱۷۔ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝

۱۸۔ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝

۱۹۔ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝

۲۰۔ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۝

۲۱۔ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۡ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝

۲۲۔ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاۤءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

ترجمہ

۱۲۔ خدا ان کے صبر کرنے کے صلہ میں بطور جزاء، انھیں جنّت اور بہشت کے ریشمی لباس عطا کرے گا۔

۱۳۔ وہ اس میں خوبصورت تختوں کے اوپر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، نہ وہاں وہ سورج کو دیکھیں گے اور نہ ہی سخت سردی کو۔

۱۴۔ اور ان (بہشتی درختوں) کے سایے ان کے اوپر پڑ رہے ہوں گے، اور ان کے پھلوں کو توڑنا ان

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے لیے بہت ہی آسان ہو گا۔

۱۵۔ اور ان کے گرداگرد (بہترین کھانوں اور مشروبات سے پُر) چاندی کے برتنوں اور بلورین پیالوں کو گردش دے رہے ہوں گے۔

۱۶۔ چاندی کے بلورین ظروف، جنھیں ضروری اندازوں کے مطابق تیار کیا ہوا ہو گا۔

۱۷۔ اور وہاں ایسے پیالوں سے سیراب کیا جائے جو ایسی شرابِ طہور سے لبریز ہوں گے، جس میں زنجبیل کی آمیزش ہو گی۔

۱۸۔ بہشت کے ایک چشمے سے جس کا نام سلسبیل ہے۔

۱۹۔ اور ان کے گرد ہمیشہ رہنے والے نوجوان (پذیرائی کے لیے) گردش میں ہوں گے، جس وقت تو انھیں دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

۲۰۔ اور جس وقت تو اس جگہ کو دیکھے گا، تو پھر تو نعمتوں اور ایک ملک عظیم کو دیکھے گا۔

۲۱۔ ان (بہشتیوں) کے جسموں پر نازک سبز رنگ کے ریشمی اور دیباج کے لباس ہوں گے، اور انھوں نے چاندی کے دست بند پہنے ہوئے ہوں گے اور ان کا پروردگار انھیں شرابِ طہور پلائے گا۔

۲۲۔ یہ تو تمھاری جزا ہے اور تمھاری سعی و کوشش لائق قدردانی ہے۔

تفسیر

بہشت کی عظیم جزائیں

گزشتہ آیات میں "ابرار اور نیک افراد" کے قیامت کے دن کے دردناک عذاب سے نجات پانے اور لقائے محبوب کو پہنچنے، اور سرور و شادی میں غرق ہونے کی طرف اجمالی اشارہ کرنے کے بعد زیرِ بحث آیات میں ان بہشتی نعمتوں کی تشریح کرتا ہے اور ان آیات میں کم از کم پندرہ نعمتوں کو شمار کرتا ہے۔

سب سے پہلے ان بہشتیوں کے مکان اور لباس کے بارے میں گفتگو کرتا ہے، اور فرماتا ہے: "خدا ان کے صبر و شکیبائی کے صلہ میں انھیں جنت اور ریشمی لباس و فرش جزا کے طور پر دے گا" (وجزاھم بما صبروا جنة و حریرًا)۔

یعنی: اس استقامت، پامردی اور ایثار کے مقابلہ میں ——— جس کا ایک نمونہ، نذر کو پورا کرنا اور روزے رکھنا اور اپنا کھانا جس کی انھیں خود ضرورت تھی، مسکین و یتیم و اسیر کو بخش دینا ہے ——— خدا انھیں جنت کے باغات میں جگہ دے گا، اور انھیں بہترین

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لباس پہنائے گا۔

نہ صرف ان آیات میں بلکہ قرآن کی دوسری آیات میں بھی اس حقیقت کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کی جزائیں انسان کے صبر و شکیبائی کے مقابلہ میں ہیں (اطاعت کی راہ میں صبر کرنا، معصیت کے مقابلہ میں صبر کرنا اور مشکلات و مصائب کے مقابلہ میں صبر کرنا)۔

سورہ رعد کی آیہ ۲۴ میں آیا ہے کہ فرشتے جنتیوں کو اس طرح خوش آمدید کہیں گے: سلام علیکم بما صبرتم

اس صبر و استقامت پر جو تم نے کیا تم پر سلام ہے"۔

اور سورہ مومنون کی آیہ ۱۱۱ میں آیا ہے (انی جزیتھم الیوم بما صبروا انھم ھم الفائزون) میں نے آج انہیں ان کے صبر و استقامت کی جزا دی ہے۔ یقیناً وہ کامیاب و رستگار ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "وہ اس میں خوبصورت تختوں کے اوپر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، نہ وہاں سورج کی گرمی ہوگی اور نہ ہی ہوا کی سردی لگے گی" (متکئین فیھا علی الارائک لا یرون فیھا شمسا و لا زمھریرا)۔

(تختوں پر تکیہ لگا کر بیٹھنے کی) اس حالت کا ذکر ان کے مکمل راحت و آرام کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ انسان عام طور پر آرام و سکون کی حالت میں اس طرح بسر کرتا ہے۔ اور آیت کے ذیل میں بھی جنت کی فضا کے مکمل اعتدال کی طرف اشارہ ہے۔

نہ یہ کہ سورج اور چاند وہاں موجود ہی نہ ہوں گے، بلکہ سورج کی تکلیف دینے والی تپش نہیں ہوگی، کیونکہ وہاں جنت کے درختوں کا سایہ ہوگا۔

"زمھریر" "زمھر" کے مادہ سے سردی کی شدت یا غضب کی شدت یا غصہ کے اثر سے آنکھ کے سرخ ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں وہی پہلا معنی مراد ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جہنم میں ایک جگہ ایسی ہے، جہاں سردی کی شدت کی وجہ سے جسم کے اعضاء ریزہ ریزہ ہو کر ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے[1]

"ارائک" "اریکہ" کی جمع ہے، اصل میں ان پلنگوں کو کہتے ہیں، جنہیں حجلہ عروسی میں رکھتے ہیں، اور یہاں خوبصورت، زیبا اور فاخرہ پلنگ مراد ہیں۔

اہلسنت کے مشہور مفسر آلوسی "روح المعانی" میں ابن عباس سے ایک حدیث اس طرح نقل کرتے ہیں:

"بینا اھل الجنۃ فی الجنۃ اذ رأوا ضوءا کضوء الشمس وقد اشرقت الجنان بہ فیقول اھل الجنۃ یا رضوان ما ھذا!

وقد قال ربنا لا یرون فیھا شمسا و لا زمھریرا فیقول لھم رضوان لیس ھذا بشمس، ولا قمر، ولکن علی (ع) و فاطمہ (ع) ضحکا و

---

[1] درمنثور جلد ۶ ص ۳۰۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اشرقت الجنان من نور ثغریهما

"جب بہشتی، بہشت میں داخل ہوں گے تو اچانک سورج کی روشنی کی مانند ایک روشنی مشاہدہ کریں گے، جو جنت کے منظر کو روشن کر دے گی۔ جنت والے رضوان (جنت پر مامور فرشتہ) سے کہیں گے: یہ نور کیسا ہے حالانکہ ہمارے پروردگار نے فرمایا ہے، کہ جنت میں نہ تو سورج کو دیکھیں گے اور نہ ہی سردی کو، تو وہ جواب میں کہے گا، یہ سورج اور چاند کا نور نہیں ہے، یہ تو علیؑ اور فاطمہؑ ہنسے ہیں، اور جنت ان کے دانتوں سے روشن ہو گئی ہے"[1]

بعد والی آیت ان نعمتوں کے بیان کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتی ہے: "اور ان بہشتی درختوں کے سایے ان کے اوپر پڑ رہے ہوں گے اور ان کے پھل کو توڑنا ان کے لیے بہت ہی آسان ہوگا" (ودانیة علیهم ظلالها وذللت قطوفها تذلیلا)۔[2]

نہ تو کوئی مشکل پیش آتی ہے، نہ ہاتھ میں کوئی کانٹا چبھتا ہے اور نہ ہی پھلوں کو توڑنے کے لیے کوشش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی کہیں چل کر جانے کی۔

ہم ایک مرتبہ پھر اس نکتہ کو یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اصول جو انسان کی زندگی پر اس جہان پر حاکم ہیں وہ اس جہان سے بہت ہی مختلف ہیں اور قرآن کی ان آیات میں اور دوسری آیات میں، جنت کی نعمتوں کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ان عظیم نعمتوں کی طرف صرف پرمعنی اشارے ہیں، اور بعض روایات کی تصریح کے مطابق وہاں اس قسم کی نعمتیں ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، اور نہ ہی کسی کان نے سنا ہے اور نہ کبھی کسی کے وہم و گمان میں آئی ہیں۔

"ابن عباس" کا ایک کلام ہے جو انہوں نے اس سورہ کی بعض آیات کے ذیل میں بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ خدا نے قرآن میں جن نعمتوں کا ذکر کیا ہے، اس کی مثل و نظیر دنیا میں نہیں ہے، لیکن خدا نے ہمارے جانے پہچانے ناموں کے ساتھ ان کا نام لیا ہے، مثلاً شراب طہور کا ذکر کرتا ہے کہ جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی یہ ایک معطر مادہ ہوتا تھا جسے عرب بہت ہی پسند کرتے تھے۔[3]

بعد والی آیت میں خدا کے ان جنتی مہمانوں کی پذیرائی کی کیفیت کے ایک حصّہ کی وضاحت، ان کی پذیرائی کے وسائل، اور پذیرائی کرنے والوں کی حالت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: "ان کے گرد گرد چاندی کے برتنوں اور بلوریں پیالوں کو گردش دے ...

---

[1] "روح المعانی" جلد ۲۹ ص ۱۰۹

[2] "قطوف" بروزن "ظروف" جمع "قطف" (بروزن حفظ) یا جمع "قطف" (بروزن حذف) ہے، جس میں سے پہلا تو دسنے کو ہے اور دوسرا مصدری اور چنے ہوئے پھلوں یا پھل کے چننے کے معنی میں ہے۔

[3] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۴۱۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوں گے: (و یطاف علیھم بآنیۃ من فضۃ واکواب کانت قواریرا)۔

"چاندی کے بلوریں ظروف، جنھیں ضروری اندازوں کے مطابق تیار کیا ہوگا" (قواریرا من فضۃ قدروھا تقدیرا)۔

ان برتنوں میں جنت کے انواع واقسام کے کھانے، اور ان بلوریں پیالوں میں انواع واقسام کے لذت بخش اور نشاط آفریں مشروبات جتنی مقدار میں وہ چاہیں گے اور پسند کریں گے موجود ہوں گے اور جنت کے خدمت گار مسلسل ان کے گرد اگرد گھوم رہے ہوں گے، اور ان کے سامنے پیش کر رہے ہوں گے۔

" آنیۃ " جمع ہے "اناء" کی، ہر قسم کے برتن کے معنی میں ہے اور "اکواب" جمع ہے "کوب" (بر وزن خوب) کی، پانی کے برتن کے معنی میں ہے، جس میں دستہ نہیں ہوتا، جسے بعض اوقات "قدح" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

" قواریر" جمع ہے "قارورہ" کی جو بلوریں اور شیشہ کے برتن کے معنی میں ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ فرماتا ہے: جنت کے بلوریں اور شیشہ والے برتن چاندی کے بنائے گئے ہیں، جبکہ عالم دنیا میں اس قسم کا برتن مطلقاً موجود نہیں ہے اور بلوریں برتنوں کو مخصوص قسم کے پتھروں کو پگھلا کر بناتے ہیں، لیکن وہی خدا جس نے سیاہ اور تاریک پتھر میں یہ امکان پیدا کر دیا ہے کہ وہ شیشہ اور بلور میں تبدیل ہو جائے، وہ چاندی جیسی دھات میں بھی یہ امکان پیدا کر سکتا ہے۔

بہرحال اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے برتن اور پیالے بلور اور شیشہ کی طرح صاف وشفاف بھی ہوتے ہیں اور چاندی کی خوبصورتی اور درخشندگی بھی رکھتے ہیں، اور ان میں جو مشروب ہیں وہ مکمل طور پر نمایاں ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے، آپ نے فرمایا:

ینفذ البصر فی فضۃ الجنۃ کما ینفذ فی الزجاج

" انسان کی آنکھ کا نور جنت کی چاندی میں اس طرح نفوذ کر جائے گا، جیسا کہ دنیا کے شیشہ اور بلور میں نفوذ کرتا ہے۔"[1]

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ماہرین نے کچھ ایسی شعاعیں معلوم کر لی ہیں (ایکس شعاعوں کے مانند) جو تاریک اور ٹھوس جسموں سے بھی گزر جاتی ہیں اور انھیں بلور اور شیشہ کی مانند دکھاتی ہیں۔

ابن عباس کہتے ہیں: جنت کی تمام نعمتیں اپنی مشابہ اور مثل ونظیر رکھتی ہیں، سوائے بلوریں اور شیشہ کے برتنوں کے جو چاندی سے بنے ہوئے ہوں گے، جس کی دنیا میں شبیہ اور نظیر نہیں ہے۔[2]

---

[1] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۴۱۰۔

[2] "روح المعانی" جلد ۲۹ ص ۱۵۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "وہاں ایسے پیالوں سے سیراب ہوں گے جو شراب طہور سے لبریز ہوں گے جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی:
(ویسقون فیھا کاسا کان مزاجھا زنجبیلا)۔

بہت سے مفسرین نے تصریح کی ہے کہ زمانہ جاہلیت کے عرب ایسی شراب سے جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوتی تھی، لذت حاصل کرتے تھے، کیونکہ اس سے ایک خاص قسم کی تیزی شراب میں آجاتی تھی، اور قرآن یہاں ایسے جاموں کی بات کرتا ہے، جس کی شراب طہور میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی، لیکن یہ بات واضح ہے کہ اس شراب اور اس شراب میں زمین آسمان کا فرق ہے یا دوسرے لفظوں میں دنیا اور آخرت کا فرق ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب دو قسم کی شراب رکھتے تھے، جن کی دو مختلف حالتیں ہوتی تھیں، ایک تو اصطلاح میں نشاط آور اور محرک ہوتی تھی اور دوسری سست کرنے والی اور آرام بخش، پہلی میں "زنجبیل" کی آمیزش کرتے تھے، اور دوسری میں "کافور" کی اور چونکہ عالم آخرت کے حقائق اس جہان کے الفاظ کے قالب میں نہیں آسکتے، لہٰذا اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ان عظیم حقائق کو بیان کرنے کے لیے انھیں الفاظ کو زیادہ وسیع اور زیادہ بلند معانی کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

اگرچہ "زنجبیل" کے معنی کے بارے میں مختلف تفسیریں نقل ہوئی ہیں، لیکن زیادہ تر اسی معطر اور خوشبودار جڑ کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے جو کھانے پینے کی مخصوص دواؤں میں استعمال ہوتی ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "یہ جام بہشت کے ایک چشمے سے پُر کیے جاتے ہیں، جسے سلسبیل کہا جاتا ہے"۔ (عینا فیھا تسمّٰی سلسبیلا)[1]

"سلسبیل" بہت ہی لذیذ قسم کے مشروب کو کہتے ہیں، جو آرام کے ساتھ منہ اور گلے سے اترتا ہے اور بڑا ہی خوش گوار ہوتا ہے، بہت سوں کا نظریہ یہ ہے کہ یہ "سلاسہ" کے مادہ سے لیا گیا ہے جو "روانی" کے معنی میں ہے، جیسا کہ رواں اور شستہ عبارتوں کو بھی "سلیس" کہا جاتا ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ "تسلسل" کے مادہ سے لیا گیا ہے، جو پے در پے "حرکت" کے معنی میں ہے اور نتیجہ میں کسی چیز کے رواں ہونے کو بیان کرتا ہے، اس بناء پر دونوں معانی ایک دوسرے کے قریب ہیں، اور ہر صورت میں "باء" اس میں اضافی ہے۔

بعض کا یہ بھی نظریہ ہے کہ یہ لفظ دو الفاظ سے مرکب ہے "سل" اور "سبیل" اور بعض اسے "سال" اور "سبیل" سے مرکب سمجھتے ہیں، پہلی صورت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ "راستہ طلب کرو"، اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ "اس نے راستہ طلب کیا" اور دونوں کا کنائی معنی "خوشگوار" ہے۔

---

[1] "عینا" کے محل اعراب کے سلسلہ میں جو بات ہم نے پہلے کی چند آیات میں کہی ہے، وہ بعینہٖ جاری ہے، اور مناسب یہ ہے کہ یہ "منصوب بنزع خافض" کی قسم سے ہو۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعض نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ عربی زبان میں "سلسبیل" کے لفظ کا وجود ہی نہیں تھا اور یہ قرآن مجید کی ایجادات میں سے ہے[1]
لیکن پہلا معنی سب سے زیادہ مشہور اور زیادہ مناسب ہے۔

اس کے بعد اس پر سرور بزم کی پذیرائی کرنے والوں کے بارے میں ـــــ جو بہشت بریں میں حق تعالیٰ کے جوار رحمت میں برپا ہوگی ـــــ گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے: "اور ان کے گرد ہمیشہ رہنے والے نوجوان گردش میں ہوں گے، جب تو انھیں دیکھے گا، تو گمان کرے گا کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں": (ویطوف علیھم ولدان مخلّدون اذا رأیتھم حسبتھم لؤلؤًا منثورًا)۔

وہ خود بھی جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کی جوانی کی طراوت و زیبائی اور نشاط و خوشی بھی جاودانی اور ہمیشہ رہے گی، اور ان کا پذیرائی کرنا بھی، کیونکہ "مخلّدون" کی تعبیر ایک طرف سے، اور "یطوف علیھم" "(ان کے گرد طواف کریں گے) کی تعبیر دوسری طرف سے، اس واقعیت کو بیان کرتی ہے۔

"لؤلؤًا منثورًا" (بکھرے ہوئے موتی) کی تعبیر ان کی خوبصورتی و زیبائی، صفا و درخشندگی اور جاذبیت کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس روحانی بزم خداوندی میں، ان کے ہر جگہ پر حاضر رہنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اور چونکہ دوسرے جہان کی نعمتوں کی تعریف و توصیف ہو ہی نہیں سکتی، چاہے الفاظ کتنے ہی گویا اور رسا کیوں نہ ہوں، لہٰذا بعد والی آیت میں سربستہ طور پر مزید کہتا ہے: "اور جس وقت تو وہاں دیکھے گا تو بہت سی نعمتوں اور ایک ملک عظیم کو دیکھے گا" (واذا رأیت ثمّ رأیت نعیمًا و ملکًا کبیرًا)[2]۔

"نعیم" اور "ملک کبیر" کے لیے بہت سی تفسیریں بیان کی گئی ہیں، منجملہ ان کے ایک حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے کہ:

"اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ ایک ایسا ملک ہے جو کبھی زائل اور فنا پذیر نہیں ہوگا"[3]

یا جنت کی نعمتیں اس قدر وسیع ہیں کہ کثرت کے لحاظ سے ان کی تعریف و توصیف نہیں ہو سکتی۔

---

[1] بعض مفسرین نے کہا ہے کہ "سلسبیل" کا منشا غیر منصرف ہے، کیونکہ علیت اور عجمیت اس میں جمع ہے اور وہ تنوین جو اس نے پائی ہے، وہ اس سورہ کی دوسری آیات سے ہم آہنگی کی بناء پر ہے۔

[2] بعض مفسرین نے تصریح کی ہے کہ "ثمّ" یہاں "ظرف مکان" ہے اور "رأیت" "فعل لازم" کا معنی رکھتا ہے اور آیت کا معنی اس طرح ہوگا "اذا رمیت ببصرك ثمّ رأیت نعیمًا و ملكًا كبیرًا۔ (جب تو نظر اٹھائے گا تو نعمتوں اور ملک کبیر کو دیکھے گا)۔ یہ احتمال بھی ہے کہ "ثمّ" وہاں کے لیے اسم اشارہ ہو اور "رأیت" کا مفعول ہو۔

[3] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۴۱۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یا "ملک کبیر" یہ ہے کہ فرشتے اہل جنت کے پاس جانے کے وقت ان سے اجازت لیں گے، اور سلام کے ساتھ ان کو خوش آمدید کہیں گے۔

یا یہ ہے کہ جنت والے جس چیز کا ارادہ کریں گے، وہ انھیں مل جائے گی۔

یا ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کا قلمروئے ملک اس قدر ہوگا کہ جب وہ نگاہ کرے گا تو ایک ہزار سال راہ کے فاصلہ کو دیکھے گا۔

یا یہ دائمی اور ابدی ملک کے معنی میں ہے، جس میں اس کی تمام آرزوئیں پوری ہوں گی۔

"نعیماً" کا لفظ جو لغت میں "فراواں نعمتوں" کے معنی میں ہے اور "ملک کبیر" جو جنت کے باغات کی عظمت اور وسعت کی خبر دیتا ہے، ایک وسیع اور وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ جو اوپر کی تمام تفاسیر کو شامل ہے۔

یہاں تک جنت کی نعمتوں کے ایک حصہ کی طرف — جو مکانوں، پلنگوں، سایوں، پھلوں، مشروبات، برتنوں اور پذیرائی کرنے والوں کی قسم سے ہیں — اشارہ ہوا ہے، اب جنتیوں کی زینت و آراستگی کے وسائل کی نوبت ہے، فرماتا ہے:

"ان کے جسموں پر نازک سبز رنگ کے ریشمی اور دیبا کے لباس ہوں گے" (عالیهم ثیاب سندس خضر و استبرق)۔[1]

"سندس" ریشم کے نازک کپڑے کے معنی میں ہے جبکہ "استبرق" موٹے ریشمی کپڑے کے معنی میں ہے، بعض اسے فارسی کا لفظ استبر یا ستبر سمجھتے ہیں، بعض نے یہ احتمال بھی دیا ہے کہ عربی اصل "برق" سے جو چمکنے کے معنی میں ہے، لیا گیا ہے، اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اور ان کی چاندی کے دست بندوں کے ذریعہ تزئین کی گئی ہوگی" (وحلوا اساور من فضة)۔

ایسی صاف شفاف چاندی، جو موتی کی طرح چمکتی ہے، اور یاقوت، دُر اور مروارید سے زیادہ خوبصورت ہے۔

"اساور" جمع ہے "اسورة" (بروزن مغفرة) کی اور وہ بھی اپنی نوبت پر "سوار" (بروزن غبار) یا سوار (بروزن کتاب) کی جمع ہے، جو اصل میں فارسی کے لفظ "دستوار" سے لیا گیا ہے، جو "دست بند" (کنگن) کے معنی میں ہے اور عربی زبان کی طرف منتقل ہونے کے وقت اس میں مختصر سی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے اور اس نے "سوار" کی صورت اختیار کر لی ہے۔

جنت کے لباس کے لیے سبز رنگ کو انتخاب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ رنگ بہت ہی نشاط آفرین ہوتا ہے، اور درختوں کے خوبصورت پتوں کی طرح، البتہ سبز رنگ کی بھی کئی انواع و اقسام ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر بہت عمدہ ہوتا ہے۔

بعض آیات قرآنی: مثلاً سورۂ کہف کی آیہ ۳۱ میں آیا ہے کہ جنتیوں کے سونے کے کنگنوں سے زینت کی جائے گی "یحلون فیها من اساور من ذهب" لیکن یہ بات اس لیے کہ جو زیر بحث آیت میں آئی ہے کوئی منافات نہیں رکھتی،

---

[1] "عالیهم" کے محل اعراب کے بارے میں دو احتمال ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ ظرف ہے "فوق" (اوپر) کے معنی میں ہے، اس قول کی بناء پر آیت کا مفہوم اس طرح ہے "فوقهم ثیاب سندس" دوسرا یہ کہ یہاں "هم" ضمیر کے لیے حال ہے جو پہلی آیات میں آئی ہے اور "ابرار" کی طرف لوٹتی ہے اور جملہ کا معنی اس طرح ہوگا "حالکونهم یعلوهم ثیاب سندس خضر" (جبکہ سبز نازک ریشم کے کپڑے ان کے اوپر ہوں گے)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تحریم کی بناء پر کبھی اس سے زینت کریں اور کبھی اس سے۔

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا سونے اور چاندی کے کنگن عورتوں کی زینت نہیں ہیں؟ تو پھر جنت کے مردوں کے لیے اس زینت کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟

لیکن اس کا جواب واضح ہے کیونکہ بہت سے معاشرے اور ماحول ایسے ہیں جن میں سونا اور چاندی مردوں کے لیے بھی زینت ہے اور عورتوں کے لیے بھی (اگرچہ اسلام نے سونے کی زینت کو مردوں کے لیے حرام قرار دیا ہے) لیکن یقینی طور پر مردوں اور عورتوں کے دست بندوں کی نوعیت مختلف ہوگی اور سورۂ زخرف کی آیہ ۵۳ میں فرعون کے قول سے جو نقل ہوا ہے ــــــ فلولا القی علیہ اسورۃ من ذھب "موسیٰ کو سونے کے کنگن کیوں نہ دیئے گئے ــــــ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے دست بند مصر کے ماحول میں مردوں کے لیے عظمت کی نشانی سمجھے جاتے تھے۔

علاوہ ازیں جیسا کہ ہم نے بارہا اشارہ کیا ہے، چونکہ جنت کی نعمتوں کے بیان کے لیے اس دنیا کے عام الفاظ ہرگز کافی نہیں ہیں، لہٰذا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ ان عظیم اور ناقابلِ تعریف و توصیف نعمتوں کی طرف انہی الفاظ کے ساتھ کچھ اشارے کیے جائیں۔

اور آخر میں آیت کے آخر میں نعمتوں کے اس سلسلہ کی آخری اور اہم ترین نعمت کے عنوان سے فرماتا ہے: "اور ان کا پروردگار انھیں شرابِ طہور پلائے گا" (وسقاھم ربھم شراباً طھوراً)۔

یہ ٹھیک ہے کہ ان نعمتوں کے بیان کے درمیان بھی خوشگوار مشروبات کے بارے میں ــــــ جیسے جاموں سے جو سلسبیل کے چشمے سے پُر ہوں گے اور جنتی ان سے سیراب ہوں گے ــــــ ذکر ہوا تھا لیکن ان میں اور جو کچھ اس آیت میں بیان ہوا ہے، بہت فرق ہے کیونکہ ایک طرف تو وہاں ساقی "ولدان مخلدون" تھے لیکن یہاں ساقی "خدا" ہے اور کیا ہی عجیب و غریب تعبیر ہے۔ خصوصاً "رب" کے لفظ پر تکیہ کے ساتھ وہ خدا جس نے ہمیشہ اس انسان کی پرورش کی ہے اور اس کا مالک و مربی ہے، اسے تکامل و ارتقاء کے مراحل میں ہمیشہ آگے لے گیا ہے، یہاں تک کہ وہ آخری مرحلہ تک آپہنچا ہے اور اب اس بات کی نوبت آگئی ہے کہ وہ اپنی ربوبیت کو اعلیٰ حد تک پہنچا دے، اور وہ اپنے دستِ قدرت سے ابرار اور نیک بندوں کو شرابِ طہور کے جام سے سیراب اور سرمست کر دے۔

اور دوسری طرف "طھورا" اس چیز کے معنی میں ہے جو خود بھی پاک ہے اور دوسروں کو بھی پاک کرتی ہے۔ اس طرح سے یہ شراب انسان کے جسم و روح کو ہر قسم کی آلودگی اور ناپاکی سے پاک کرتی ہے اور ایسی روحانیت، نورانیت اور نشاط بخشتی ہے کہ کسی عبارت سے اس کی توصیف نہیں ہو سکتی، یہاں تک کہ ایک حدیث میں امام صادق سے آیا ہے:

یطھرھم عن کل شیء سوی اللہ

"ان کے دل و جان کو خدا کے علاوہ ہر چیز سے پاک کر دے گی" [1]

غفلت کے پردوں کو چاک کر دیتی ہے، حجابوں کو دور کر دیتی ہے، اور انسان کو خدا کے جوار قرب میں دائمی حضور کے لیے شائستہ

---

[1] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۴۱۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

اور لائق بنا دیتی ہے، اس شراب طہور کا نشہ ہر نعمت سے برتر اور ہر محبوبیت سے بالاتر ہے۔

اگر دنیا کی آلودہ اور گندی شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے اور خدا سے دور کر دیتی ہے، تو یہ شراب طہور جو ساقی "الست" کے ہاتھ سے دی جائے گی وہ اسے "ماسوی اللہ" سے بیگانہ کر کے اس کے جمال و جلال میں غرق کر دے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو لطف اس آیت اور اس نعمت میں چھپا ہوا ہے وہ سب سے برتر و بالاتر ہے۔

ایک حدیث سے جو رسول خدا سے نقل ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ شراب طہور کا چشمہ جنت کے دروازے پر واقع ہے:

فیسقون منہا شربۃ فیطہر اللہ بہا قلوبہم من الحسد...... وذلک قول اللہ عزوجل و سقاہم ربہم شرابا طہورا۔

"انھیں اس شراب طہور کا ایک گھونٹ پلایا جائے گا اور خدا اس کے ذریعے سے ان کے دلوں کو حسد (اور ہر قسم کے صفات رذیلہ سے) پاک کر دے گا"۔[1]

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں "طہور" کی تعبیر صرف دو موقعوں پر آئی ہے، ایک تو بارش کے بارے میں (فرقان ۴۸)* جو ہر چیز کو پاک اور زندہ کر دیتی ہے اور دوسرے زیر بحث آیت میں جنت کی مخصوص شراب کے بارے میں کہ وہ بھی پاک کرنے والی اور حیات بخش ہے

اور آخری زیر بحث آیت میں، اس سلسلہ میں آخری بات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "خدا کی طرف سے انھیں کہا جائے گا: یہ عظیم نعمتیں اور اور بے نظیر مواہب تمھارے اعمال کا اجر ہیں، اور حق تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت کی راہ میں تمھاری سعی و کوشش اور جد و جہد مقبول و مشکور ہے" (ان ھذا کان لکم جزاء و کان سعیکم مشکورا)۔

شاید کوئی یہ تصور کرے کہ یہ مواہب اور عظیم جزا انھیں کسی حساب کے بغیر ہی دے دیا جائے گا، یہ سب کچھ کوشش اور عمل کی جزا ہے اور مجاہدت، خود سازیوں اور گناہ سے چشم پوشی کا اجر ہے۔

اس مطلب کو بیان کرنے میں خود ایک خاص لذت اور لطف ہے کہ خداوند تعالیٰ یا اس کے فرشتے ابرار اور نیک لوگوں کو مخاطب کر کے قدر دانی اور تشکر کے طور پر ان سے کہیں: "یہ سب کچھ تمھارے اعمال کا اجر ہے اور تمھاری سعی و کوشش قابل قدر ہے"۔ بلکہ بعض مفسرین کے قول کے مطابق یہ تو ایک ایسی نعمت ہے، جو تمام نعمتوں اور مواہب سے بالاتر ہے کہ خدا انسان کا شکریہ ادا کرے۔

"کان" کی تعبیر، جو فعل ماضی ہے، گزشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے، ممکن ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ یہ نعمتیں پہلے سے ہی تمھارے لیے فراہم ہو چکی ہیں، کیونکہ جب کوئی شخص اپنے کسی مہمان کو زیادہ اہمیت دیتا ہے تو اس کی پذیرائی کے وسائل مدتوں پہلے سے آمادہ کر لیتا ہے۔

---

[1] اس آیت میں حقیقت میں ایک جملہ مقدر ہے مثلاً "یقال لھم" یا "یقول اللہ لھم" [illegible]

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۳۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ۝

۲۴۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ۝

۲۵۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

۲۶۔ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۝

ترجمہ

۲۳۔ یقیناً ہم نے تجھ پر قرآن نازل کیا ہے۔

۲۴۔ پس تم اپنے پروردگار کے حکم (کی تبلیغ اور اس کے اجراء) کے لیے صبر و شکیبائی اختیار کرو، اور ان میں سے کسی گنہگار اور کافر کی اطاعت نہ کرو۔

۲۵۔ اور اپنے پروردگار کے نام کا صبح و شام ذکر کرو۔

۲۶۔ اور رات کو اس کے لیے سجدہ کرو اور رات کے ایک طویل حصہ میں اس کی تسبیح کرو۔

تفسیر

خدا کے حکم کے اجراء پر موفق ہونے کے لیے پانچ احکام

اس سورہ کی آیات میں آغاز سے لے کر اب تک، انسان کی خلقت اور اس کے بعد معاد و قیامت کی بات ہو رہی تھی۔ زیر بحث آیات میں روئے سخن پیغمبر کی طرف کرتے ہوئے، انسانوں کی ہدایت اور اس راہ میں صبر و استقامت کے تاکیدی احکام انہیں دیتا ہے۔ حقیقت میں یہ آیات ان سب بے نظیر نعمتوں تک پہنچنے کی راہ بتاتی ہیں کہ یہ صرف قرآن سے تمسک اور پیغمبر اسلام جیسے رہبر کی پیروی، اور ان کے احکام سے الہام و ہدایت لینے کے طریق سے ہی امکان پذیر ہے۔

پہلے فرماتا ہے: "یقیناً ہم نے تم پر قرآن نازل کیا ہے" (انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلًا)۔

بعض مفسرین نے "تنزیلًا" کو جو اوپر والی آیت میں مفعول مطلق کی صورت میں آیا ہے، "قرآن کے تدریجی نزول" کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جس کا تربیتی اثر واضح ہے اور بعض اسے آسمانی کتاب کے مقام کی عظمت کی طرف ایک اشارہ قرار دیتے ہیں، اور خدا کی طرف سے اس کے نزول پر ایک تاکید گردانتے ہیں ـــــــ خصوصاً دوسری تاکیدوں کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جو اس آیت میں آئی ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(ان "و" "نحن" اور جملہ اسمیہ" کے ذریعہ تاکید) ———— اور حقیقت میں یہ ان لوگوں کا ایک جواب ہے جو پیغمبر کو کہانت، سحر اور خدا پر افتراء باندھنے سے متہم کرتے تھے۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام کو پانچ اہم حکم دیتا ہے، جن میں سے اولین صبر و استقامت کی دعوت ہے، فرماتا ہے: "اب جبکہ یہ بات ہے، تو اپنے پروردگار کے احکام کی تبلیغ اور ان کے اجراء میں صبر و شکیبائی سے کام لے" (فاصبر لحکم ربك)۔

یعنی راستے کی مشکلات اور رکاوٹوں، دشمنوں کی کثرت اور ان کی سختی سے نہ ڈرو اور اسی طرح سے آگے بڑھتے چلے جاؤ۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ صبر و استقامت کے حکم کو ("فاصبر" میں "فاء تفریع" کی طرف توجہ کرتے ہوئے) خدا کی طرف سے قرآن کے نزول کی فرع قرار دیتا ہے، یعنی چونکہ تیرا مددگار خدا ہے، لہٰذا قطعی طور پر اس راستے میں صبر و استقامت سے کام لے اور "رب" کی تعبیر بھی اسی معنی کی طرف ایک اور لطیف اشارہ قرار پاتی ہے۔

اور دوسرے حکم میں پیغمبر کو منحرفین کے ساتھ ہر قسم کے میل جول سے منع کرتے ہوئے کہتا ہے: "ان میں سے کسی گنہگار اور کافر کی اطاعت نہ کر" (ولا تطع منهم اٰثما او كفورا)۔

حقیقت میں یہ دوسرا حکم پہلے حکم پر ایک تاکید ہے، کیونکہ دشمنوں کی جماعت اس کوشش میں رہتی تھی کہ پیغمبر کو مختلف طریقوں سے سازش کرکے، باطل کے راستہ پر کھینچ لے جائیں، جیسا کہ نقل ہوا ہے کہ "عتبہ بن ربیعہ" اور "ولید بن مغیرہ" پیغمبر سے یہ کہتے تھے کہ تم اپنی دعوت سے رک جاؤ، ہم تمہیں اتنا مال و دولت دے دیں گے کہ تم راضی ہو جاؤ گے اور عرب کی خوبصورت ترین عورت کے ساتھ تمہاری شادی کر دیں گے اور اسی قسم کی دوسری پیش کش اور پیغمبر کو ایک سچے عظیم رہبر کے طور پر، ان شیطانی وسوسوں یا ان دھمکیوں کے مقابلہ میں، جو ان لالچوں کے بے اثر ہو جانے کے بعد دی جاتی ہیں، صبر و استقامت سے کام لینے کی ضرورت تھی کہ وہ نہ تو ان کے کسی لالچ میں آئے اور نہ ہی ان کی کسی دھمکی کے آگے سر جھکائے۔

یہ ٹھیک ہے کہ پیغمبر کبھی بھی ان کے آگے نہیں جھکے، لیکن یہ آنحضرت کے بارے میں اس موضوع کی اہمیت کے لیے ایک تاکید ہے، اور تمام راہ حق کے رہبروں کے لیے ایک ہمیشہ کا دستور العمل قرار پاتا ہے۔

اگرچہ بعض مفسرین نے "آثم" کی "عتبہ بن ربیعہ" سے اور "کفور" کی "ولید بن مغیرہ" یا "ابوجہل" کے ساتھ ———— جو تینوں ہی مشرکین عرب میں سے تھے ———— تفسیر کی ہے۔ لیکن واضح ہے کہ "آثم" (گنہگار) اور "کفور" (کافر اور کفران کرنے والا) ایک وسیع و عریض مفہوم رکھتے ہیں، جو تمام مجرموں اور مشرکین کو شامل ہے، اگرچہ یہ تینوں افراد اس کے واضح مصادیق میں سے ہیں۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ "آثم" ایک عام مفہوم رکھتا ہے جو "کفور" کو بھی شامل ہے۔ اس بنا پر "کفور" کا ذکر "عام" کے بعد "خاص" کے ذکر کی قسم سے ہے اور تاکید کے لیے ہے۔

لیکن چونکہ ان عظیم مشکلات کے ہجوم کے مقابلہ میں صبر و استقامت کوئی آسان کام نہیں ہے اور اس راستے کو طے کرنے کے لیے دو خاص قسم کے زاد راہ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "اپنے پروردگار کے نام کا ہر صبح و شام ذکر کر"

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(واذکر اسم ربک بکرۃ واصیلا)۔

"اور رات کے وقت اس کے لیے سجدہ کر، اور رات کے زیادہ حصہ میں اس کی تسبیح کر" (ومن اللیل فاسجد لہ وسبحہ لیلا طویلا)۔

تاکہ اس "ذکر" اور اس "سجدہ" اور اس "تسبیح" کے سایے میں اس راستے کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے مزید قدرت و توانائی، قوت معنوی اور کافی مدد فراہم کرے۔

بکرۃ "(بروزن نکتہ) دن کی ابتداء اور آغاز کے معنی میں ہے اور" اصیل "اس کا نقطۂ مقابل ہے، یعنی دن کا آخری حصہ اور شام کا وقت۔

بعض نے کہا ہے کہ اس لفظ کا دن کے آخری حصہ پر اطلاق اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ وہ "اصل" کے مادہ سے لیا گیا ہے، اس بنا پر ہے کہ دن کا آخری حصہ رات کی اصل اور بنیاد ہوتا ہے۔

بعض تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ "اصیل" کا بعض اوقات ظہر اور غروب کے درمیانی فاصلہ پر اطلاق ہوتا ہے۔

(مفردات راغب)[1]

اور بعض دوسری تعبیروں سے پتہ چلتا ہے کہ "اصیل" رات کے اوائل حصہ کو بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ انھوں نے اس کی "عشی" کے ساتھ تفسیر کی ہے اور "عشی" رات کے آغاز کو کہا جاتا ہے، اسی لیے مغرب اور عشاء کی نماز کو "عشائین" کہتے ہیں، یہاں تک کہ بعض کلمات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "عشی" زوال ظہر سے لے کر اگلے دن کی صبح تک کو بھی شامل ہے[2]

لیکن اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ اس آیہ شریفہ میں "اصیل" "بکرۃ" "(صبح) کے مقابلہ میں آیا ہے اور اس کے بعد بھی رات کی عبادت کی بات ہوئی ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد وقت کے آخری حصہ کی طرف ہی ہے۔

بہرحال یہ دونوں آیات حقیقت میں پروردگار کی مقدس ذات کی طرف شبانہ روز اور ہمیشہ توجہ رکھنے کے لزوم کو بیان کرتی ہیں۔

بعض نے اس کی خصوصیت کے ساتھ نماز پنجگانہ سے یا نماز تہجد کے اضافہ کے ساتھ، یا بالخصوص صبح، عصر اور مغرب و عشاء کے ساتھ تفسیر کی ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ نمازیں خدا کے اس دائمی و مسلسل ذکر اور اس کی مقدس بارگاہ میں تسبیح و سجدے کے مصادیق میں سے ہیں۔

"لیلا طویلا" کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رات کی زیادہ تر مقدار میں تسبیح خدا کر۔ ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے اس کی تفسیر میں آیا ہے کہ آپ نے اس سوال کے جواب میں کہ اس تسبیح سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اس سے مراد نماز شب ہے[3]

لیکن بعید نہیں ہے کہ یہ تفسیر بھی ایک واضح مصداق کے بیان کی قسم سے ہو، کیونکہ تہجد کی نماز، روح ایمان کی تقویت، تہذیب نفوس اور خدا کی

---

[1] مفردات راغب

[2] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۱۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اطاعت کی راہ میں انسان کے ارادہ کو زندہ رکھنے میں حد سے زیادہ تاثیر رکھتی ہے۔

یہاں اس نکتہ کی طرف بھی توجہ کرنا چاہیے کہ اوپر والی آیات کے پانچ احکام اگرچہ پیغمبر اسلامؐ کے لیے ایک پروگرام کی صورت میں وارد ہوئے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ ان تمام افراد کے لیے ایک دستور العمل ہے جو انسانی معاشرے کی معنوی اور انسانی رہبری کے راستے میں قدم اٹھاتے ہیں۔

انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ انھیں اس ہدف اور پیغام رسالت پر اطمینان اور ایمان کامل کے بعد صبر و استقامت اختیار کرنا لازم ہے۔ اور راستے کی انبوہ مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے، کیونکہ ایک معاشرے کی ہدایت میں خصوصاً اس وقت جبکہ جاہل اور ہٹ دھرم دشمن مقابلہ میں ہوں ہمیشہ عظیم مشکلات ہوتی ہیں، اگر رہبروں کی طرف سے صبر و استقامت نہ ہو تو کوئی رسالت بھی بار آور نہیں ہوسکتی۔

اور بعد والے مرحلہ میں اشتیاطین کے وسوسوں کے مقابلہ میں جو آثم و کفور کے مصداق ہیں اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے رہبروں کو منحرف کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ ان کی رسالت بیکار اور بے ثمر رہ جائے، پوری طاقت کے ساتھ ڈٹ جانا چاہیے، نہ لالچ کے فریب میں آنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی دھمکیوں سے خوف کھانے کی ضرورت۔

اور تمام مراحل میں روحانی قدرت، قوت ارادی، عزم راسخ اور پختہ ارادے کے حصول کے لیے ہر صبح و شام خدا کی یاد میں رہیں اور اس کی بارگاہ میں اپنی پیشانی جھکا دیں، خصوصاً رات کی عبادتوں اور اس سے راز و نیاز کے ذریعہ مدد حاصل کریں، کیونکہ اگر ان امور کی رعایت کی جائے، تو پھر کامیابی حتمی و یقینی ہے۔

اور اگر بعض مراحل میں کسی مصیبت یا شکست سے دوچار ہونا پڑے تو ان اصولوں کے ساتھ ان کی تلافی کی جاسکتی ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کی زندگی کا پروگرام اعلان کی دعوت و رسالت، اس راستہ کے راہرو افراد کے لیے ایک مؤثر دستور العمل ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

۲۷۔ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ۝

۲۸۔ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۖ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ۝

۲۹۔ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝

۳۰۔ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

۳۱۔ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

ترجمہ

۲۷۔ وہ دنیا کی جلدی گزر جانے والی زندگی کو دوست رکھتے ہیں، اور سخت اور سنگین دن کو اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔

۲۸۔ ہم نے انھیں پیدا کیا اور ان کے وجود کے جوڑ بند مضبوط بنائے اور جب بھی ہم چاہیں گے، ان کی جگہ دوسروں کو دے دیں گے۔

۲۹۔ یہ ایک تذکرہ اور یاد آوری ہے، پس جو شخص چاہے (اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے) اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرلے۔

۳۰۔ اور تم کسی چیز کو نہیں چاہتے، مگر یہ کہ خدا چاہے، بیشک خدا عالم و حکیم ہے۔

۳۱۔ جسے وہ چاہتا ہے (اور لائق سمجھتا ہے) اپنی رحمت میں داخل کرلیتا ہے، اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب فراہم کیا ہے۔

Presented by: Rana Jabir Abbas
jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

یہ ایک تنبیہ ہے اور راستہ کا انتخاب کرنا تمہارے اختیار میں ہے

گزشتہ آیات میں پیغمبر کو خبردار کیا گیا تھا کہ وہ "آثم" و "کفور" (مجرموں اور کافروں) کی اطاعت نہ کریں، اور تاریخ گواہ ہے کہ وہ ایسے لوگ تھے جو اپنی خام خیالی میں پیغمبر کے ارادوں میں نفوذ کرنے کے لیے، مال و دولت، مقام و منصب اور خوبصورت عورتوں کا لالچ دے کر کام چلانا چاہتے تھے۔

زیر بحث آیات ان کا مزید تعارف کراتے ہوئے کہتی ہیں: "وہ اس دنیا کی جلدی گزر جانے والی زندگی کو دوست رکھتے ہیں، جب کہ ایک سخت اور سنگین دن کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں اور اسے نظر انداز کر دیتے ہیں"۔ (ان ھٰؤلاء یحبون العاجلۃ و یذرون وراءھم یومًا ثقیلًا)۔

ان کے افکار کھانے، سونے اور شہوت رانی سے آگے نہیں بڑھتے اور ان کا آخری نقطۂ نظر یہی بے قید و شرط مادی لذتیں ہیں، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ پیغمبر کی عظیم روح کو بھی اسی دائرہ میں تولیں۔

لیکن یہ بے خبر دل کے اندھے اس بات پر توجہ نہیں کرتے کہ کیسا سنگین دن ان کے آگے آرہا ہے؟! سزاؤں اور عذاب کے لحاظ سے سنگین، حساب و کتاب کے لحاظ سے سنگین، زمانہ کے طول کے لحاظ سے سنگین، اور فضیحت و رسوائی کے لحاظ سے سنگین۔

"وراءھم" (اپنے پس پشت) کی تعبیر حالانکہ اسے قاعدے کی رو سے آگے کہا جانا چاہیے، تو یہ اس بناء پر ہے کہ وہ اس دن کو فراموشی کے سپرد کریں گے، گویا انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے۔ لیکن بعض مفسرین کے قول کے مطابق "وراء" کبھی تو پشت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی آگے کے معنی میں۔[1]

بعد والی آیت میں انہیں خبردار کرتا ہے کہ وہ اپنی قدرت و توانائی پر مغرور نہ ہوں، کیونکہ یہ سب خدا کی عطا ہے، اور جب وہ چاہے گا اچانک واپس لے لے گا۔ فرماتا ہے: "ہم نے انہیں پیدا کیا ہے، اور ان کے جوڑ بند کو مضبوط بنایا ہے اور انہیں قدرت و طاقت عطا کی ہے اور جس وقت ہم چاہیں گے انہیں لے جائیں گے اور ان کی جگہ دوسرے گروہ کو ان کا جانشین بنا دیں گے۔" (نحن خلقناھم و شددنا اسرھم و اذا شئنا بدلنا امثالھم تبدیلا)۔[2]

"اسر" (بر وزن عصر) اصل میں کسی چیز کو زنجیر سے باندھنے کے معنی میں ہے اور اسیروں کو اسی وجہ سے "اسیر" کہا جاتا ہے

---

[1] تفسیر "روح البیان" میں کہا ہے کہ اگر "وراء" کی "فاعل" کی طرف اضافت ہو تو پشت سر کے معنی میں ہے اور اگر "مفعول" کی طرف اضافت ہو تو آگے کے معنی میں ہے۔ (روح البیان جلد ۱۰ ص ۲۷۹)

[2] اس جملے میں ایک محذوف ہے اور تقدیر یوں ہے: "بدلناھم امثالھم" (توجہ رہے کہ تبدیل عام طور پر دو مفعول لیتا ہے یہاں "ھم" کی ضمیر مفعول اول ہے اور "امثالھم" مفعول دوم۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کہ انھیں زنجیروں سے باندھ دیتے ہیں۔ یہیں یہاں "اسر" انسانی وجود کے جوڑ بندوں کو مستحکم کرنے کی طرف اشارہ ہے جو اہم کاموں کے انجام دینے کے لیے اسے حرکت کی قدرت اور توانائی بخشتے ہیں۔

واقعاً قرآن نے یہاں ایک حساس نقطہ پر انگلی رکھی ہے اور وہ وجود انسانی کے مختلف اجزاء کے جوڑ بند میں عجیب تر اور چھوٹے اعصاب ــــــ جو رسے کی رسیوں کی طرح عضلات کو ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ دیتے ہیں ــــــ لہٰذا پٹھوں اور مختلف عضلات تک، انسانی بدن کی چھوٹی اور بڑی ہڈیوں اور گوشت کے ٹکڑوں کو اس طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیتے ہیں کہ جن کے مجموعے سے جسم کی ایک ایسی کامل وحدت تیار ہو جاتی ہے، جو ہر قسم کی خلاقیت کے انجام دینے کے لیے آمادہ و تیار ہوتی ہے۔ لیکن عمومی طور پر یہ جملہ قدرت و قوت سے کنایہ ہے۔

یہ آیت ضمنی طور پر خدا کی پاک ذات کی، ان سے، اور ان کی اطاعت و ایمان سے بے نیازی اور استغناء کو واضح کرتی ہے، تاکہ وہ یہ جان لیں کہ اگر ان کے ایمان کے لیے کچھ اصرار ہے تو حقیقت میں یہ پروردگار کی طرف سے ایک لطف و رحمت ہے۔

اس معنی کی نظیر سورۂ انعام کی آیہ ۱۳۳ میں بھی آئی ہے، جہاں فرماتا ہے: (و ربك الغنی ذو الرحمة ان یشأ یذهبكم و یستخلف من بعدكم ما یشاء)۔ تیرا پروردگار بے نیاز مہربان ہے، اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین بنا دے۔

اس کے بعد ان تمام مباحث کی طرف ــــــ جو اس سورہ میں بیان ہوئے ہیں اور جو سعادت و نیک بختی کا ایک جامع پروگرام پیش کرتے ہیں ــــــ اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: "یہ ایک تذکر اور یاد آوری ہے، پس جو شخص چاہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لیتا ہے" (ان هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الی ربه سبیلا)۔[1]

ہماری ذمہ داری تو راستہ دکھا دینا ہے، نہ کہ انتخاب راہ پر مجبور کرنا، اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اپنی عقل و ادراک کے ذریعے حق کو باطل سے پہچان لو، اور اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ راستہ کا انتخاب کرو۔

حقیقت میں یہ اس چیز کے لیے ایک تاکید ہے جو اس سورہ کے آغاز میں گزر چکی ہے، جس میں فرمایا ہے: (انا هدیناه السبیل اما شاكرا و اما كفورا)۔ ہم نے اسے راستے کی نشاندہی کر دی اب چاہے وہ اسے قبول کرلے اور اس نعمت کا شکر ادا کرے یا روگردانی کرکے کفران کرے۔

اور چونکہ یہ ممکن ہے کہ کوتاہ فکر افراد اوپر والی تعبیر سے بندوں کے لیے تفویض اور مطلق سپردگی کا تصور کرلیں، لہٰذا بعد والی آیت میں اس توہم کی نفی کے لیے مزید کہتا ہے: "تم کسی چیز کو نہیں چاہتے مگر یہ کہ خدا چاہے"۔ (و ما تشاءون

---

[1] بعض لوگ اس آیت کے لیے ایک محذوف کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تقدیر میں اس طرح ہے "فمن شاء اتخذ الی مرضاة ربه سبیلا" یا "الی طاعة ربه سبیلا" لیکن انصاف یہ ہے کہ تقدیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تمام کے سب راستے خدا ہی کی طرف جاکر منتہی ہوتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ[1]

کیونکہ خدا علیم و حکیم ہے (إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا)۔

اور یہ حقیقت میں (الامر بین الامرین) والے مشہور اصل کا اثبات ہے، ایک طرف فرماتا ہے: "خدا نے راستہ تو بتا دیا ہے، اس کا انتخاب تمہارے ہاتھ میں ہے اور دوسری طرف مزید کہتا ہے: "تمہارا انتخاب مشیتِ خدا پر موقوف ہے، یعنی تم مکمل استقلال نہیں رکھتے، بلکہ قدرت و توانائی اور تمہارے ارادے کی آزادی سب مشیتِ خداوندی اور اس کی جانب سے ہے اور جس وقت وہ چاہے اس قدرت و آزادی کو تم سے چھین سکتا ہے۔

اس طرح نہ تو "تفویض" اور مکمل سپردگی ہے اور نہ ہی جبر اور سلب اختیار، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک دقیق و لطیف حقیقت ہے یا دوسرے لفظوں میں، آزادی کی نوعیت خدائی مشیت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جس وقت بھی وہ چاہے اسے واپس لے سکتا ہے، تاکہ بندے تکلیف و مسؤلیت اور ذمہ داری کے بوجھ کو ——— جو ان کے تکامل و ارتقاء کی رمز ہے ——— اپنے کندھوں پر بھی اٹھا سکیں، اور اپنے آپ کو خدا سے بے نیاز بھی خیال نہ کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ تعبیر اس بناء پر ہے کہ بندے اپنے آپ کو خدا کی پاک ذات کی ہدایت، حمایت اور توفیق و تائید سے بے نیاز نہ سمجھیں اور کاموں میں عزم راسخ کے باوجود اپنے آپ کو اسی کے سپرد کریں، اور اس کی حمایت کے ماتحت کام کریں۔

یہاں سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جو بعض جبری مسلک والے مفسرین مثلاً "فخر رازی" اس آیت کے ساتھ چپکے ہیں تو یہ ان پہلے سے کیے ہوئے فیصلوں کی بناء پر ہے جو انھوں نے اس مسئلہ میں اپنائے ہوئے ہیں، وہ کہتا ہے:

واعلم ان هٰذه الآية من جملة الآيات التي تلاطمت فيها امواج الجبر و القدر

جان لے کہ یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جس میں جبر کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں[2]

لہٰذا اگر اس آیت کو قبل کی آیات سے جدا کر دیں تو پھر اس توہم کی گنجائش ہے، لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ایک آیت میں اختیار کی تاثیر بیان ہوئی ہے اور دوسری آیت میں مشیت پروردگار کی تاثیر، تو پھر "الامر بین الامرین" کا مسئلہ اچھی طرح سے ثابت ہو جاتا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ تفویض کے طرفدار صرف اسی آیت سے واسطہ رکھتے ہیں جو اختیار مطلق کی بات کرتی ہے، اور جبر کے طرفدار محض اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ اگر وہی سامنے ہو تو پھر جبر کی بو آتی ہے اور پھر ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اپنے پہلے سے کیے ہوئے فیصلوں سے اس کی توجیہ کریں، حالانکہ کلام الٰہی (اور ہر دوسرے کلام) کے صحیح فہم و ادراک کا تقاضا یہ ہے کہ سارے کلام کو ایک دوسرے کے پاس رکھ کر دیکھا جائے اور کسی تعصب اور پہلے سے کیے ہوئے فیصلے کے بغیر فیصلہ کریں۔

---

[1] اس بارے میں کہ "ان یشاء اللّٰه" کا محل اعراب کیا ہے، مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے اور معنوی طور پر اس طرح ہے: "ما تشاؤون الا وقت مشیت اللّٰه" لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں "مشیئنا" مقدر ہو، اور معنا اس طرح ہو "وما تشاؤون الا مشیئا یشاء اللّٰه"۔

[2] تفسیر فخر رازی، جلد ۳۰، ص ۲۶۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آیت کے ذیل میں جو فرمایا ہے: ان اللہ کان علیما حکیما ممکن ہے یہ بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ خدا کے علم و حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بندوں کو راہ و شمال اور افکار کے طے کرنے میں آزاد چھوڑ دے، ورنہ اجباری و تحمیلی اعمال، اعمال نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس کا علم و حکمت اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کچھ افراد کو تو کار خیر پر مجبور کرے اور کچھ افراد کو کار شر پر، اور اس کے بعد پہلے گروہ کو اجر و پاداش دے، اور دوسرے گروہ کو عذاب و سزا دے۔

اور آخر کار اس سورہ کی آخری آیت میں نیکوکاروں اور بدکاروں کی سرنوشت کی طرف ایک مختصر اور پر معنی جملہ کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "خدا جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کیلئے اس نے دردناک عذاب فراہم کر رکھا ہے" (یدخل من یشاء فی رحمتہ والظالمین اعد لھم عذابا الیما)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ آیت کے آغاز میں کہتا ہے: "جس شخص کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے" لیکن آیت کے آخر میں عذاب کو ظالموں کے لیے مخصوص قرار دیتا ہے اور یہ چیز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس کی عذاب کے لیے مشیت، انسان کے ظلم و گناہ کا ارادہ کرنے کے بعد ہے، اور مقابلہ کے قرینہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ رحمت میں بھی اس کی مشیت ایمان، عمل صالح اور ابرار کے عمل میں انسان کے ارادے کے بعد ہے اور ایک حکیم و دانا سے اس کے علاوہ اور کوئی توقع نہیں ہو سکتی۔

تعجب کی بات ہے کہ اس واضح قرینے کے باوجود پھر بھی کچھ افراد، مثلاً فخر رازی آیت کے مضمون کو جبر کی دلیل قرار دیتا ہے، اور آیت کے ذیل میں ارادہ کی آزادی اور ظالموں کے بارے میں جو گفتگو ہوئی ہے اس پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔[1]

خداوندا! ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر، اور دردناک عذاب سے جو ظالموں کے انتظار میں ہے رہائی دے۔

پروردگارا! تو نے راستہ بتا دیا ہے، ہم بھی اس راہ کو طے کرنے کا محکم ارادہ کر چکے ہیں، ہماری مدد فرما۔

بارالٰہا! اگر ہم "ابرار" نہیں ہیں تو ان کے دوست اور محبت کرنے والے تو ہیں، ہمیں ان کے ساتھ ملحق کر دے۔

سورۂ انسان (دہر) کا اختتام

یکم ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

اختتام ترجمہ

یکم ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۷ء

بعد دوپہر چار بج کر چھتیس منٹ

۸۰ ای ماڈل ٹاؤن ـ لاہور

۱۔ "ذات مشیت" کے بارے میں مزید تشریح کے لیے جلد ۱۴ سورہ مدثر کی آیہ ۵۶ کے ذیل میں مطالعہ فرمائیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

.Presented by: Rana Jabir Abbas



سُورۂ مُرسلات

یہ سُورہ مکّہ میں نازل ہوا

اور

اس کی ۵۰ آیات ہیں

تاریخ شروع

۲ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ "مرسلات" کے مضامین

مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ "مکہ" میں نازل ہوا، لیکن بعض نے یہ تصریح کی ہے کہ آیہ ۴۸ "واذا قیل لھم ارکعوا لا یرکعون" "مدنی" ہے، اگرچہ انھوں نے اس چیز کی کوئی واضح دلیل پیش نہیں کی ہے اور اگر "رکوع" و "نماز" کا مسئلہ ان استباط کا سبب بنا ہے تو یہ درست نظر نہیں آتا، کیونکہ مسلمان مدتوں مکہ میں نماز پڑھتے اور رکوع کرتے رہے۔

بہرحال زیادہ تر مطالب جو اس سورہ میں بیان کیے گئے ہیں، وہ قیامت اور مکذبین و منکرین کی تہدید و انذار سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس سورہ کے امتیازات میں سے یہ ہے کہ آیہ "ویل یومئذ للمکذبین" "وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے" کا اس میں دس مرتبہ تکرار ہوا ہے، اور ہر مرتبہ نئے مطلب کے بعد ہے۔

کئی قسمیں کھانے کے بعد قیامت اور معاد کے تحقق اور سخت حوادث کی خبر دیتا ہے اور اس کے بعد اسی آیت کو ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے "وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے"

اس کے بعد والے مرحلہ میں گزشتہ گنہگار اقوام کی غم انگیز سرگزشت ہے۔

اور تیسرے مرحلہ میں انسان کی خلقت کے خصوصیات کا ایک گوشہ ہے۔

اور چوتھے مرحلہ میں زمین میں خدا کی نعمتوں کے ایک حصہ کا بیان ہے۔

اور پانچویں مرحلہ میں تکذیب کرنے والوں کے عذاب کے کچھ حصوں کی تشریح کرتا ہے۔

اسی طرح ہر مرحلہ میں ایک بیدار کرنے اور جھنجھوڑ دینے والے مطلب کی طرف اشارہ کرکے، اس کے بعد اس آیت کا تکرار کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے ایک حصہ میں بہشت کی ان نعمتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جو پرہیزگاروں کو نصیب ہوئی ہیں تاکہ انذار کو بشارت کے ساتھ ملا دے اور تہدید کو تشویق کے ساتھ۔

بہرحال یہ تکرار سورہ الرحمٰن کی بعض آیات کے تکرار کے مشابہ ہے، اس فرق کے ساتھ کہ وہاں گفتگو نعمتوں کے متعلق تھی اور یہاں زیادہ تر تکذیب کرنے والوں کے عذابوں کے بارے میں ہے۔

اس سورہ کے لیے "مرسلات" کے نام کا انتخاب اس سورہ کی پہلی آیت کی مناسبت سے ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اکرمؐ سے آیا ہے:

من قرء سورة والمرسلات كتب انه ليس من المشركين

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جو شخص سورۂ مرسلات کو پڑھے گا تو یہ لکھا جائے گا کہ یہ مشرکین میں سے نہیں ہے۔ [1]

ایک اور حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے:

من قرأها عرف الله بينه و بين محمد (ص)

"جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا تو خدا اسے پیغمبرؐ کا آشنا (اور ہم جوار) بنا دے گا۔" [2]

اس میں شک نہیں کہ یہ ثواب اور فضیلت انھی لوگوں کے لیے ہے جو پڑھ کر غور و فکر کریں اور اس پر عمل کریں، اور اسی لیے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اصحابِ پیغمبرؐ میں سے بعض نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا اسرع الشيب اليك يا رسول الله (ص)

"اے رسولِ خدا! آپ میں بڑھاپے کے آثار کتنا جلدی ظاہر ہو گئے ہیں؟"

آپؐ نے فرمایا:

شيبتني هود والواقعة والمرسلات وعم يتساءلون

"مجھے سورۂ ہود، واقعہ، مرسلات اور عم یتساءلون نے بوڑھا کر دیا ہے۔" [3]

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان تمام سورتوں میں قیامت کے حالات اور اس عظیم دادگاہ کے ہولناک مسائل بیان کیے گئے ہیں، اور یہی وہ امور تھے جنھوں نے پیغمبرؐ کی روحِ مقدس میں اثر کیا۔

یہ بات واضح ہے کہ غور و فکر اور عمل کے لیے پختہ ارادہ کے بغیر جو تلاوت ہو، وہ اس قسم کا اثر نہیں چھوڑ سکتی۔

---

[1]، [3] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۱۳

[2] خصائل صدوق "باب الاربعہ" حدیث ۱۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

۱۔ وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۝

۲۔ فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۝

۳۔ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۝

۴۔ فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۝

۵۔ فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ۝

۶۔ عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۝

۷۔ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ۝

۸۔ فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۝

۹۔ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۝

۱۰۔ وَاِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ۝

۱۱۔ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ۝

۱۲۔ لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ۝

۱۳۔ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ۝

۱۴۔ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۝

۱۵۔ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۝

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ترجمہ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

۱۔ قسم ہے ان فرشتوں کی جنھیں پے در پے بھیجا جاتا ہے۔

۲۔ اور ان کی جو تیز ہوا کی طرح چلتے ہیں۔

۳۔ اور قسم ہے ان کی جو (بادلوں کو) پھیلاتے اور منتشر کرتے ہیں۔

۴۔ اور ان کی جو جدا کرتے ہیں۔

۵۔ اور قسم ہے ان کی جو (خدا کی) بیدار کرنے والی آیات (انبیاء کی طرف) القاء کرتے ہیں۔

۶۔ اتمام حجت یا انذار کے لیے

۷۔ تمھیں جو کچھ (قیامت کے بارے میں) وعدہ دیا جاتا ہے، وہ وقوع پذیر ہوگا۔

۸۔ جب ستارے محو اور تاریک ہو جائیں گے

۹۔ اور آسمان (کے ستارے) پھٹ جائیں گے۔

۱۰۔ اور جب پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے۔

۱۱۔ اور جب پیغمبروں کے لیے (شہادت دینے کے لیے) وقت کا تعین ہوگا

۱۲۔ یہ امر کس دن کے لیے تاخیر میں ڈالا گیا ہے؟

۱۳۔ (حق کی باطل سے) جدائی کے دن کے لیے

۱۴۔ تمھیں کیا معلوم ہے کہ جدائی کا دن کیا ہے؟

۱۵۔ وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے۔

تفسیر

خدا کے وعدے حق ہیں، وائے ہے تکذیب کرنے والوں کے لیے

اس سورہ کے آغاز میں مقدمہ کے طور پر پانچ آیات میں پانچ قسمیں آئی ہیں، جن کے معنی کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فرمایا ہے: "قسم ہے ان کی جو پے در پے بھیجے جاتے ہیں"۔ (والمرسلات عرفًا)۔[1]

"اور ان کی جو طوفان اور تیز آندھی کی طرح حرکت کرتے ہیں"۔ (فالعاصفات عصفًا)۔

"اور قسم ہے ان کی جو پھیلاتے اور منتشر کرتے ہیں" (والناشرات نشرًا)۔

"اور ان کی جو جدا کرتے ہیں" (فالفارقات فرقًا)۔

"اور ان کی جو بیدار کرنے والی آیات القا کرتے ہیں" (فالملقیات ذکرًا)۔

"اتمام حجت یا ڈرانے کے لیے" (عذرًا او نذرًا)۔[2]

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان سربستہ قسموں کا ـــــ جو اہم مسائل کی خبر دیتی ہیں ـــــ مفہوم کیا ہے؟

یہاں تین مشہور تفسیریں ہیں۔

۱۔ یہ پانچوں کی پانچوں قسمیں "آندھیوں اور طوفانوں" کی طرف اشارہ ہیں، جن کا طبیعات کے بہت سے مسائل میں ایک موثر نقش ہے۔ اس قول کی بناء پر ان آیات کا مفہوم اس طرح ہوگا، قسم ہے ان ہواؤں کی جو پے در پے چلتی ہیں۔

اور قسم ہے ان طوفانوں کی جو تیزی کے ساتھ چلتی ہیں۔

اور قسم ہے ان کی جو بادلوں کو پھیلاتی اور منتشر کرتی ہیں اور بارش کے حیات بخش قطرات کو ان کے درمیان سے خشک سرزمینوں کی طرف بھیجتی ہیں۔

اور قسم ہے ان کی جو بادلوں کو بارش برسانے کے بعد پراگندہ کر دیتی ہیں۔

اور قسم ہے ان ہواؤں کی جو اس پروگرام کے ساتھ انسانوں کو خدا کی یاد میں مصروف کر دیتی ہیں۔

(بعض نے "فالعاصفات عصفًا" کو عذاب کے طوفانوں کی طرف بھی اشارہ سمجھا ہے، جو حیات بخش ہواؤں کی نقطۂ مقابل ہیں کہ وہ بھی اپنی نوعیت میں تذکرے اور بیداری کا سبب ہیں)۔

۲۔ یہ تمام قسمیں "آسمانی فرشتوں" کی طرف اشارہ ہیں، یعنی قسم ہے ان فرشتوں کی جو پے در پے انبیاء کی طرف بھیجے جاتے ہیں

---

[1] "عرف" پیچھے بعد دیگرے سلسلہ وار پے در پے کے معنی میں آیا ہے اور اصل میں "گھوڑے کی گردن کے بال" کے معنی میں ہے جو ایک دوسرے پر پڑے ہوتے ہیں اور بعض اوقات اس کی "اچھا اور جانے پہچانے کام" کے معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔

[2] "عذرًا او نذرًا" پر نصب (زبر) کا اعراب مفعول لاجلہ کی بناء پر ہے اور بعض نے اسے حال سمجھا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(یا وہ فرشتے جو جانے پہچانے اور مشہور پروگراموں کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں)۔

اور قسم ہے ان کی جو طوفانوں کی طرح پوری سرعت اور تیزی کے ساتھ اپنے کاموں کے پیچھے جاتے ہیں۔

اور ان کی جو آسمانی کتابوں کی آیات کو پیغمبروں کے سامنے کھول کر نشر کرتے ہیں۔

اور ان کی جو اس عمل کے ساتھ حق کو باطل سے جدا کرتے ہیں۔

اور ان کی جو حق تعالیٰ کے ذکر اور اس کے احکام کو انبیاء پر القاء کرتے ہیں۔

۲۔ پہلی اور دوسری قسم "ہواؤں اور طوفانوں" کے بارے میں ہے اور تیسری، چوتھی اور پانچویں قسم فرشتوں کے ذریعہ حق تعالیٰ کی آیات کی نشر و اشاعت کے بارے میں اور پھر حق کو باطل سے جدا کرنے اور اس کے بعد اتمام حجت اور انذار کے مقصد سے خدا کے ذکر اور اس کے احکام کو پیغمبروں پر القاء کے بارے میں ہے۔

وہ چیز جو تیسری تفسیر پر شاہد بن سکتی ہے، اولاً آیات میں "واو" کے ذریعہ ان دو قسم کی قسموں کی جدائی ہے۔ جبکہ باقی کا "فاء" کے ذریعہ عطف ہوا ہے جو ان کے ارتباط اور تعلق کی نشانی ہے۔

ثانیاً ـــــ جیسا کہ ہم دیکھیں گے ـــــ یہ تمام قسمیں ایک ہی مطلب کے لیے ہیں، جو ساتویں آیت میں بیان ہوا ہے یعنی قیامت و معاد کی حقانیت و واقعیت، اور ہم جانتے ہیں کہ قیامت کے قریب ایک عظیم تغیر عالم میں پیدا ہوگا۔ ایک طرف تو شدید طوفان، آندھیاں، زلزلے اور ہلا دینے والے حوادث ہوں گے، اور اس کے بعد دوسری طرف عدل الٰہی کی عدالت اور دادگاہ قائم ہوگی، جہاں فرشتے اعمال ناموں کو پھیلائیں گے اور نشر کریں گے، اور مومنین اور کفار کی صفوں کو الگ اور جدا کر دیں گے اور اس سلسلہ میں حکم الٰہی کا القاء کریں گے۔

اگر اوپر والی پانچ قسمیں اس تفسیر کے مطابق بیان ہوں تو مقسم بہ یعنی وہ چیز جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے، مناسب ہوگی اور آخری تفسیر کو اس لحاظ سے برتری حاصل ہے۔

"فالملقیات ذکرًا" کے جملہ میں ذکر یا تو ان علوم و معارف کے معنی میں ہے جو انبیاء کی طرف القاء ہوئے ہیں، یا ان آیات کے معنی میں ہے جو ان پر نازل ہوئی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ آیات قرآنی میں خود قرآن کو بھی "ذکر" سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۂ حجر کی آیہ ۶ میں آیا ہے: و قالوا یا ایھا الذی نزل علیه الذکر انك لمجنون ـــــ (دشمن) کہتے تھے: اے وہ کہ جس پر ذکر نازل ہوا ہے، تو تو دیوانہ ہے"!

"الملقیات" کی تعبیر جمع کی صورت میں ہے، حالانکہ وحی کا فرشتہ یعنی جبرئیل ایک سے زیادہ نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات قرآنی آیات کے نزول کے لیے فرشتوں کے بہت سے گروہ جبرئیل کے ہمراہ ہوتے تھے سورہ عبس کی آیہ ۱۵ میں بھی یہ آیا ہے "بایدی سفرہ" یعنی آیات قرآنی خدا کے سفیروں (فرشتوں) کے ہاتھ پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی ہیں"۔

• اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ قسمیں کس مقصد کے لیے ہیں، بعد والی آیت میں اس معنی سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہے: "جو کچھ تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ واقع ہو کے رہے گا" (انما توعدون لواقع)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعث ونشور، ثواب وعقاب، حساب وجزا سب حق ہے اور ان میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

بعض نے اسے خدا کے تمام وعدوں کی طرف بھی اشارہ سمجھا ہے، چاہے وہ نیکوں سے وعدے ہوں یا بدوں سے، دنیا میں ہوں یا آخرت میں، لیکن بعد والی آیات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ مراد صرف وعدۂ قیامت ہے[1]

اگرچہ اس آیت میں مسئلہ معاد پر کوئی استدلال نہیں ہوا ہے، اور صرف وعدے پر قناعت کی گئی ہے، لیکن مطلب کی عمدگی یہ ہے کہ گزشتہ قسموں میں ایسے مطالب آئے ہیں جو خود معاد اور قیامت کے دلائل ہیں، منجملہ ان کے مردہ زمینوں کا بارشوں کے نزول کے ذریعہ زندہ ہونا جو خود معاد کے منظر کا نمونہ ہے دوسرے پیغمبروں پر خدائی احکام وتکالیف کا نزول اور رسولوں کا بھیجنا جس کا معاد کے بغیر کوئی مفہوم نہیں ہے، خود اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ قیامت کا وعدہ قطعی ویقینی ہے۔

اس مطلب کی نظیر سورہ ذاریات کی آیہ ۲۳ میں بھی آئی ہے، خدا فرماتا ہے: "فورب السماء والارض انہ لحق" "آسمان کے پروردگار کی قسم تمہاری روزی حق ہے"۔ "رب" کی قسم: جو پروردگار کی ربوبیت اور عالم خلقت میں اس کی تدبیر کی طرف اشارہ ہے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ بندوں کو روزی کے بغیر نہ چھوڑے۔

اس کے بعد اس موعودِ دن کی نشانیوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "یہ موعود دن اس وقت آن پہنچے گا، جب ستارے صفحۂ آسمان سے محو اور تاریک ہو جائیں گے" (فاذا النجوم طمست)۔

اور آسمان (آسمان کے ستارے) پھٹ جائیں گے" (واذا السماء فرجت)۔

"اور جب پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے" (واذا الجبال نسفت)۔

"طمست" "طمس" (بروزن شمس) کے مادے سے کسی چیز کے آثار کو محو وزائل کرنے کے معنی میں ہے اور یہاں ممکن ہے ستاروں کی روشنی کے محو ہونے کی طرف اشارہ ہو، یا ان کے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جانے کی طرف، لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے، جیسا کہ سورہ تکویر کی آیہ ۲ میں آیا ہے: واذا النجوم انکدرت، "جب ستارے تاریک ہو جائیں گے"۔

اور "نسفت" "نسف" (بروزن حذف) کے مادہ سے، اصل میں غذا کے دانوں کو چھلنی میں ڈال کر جانے کے معنی میں ہے، تاکہ چھلکا دانے سے الگ ہو جائے اور یہاں پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور پھر ہوا میں بکھر جانے کے معنی میں ہے۔

اصولی طور پر قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جہان کا اختتام بہت ہی ہولناک اور سرکوبی کرنے والے حوادث کے ایک سلسلے کے ساتھ ہوگا، اس طور پر کہ اس کے نظام کو کلی طور پر پراگندہ کر دے گا، اور عالم آخرت ایک نئے نظام کے ساتھ اس کی

---

[1] "فارقات" کا عطف بھی اسی مطلب کی تائید کرتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جگہ لے لے گا۔

یہ حوادثات اتنے عجیب و غریب اور دہشت ناک ہوں گے کہ کسی بیان کے ساتھ ان کی وضاحت نہیں ہو سکتی، کیا وہ حوادثات جو پہاڑوں کو اپنی جگہ سے اکھیڑ پھینکیں گے اور انھیں اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرائیں گے کہ وہ گرد و غبار میں تبدیل ہو جائیں گے، اور دھنکی ہوئی اون کی صورت اختیار کر لیں گے، قابلِ تعارف ہیں۔

بعض مفسرین کی تعبیر کے مطابق یہ حوادثات اتنے عظیم ہوں گے کہ وہ عظیم ترین زلزلے جنھیں انسان نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے ان کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسے کہ چھوٹے چھوٹے پٹاخے ـــــ جنھیں بچے کھیلتے ہوئے چلاتے ہیں ـــــ بہت بڑے ایٹم بم کے مقابلہ میں۔

بہر حال یہ قرآنی تعبیریں نظام ہائے آخرت اور دنیا کے نظاموں میں بہت زیادہ فرق کی دلیل ہیں۔

اور اس کے بعد قیامت کے منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "اور یہ اس وقت کی بات ہے جب پیغمبروں کے لیے وقت معین ہوگا، کہ وہ اپنی اپنی باری پر آئیں، اور اپنی امتوں کے بارے میں شہادت دیں" (و اذا الرسل اقتت)[1]

جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیہ ۶ میں آیا ہے، (فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین)۔ ہم ان لوگوں سے بھی سوال کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے، اور رسولوں سے بھی سوال کریں گے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "امتوں کے لیے ان رسولوں کی شہادت اور ان کی گواہی کو کس دن کے لیے تاخیر میں ڈالا گیا ہے؟" (لای یوم اجلت)[2]

"جدائی کے دن کے لیے" (لیوم الفصل)۔

حق سے باطل کی جدائی کا دن، مومنین کی صفوں کا کافروں کی صفوں سے جدا ہونے کا دن، اور نیکوکاروں کے بدکاروں سے جدا ہونے کا دن، اور سب کے بارے میں حق تعالیٰ کی مطلق قضاوت اور انصاف کا دن۔

---

[1] "اقتت" اصل میں "وقتت" کے مادہ سے "وقتت" تھا جس کی واو مضموم ہمزہ کے ساتھ تبدیل ہو گئی اور یہ پروردگار کے رسولوں کے لیے "توقیت وقت" کے معنی میں ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ وقت خود ان کیلئے معین نہیں ہوگا، بلکہ ان کے عمل یعنی ان کی شہادت کے بارے میں ہوگا، لہٰذا بعض نے یہ کہا ہے کہ آیت میں مقدر ہے۔

[2] اس تفسیر کے مطابق "اجلت" کی ضمیر انبیاء و رسل کی شہادت کی طرف لوٹتی ہے، جو گزشتہ آیت سے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بعض نے یہ کہا ہے یہاں تمام امور کی طرف لوٹتی ہے جو انبیاء اور ان اخبار سے مربوط ہیں، جو انھوں نے ثواب، عقاب اور قیامت وغیرہ کے حوادث کے بارے میں دیئے ہیں، اور بعض نے ان تمام امور کی طرف اشارہ سمجھا ہے جو گزشتہ آیات میں آئے ہیں، مثلاً ستاروں کی تاریک ہونا وغیرہ ...... لیکن واضح ہے کہ پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ آیت میں ضمیر کا مرجع اس کے ساتھ متصل ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ سوال و جواب اس دن کی عظمت کے بیان کے لیے ہے، اور اس دن کے بارے میں کیسی معنی خیز اور منہ بولتی تعبیر ہوئی ہے "جدائیوں کا دن"۔

اس کے بعد اس دن کی عظمت کے بیان کے لیے فرماتا ہے، "تو کیا جانے کہ یوم الفصل اور جدائیوں کا دن کیا ہے"۔ (وما ادراٰك ما یوم الفصل)۔

جہاں پیغمبر اس وسیع و عریض علم، اور ان تیز بین نگاہوں کے باوجود ـــــ جو اسرار غیب کا مشاہدہ کرتی تھیں ـــــ اس دن کی عظمت کے ابعاد و جہات کو ٹھیک طرح سے نہ جانتے ہوں تو باقی لوگوں کی ذمہ داری واضح ہے اور جیسا کہ ہم نے بارہا بیان کیا ہے، قیامت کے تمام با عظمت اسرار کا ادراک کرنا، ہم قیدیوں دنیا کے قیدیوں کے لیے ممکن نہیں ہے، ہم تو صرف دور سے ان کا ایک سایہ سا دیکھتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

اور آخری زیر بحث آیت میں، اس دن کی تکذیب کرنے والوں کو بہت سختی کے ساتھ تہدید کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے" (ویل یومئذ للمکذبین)۔

"ویل" کی بعض نے "ہلاکت" کے معنی میں، بعض نے "انواع و اقسام کے عذاب" کے معنی میں، اور بعض نے "جہنم کی ایک پر عذاب وادی" کے معنی میں تفسیر کی ہے۔ یہ لفظ عام طور پر افسوس ناک حوادثات کے بارے میں استعمال ہوتا ہے اور یہاں قیامت کے دن تکذیب کرنے والوں کی دردناک سرنوشت کی حکایت کرتا ہے۔[1]

یہاں مکذبین سے مراد وہ لوگ ہیں جو قیامت کی تکذیب کرتے ہیں، اور ہم جانتے ہیں کہ جو شخص قیامت اور خدا کی دادگاہ و عدل اور حساب جزا پر ایمان نہ رکھتا ہو، وہ آسانی کے ساتھ ہر قسم کے گناہ اور ظلم و فساد کا مرتکب ہو سکتا ہے، لیکن اس دن پر ایمان راسخ، انسان کو ذمہ داری، احساس مسئولیت، تقویٰ اور پرہیزگاری بخشتا ہے۔

ایک نکتہ

ان قسموں کا مطلب!

اوپر والی آیات میں پہلے ہواؤں اور طوفانوں کی قسم کھائی گئی ہے، اور یہ اس اہم اثر کی وجہ سے ہے جو وہ عالم خلقت میں رکھتی ہیں؛ بادلوں کو چلاتی ہیں، اور پھر انھیں خشک اور مردہ زمینوں کی بلندی پر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑتی ہیں اور بارش برسانے کے بعد انھیں پراگندہ اور منتشر کر دیتی ہیں۔

---

[1] "ویل" کے معنی کے سلسلہ میں مزید وضاحت اور اس کا "ویس" اور "ویح" کے ساتھ فرق جلد ۱۲ سورۂ ذاریات کی آیہ ۶۰ کے ذیل میں آیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نباتات کے بیجوں کو بکھیرتی ہیں، اور جنگلات اور چراگاہیں وجود میں لاتی ہیں، بہت سے پھولوں اور پھلوں کو بارور کرتی ہیں، اور حرارت و برودت کو زمین کے مختلف مقامات سے دوسرے مقامات کی طرف منتقل کرتی ہیں اور فضا میں اعتدال پیدا کرتی ہیں۔

زندہ اور آکسیجن سے بھری ہوئی ہوا کو کھیتوں اور صحراؤں سے شہروں کی طرف لے جاتی ہیں، اور گندی ہواؤں کو صاف کرنے کے لیے صحراؤں کی طرف لے جاتے ہیں۔

سمندروں کے پانی کو متلاطم اور مواج بناتی ہیں اور پانی کے اندر زندہ رہنے والی موجودات کے لیے پانی کو آکسیجن سے پُر کرتی ہیں۔ ہاں! ہوائیں اور بادِ نسیم، دنیا میں عظیم اور حیات بخش خدمات انجام دیتی ہیں۔

ان قسموں کا دوسرا حصّہ جو فرشتوں کے ذریعہ نزولِ وحی کے پروگرام کی بات کرتا ہے، وہ بھی عالمِ معنی میں اس نسیم سے مشابہ ہے، جو عالمِ مادہ میں چلتی ہے، فرشتے، وحی کے کلمات کو، جو بارش کے قطروں کی طرح زندہ کرنے والے ہوتے ہیں، خدا کے پیغمبروں کے دلوں پر نازل کرتے ہیں، اور تقویٰ و معارفِ الٰہی کے پھل اور پھول دلوں میں اگاتے ہیں، اس طرح خدا نے عالمِ مادہ کی تربیت کرنے والوں کی بھی اور عالمِ معنی کی تربیت کرنے والوں کی بھی قسم کھائی ہے۔

اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہ تمام قسمیں اس دن کی واقعیت کے بیان کے لیے ہیں جس میں یہ تمام کوششیں ثمر بخش ہوں گی، جو قیامت کا دن اور یوم الفصل ہے۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۶۔ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝

۱۷۔ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝

۱۸۔ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝

۱۹۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

۲۰۔ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝

۲۱۔ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝

۲۲۔ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

۲۳۔ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝

۲۴۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

۲۵۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝

۲۶۔ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝

۲۷۔ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝

۲۸۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

ترجمہ

۱۶۔ کیا ہم نے پہلی (مجرم) قوموں کو ہلاک نہیں کیا؟

۱۷۔ پھر ہم بعد میں آنے والوں کو ان کے پیچھے بھیجیں گے۔

۱۸۔ (ہاں)! ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔

۱۹۔ وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۰۔ کیا ہم نے تمھیں پست اور حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا
۲۱۔ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ اور آمادہ قرار گاہ میں ٹھہرایا۔
۲۲۔ ایک معین مدت تک
۲۳۔ ہم اس کام پر قدرت رکھتے تھے، پس ہم کیسے اچھے قدرت والے ہیں (لہٰذا معاد کا معاملہ ہمارے لیے آسان ہے)
۲۴۔ وائے ہو اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے۔
۲۵۔ کیا ہم نے زمین کو انسانوں کے اجتماع کا مرکز قرار نہیں دیا۔
۲۶۔ ان کی زندگی کی حالت میں بھی اور موت کی حالت میں بھی۔
۲۷۔ اور ہم نے اس میں استوار اور بلند پہاڑ قرار دیئے اور تمھیں ہم نے خوشگوار پانی پلایا۔
۲۸۔ وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے

تفسیر

ان تمام مظاہر قدرت کے باوجود پھر بھی تم معاد میں شک رکھتے ہو؟!

ان آیات میں بھی منکرین قیامت کو مختلف طریقوں سے خبردار کرتا ہے، اور گوناں گوں بیانات کے ساتھ انھیں غفلت کی گہری نیند سے بیدار کرتا ہے۔

پہلے ان کا ہاتھ پکڑ کر گزشتہ تاریخ کی طرف لے جاتا ہے اور انھیں گزشتہ معصیت زدہ اقوام کی سرزمین دکھاتا ہے، اور فرماتا ہے "کیا ہم نے پہلی قوموں کو جنھوں نے کفر و انکار کی راہ اختیار کی تھی ہلاک نہیں کیا" (الم نہلك الاولین)۔

ان کے آثار نہ صرف صفحات تاریخ پر، بلکہ سطح روئے زمین پر بھی نمایاں ہیں، قوم "عاد" و "ثمود" اور "قوم نوح" و "قوم لوط" اور قوم "فرعون" جیسی اقوام، جن میں سے کوئی گروہ طوفان سے، کوئی گروہ صاعقہ (بجلی) سے، کوئی گروہ تیز آندھی سے، اور کوئی قوم زلزلہ اور آسمانی پتھروں کے عذاب سے نابود ہو گئی۔

"پھر ہم بعد میں آنے والی قوموں کو جو ان ہی جیسے اعمال رکھتی ہیں، ان کے پیچھے بھیج دیتے ہیں" (ثم نتبعھم الآخرین)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیونکہ یہ ایک مسلسل جاری رہنے والی سنت ہے اور اس میں استثناء اور تبعیض نہیں ہے۔ وکیا یہ ممکن ہے کہ ایک گروہ کو ایک جرم کی وجہ سے سزا دے اور اسی جرم کو دوسروں کے لیے پسند کرے۔

اس لیے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "ہم گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں" (کذالک نفعل بالمجرمین)۔

یہ آیت حقیقت میں "اقوام اولین" کی ہلاکت، اور ان کے بعد آنے والی اقوام کی ہلاکت کی دلیل کے طور پر بیان ہوئی ہے، کیونکہ خدائی عذاب میں، نہ تو انتقام جوئی کا پہلو ہوتا ہے، اور نہ ہی شخصی حساب کا تصفیہ، بلکہ وہ اصل استحقاق اور مقتضائے حکمت کے تابع ہوتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اولین سے مراد وہ قومیں ہیں جو ماضی بعید میں تھیں، مثلاً قوم نوحؑ و عاد و ثمود، اور آخرین سے مراد وہ قومیں ہیں جو ان کے بعد آئیں، مثلاً قوم لوط، و قوم فرعون۔ لیکن اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ "نتبعھم" فعل مضارع کی صورت میں آیا ہے، جبکہ "الم نھلک" ماضی کا معنی رکھتا ہے، یہ واضح ہو جاتا ہے کہ "اولین" ان تمام گزری ہوئی قوموں کے لیے آیا ہے، جو عذاب الٰہی کے ساتھ ہلاک ہوئیں، اور "آخرین" ان تمام کفار کو شامل ہے، جو پیغمبرؐ کے زمانے میں تھے یا جو اس کے بعد عرصۂ وجود میں قدم رکھیں گے اور جرم و گناہ اور ظلم و فساد میں آلودہ ہوں گے۔

اور انجام کار نتیجہ نکالتے ہوئے مزید کہتا ہے: "وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے" (ویل یومئذ للمکذبین)۔

"یومئذ" یہاں روز قیامت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ ان کی اصلی اور اہم سزا اسی روز کے ساتھ مربوط ہے، اور یہ تکرار تاکید مطلب کے لیے ہے، اور یہ جو بعض نے احتمال دیا ہے۔ کہ یہ آیت عذاب دنیا کو بیان کررہی، اور اس کی مشابہ آیت جو اس سے پہلے آئی ہے عذاب آخرت کو بیان کرتی ہے۔ بہت ہی بعید نظر آتا ہے۔

پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر عالم جنین کی طرف لے جاتا ہے اور خدا کی عظمت و قدرت، اور اس اسرار آمیز دنیا میں، اس کی نعمتوں کی کثرت [illegible] دکھاتا ہے، تاکہ ایک طرف تو مسئلہ معاد و قیامت پر خدا کی قدرت سے آگاہ ہو جائیں اور دوسری طرف خود کو اس کی بے شمار نعمتوں کا مرہون [illegible]، اور اس کے آستانے پر سر تعظیم جھکائیں۔

فرماتا ہے: "کیا ہم نے تمہیں پست اور ناچیز پانی سے پیدا نہیں کیا ہے"؟ (الم نخلقکم من ماء مھین)۔

"پھر ہم نے اسے مناسب محفوظ، تیار و آمادہ قرار گاہ میں ٹھہرایا"۔ (فجعلناہ فی قرار مکین)۔

لہ "قرار" محل استقرار کے معنی میں ہے اور "مکین" "محفوظ" کے معنی میں ہے، اور اصل میں "مکانت" سے بنے، جو تمکن کے معنی میں آیا ہے البتہ "مکانت" بعض اوقات "منزلت" کے معنی میں بھی آیا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایسی قرارگاہ، جس میں ہر لحاظ سے، حیات و زندگی اور انسانی نطفہ کی پرورش و رشد محافظت کے لیے، تمام ضروریات موجود ہیں، اور وہ اس قدر عجیب و غریب، عمدہ اور موزوں ہیں کہ ہر انسان کو تعجب میں ڈالتے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "نطفہ کا اس محفوظ جگہ میں ٹھہرنا، ایک معین مدت تک جاری رہتا ہے" (الی قدر معلوم)۔
وہ مدت جس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا، ایسی مدت جو بہت سے تغیرات، دگرگونیوں اور تحولات سے پر ہے، جس میں نطفہ کو ہر روز حیات و زندگی کا ایک نیا لباس پہنایا جاتا ہے، اور اس کو اس مخفی جگہ میں تکامل و ارتقاء کے راستہ پر آگے بڑھاتا ہے۔
اس کے بعد نتیجہ نکالتا ہے: "ہم اس کام پر قدرت رکھتے تھے کہ ایک بے قدر و قیمت، حقیر و ناچیز نطفہ سے، ایسا شریف اور کامل انسان بنا ڈالیں، پس ہم کتنے اچھے قادر و توانا ہیں" (فقدرنا فنعم القادرون)۔[1]
یہ وہی دلیل ہے جس پر قرآن نے مسئلہ معاد کو ثابت کرنے کے لیے بارہا انحصار کیا ہے، منجملہ ان کے سورۂ حج کی ابتدائی آیات میں کہتا ہے "تم مردوں کے نئی زندگی کی طرف پلٹ آنے کی، کیسے تردید کرتے ہو، حالانکہ تم اس انسان کی، ایک بے قدر و قیمت نطفہ سے خلقت میں اس کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہو، جس کا ہر روز ایک معاد و قیامت ہے تو تمہاری اور اس بے قدر و قیمت نطفہ میں کیا فرق ہے؟

آخر میں پھر اسی جملہ کا تکرار فرماتے ہوئے کہتا ہے: "وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے" (ویل یومئذ للمکذبین)۔
وائے ہے ان کے لیے جو اس کی قدرت کے یہ سب آثار دیکھتے ہیں، اور پھر بھی اس کا انکار کرتے ہیں۔
امیر المومنین علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

ایھا المخلوق السوی والمنشأ المرعی فی ظلمات الارحام، و مضاعفات الاستار، بدئت من سلالة من طین، و وضعت فی قرار مکین، الی قدر معلوم، واجل مقسوم، تمور فی بطن امك جنینا، لا تحیر دعاء، ولا تسمع نداء، ثم اخرجت من مقرك الی دار لم تشهدها، ولم تعرف سبل منافعها فمن هداك

---

[1] اس آیت میں ایک محذوف ہے اور تقدیر میں "فنعم القادرون نحن" ہے۔ (اصطلاح کے مطابق مخصوص بالمدح محذوف ہے)۔
[2] بعض مفسرین نے اس آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے "ہم نے نطفہ کی ضروری اندازہ گیریں، مختلف مقدرات، اور جسم وجان میں خصوصیات کے ساتھ، تقدیر کی ہے، اور ہم اچھی تقدیر کرنے والے ہیں، لیکن یہ تفسیر اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے ——— کہ متن قرآن اور مشہور قرأت دال کے بغیر ہے ——— بعید نظر آتی ہے۔ اگرچہ بعض نے یہ کہا ہے کہ ثلاثی مجرد کا مادہ بھی اندازہ کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ لیکن عام استعمالات میں لفظ "قادر" اس معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ (غور کیجیے)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لاجترار الغذاء من ثدی امك، وعرفك عند الحاجة مواضع طلبك وارادتك

"اے وہ مخلوق! جسے مناسب جسم کے ساتھ محفوظ ماحول میں پیدا کیا گیا ہے۔ رحم کی تاریکیوں اور کئی کئی پردوں میں تیری خلقت کا آغاز گیلی مٹی کے جوہر سے ہوا ہے، اور ایک محفوظ قرارگاہ میں ایک وقت معلوم اور معین مدت تک تجھے ٹھہرایا گیا ہے۔

وہ دن جس میں تو اس طرح تھا، اور رحم مادر میں حرکت کرتا تھا، نہ تو تجھ میں جواب دینے کی قدرت تھی، اور نہ ہی کسی کی آواز سننے کی توانائی تھی، اس کے بعد تو اس قرارگاہ سے ایسے گھر کی طرف آیا جسے تو نے ہرگز مشاہدہ نہیں کیا تھا، اور اس کے منافع کے راستے کو تو پہچانتا نہیں تھا۔

اب تو یہ بتا کہ تجھے تیری ماں کے پستان سے دودھ پینے کی ہدایت کس نے کی تھی؟ اور تجھے اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے طریقے کس نے بتائے تھے؟" [1]

ان آیات کے دوسرے حصہ میں خدا کی آفاقی آیات اور نشانیوں اور عظیم جہان ہستی کی نعمتوں اور مواہب کے ایک حصہ کو بیان کیا گیا ہے، جو اس کی وسیع قدرت اور رحمت کی بھی ایک دلیل ہیں اور معاد کے امکان کی بھی ایک دلیل ہیں، جبکہ گزشتہ آیات میں خدا کی آیات انفسی اور خود انسان کی خلقت میں جو نعمتیں تھیں، ان کے بارے میں گفتگو تھی۔

فرماتا ہے: "کیا ہم نے زمین کو انسانوں کے اجتماع کا مرکز نہیں بنایا" (الم نجعل الارض کفاتاً)۔ [2]

"ان کی زندگی میں بھی اور ان کی موت کی صورت میں بھی" (احیاءً و امواتاً)۔ [3]

"کفات" (بروزن کتاب) اور "کفت" (بروزن کشف) جمع کرنے اور کسی چیز کو ایک دوسری کے ساتھ ملانے کے معنی میں ہے، اور پرندوں کی سریع اور تیز پرواز کو بھی "کفات" کہا جاتا ہے، کیونکہ تیز پرواز کے وقت وہ اپنے پروں کو اکٹھے کر لیتے ہیں، تاکہ زیادہ تیزی کے ساتھ ہوا کو چیر کر آگے نکل جائیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ زمین تمام انسانوں کے لیے ایک قرارگاہ ہے، زندوں کو تو اپنے اوپر جمع کرتی ہے، اور ان کی تمام حاجتوں اور ضروریات کو پورا کرتی ہے، اور ان کے مردوں کو بھی اپنے اندر جگہ دیتی ہے، کیونکہ اگر زمین مردوں کو دفن کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوتی، تو ان سے پیدا ہونے والی عفونت اور بیماریاں تمام زندوں کے لیے ایک مصیبت کھڑی کر دیتیں۔

ہاں! زمین ایک ماں کی طرح، جو اپنی اولاد کو اپنے گرد جمع کرتی ہے، اور اپنے پروبال کے نیچے قرار دیتی ہے، انسانوں کو اپنے اوپر جگہ دیتی ہے، ان پر نوازش کرتی ہے، انہیں غذا کھلاتی ہے، لباس پہناتی ہے، گھر اور مسکن دیتی ہے اور اس کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتی ہے

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶۳

[2] "کفاتاً" "جعلنا" کا دوسرا مفعول ہے اور احیاء مصدر ہے جو اسم فاعل کے معنی میں آیا ہے۔

[3] "احیاءً و امواتاً" ایک محذوف فعل کی ضمیر کا حال ہے اور تقدیر میں "کفاتاً لکم احیاءً و امواتاً" تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور ان کے مردوں کو بھی اپنے اندر محفوظ رکھتی ہے اور جذب کر لیتی ہے، اور ان کے بُرے آثار کو ختم کر دیتی ہے۔

بعض نے "کفات" کی یہاں "پرواز سریع" کے ساتھ تفسیر کی ہے اور وہ اس آیت کو سورج کے گرد زمین کی حرکت اور دوسری حرکات کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، جو نزولِ قرآن کے موقع پر قطعاً کشف نہیں ہوئی تھی۔

لیکن اس کے بعد والی آیت یعنی "احیاءً و امواتًا" کی طرف توجہ کرنے سے پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

خصوصاً ایک روایت میں آیا ہے کہ امیر المومنین علیؑ جب میدان صفین سے واپس لوٹ رہے تھے اور کوفہ کے قریب پہنچے تو جب آپ کی نظر مبارک کوفہ کے دروازے سے باہر قبرستان پر پڑی تو فرمایا:

هٰذه كفات الاموات اى مساكنهم

"یہ مردوں کے کفات یعنی ان کے مسکن اور گھر ہیں"

پھر آپ نے کوفہ کے گھروں پر نظر کی اور فرمایا:

هٰذه كفات الاحياء

"یہ زندوں کے گھر ہیں"

اس کے بعد آپ نے اوپر والی آیات کی تلاوت فرمائی: الم نجعل الارض كفاتًا احياءً وامواتًا [1]

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زندوں اور مردوں کے گھروں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے۔

اس کے بعد کرۂ زمین میں خدا کی ایک عظیم نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "ہم نے اس میں ثابت استوار اور بلند پہاڑ قرار دیئے ہیں" (وجعلنا فيها رواسى شامخات) [2]

یہ پہاڑ جن کی چوٹیاں آسمان کی طرف سر نکالے ہوئے ہیں، اور ان کی جڑیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، ایک طرف تو زمین کو زرہ کی مانند گھیرے ہوئے ہیں، اور داخلی دباؤ اور خارجی مدوجزر سے پیدا ہونے والے دباؤ سے محفوظ رکھتے ہیں، اور دوسری طرف ہوا کے تشرکے زمین سے ٹکراؤ کو روکتے ہیں، اور ہوا میں پنجہ ڈال کر اس کو اپنے ساتھ گردش میں لاتے ہیں اور تیسری طرف عظیم طوفانوں اور آندھیوں کو کنٹرول کرتے ہیں اور اس طرح کئی مختلف جہات سے اہلِ زمین کو سکون و آرام پہنچاتے ہیں۔

اسی آیت کے ذیل میں پہاڑوں کی برکات میں سے ایک اور برکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "اور ہم نے تمہیں خوشگوار پانی پلایا" (واسقيناكم ماءً فراتًا)۔

ایسا پانی جو تمہارے لیے بھی خوش گوار اور باعثِ حیات ہے اور تمہارے جانوروں، کھیتوں اور باغات کے لیے بھی۔

---

[1] تفسیر برہان جلد ۴ ص ۴۱۴ (نقل از تفسیر علی بن ابراہیم)

[2] "رواسی" "راسیہ" کی جمع ہے، جو ثابت و پابرجا کے معنی میں ہے اور "شامخات" "شامخ" کی جمع ہے جو بلند کے معنی میں ہے اور بعض عبارتوں میں جیسے "شمخ بانفه" تکبر سے کنایہ ہے (مفردات راغب)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ ٹھیک ہے کہ تمام خوشگوار پانی بارش سے ہیں، لیکن پہاڑوں کا بھی اس میں اہم ترین نقش وا ثر ہے، بہت سے چشمے اور ندی نالے پہاڑوں سے پھوٹتے ہیں اور بہت سے بڑے بڑے دریاؤں اور نہروں کا سرچشمہ برف کے وہ تہ بہ تہ تودے ہیں جو پہاڑوں کی چوٹی پر آکر جم جاتے ہیں اور انسانوں کے پانی کے اہم ترین ذخائر بناتے ہیں۔

پہاڑوں کی چوٹیاں سطح زمین سے دور ہونے کی وجہ سے ہمیشہ سرد ہوتی ہیں، اور سالہا سال تک برف کے ذخائر کو اپنے اندر جگہ دے سکتی ہیں، تاکہ وہ تدریجاً اور آہستہ آہستہ سورج کی حرارت سے پانی بن بن کر نہروں اور دریاؤں کی صورت میں جاری ہوتے رہیں۔

اس حصہ کے آخر میں پھر فرماتا ہے: "وائے ہو اس دن تکذیب کرنے والوں پر" (ویل یومئذ للمکذبین)۔

وہی لوگ جو حق تعالیٰ کی قدرت کی ان تمام آیات اور نشانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اور خدا کی ان تمام نعمتوں کو جن میں وہ غرق ہیں، مشاہدہ کرتے ہیں، پھر بھی وہ قیامت اور دادگاہ قیامت کا، جو اس کے عدل و حکمت کی مظہر ہے، انکار کرتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۹۔ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝

۳۰۔ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝

۳۱۔ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۝

۳۲۔ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝

۳۳۔ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝

۳۴۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

۳۵۔ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝

۳۶۔ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝

۳۷۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

۳۸۔ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝

۳۹۔ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۝

۴۰۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

ترجمہ

۲۹۔ (اور اس دن انھیں کہا جائے گا) بلا توقف اس چیز کی طرف چل پڑو، جس کا تم ہمیشہ انکار کیا کرتے تھے۔

۳۰۔ تین شاخوں والے (خفقان بار آگ کے دھوئیں کے) سایہ کی طرف چلو۔

۳۱۔ ایسا سایہ جو نہ تو آرام بخش ہے، اور نہ ہی آگ کے شعلوں سے روکتا ہے۔

۳۲۔ وہ اپنے شعلوں کو اس طرح سے پھینکتا ہے جیسا کہ کوئی محل ہو۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۳۔ گویا وہ (سرعت اور کثرت میں) ایسے زرد اونٹوں کے مانند ہیں (جو ہر طرف بکھر جاتے ہیں)۔

۳۴۔ وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے۔

۳۵۔ آج کا دن ایسا ہے جس میں وہ کوئی بات نہیں کریں گے (اور ان میں اپنے آپ سے دفاع کرنے کی قدرت نہیں ہوگی)۔

۳۶۔ اور انھیں عذر کرنے کی بھی اجازت نہیں ملے گی۔

۳۷۔ وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے۔

۳۸۔ آج وہی (حق سے باطل کی) جدائی کا دن ہے، جس میں ہم نے تمھیں اور گزشتہ لوگوں کو جمع کر دیا ہے۔

۳۹۔ اگر میرے مقابلہ میں (عذاب اور سزا کے چنگل سے فرار کرنے کی) کوئی تدبیر تمھارے پاس ہے تو اسے انجام دو۔

۴۰۔ وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے۔

تفسیر

نہ دفاع کرنے کی قدرت ہے نہ فرار کی راہ

ان آیات میں قیامت کی تکذیب کرنے والوں اور اس عدلِ الٰہی کی دادگاہ کا انکار کرنے والوں کی اصلی اور آخری سرگزشت بیان ہوئی ہے، ایسا بیان جو انسان کو پیچ مچ ایک گہری دہشت میں ڈبو دیتا ہے، اور مصیبت کے پہلوؤں کو واضح کرتا ہے۔

فرماتا ہے: "ان سے کہا جائے گا، بلا تامل اس چیز کی طرف چل پڑو، جس کا تم ہمیشہ انکار کیا کرتے تھے" (انطلقوا الی ما کنتم بہ تکذبون)۔

چلو اس جلانے والی جہنم کی طرف جس کا تم ہمیشہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

چلو ان انواع و اقسام کے عذابوں کی طرف، جنھیں تم نے اپنے اعمال کے ذریعہ پہلے سے فراہم کر رکھا ہے۔

"انطلقوا" "انطلاق" کے مادہ سے، توقف کے بغیر چلنے کے معنی میں ہے، اور قید و بند سے ایک قسم کی آزادی بھی کا اس میں چھپی ہوئی ہے، اور یہ حقیقت میں عرصۂ محشر میں ان کی حالت کی وضاحت ہے کہ انھیں ایک طولانی مدت تک حساب کے لیے روک لیا جائے گا، پھر ان کو چھوڑ دیں گے اور کہیں گے کہ توقف کیے بغیر دوزخ کی طرف چل پڑو۔

یہ گفتگو کرنے والا ممکن ہے خداوند تعالیٰ ہو، جو براہِ راست ان سے خطاب کرے گا، یا عذاب کے فرشتے، بہر حال یہ ایک ایسا لب و لہجہ ہے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جس میں گہری سرزنش ہے، جو خود ایک دردناک اور جانکاہ عذاب ہے۔

اس کے بعد اس عذاب کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے: "تین شاخوں والے (آگ کے گھوٹنے والے دھوئیں کے) سایہ کی طرف چلو" (انطلقوا الی ظل ذی ثلاث شعب)۔

ایک شاخ سر کے اوپر، ایک شاخ دائیں طرف اور ایک شاخ بائیں طرف، اور اس طرح سے یہ گمراہ گنہگار دھواں انہیں گھیرے گا اور انہیں نگل جائے گا۔

لیکن وہ آرام بخش سایہ نہیں ہوگا، اور دوزخیوں کو جہنم کی آگ کے شعلوں سے ہرگز نہیں بچائے گا" (لا ظلیل ولا یغنی من اللھب)۔

چونکہ وہ خود آگ ہی سے اٹھا ہے۔

ممکن ہے "ظل" (سایہ) کی تعبیر سے یہ تصور پیدا ہو کہ وہاں کوئی سایہ بھی ہوگا، جو آگ کے شعلوں کے جلانے میں کچھ کمی کر دے لیکن یہ آیت اس غلط خیال کو باطل کرتے ہوئے کہتی ہے: یہ سایہ ہرگز وہ سایہ نہیں جس کا تم تصور کرتے ہو، یہ ایک ایسا سایہ ہے جو جلانے اور گھوٹنے والا ہے، جو آگ کے گاڑھے دھوئیں سے اٹھتا ہے، اور شعلوں کی گرمی کو مکمل طور پر منعکس کر سکتا ہے[1]۔

اس گفتگو کی شاہد سورۂ واقعہ کی آیات ہیں، جن میں اصحاب شمال کے بارے میں فرماتا ہے: فی سموم و حمیم و ظل من یحموم لا بارد و لا کریم "وہ جلا کر دینے والی ہواؤں اور جلانے والے پانی میں ہوں گے، اور تہ بہ تہ دھوئیں کے آتش زا سایہ میں، ایسا سایہ جو نہ تو ٹھنڈا ہوگا اور نہ ہی آرام بخش۔ (سورۂ واقعہ ۴۲ — ۴۴)

بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ تین شاخیں ان کے تینوں اصولِ دین یعنی توحید و نبوت اور معاد کو جھٹلانے کا نتیجہ ہیں، کیونکہ معاد کی تکذیب، توحید و نبوت کی تکذیب سے جدا نہیں ہے۔

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ گناہ کے تینوں اسباب "قوت غضبیہ" "قوت شہویہ" اور "قوت وہمیہ" کی طرف اشارہ ہے، ہاں! وہ تاریک دھواں شہوات کی تاریکیوں کا تجسم ہے۔

ز تاریکی خشم و شہوت حذر کن
کہ از دود آن چشم دل تیرہ گردد!
غضب چون در آید رود عقل بیرون
ہوی چون شود چیرہ جان خیرہ گردد!

ترجمہ: غضب اور شہوت کی تاریکی سے بچ!

---

[1] "لا ظلیل" "ظل" کی صفت ہے اور اسی بنا پر مجرور ذکر ہوا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جس کے دھوئیں سے دل کی آنکھ اندھی ہوجاتی ہے
جب غصہ آتا ہے، تو عقل خارج ہوجاتی ہے
اور جب خواہش نفسانی غلبہ کرتی ہے، تو جان پنجیا جاتی ہے

اس کے بعد اس جلانے والی آگ کی ایک اور خصوصیت کے سلسلہ میں مزید کہتا ہے: "وہ اپنے اندر سے ایسے شعلے باہر پھینکتی ہے، جو ایک بہت بڑے قصر کی مانند ہوتے ہیں۔" (انھا ترمی بشرر کالقصر)[1]

وہ اس دنیا کی آگ کے شعلوں کی طرح نہیں ہوتے، جو بعض اوقات سوئی کے سرے کے برابر بھی نہیں ہوتے۔

"قصر" (محل) کی تشبیہ یہاں ایک پر معنی تشبیہ ہے، شاید یہ تصور کیا جائے کہ زیادہ مناسب یہ تھا کہ یہ کہا جاتا کہ وہ شعلے پہاڑ کی طرح تھے، لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ پہاڑ ——— جیسا کہ گزشتہ آیات میں اشارہ ہوا ہے ——— انواع و اقسام کی برکات کا منبع ہیں اور میٹھے، خوش مزہ اور خوش گوار پانی کا سرچشمہ ہیں، یہ ستم گروں کے قصر اور محلات ہیں، جو جلانے والے شعلوں اور شرربار آگ کا سبب بنتے ہیں[2]

بعد میں آیت میں اس جلانے والی آگ کے شعلوں اور چنگاریوں کی ایک دوسری صفت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہ زرد رنگ کے اونٹوں کے مانند ہیں" (کانہ جمالت صفر)[3]

"جمالة" "جمل" کی جمع ہے، جو اونٹ کے معنی میں ہے، (جیسے حجر و حجارہ) اور "صفر" (بروزن قفل) "اصفر" کی جمع ہے جو زرد رنگ کی چیز کے معنی میں ہے، اور بعض اوقات تاریک اور سیاہی مائل رنگوں پر بھی بولا جاتا ہے، لیکن یہاں وہی پہلا معنی ہی مناسب ہے کیونکہ آگ کے شعلے زرد اور سرخی مائل ہوتے ہیں۔

گزشتہ آیت میں ان شعلوں کو حجم کے لحاظ سے بہت بڑے قصر سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اس آیت میں کثرت، رنگ، سرعت حرکت اور ہر طرف پراگندہ اور بکھر جانے کے لحاظ سے زرد رنگ کے اونٹوں سے تشبیہ دی گئی ہے، جو ہر طرف رواں دواں ہیں۔

---

[1] "شرر" (بروزن ضرر) "شررة" کی جمع ہے، جو ان چھوٹے چھوٹے اجزاء کے معنی میں ہے، جو آگ سے نکل کر ہوا میں اچھلتے ہیں، اور "شر" کے مادہ سے لیا گیا ہے۔

[2] بعض مفسرین مثلاً فخر رازی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے "قصر" کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لکڑیاں ہیں، جنھیں سردیوں کے لیے بیابان سے کاٹ کر اکٹھا کیا کرتے تھے، اور ایک دوسرے کے اوپر جوڑ دیتے تھے۔ (البتہ بعید نہیں ہے کہ یہ تفسیر بھی اسی بناء پر ہو کہ ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی لکڑیوں کے انبوہ کو ایک بلند قصر سے تشبیہ دیتے تھے)۔

[3] "کانہ" کی ضمیر ممکن ہے "قصر" کی طرف لوٹے یا "شرر" کی طرف، لیکن چونکہ "شرر" جمع ہے، لہٰذا تاویل کے بغیر ممکن نہیں ہے، مگر یہ کہ ہم "شرر" کو اسم جنس سمجھ لیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جہاں شعلے اس قسم کے ہوں تو یہ بات واضح ہے کہ خود وہ جلانے والی آگ کیسی ہوگی؟ اور اس کے ساتھ دوسرے کیسے کیسے دردناک عذاب ہوں گے؟ (خدا ہم سب کو اپنی رحمت اور لطف وکرم سے اس سے محفوظ رکھے)

آیات کے اس حصّہ کے آخر میں دوبارہ اسی تنبیہ کا تکرار کرتا ہے، اور فرماتا ہے: "وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے" (ویل یومئذ للمکذبین)۔

اس کے بعد اس ہولناک دن کے مشخصات اور امتیازات کی ایک اور فصل کو شروع کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "آج ایسا دن ہے کہ وہ کوئی بات نہیں کریں گے" (ھٰذا یوم لا ینطقون)[1]۔

ہاں! اس دن خدا مجرموں اور گنہگاروں کے منہ پر سکوت اور خاموشی کی مہر لگا دے گا، جیسا کہ سورۂ یٰس کی آیہ ۶۵ میں آیا ہے:

"الیوم نختم علیٰ افواھھم" "آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے" اور پھر جیسا کہ اسی آیت کے ذیل میں آیا ہے "ان کے ہاتھ اور پاؤں کلام کرنے لگیں گے"۔ یہاں تک کہ قرآن کی دوسری آیات کے مطابق ان کی جلدیں بھی کلام کرنے لگیں گی، اور تمام باتیں بیان کردیں گی"۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اور انہیں عذر خواہی کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی": (ولا یؤذن لھم فیعتذرون)[2]۔

(تو انہیں بات کرنے کی اجازت ہوگی اور نہ ہی عذر خواہی اور اپنے آپ سے دفاع کرنے کی، کیونکہ وہاں تو تمام حقائق واضح ہو چکے ہیں، اور کہنے کی کوئی بات باقی نہیں ہے۔ ہاں! یہ پس پشت ڈالنے والی زبان، جس نے دنیا میں اپنی آزادی سے غلط فائدہ اٹھایا، انبیاء کی تکذیب کی، اولیاء کا استہزا کیا اور مذاق اڑایا، حق کو باطل اور باطل کو حق کرکے پیش کرتی رہی، وہاں ان اعمال کی سزا کے طور پر اس پر قفل لگ جانا چاہیے، اور اسے بیکار ہو جانا چاہیے، اور یہ بات خود ایک عذاب اور دردناک شکنجہ ہے کہ انسان میں اس قسم کے منظر میں اپنے آپ سے دفاع کرنے یا عذر خواہی کرنے کی قدرت نہ ہو۔

ایک حدیث میں امام صادقؑ سے آیا ہے کہ:

"خدا اس سے برتر وعادل تر و بزرگ تر ہے کہ اس کا بندہ کوئی مناسب اور مدلل عذر رکھتا ہو، لیکن وہ اس کو

---

[1] توجہ کریں کہ یہاں "یوم" تنوین کے بغیر ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی "لا ینطقون" کے جملہ کے مضمون کی طرف اضافت ہوئی ہے۔

[2] اس بارے میں کہ "فیعتذرون" کا جملہ مرفوع صورت میں کیوں آیا ہے، جبکہ قاعدہ کی رُو سے اسے منصوب ہونا چاہیے تھا، اور اس کی نون حذف ہونی چاہیے تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عذر خواہی کو ترک کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عذر ہی نہ ہوگا، اذن الٰہی کے نہ ہونے کے سبب سے نہ ہوگا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عذر خواہی کی اجازت ملے، بلکہ درحقیقت ان کے پاس کسی قسم کا مناسب، مدلل اور قابلِ قبول عذر ہوتا ہی نہیں، جسے وہ پیش کر سکیں۔ [1]

البتہ بعض قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں مجرمین بعض اوقات بات کریں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ——— جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے ——— قیامت میں بہت سے مواقف ہوں گے، جن میں سے بعض میں زبان بیکار ہو جائے گی، اور اعضاء وجوارح کی گواہی کی نوبت آئے گی، اور بعض دوسرے مواقف میں زبان کھل جائے گی، اور وہ کچھ مطالب کو بیان کرے گی، جو ان کی شدید حسرت واندوہ، سرگردانی اور بدبختی کی نشانی ہے۔

اور پھر اس مقطع کے آخر میں کہتا ہے: "وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے" (ویل یومئذ للمکذبین)۔

ایک دوسرے جملے میں روئے سخن مجرمین کی طرف کرتے ہوئے اس روز کے منظر کی حکایت کے عنوان سے کہتا ہے: "آج وہی جدائی کا دن ہے، جس میں ہم نے تمہیں اور گزشتہ لوگوں کو جمع کر دیا ہے" (هٰذا یوم الفصل جمعناکم والاولین)۔

آج ہم نے تمام لوگوں کو بغیر کسی استثناء کے، اولین سے لے کر آخرین تک، سب کو حساب دینے اور فصلِ خصومت کے لیے اس میدان اور عظیم دادگاہ میں اکٹھا کر دیا ہے۔

"اب اگر میرے مقابلہ میں عذاب اور سزا کے چنگل سے، فرار کرنے کی کوئی تدبیر تمہارے پاس ہے تو اسے انجام دو" (فان کان لکم کید فکیدون)۔ [2]

کیا تم میری حکومت کی حدود سے فرار کر سکتے ہو؟

یا میری قدرت پر غلبہ حاصل کر سکتے ہو؟

یا فدیہ دے کر آزاد ہو جانے کی طاقت رکھتے ہو؟

یا حساب لینے والے مامورین کو دھوکہ دینے کی قدرت رکھتے ہو؟

جو کام بھی تم سے ہو سکتا ہے اسے انجام دو، لیکن جان لو کہ تم سے کوئی بھی کام نہیں ہو سکتا۔

---

[1] "نور الثقلین" جلد ۵، ص ۴۹۶

[2] "فکیدون" میں "نون" مکسور ہے (نون کے نیچے زیر ہے) اور اس کی یہ زیر یاء متکلم کی جگہ ہے اور اصل میں "فکیدونی" تھا، "یاء" حذف ہو گئی اور کسرہ جو اس کی نشانی ہے باقی رہ گئی، اور ضمیر متکلم ظاہر آیات کے مطابق خدا کی پاک ذات کی طرف لوٹتی ہے، اور یہ احتمال کہ یہ پیغمبر کی ذات کی طرف لوٹے، بہت بعید نظر آتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حقیقت میں یہ امر اصطلاح کے مطابق (ایک عاجزی کو اظہار کرنے والا امر ہے) جو مقابل کے عجز و ناتوانی کو واضح کرنے کے لیے بیان کیا جاتا ہے، یہ اسی چیز کے مشابہ ہے جو قرآن مجید کے بارے میں آئی ہے کہ فرماتا ہے: "اگر اس چیز میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تمہیں شک ہے تو اس جیسی لے آؤ"۔

"کید" ۔ (بروزن صید) جیسا کہ "راغب" "مفردات" میں کہتا ہے: ایک قسم کی تدبیر اور چارہ جوئی کے معنی میں ہے جو بعض اوقات قابلِ مذمت ہوتی ہے اور کبھی قابلِ تعریف و مدح، اگرچہ اس کا زیادہ تر استعمال مذموم موارد میں ہی ہوتا ہے (جیسا کہ زیرِ بحث آیت میں بھی اسی طرح ہے)۔

یقیناً اس دن ان سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ دن ایک ایسا دن ہو گا کہ اس میں انسان کا ہاتھ ہر قسم کے وسائل و اسباب سے خالی ہو گا، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیہ ۱۶۶ میں آیا ہے: "وتقطعت بهم الاسباب"، "ان سے سب اسباب منقطع ہو جائیں گے"۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ایک طرف تو فرماتا ہے: "یوم الفصل" یعنی جدائیوں کا دن، اور دوسری طرف سے فرماتا ہے وہ دن "یوم الجمع" یعنی اکٹھا ہونے کا دن ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک، ایک ہی جگہ پر انجام پائیں گے، پہلے ان سب کو اس عظیم دادگاہ میں جمع کریں گے، اور پھر وہ اپنے عقائد و اعمال کی بناء پر مختلف صفوں میں الگ الگ ہو جائیں گے، یہاں تک کہ وہ بھی جنت کی طرف روانہ ہوں گے، گوناگوں صفوں اور مختلف درجات میں ہوں گے، اور دوزخ کی طرف جانے والے بھی مختلف صفوں اور الگ الگ درجات میں ہوں گے"۔

ہاں! وہ دن حق کی باطل سے اور ظالم کی مظلوم سے جدائی کا دن ہے۔

پھر اسی تہدید آمیز اور بیدار کرنے والے جملہ کا تکرار کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کیلئے" (ویل یومئذ للمکذبین)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴۱۔ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ ○

۴۲۔ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ○

۴۳۔ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○

۴۴۔ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○

۴۵۔ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ○

۴۶۔ كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ ○

۴۷۔ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ○

۴۸۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ○

۴۹۔ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ○

۵۰۔ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ○

ترجمہ

۴۱۔ تقویٰ اختیار کرنے والے لوگ (جنت کے درختوں کے) سایہ میں اور چشموں کے درمیان ہوں گے۔

۴۲۔ اور پھلوں میں سے جنھیں وہ چاہیں گے

۴۳۔ کھاؤ اور مزے مزے سے پیو، یہ ان اعمال کے مقابلہ میں ہے جنھیں تم انجام دیتے تھے۔

۴۴۔ ہم نیکوکار لوگوں کو اسی طرح سے جزا دیں گے۔

۴۵۔ وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے۔

۴۶۔ (اس کے مقابلہ میں مجرموں سے کہا جائے گا) کھالو اور اس تھوڑی سی مدت میں فائدہ اٹھالو (لیکن جان لو کہ خدا کا عذاب تمھارے انتظار میں ہے) کیونکہ تم مجرم ہو۔

۴۷۔ وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴۸۔ اور جب ان سے رکوع کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو رکوع نہیں کرتے۔

۴۹۔ وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے۔

۵۰۔ (اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے) تو پھر اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

تفسیر

اگر وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کس بات پر ایمان لائیں گے؟!

ہم جانتے ہیں کہ قرآن کا پروگرام انذار کو بشارت کے ساتھ اور تہدید کو تشویق کے ساتھ ملاتا ہے، اور اسی طرح مومنین کی سرنوشت کو مجرموں کی سرنوشت کے مقابلہ میں بیان کیا جاتا ہے، تاکہ مقابلہ کے قرینہ سے مسائل کا بہتر طریقہ پر ادراک ہو سکے۔

اسی سنت کی بنیاد پر بعد والی آیات میں، قیامت میں مجرموں کی گوناگوں سزاؤں کو بیان کرنے کے بعد، اس دن پرہیزگاروں کی کیفیت کے بارے میں ایک پُرمعنی اور مختصر سا اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "تقویٰ اختیار کرنے والے لوگ درختوں کے سایہ اور چشموں کے درمیان ہوں گے" (ان المتقین فی ظلال وعیون)۔

یہ اس حالت میں ہے جبکہ مجرمین ——— جیسا کہ گزشتہ آیات میں معلوم ہو چکا ہے ——— گھٹن والے شرر بار اور جلانے والے دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے۔

"ظلال" "ظل" کی جمع ہے جو سایہ کے معنی میں ہے، چاہے وہ سایہ دن میں درختوں کے سایہ کی طرح کا ہو، یا وہ سایہ ہو، جو رات کی تاریکی میں حاصل ہوتا ہے جبکہ "فیئ" اس سایہ کو کہا جاتا ہے جو صرف ایک نورانی مبدء کے مقابلے میں وجود میں آتا ہے، جیسا کہ سورج کے مقابلہ میں درختوں کا سایہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "وہ ان انواع و اقسام کے پھلوں کے درمیان ہوں گے، جن کی انھیں خواہش ہوگی" (وفواکہ مما یشتھون)۔

یہ بات واضح ہے کہ پھلوں، سایوں اور چشموں کا ذکر، ان پر خدا کی عظیم نعمتوں کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ ہے، ایسا گوشہ جو اہلِ دنیا کی زبان میں بیان کرنے اور تصویر کشی کے قابل ہے، لیکن وہ نعمتیں جو بیان میں نہیں آسکتیں، اور دنیا میں رہنے والوں کے دل و دماغ میں نہیں سما سکتیں، وہ اس سے کئی درجہ بلند و برتر ہیں۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ خدا کی اس مہمان سرا میں ان کی اعلیٰ ترین طریقہ پر پذیرائی کی جائے گی، جیسا کہ بعد والی آیت میں آیا ہے کہ انھیں کہا جائے گا: "کھاؤ اور مزے لے لے کر پیو، یہ سب کچھ ان اعمال کے مقابلہ میں ہے جنھیں تم انجام دیا کرتے تھے (کلوا واشربوا ھنیئًا بما کنتم تعملون)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ جملہ چاہے بلاواسطہ خدا کی طرف سے ان کو خطاب کرنے کے عنوان سے ہو یا فرشتوں کے ذریعے سے، ایک ایسے واضح لطف و محبت سے توام ہے، جو ان کی روح اور جان کی ایک غذا ہے۔

"بما کنتم تعملون" (ان اعمال کے مقابلہ میں جنھیں تم انجام دیا کرتے تھے) کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ نعمتیں کسی کو بغیر کسی حساب و کتاب کے نہیں دیتے، اور یہ صرف دعوے، خیال اور تصور سے حاصل نہیں ہوتیں، یہ تو صرف اعمال صالح کے ذریعہ ہی ملتی ہیں۔

"ھنیء" (بروزن ملیح) "مفردات" میں "راغب" کے قول کے مطابق ہر وہ چیز ہے جس کے لیے مشقت نہ کرنی پڑے، اور اس سے کوئی تکلیف اور پریشانی پیدا نہ ہو، اسی لیے گوارا اور خوش مزہ غذا اور پانی کو "ھنیء" کہا جاتا ہے، اور بعض اوقات خوشگوار زندگی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت کے پھل، کھانے اور مشروبات دنیا کے کھانے پانی کی طرح نہیں ہیں، جو بعض اوقات انسان کے بدن میں بُرے آثار چھوڑ دیتے ہیں، یا ان سے غیر مطلوب عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔

مفسرین کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کھانے اور پینے کا حکم کیا ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی اباحت کو بیان کرتا ہے یا واقعاً امر و فرمان و حکم ہے۔

لیکن اس بات پر توجہ کرنا چاہیے کہ اس قسم کے اوامر جو پذیرائی کے موقع پر دیئے جاتے ہیں، کہنے والے کی ایک قسم کی طلب و خواہش ہوتی ہے، جیسے مہمان کی عظمت و احترام کے لیے بیان کیا جاتا ہے اور میزبان یہ چاہتا ہے کہ مہمان زیادہ سے زیادہ کھائے، تاکہ اس کا زیادہ احترام و اکرام ہو۔

بعد والی آیت میں دوبارہ اسی مطلب پر تکیہ کرتا ہے کہ یہ نعمتیں کسی حساب و کتاب کے بغیر نہیں ملتیں، لہٰذا مزید کہتا ہے: "یقیناً ہم نیکوکاروں کو اسی طرح سے جزا دیتے ہیں" (انا کذالک نجزی المحسنین)۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ پہلی آیت میں "تقویٰ" کے مسئلہ پر تکیہ ہوا ہے اور اس کے بعد والی آیت میں "عمل" پر اور اس آیت میں احسان و نیکوکاری پر۔

"تقویٰ" گناہ و فساد و شرک و کفر سے ہر قسم کا پرہیز، اور "احسان" ہر اچھے کام کو انجام دینا ہے اور "عمل" بھی اعمالِ صالح کے بیان کے لیے ہے، تاکہ واضح ہو جائے کہ خدا کی نعمتوں کا پروگرام صرف اسی گروہ کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ ایمان کے جھوٹے دعویداروں کے ساتھ، اور ہر قسم کے فساد سے آلودہ افراد کے ساتھ، اگرچہ وہ ظاہراً اہلِ ایمان کی سلک میں داخل ہیں۔

آخر میں پھر تکرار کرتا ہے، "وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے": (ویل یومئذ للمکذبین)۔

وائے ہے ان کے لیے جو ان تمام نعمتوں اور محبتوں سے محروم ہو جائیں گے، کیونکہ اس محرومیت کی حسرت کا دکھ، دوزخ کی آگ سے

Presented by: Rana Jabir Abbas

والی آگ سے کم نہیں ہوگا۔

اور چونکہ معاد کے انکار کا ایک عامل، دنیا کی جلدی گزر جانے والی لذات، اور ان لذتوں سے فائدہ اٹھانے کی بے قید و بند آزادی کی طرف میلان ہے، لہٰذا بعد والی آیت میں روئے سخن مجرمین کی طرف کرتے ہوئے تہدید آمیز لب و لہجہ میں فرماتا ہے: "ان مختصر سے چند دنوں میں کھا لو اور فائدہ اٹھا لو، لیکن یہ جان لو کہ خدا کا عذاب تمہارے انتظار میں ہے، کیونکہ تم مجرم اور گنہگار ہو" (کلوا و تمتعوا قلیلًا انکم مجرمون)۔

"قلیلًا" کی تعبیر ممکن ہے کہ دنیا میں انسان کی عمر کی مختصر مدت کی طرف اشارہ ہے، اور اس جہان کی نعمتوں کے آخرت کی بے حساب نعمتوں کے مقابلہ میں ناچیز ہونے کی طرف بھی۔

اگرچہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ خطاب آخرت میں مجرمین سے کہا جائے گا، لیکن اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ آخرت میں مجرموں کے لیے، زندگی کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا کوئی، کسی قسم کا تصور نہیں ہے، لہٰذا اس بات کو قبول کرنا چاہیے کہ یہ گفتگو دنیا میں ان سے خطاب ہے۔

حقیقت میں "متقین" اور پرہیزگار لوگوں کی آخرت میں انتہائی احترام کے ساتھ پذیرائی ہوگی اور "کلوا واشربوا هنیئًا" کے پرلطف جملے کے ساتھ ان سے خطاب ہوگا، لیکن دنیا پرست اسی دنیا میں " کلوا و تمتعوا قلیلًا " کے تہدید آمیز جملہ کے ساتھ مخاطب ہوتے ہیں۔

پرہیزگاروں سے فرماتا ہے: بما کنتم تعملون (یہ سب کچھ ان اعمالِ صالحہ کے مقابلے میں ہے جنہیں تم انجام دیا کرتے تھے) اور ان سے بھی کہتا ہے: انکم مجرمون "یہ تہدید اس بنا پر ہے کہ تم مجرم ہو"۔[1]

اور بہر حال یہ بیانات اس چیز کی نشاندہی کرتی ہے کہ عذابِ الٰہی کا سرچشمہ انسان کا جرم و گناہ ہی ہے، جو بے ایمانی یا شہوتوں کے جنگل میں گرفتار ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔

اس کے بعد اس تہدید کی ایک مرتبہ پھر "وائے ہو اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے" (ویل یومئذ للمکذبین)۔ کے جملے سے تکمیل کرتا ہے۔

وہی لوگ جو دنیا کے زرق و برق اور اس کی لذتوں اور شہوتوں پر فریفتہ ہو گئے، اور انہوں نے عذابِ الٰہی کو اپنے لیے خرید لیا۔

بعد والی آیت میں ان کے انحراف، بدبختی اور آلودگی کے ایک اور عامل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "وہ بارگاہِ خدا سے

---

[1] حقیقت میں اس آیت میں کچھ محذوف ہے، اور مجمع البیان کے قول کے مطابق تقدیر یہ اس طرح ہے: کلوا و تمتعوا قلیلًا فان الموت کائن لا محالۃ، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ تقدیر میں یوں ہو: کلوا و تمتعوا قلیلًا و انتظروا العذاب فانکم مجرمون

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایسے سرمست ہیں، کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ پروردگار کے سامنے رکوع کرو، تو وہ رکوع نہیں کرتے "(و اذا قیل لھم ارکعوا لا یرکعون)۔

بہت سے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت قبیلہ "ثقیف" کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جن سے پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ "تم نماز پڑھا کرو" اس پر انہوں نے یہ کہا تھا: ہم ہرگز کسی کے سامنے خم نہیں ہوں گے، اور یہ ہمارے لیے عیب ہے، تو پیغمبرؐ نے فرمایا:

لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع و لا سجود

"وہ دین جس میں رکوع و سجود نہ ہو کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا"۔[1]

وہ نہ صرف رکوع اور سجدے کا انکار کرتے تھے، بلکہ یہ روح غرور و نخوت ان کے تمام افکار اور زندگی میں نمایاں تھی، نہ تو وہ خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے، اور نہ ہی پیغمبرؐ کے احکام مانتے تھے۔ نہ لوگوں کے حقوق کا رسمی طور پر اقرار کرتے تھے، نہ خالق کے سامنے تواضع تھی۔ اور نہ ہی مخلوق کے سامنے فروتنی وانکسار، حقیقت میں یہ دونوں حال (غرور و شہوت پرستی) جرم و گناہ اور کفر و ظلم و طغیان کے اہم ترین عوامل میں سے ہیں۔

بعض نے یہ احتمال دیا ہے، یہ ارکعوا (رکوع کرو) کا خطاب انہیں قیامت کے دن ہوگا، لیکن یہ احتمال بعید نظر آتا ہے خصوصاً قبل و بعد کی آیات کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

اور اس کے بعد دسویں اور آخری بار اسی سورہ میں فرماتا ہے: "وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے" (ویل یومئذ للمکذبین)۔

اور آخری زیر بحث آیت میں، جو سورۂ "مرسلات" کی آخری آیت ہے، ایک عتاب آمیز لب و لہجے کے ساتھ جو سرزنش سے پر ہے ایک تعجب آمیز استفہام کی صورت میں فرماتا ہے: "اگر وہ اس قرآن کے ساتھ، جس کی صداقت کے دلائل اس کی تمام آیات سے نمایاں ہیں، اور اس کی حقانیت اس کی تمام تعبیروں میں منعکس ہے، ایمان نہیں لاتے، تو پھر اس کے بعد اور کس بات پر ایمان لائیں گے"؟ (فبای حدیث بعدہ یؤمنون)۔

جو شخص اس قرآن پر ایمان نہ لائے، جو اگر پہاڑوں پر نازل ہوتا، تو وہ لرزنے لگتے اور خشوع کرتے ہوئے پھٹ جاتے، تو وہ کسی آسمانی کتاب اور کسی عقلی دلیل کو تسلیم نہیں کرے گا اور یہ روح عناد اور ہٹ دھرمی کی نشانی ہے۔

---

[1] "مجمع البیان" جلد ۱۰ ص ۴۱۹، اور اسی معنی کو "آلوسی" نے "روح المعانی" میں اور "قرطبی" نے اپنی تفسیر میں، اور "زمخشری" نے "کشاف" میں، اور "روح البیان" نے زیر بحث آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک نکتہ

جیسا کہ ہم نے اس سورہ کے آغاز میں اشارہ کیا تھا کہ اس میں " ویل یومئذ للمکذبین " کے جملہ کا دس مرتبہ تکرار ہوا ہے اور یہ ایک ہم اور ہلا دینے والی واقعیت پر تاکید کے لیے ہے، اور فصحاء و بلغاء کے کلام میں اس کے مشابہ جملے کثرت سے ملتے ہیں، جن کے بعض حصوں کی، جن پر خاص عنایت اور تاکید مطلوب ہوتی ہے، شعر و نثر میں تکرار کرتے ہیں۔

لیکن بعض مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ ان دس آیات میں سے ہر ایک کسی نئے نکتہ کی طرف اشارہ ہے، جو اپنے سے قبل کے مطالب کی تکذیب سے مربوط ہے، اس بناء پر کوئی تکرار نہیں ہوتی ہے۔

ہم اس سورہ کو تفسیر "روح البیان" کے ایک جملہ کے ساتھ ختم کرتے ہیں، وہ کہتا ہے: یہ سورہ پیغمبر پر "مسجد خیف" کے نزدیک ایک غار میں، سرزمین "منیٰ" میں نازل ہوا اور میں نے خود اس غار کی زیارت کی ہے۔

خداوندا! ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم ہرگز تیری آیات کی تکذیب سے آلودہ نہ ہوں۔

پروردگارا! ہمیں غرور و نخوت اور ہوا و ہوس سے، جو جرائم کے اصلی سرچشمے ہیں، محفوظ رکھ!

بارِ الٰہا! جس دن پرہیزگاروں کی تیرے جوارِ قرب میں پورے احترام کے ساتھ پذیرائی ہو رہی ہوگی، ہمیں ان کی صف میں قرار دینا۔

آمین یا رب العالمین

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۰۷

۲۳ — ۹ — ۱۳۶۵

تفسیر نمونہ جلد ۲۵ کا اختتام

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ نبأ

یہ سورہ مکی ہے اور اس کی چالیس آیتیں ہیں۔

تاریخ ابتداء

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورہ نبأ کے مضامین اور اس کا دائرہ کار

قرآن مجید کے آخری پارہ کی سورتوں کی اکثریت، اصولی طور پر، مفسرین کے اتفاق رائے کے مطابق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ان سورتوں میں مسئلہ مبدا، و معاد اور بشارت و انذار ہی کی گفتگو ہے اس لیے کہ مکی سورتوں کا یہی مزاج ہے۔ یہ آیتیں عام طور پر دل ہلا دینے والی ہیں اور پر سرکوبی کرنے والا لب و لہجہ رکھتی ہیں۔ ان کا انداز ایسا ہے جو خفتہ دلوں کو بیدار کر دے۔ ان تمام سورتوں کی آیتیں، سوائے چند مختصر موارد کے، اشاروں سے پُر ہیں۔ اسی وجہ سے ہر قلب آگاہ پر بڑا گہرا اثر ڈالتی ہیں حتیٰ کہ جو ناواقف ہیں انہیں بھی متاثر کرتی ہیں۔ یہ بے روح ڈھانچوں میں جان ڈالتی دیتی ہیں اور غیر متوجہ افراد کو عہد کے پورا کرنے کا اور ذمہ داری و جوابدہی کا احساس بخشتی ہیں۔ یہ اپنا ایک علیحدہ جہانِ معانی رکھتی ہیں۔ سورہ نبأ کے مزاج کی کیفیت بھی، یہی وجاہت کے اعتبار سے پورے پارے کی طرح ہے۔

یہ سورہ بیدار کرنے والے سوال سے شروع ہوتا ہے اور عبرتناک جملے پر ختم ہوتا ہے۔

اس سورہ کے مضامین کو چند حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

۱۔ سوال جو سورہ کی ابتدا میں ایک عظیم حادثہ (نبأ عظیم) یعنی روز قیامت کے بارے میں کیا گیا ہے۔

۲۔ اس کے بعد چند نمونے خدا کی قدرت کے مظاہر کے، آسمان و زمین کے اور انسانوں کی زندگی کے پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ اپنے لطف و کرم کو معاد و قیامت کے امکان کی دلیل کے عنوان سے بیان کرتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳. تیسرے حصہ میں قیامت کے آغاز کی کچھ نشانیاں بتاتا ہے۔
۴. اس حصہ میں سرکشی کرنے والوں پر نازل ہونے والے عذاب کا ایک رُخ پیش کرتا ہے۔
۵. اس حصہ میں جنت کی تشویق دلانے والی نعمتوں کی تشریح کرتا ہے۔
۶. آخر میں عذاب قریب کے سلسلہ میں شدید خوف پر اور کافروں کی المناک سرنوشت کے ذکر پر سورہ ختم ہوتا ہے۔

اس سورہ کا نام رکھنے کی وجہ وہ تعبیر ہے جو اس کی دوسری آیت میں آئی ہے بعض اوقات اسے "سورۂ عم" کا نام بھی دیا جاتا ہے اور یہ اس کی پہلی آیت کی مناسبت سے ہے۔

سورۂ نبأ کی تلاوت کی فضیلت

پیغمبر اسلامؐ کی ایک حدیث ہے (من قرأ سورة عمّ يتساءلون سقاه الله برد الشراب يوم القيامة) "جو شخص سورہ عمّ یتساءلون پڑھے اسے خداوند عالم قیامت میں جنت کے ٹھنڈے اور خوشگوار مشروب سے سیراب کرے گا۔"[1] ایک اور حدیث حضرت امام جعفر صادقؑ کی ہے (من قرأ عمّ يتساءلون لم يخرج سنته اذا كان يد منها في كل يوم حتى يزور البيت الحرام) "جو شخص روزانہ سورہ عمّ یتساءلون کی تلاوت کرتا رہے اس کا ایک سال مکمل نہیں ہوگا کہ وہ خانۂ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔"[2] ایک اور حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ (من قرأها وحفظها كان حسابه يوم القيامة بمقدار صلوة واحد) "جو شخص اسے پڑھے اور یاد کرے تو قیامت میں اس کا حساب اتنی جلدی مکمل ہوگا جتنی دیر میں ایک نماز پڑھی جاتی ہے۔"[3]

---

۱ و ۳ مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۲۰۔
۲ تفسیر برہان، جلد ۴ ص ۴۱۹۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝

(۲) عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝

(۳) الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝

(۴) كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝

(۵) ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ

اس خدا کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔

۱- وہ ایک دوسرے سے کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

۲- عظیم اور اہم خبر (قیامت) کے بارے میں:

۳- وہی خبر جس کے بارے میں وہ ہمیشہ اختلاف رکھتے ہیں۔

۴- ایسا نہیں ہے جیسا وہ سوچتے ہیں۔ انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

۵- پھر بھی ویسا نہیں ہے جو وہ خیال کرتے ہیں۔ انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

تفسیر

اہم خبر

سورہ کی پہلی آیت میں تعجب آمیز استفہام کے عنوان سے فرماتا ہے: "وہ ایک دوسرے سے کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں"۔ (عمّ یتساءلون)[1] اس کے بعد بغیر اس کے کہ جواب کا انتظار کرتا خود اس کے جواب میں مزید فرماتا ہے: "وہ ایک عظیم اور اہم خبر کے بارے میں سوال کرتے ہیں" (عن النبأ العظیم)۔

---

[1] مفردات راغب، مادہ نبأ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"وہی خبر جس میں ہمیشہ اختلاف رکھتے ہیں" (الذی هم فیه مختلفون)۔ اس خبرِ عظیم سے مراد کیا ہے مفسرین نے اس سوال کے کئی جواب دیئے ہیں۔ ایک گروہ نے انسے قیامت کے دن کی طرف، بعض نے قرآن مجید کے نزول کی طرف اور بعض نے توحید سے لے کر قیامت تک کے تمام اصولِ دین کی طرف اشارہ سمجھا ہے اور چند روایات میں اس کی تفسیر مسئلہ امامت وولایت کے ساتھ ہوئی ہے جس کی طرف آئندہ نکابت کی بحث میں اشارہ ہوگا۔ اس سورہ کی تمام آیات میں غور وفکر کرنے سے اور ان تعبیروں کو پیش نظر رکھنے سے جو بعد والی آیات میں آئی ہیں مثلاً (ان یوم الفصل کان میقاتا) کا جملہ جو زمین وآسمان میں خدا کی قدرت کی نشانیوں کے ذکر کے بعد آیا ہے، اور اس حقیقت کی طرف توجہ کہ مشرکین کی شدید ترین مخالفت مسئلہ معاد میں تھی، یہ سب امور پہلی تفسیر یعنی معاد وقیامت کی تائید کرتے ہیں۔ "نبأ" بقولِ راغب مفردات میں اس خبر کے معنی میں ہے جو اہمیت رکھتی ہو اور فائدہ کی حامل ہو اور انسان اس کی نسبت علم یا ظنِ غالب رکھے۔ یہ تینوں باتیں نبأ کے معنی کی شرائط ہیں۔[1]

اس بنا پر عظیم کا لفظ بہت زیادہ تاکید کا اظہار کرتا ہے اور بحیثیتِ مجموعی اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ خبر جس میں ایک گروہ شک کرتا تھا ایک جانی پہچانی اہم اور باعظمت حقیقت تھی اور جیسا کہ ہم نے کہا ہے اس سے مراد قیامت تھی۔ (یتساءلون) "ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں" کا جملہ ہو سکتا ہے کہ صرف کفار ہی کی طرف اشارہ ہو کہ وہ ہمیشہ قیامت کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے، لیکن یہ سوال تحقیق اور ادراک کی غرض سے نہیں ہوتا تھا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد مؤمنین سے سوال کرنا ہو یا خود پیغمبر سے سوال کرنا ہو۔[2] یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ اگر "نباء عظیم" سے مراد قیامت ہے تو اس سے بظاہر سب کافر انکار کرتے تھے، تو پھر یہ کیوں فرماتا ہے کہ وہ اس میں اختلاف کرتے ہیں تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ معاد کا انکار مطلق طور پر قطعی ویقینی نہیں ہے اس لیے کہ کافروں میں سے بہت سے فنائے جسم کے بعد روح کی بقاء کے قائل تھے دوسرے لفظوں میں معادِ روحانی کو اجمالاً تسلیم کرتے تھے۔ جہاں تک معادِ جسمانی کا تعلق ہے تو بعض اس میں شک کا اظہار کرتے تھے۔ اس بات کو آیاتِ قرآنی کا لب ولہجہ واضح کرتا ہے (نمل/۶۶) کافروں میں سے بعض افراد شدت سے انکار کرتے تھے یہاں تک کہ پیغمبرِ اسلامؐ کو معادِ جسمانی کا دعویٰ کرنے کی بنا پر معاذ اللہ دیوانہ یا خدا سے جھوٹ منسوب

---

1. مفردات راغب، مادۂ نباء۔
2. توجہ کرنی چاہیئے کہ بابِ تفاعل اگرچہ عام طور پر ایسے کام کے معنی میں آتا ہے جو بصورتِ متقابل انجام پائے لیکن بعض موارد میں ثلاثی مجرد کے معنی رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے معانی بھی رکھتا ہے (بعض اہلِ لغت نے تفاعل کے پانچ معانی بیان کیے ہیں۔ ۱۔ کسی کام کے انجام دینے میں دو یا دو سے زیادہ افراد کی مشارکت۔ ۲۔ مطاوعت مثلاً تباعد۔ ۳۔ واقعیت کے بغیر کسی چیز کا اظہار مثلاً تمارض (اپنے آپ کو مریض ظاہر کرنا)۔ ۴۔ کسی چیز کا بتدریج وقوع مثلاً تواتر۔ ۵۔ ثلاثی مجرد کے معنی میں مثلاً "تعالیٰ" جو "علا" "بلند ہوا" کے معنی میں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرنے والا سمجھتے تھے۔ ۱۰ اور عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ (کلا سیعلمون)[1] پھر بھی ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں اور عنقریب وہ آگاہ ہو جائیں گے؛ (ثم کلا سیعلمون) اس دن باخبر ہوں گے جس دن ان کی واحسرتا کی فریاد بلند ہوگی وہ اپنی کوتاہی اور کمی سے سخت پشیمان ہوں گے۔ (ان تقول نفس یا حسرتیٰ علیٰ ما فرطت فی جنب اللہ) (زمر/۵۶)۔ وہ دن جس میں عذاب کی لہریں ان کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور وہ دنیا کی طرف واپس لوٹنے کا تقاضا کریں گے۔ (ھل الی مرد من سبیل) کیا واپس لوٹنے کی کوئی راہ ہے؟ (شوریٰ/۴۴) یہاں تک کہ موت کے وقت جب انسان کی آنکھوں سے پردے اٹھ جائیں گے اور دوسری دنیا کے حقائق اس کے سامنے ظاہر ہوں گے اور اُسے برزخ و معاد کا یقین ہو جائے گا تو اس وقت اُس کی فریاد بلند ہوگی کہ مجھے واپس لوٹاؤ تاکہ میں عمل صالح انجام دوں (رب ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت) (مؤمنون/۹۹-۱۰۰) سیعلمون کی تعبیر (اس لیے کہ عام طور پر مستقبل قریب کے لیے آتی ہے) اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا مرحلہ نزدیک ہے اور دنیا کی ساری زندگی اس کے مقابلہ میں ایک لمحے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

یہ کہ اوپر کی دو آیتیں، جو بصورت تکرار آئی ہیں، ان سے ایک واقعیت کی (ان کی مستقبل قریب میں قیامت کے بارے میں آگاہی) تاکید مراد ہے یا دو الگ مطالب کا بیان ہے (پہلا اشارہ اس طرف ہے کہ مستقبل قریب میں دنیاوی عذاب کو دیکھیں گے اور دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ اس کے بعد آخرت کے عذاب کو دیکھیں گے) تو اس سلسلہ میں مفسرین نے دو احتمال پیش کیے ہیں لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ یہ احتمال بھی تجویز کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے علم و دانش کی ترقی کے ساتھ ساتھ قیامت کے وجود کے دلائل و شواہد اس قدر زیادہ ہو جائیں گے کہ اس کا انکار کرنے والے بھی اقرار کیے بغیر نہ رہ سکیں گے لیکن اس تفسیر میں مشکل یہ ہے کہ اس قسم کی آگاہی نوع بشر کے آئندہ کے لوگوں کے لیے ہوگی نہ کہ اس گروہ کے لیے جو زمانۂ پیغمبرؐ میں موجود تھا اور قیامت کے معاملہ میں اختلاف رکھتا تھا جبکہ آیت اُسی گروہ کے بارے میں گفتگو کر رہی ہے۔

چند نکات

مسئلہ ولایت اور نبأ عظیم

جیسا کہ ہم نے کہا ہے، نبأ عظیم کی کئی تفسیریں ہوئی ہیں۔ قیامت، قرآن اور تمام اصولِ عقائد دینی جن

---

[1] علمائے ادب عربی اور مفسرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ "کلا" حرف ردع ہے اور اس کے معنی گزشتہ مطالب کی نفی یا نہی ہوتا ہے لیکن بعض نے کہا ہے کہ نادر طور پر دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے جن میں سے انہوں نے تین معانی کا نام لیا ہے۔ تاکید اور الا استفتاحیہ اور حرف جواب جو نعم کی منزلت رکھتا ہو۔ ان میں سے بعض نے ہر ایک کو منتخب کیا ہے۔ مجمع البحرین اور دوسری کتب۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں مبداء و معاد عام طور پر شامل ہیں لیکن اس سورہ کے مجموعۂ آیات میں جو قرائن موجود ہیں وہ یہی بتلاتے ہیں کہ نباءِ عظیم کی تفسیر معاد سے کرنا سب سے بہتر ہے۔

بہت سی اہل بیت سے اور بعض اہل سنت کے طرق سے نقل شدہ روایات میں "نبأ عظیم" (بہت بڑی خبر) کی تفسیر امیرالمومنین حضرت علیؑ کی ولایت و امامت سے ہوئی ہے جس سے ایک جماعت کو اختلاف ہے اس کی تفسیر ولایت عمومی سے بھی ہوئی ہے۔ یہ روایات بعض اوقات خود حضرت علیؑ سے اور بعض اوقات دوسرے آئمہ سے منقول ہیں۔ ہم یہاں تین روایتیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اول: وہ روایت ہے جسے حافظ محمد بن مومن شیرازی نے نقل کیا ہے جو علمائے اہل سنت میں سے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے "عم یتساءلون عن النبأ العظیم" کی تفسیر کے سلسلے میں فرمایا کہ اس سے مراد علیؑ کی ولایت ہے۔ اس کے بارے میں قبر میں سوال ہوگا اور کوئی شخص مشرق و مغرب میں اور بحر و بر میں نہیں مرتا مگر یہ کہ فرشتے اس سے موت کے بعد امیرالمومنینؑ کی ولایت کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ تیرا پیغمبر کون ہے؟ اور تیرا امام کون ہے؟[1]

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جنگ صفین کے دوران لشکر شام میں سے ایک شخص جو بدن پر ہتھیار لگائے ہوئے تھا اور اس کے گلے میں قرآن حمائل تھا میدان میں وارد ہوا وہ سورہ عم یتساءلون عن النبأ العظیم کی تلاوت کر رہا تھا۔ حضرت علیؑ خود میدان میں آئے اور اس سے فرمایا: (اتعرف النبأ العظیم الذی ہم فیہ مختلفون) کیا تو اس نبأ عظیم کو جانتا ہے جس میں وہ اختلاف رکھتے ہیں؟ وہ کیا ہے؟ اس شخص نے جواب میں کہا کہ میں نہیں جانتا۔ تو آپ نے فرمایا: (انا واللہ النبأ العظیم الذی فیہ اختلفتم و علی ولایتہ تنازعتم و عن ولایتی رجعتم بعد ما قبلتم ..... و یوم القیامۃ تعلمون ما عملتم) "میں ہوں وہ نبأ عظیم جس کے بارے میں تم اختلاف رکھتے ہو اور اس کی ولایت کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو۔ تم میری ولایت سے پھر گئے ہو بعد اس کے کہ تم نے اسے قبول کر لیا تھا اور قیامت میں دوبارہ اس چیز کو جسے اس سلسلہ میں جان چکے ہو جان لوگے۔"[2]

۳۔ ایک روایت میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: (النبأ العظیم الولایۃ) نبأ عظیم سے مراد ولایت ہے۔[3]

ان روایتوں کے مضامین میں اور آیت کی تفسیر کے بارے میں ہم نے قیامت کا جو ذکر کیا ہے ان دونوں

---

[1] رسالہ "الاعتقاد" ابوبکر محمد بن مومن شیرازی (طبق نقل احقاق الحق جلد ۳ ص ۴۸۴)۔

[2] تفسیر برہان، جلد ۴ ص ۴۲۰ حدیث ۹۔

[3] تفسیر برہان، جلد ۴ ص ۴۱۹ حدیث ۳۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کا اجتماع دو صورتوں میں ممکن ہے۔ ایک تو یہ کہ نباء عظیم کا ایک وسیع مفہوم ہے جو ان سب مفاہیم پر حاوی ہے اگرچہ ان آیتوں کے نزول کے وقت قرآن مجید سب سے زیادہ اس جملہ کے بیان کرنے کے سلسلہ میں مسئلہ معاد کی طرف واضح اشارے کر رہا تھا لیکن یہ اس میں مانع نہیں ہے کہ اس آیت کے اور بھی مصداق ہوں۔ دوسرے یہ کہ، جیسا کہ ہم جانتے ہیں اور بارہا ہم نے کہا بھی ہے۔ قرآن کے مختلف باطن ہیں یعنی اس بات کا امکان ہے کہ آیت کے کئی معانی ہوں جن میں سے ایک معنی ظاہر ہوں اور دوسرے بطونِ قرآن سے تعلق رکھتے ہوں، جن سے مختلف قرآن کے ذریعہ استفادہ کیا جا سکتا ہو۔

بالفاظ دیگر یہ ایک قسم کی التزامی دلالت ہے جو ہر فرد پر واضح نہیں ہوتی۔ صرف یہی آیت نہیں جو ظاہر و باطن کی حامل ہے بلکہ قرآن مجید میں ایسی بہت آیتیں ہیں جن کے بارے میں روایات میں مختلف تفاسیر تجویز ہوتی ہیں جن میں سے بعض ظاہر کے ساتھ ہم آہنگ ہیں اور بعض باطنِ قرآن کی ترجمان ہیں۔

لیکن اس نکتہ پر زور دینے کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی یاد دلاتے ہیں اور ذہن نشین کراتے ہیں کہ واضح قرائن کے بغیر یا ایسی تفاسیر کے بغیر جو پیغمبر اکرمؐ یا ائمہ معصومین سے منقول نہ ہوں بطونِ قرآن کا سمجھنا جائز نہیں ہے اور وہ قرآن کے بطون اس لیے نہیں ہیں کہ معاد پرست اور منحرف قسم کے افراد آیاتِ قرآنی کی جس طرح چاہیں تاویل و تفسیر کریں۔

۲۔ معاد و قیامت پر اتنا زور کیوں دیا گیا ہے

ہم کہہ چکے ہیں کہ اہم ترین مسئلہ جس پر قرآن کے تیسویں پارہ کی بیشتر آیات میں، باتفاق مفسرین زور دیا گیا ہے وہ مسئلہ معاد و قیامت ہے اور مذکورہ سب آیتیں مکی ہیں۔ ان آیتوں میں قیامت کے دن سے متعلق انسان کے حالات کی تشریح و تفصیل ہے۔

یہ اس بناء پر ہے کہ یہ انسان کی اصلاح کے سلسلہ کا پہلا قدم ہے تاکہ اسے معلوم ہو کہ حساب کا سامنا کرنا ہے، ایسی عدالت میں پیش ہونا ہے جس کے حاکم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی صورت ہے جس میں نہ ظلم و جور کی کوئی گنجائش ہے نہ وہاں خطا و اشتباہ کا کوئی امکان ہے، نہ اس میں سفارش و رشوت کام آسکتی ہے نہ جھوٹ بولنے سے کام چل سکتا ہے اور نہ انکار کرنے کی گنجائش ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہاں عذاب و سزا کے چنگل سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ یہاں دنیا میں رہتے ہوئے گناہ کو ترک کر دیا جائے تو اس قسم کے محکمے اور عدالت کے وجود پر ایمان رکھنا انسان کے دل کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور سوئی ہوئی روحوں کو بیدار کرتا ہے۔

تقویٰ کی روح، عہد کی پاسداری، جوابدہی اور ذمہ داری کا احساس انسان میں پیدا کرتا ہے اور اسے فرض شناسی کے عرفان کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جس ماحول میں فساد ہو اور وہاں تخریبی عناصر رخنہ اندازی کریں، اصولی طور پر دو اسباب میں سے ایک اس کا سبب ضرور ہوتا ہے۔ ایک تو نگرانی و نگہبانی کی قوت کی کمزوری دوسرے نظام عدالت کا ضعف۔ اگر تیز نگاہ رکھنے والے نگران انسانوں کے اعمال پر نظر رکھیں اور عدالتیں گہری نظر کے ساتھ جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کی سزا پر عملدرآمد کریں اور کوئی مجرم سزا سے نہ بچے تو اس قسم کے ماحول میں یقیناً فساد، گناہ، تجاوز عن الحدود، ظلم اور سرکشی کا تقریباً خاتمہ ہو جائے گا۔

چنانچہ جہاں مادی زندگی نگہبانوں اور عدالتوں کے اس طرح زیر سایہ ہو وہاں معنوی زندگی جو اللہ کے لیے ہو اس کا معاملہ واضح ہے۔ لہٰذا ایسے مبداء پر ایمان رکھنا جو ہر جگہ انسان کے ساتھ ہو (لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ) "ایک ذرہ کی مقدار کا بوجھ بھی اس کے علم سے مخفی نہیں ہے" (سبا / ۳)۔

اور قیامت کے وجود پر ایمان جو (فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ ٭ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ) (زلزال / ۷ - ۸)۔ "اچھے اور بُرے کام کا ایک ذرہ بھی فراموشی کے سپرد نہیں ہوگا" اور وہاں اس کے سامنے موجود ہوگا، انسان میں ایسا تقویٰ پیدا کرتا ہے جو زندگی بھر راہِ خیر میں اس کا راہنما ہو سکتا ہے۔

www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۶) اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝

(۷) وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝

(۸) وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝

(۹) وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝

(۱۰) وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝

(۱۱) وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝

(۱۲) وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝

(۱۳) وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝

(۱۴) وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝

(۱۵) لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝

(۱۶) وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝

ترجمہ

(۶) کیا ہم نے زمین کو (تمہارے) آرام وسکون کی جگہ قرار نہیں دیا۔

(۷) اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں (نہیں بنایا)۔

(۸) اور تمہیں زوج زوج کی شکل میں پیدا (نہیں کیا)۔

(۹) اور تمہاری نیند کو ہم نے تمہارے سکون کا باعث قرار دیا۔

(۱۰) اور رات کو (تمہارے لیے) لباس (بنایا)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۱) اور دن کو معاش کا ذریعہ (قرار دیا)۔

(۱۲) اور تم پر ہم نے سات مستحکم آسمان بنائے۔

(۱۳) اور روشن اور حرارت بخش چراغ ہم نے پیدا کیا۔

(۱۴) اور برسنے والے بادلوں سے بہت زیادہ پانی ہم نے نازل کیا۔

(۱۵) تاکہ اس کے ذریعہ ہم بہت سی فصلیں اور نباتات اُگائیں۔

(۱۶) اور درختوں سے پُر باغات۔

تفسیر

یہ آیتیں حقیقت میں منکرین معاد اور نبا عظیم میں اختلاف کرنے والوں کے سوالوں کا جواب ہیں، اس لیے کہ ان آیات میں اس عالم ہستی کے حکیمانہ نظام اور حساب شدہ نعمتوں کا ایک ایسا گوشہ بیان ہوا ہے جو انسانوں کی زندگی پر بہت ہی اثر انداز ہے جو ایک طرف تو ہر چیز پر، علی الخصوص مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر قدرت خدا کی واضح دلیل ہے، دوسری طرف اس سمت اشارہ ہے کہ یہ حکیمانہ نظام فضول اور عبث نہیں۔

حالانکہ اگر دنیا کی اس مادی زندگی کے ختم ہونے کے ساتھ ہی تمام معاملات ختم ہو جاتے تو یقیناً یہ منصوبہ عبث اور فضول ہوتا۔ اس طرح یہ آیات دو جہتوں سے مسئلہ معاد کے لیے استدلال فراہم کرتی ہیں "برہان قدرت" کے ذریعہ بھی اور "برہان حکمت" کے طریق سے بھی۔

ان گیارہ آیتوں میں بارہ اہم نعمتوں کی طرف لطف و محبت سے لبریز استدلال اور کرم و مہربانی کی تشویق سے ہم آغوش تعبیروں کے ساتھ اشارہ ہوا ہے۔ اور وہ اس لیے کہ اگر عقلی دلائل کے ساتھ روحانی مسرت کا سامان نہ ہو تو پھر استدلال عقلی کی تاثیر کم ہو جاتی ہے۔

ابتداء زمین سے کی ہے فرماتا ہے: "کیا ہم نے زمین کو گہوارہ اور تمہارے لیے سکون کی جگہ قرار نہیں دیا ہے" (الم نجعل الارض مھادا)۔

"مھاد" جیسا کہ راغب نے مفردات میں کہا ہے، صاف ستھری اور مرتب جگہ کے معنی میں ہے اور اصل میں "مھد" سے لیا گیا ہے۔ یہ اس جگہ کے معنوں میں ہے جو بچے کے آرام کے لیے تیار کی گئی ہو۔ (وہ خواہ بستر ہو یا گہوارہ)۔

ارباب لغت اور مفسرین کی ایک جماعت نے اس کی تفسیر فرش یعنی بستر سے کی ہے جو صاف و نرم بھی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہو اور آرام دہ بھی۔ زمین کے لیے اس تعبیر کا انتخاب بہت ہی پُر معنی ہے اس لیے کہ ایک تو زمین کے بہت سے حصے اس طرح نرم وصاف اور مرتب ہیں کہ انسان ان پر اچھی طرح سے گھر بنا سکتا ہے، زراعت کر سکتا ہے اور باغ لگا سکتا ہے۔ دوسرے اس کی تمام ضرورتیں سطح زمین پر یا زمین کی گہرائیوں میں مواد اولیا اور قیمتی معدنیات کی شکل میں موجود ہیں۔ تیسرے یہ کہ انسان کے زائد مواد کو زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ مُردوں کے جسم اس کے اندر دفن کرنے سے بہت جلد ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور بکھر جاتے ہیں اور اس طرح انواع و اقسام کے جراثیم ان پوشیدہ اثرات کے ماتحت ختم ہو جاتے ہیں جو دستِ قدرت نے زمین کو ودیعت کیے ہیں۔

چوتھے یہ کہ زمین سورج کے گرد اور خود اپنے گرد نرم اور تیز قسم کی گردش کرتی ہے جس سے رات اور دن بنتے ہیں اور وہ چار فصلیں حاصل ہوتی ہیں جو انسانی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ پانچویں بات یہ کہ یہ پانی کے بہت زیادہ حصہ کو جو اس کی سطح پر برستا ہے اپنے اندر ذخیرہ کر لیتی ہے اور چشموں اور ندی نالوں کی شکل میں باہر بھیجتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس آرام دہ بستر میں اس زمین کی اولاد کے لیے آسائش کے تمام وسائل موجود ہیں۔ اس نعمت کی اہمیت اس وقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب معمولی سا زلزلہ اور الٹ پلٹ کر دینے والا تزلزل اس میں پیدا ہوتا ہے۔ اور چونکہ ممکن ہے کہ سطح زمینوں کی نرمی کے مقابلہ میں پہاڑوں کی اہمیت اور انسانی زندگی میں ان کے اثرات فراموش ہو جائیں اس لیے بعد والی آیت میں فرماتا ہے:

کیا ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں قرار نہیں دیا۔ (والجبال اوتادًا)۔ پہاڑ اس کے علاوہ کہ بہت عظیم اور بڑی بڑی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں رکھتے ہیں اور وہاں یہ ایک دوسرے سے پیوست ہیں اور یہ زمین کی کھال کو زرہ کی طرح اندرونی طور پر پگھلنے والے مواد کے دباؤ سے اور چاند سے پیدا ہونے والے مدوجزر کے جاذبہ کی تاثیر سے محفوظ رکھتے ہیں اور شدید اور زبردست طوفانوں کے مقابلہ میں دیوار ثابت ہوتے ہیں اور اس طرح انسان کی آسائش کے گہوارے کی ایک قابلِ اطمینان پناہ گاہ تیار کرتے ہیں۔

حقیقتاً اگر یہ نہ ہوتے تو انسانی زندگی ہمیشہ طوفانوں کی سر پٹخنے والی ضربوں کے زیر اثر بے سکون ہو کر رہ جاتی۔ مزید یہ کہ یہ پانی اور قیمتی معدنیات کا مرکز ہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ کرۂ زمین کے اطراف میں ہوا کا ایک عظیم خطہ موجود ہے جس میں پہاڑ، سائیکل کے دندانے دار چکر کی شکل میں پنجے گاڑے ہوئے ہیں اور زمین کے ہمراہ حرکت کرتے ہیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر سطح زمین صاف ہوتی تو ہوا کا طبقہ زمین کی حرکت کے وقت اس کے اوپر چلتا رہتا اور بڑے بڑے طوفان پیدا کرتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ یہ دائمی ٹکراؤ زمین کو زیادہ گرم جلن پیدا کرنے والی اور ناقابلِ سکونت بنا دیتا۔

آفاقی نعمتوں کے دو نمونے بیان کرنے کے بعد وجودِ انسان کی اندرونی اور انفسی آیات کو موضوعِ گفتگو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بناتے ہوئے فرماتا ہے : "ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا" (و خلقناکم ازواجا)[1]

"ازواج" "زوج" کی جمع ہے جو مذکر و مونث کی جنس کے معنوں میں ہے۔ انسان کی خلقت ان دو صنفوں سے، علاوہ اس کے کہ اس کی نسل کی بقاء کی ضامن ہے، اس کے جسم و جان کے سکون کا سبب بھی ہے، جیسا کہ سورہ روم کی آیت ۲۱ میں ہم پڑھتے ہیں :

(ومن اٰیاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیها و جعل بینکم مودة و رحمة) "(عظمت) خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری نوع میں سے تمہاری ازواج کو پیدا کیا ہے تاکہ ان کے ذریعہ تمہیں سکون نصیب ہو اور تمہارے درمیان محبت و رحمت قرار دی ہے"۔

دوسرے لفظوں میں مذکر و مونث کی نوع میں سے ہر ایک دوسرے کے وجود کی تکمیل کرتی ہے اور اپنے مقابل کے نقائص کو ختم کرتی ہے۔ اور چونکہ ازواج کا لفظ لغت میں اصناف و انواع کے معانی میں بھی آیا ہے اس لیے کچھ افراد نے اس آیت کو انسانوں کی مختلف اصناف کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔ اور رنگ و نسل و جذبات و استعداد کا جو فرق انسانوں کے درمیان ہے وہ حق تعالیٰ کی عظمت کی دلیل اور انسانی معاشرے کے تکامل و ارتقاء کا سبب ہے۔

اس کے بعد نیند جو انسان کے لیے خدا کی ایک عظیم نعمت ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے : "ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لیے آرام و سکون کا باعث قرار دیا ہے" (و جعلنا نومکم سباتًا)۔

"سبات" "سبت" (بروزن وقت) کے مادہ سے اصل میں کاٹنے کے معنی میں ہے اس کے علاوہ آرام کی خاطر کام چھوڑنے کے معنی میں بھی آیا ہے اور یہ جو عربی زبان میں ہفتہ کا دن "یوم السبت" کے نام سے موسوم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نام یہودیوں سے متاثر ہونے کے نتیجے میں ہوا اس لیے کہ وہ ہفتہ کے دن کو چھٹی کا دن سمجھتے ہیں۔

سبات کی تعبیر ایک لطیف اشارہ ہے اور یہ اشارہ نیند کی حالت میں انسان کی قابل توجہ جسمانی اور روحانی فعالیتوں کے کئی حصوں کے معطل ہونے کی طرف ہے اور یہی وقتی تعطیل تھکے ماندے اعضاء و جوارح کے آرام، روح و جسم کی تقویت، نشاطِ انسانی کی تجدید اور ہر قسم کی تھکن اور بے آرامی کے دور ہونے کا سبب ہے اور بالآخر تجدید فعالیت کے لیے آمادگی کا باعث ہے۔

باوجودیکہ انسانی زندگی کے ایک تہائی حصے کو نیند گھیرے ہوئے ہے اور یہ صورت حال ہمیشہ انسان کو

---

[1] "و خلقناکم ازواجا" کا جملہ اور اس طرح اس سے مشابہ جملے جو بعد والی آیتوں میں آئے ہیں مستقل اور مثبت جملوں کی شکل میں ہیں اور یہ جو بعض مفسرین نے احتمال تجویز کیا ہے کہ منفی شکل میں ہیں اور "الم نجعل" جو گزشتہ آیت میں تھا اس کے مفہوم پر عطف ہیں بعید نظر آتا ہے اور وہ تقدیر و حذف کا محتاج ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پیش آتی ہے لیکن نیند کے اسرار ابھی تک اچھی طرح نہیں کھلے حتیٰ کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکی کہ وہ کونسا عامل ہے جو اس چیز کا سبب بنتا ہے کہ ایک معین وقت میں دماغ کی فعالیتوں کا ایک حصّہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اور اس کے بعد آنکھوں کی پلکیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں اور تمام اعضائے بدن سکون سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

یہ حقیقت ابھی تک صحیح طریقہ سے واضح نہیں ہوئی لیکن یہ چیز بالکل واضح ہے کہ نیند انسان کی صحت و سلامتی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی بنا پر نفسیات و روح کے معالج اس کوشش میں لگے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے بیماروں کی نیند کو عام اور عادی شکل میں لے آئیں اس لیے کہ اس کے بغیر نفسیاتی اعتدال ممکن ہی نہیں ہے۔
وہ افراد جو طبعی اور فطری شکل میں نہیں سو سکتے وہ پژمردہ، غصیل، افسردہ، غمگین اور پریشان قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس جو افراد معتدل نیند کا لطف اٹھاتے ہیں جب وہ بیدار ہوتے ہیں تو حد سے زیادہ خوشی اور قوت اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ ایک آرام بخش نیند کے بعد جو مطالعہ کیا جاتے وہ بہت جلد اثر کرتا ہے اور فکری و جسمانی کام اس قسم کی نیند کے بعد ہمیشہ بہت ہی خوشگوار محسوس ہوتے ہیں اور یہ سب چیزیں نیند کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہیں۔

کسی انسان کے لیے بے چین کر دینے والی بے خوابی سے بڑھ کر کوئی شے تکلیف دہ نہیں، یہ اسے مجبور محض بنا کر رکھ دیتی ہے، اور تجربہ بتاتا ہے کہ بے خوابی کے مقابلہ میں انسان کی قوت برداشت بہت ہی کم ہوتی ہے۔ ایسا انسان بہت کم عرصہ میں شدید امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔

اب تک نیند کی اہمیت کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے مراد وہ نیند ہے جو اعتدال کی حالت میں ہو ورنہ زیادہ سونا اتنا ہی بُرا ہے جتنا زیادہ خوراک کھانا۔ یہ دونوں چیزیں مختلف امراض کی پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔

یہ تعجب کی بات ہے کہ فطری اور طبعی نیند کی مقدار تمام انسانوں میں یکساں نہیں ہے اور اس کے لیے کوئی معین حد مقرر نہیں کی جا سکتی لہٰذا یہ ہر شخص کا اپنا فرض ہے کہ وہ اپنی جسمانی اور روحانی فعالیتوں کو جانچ تول کر یہ فیصلہ کرے کہ اس کے لیے کتنی نیند مفید ہے۔

زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ سخت قسم کے حادثات رونما ہونے کے وقت، جس وقت انسان لاچار محض ہوتا ہے وہ بہت دیر تک بیدار رہتا ہے۔ بے خوابی کے مقابلہ میں انسان کی قوت برداشت وقتی طور پر بہت بڑھ جاتی ہے۔ نیند کا احساس بالکل ختم ہو جاتا ہے اور بعض اوقات تو بہت حد تک نیند کم ہو جاتی ہے۔ ایک یا دو گھنٹہ کی نیند رہ جاتی ہے۔ لیکن بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ اس کمی کا حالات کے معمول پر پہنچنے کے بعد فقدان ہو جاتا ہے اور انسان کے جسم و روح نیند کی مطلوبہ مقدار کو چاہنے لگتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

البتہ ایسے لوگ بہت کم ملتے ہیں جو کئی مہینے مسلسل جاگتے رہیں اور ایک لمحے کے لیے بھی نیند ان کی آنکھوں میں نہ آئے۔ اس کے برعکس کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جو کوچہ و بازار میں چلتے پھرتے، بلکہ اس وقت جس وقت وہ آپ سے باتیں کر رہے ہوں، انہیں نیند آجاتی ہے۔ وہ اگر تنہا ہوں تو معاملہ خطرناک ہوتا ہے۔ اس قسم کے افراد یقیناً صحت مند نہیں ہوتے اور وہ بالآخر جسمانی و روحانی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ چیز جسے نیند کہتے ہیں ایک بہت ہی عجیب قسم کی تبدیلی ہوتی ہے جو انسان میں نمودار ہوتی ہے اور یہ بہت زیادہ عجائبات کی حامل ہوتی ہے اور انسان کی زندگی میں ایک قسم کے معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔[1]

اگرچہ مندرجہ بالا آیت نیند کو خدا کی عطا کی ہوئی ایک نعمت قرار دیتی ہے لیکن چونکہ نیند موت سے مشابہت رکھتی ہے اور بیداری قیامت اور مُردوں کے قبروں سے اُٹھنے سے مشابہ ہے لہٰذا اس طرف بھی اشارہ ممکن نظر آتا ہے۔ اس کے بعد نیند ہی کے حوالے سے رات کی بات نکل آئی ہے جو بجائے خود اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ پھر وہ حکیم عالم فرماتا ہے:

"ہم نے رات کو لباس قرار دیا ہے" (وجعلنا الليل لباسا)۔ پھر بلا فاصلہ مزید فرماتا ہے: "اور دن کو زندگی کے لیے ہم نے وسیلہ قرار دیا ہے" (وجعلنا النهار معاشا)۔[2]

ثنویین (دو خداؤں کے ماننے والے) اسرارِ خلقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ نور اور دن کی روشنی نعمت ہے اور رات اور اس کی تاریکی شر ہے اور عذاب ہے۔ وہ ہر ایک کے لیے الگ الگ خدا کے قائل ہیں۔ ایک کو یزداں کہتے ہیں اور دوسرے کو اہرمن کے نام سے پکارتے ہیں۔ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا نظریہ غلط ہے۔ دن، رات دونوں اپنی جگہ نعمتِ پروردگار ہیں اور بہت سی دوسری نعمتوں کے لیے سرچشمے کا کام دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کے مطابق پردۂ شب زمین کی پوشش اور لباس کا کام دیتا ہے اور تمام زندہ موجودات جو

---

[1] نیند کے عجائبات کے سلسلہ میں ہم ایک دوسری بحث جلد ۱۶ صفحہ ۲۹۲ سے آگے سورہ روم کی آیت ۲۳ کے ذیل میں درج کرچکے ہیں۔ اسی طرح ان مناظر کے سلسلہ میں جو انسان خواب میں دیکھتا ہے اور اس کی عجیب و غریب چیزوں کے متعلق تفصیلی بحث جلد ۹ صفحہ ۳۱۱ تا ۳۱۴ (سورہ یوسف کی آیت ۴ کے ذیل میں) ہم بیان کرچکے ہیں۔

[2] "معاش" ہو سکتا ہے کہ اسم زمان یا اسم مکان زندگی کے زمانہ یا مکان کے معنی میں ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصدر میمی ہو اور اس صورت میں اس میں محذوف ہو اور تقدیر عبارت میں "سبباً لمعاشکم" ہو اور ضمنی طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معاش "عیش" مادہ سے زندگی کے معنی میں ہو۔ اس کا فرق حیات سے یہ ہے کہ حیات کا اطلاق خدا اور فرشتوں پر بھی ہوتا ہے لیکن "عیش" کا اطلاق انسان اور حیوان کی زندگی سے مخصوص ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زمین پر زندگی بسر کرتے ہیں وہ زندگی کی تھکا دینے والی مصروفیتوں کو مجبوراً معطل کر دیتے ہیں اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں اور تاریکی جو سکون و آرام اور استراحت کا سبب ہے ہر چیز پر تسلط اختیار کر لیتی ہے تاکہ تھکے ماندے جسم ترو تازہ ہو جائیں اور خستہ و کبیدہ انسان دوبارہ نشاط روح کو حاصل کرے اس لیے کہ سکون و آرام کی نیند تاریکی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

قطع نظر ان سب باتوں سے پردۂ شب کے حائل ہو جانے سے سورج کی روشنی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اگر مسلسل پڑتی رہے تو تمام نباتات وجمادات کو جلا کر رکھ دے اور کام کے قابل نہ رہے۔ اس بنا پر قرآن مجید نے بارہا اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے۔ پروردگار عالم ایک مقام پر فرماتا ہے:

(قل ارءیتم ان جعل اللہ علیکم النهار سرمدًا الی یوم القیامة من الٰه غیر اللہ یأتیکم بلیل تسکنون فیه) "کہ دے مجھے بتاؤ کہ اگر خدا دن کو قیامت تک جاری رکھے تو خدا کے علاوہ کون ہے جو رات کو تمہارے لیے لے آئے گا تاکہ تم اس میں سکون و اطمینان حاصل کرو" (قصص/۷۲)۔

اس کے بعد فرماتا ہے: (ومن رحمته جعل لکم اللیل والنهار لتسکنوا فیه ولتبتغوا من فضله) "یہ اس کی رحمت میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن قرار دیئے تاکہ اس میں تم سکون و اطمینان حاصل کرو اور اس میں فضلِ خدا سے فائدہ اٹھانے کے لیے سعی و کوشش کرو" (قصص/۷۳)۔

قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ قرآن مجید میں بہت سے اہم موضوعات کی ایک دفعہ قسم کھائی گئی ہے جبکہ رات کی سات مرتبہ قسم کھائی گئی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ قسم اہم امور کی کھائی جاتی ہے اور یہ بجائے خود پردۂ ظلمتِ شب کی اہمیت کی دلیل ہے۔ وہ لوگ جو رات کو مصنوعی روشنی سے منور کرتے ہیں اور ساری رات جاگتے رہتے ہیں اور اس کی بجائے دن کو سوتے ہیں وہ رنجیدہ، غیر صحت مند اور محرومِ مسرت رہتے ہیں۔

دیہات جہاں شہر کے برعکس رات کو جلدی سو جاتے ہیں اور صبح کو جلدی اٹھتے ہیں وہاں زندگی زیادہ صحت و سلامتی کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ رات کے کچھ اپنے اور ضمنی منافع بھی ہیں۔ اس کے آخری لمحات بارگاہِ خدا میں راز و نیاز، عبادت، تعمیرِ ذات اور تربیتِ نفوس کے لیے بہترین ہوتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید پرہیزگاروں کی تعریف میں کہتا ہے: (وبالاسحار هم یستغفرون) "وہ اوقاتِ سحر میں استغفار کرتے ہیں" (ذاریات/۱۸)۔[1]

دن کی روشنی بھی بجائے خود ایک نعمت ہے۔ یہ انسان میں جوش و حرکت پیدا کرتی ہے اور اسے کام اور تلاشِ معاش کی تحریک دیتی ہے اور نباتات کو اپنی روشنی کے سائے میں اگاتی ہے اور حیوانات کو اپنے

---

[1] رات اور دن کے اسرار اور نور و ظلمت کے نظام کے بارے میں جلد ۹ صفحہ ۱۴۳ کے بعد سے (سورۂ قصص کی آیت ۷۱ تا ۷۲ کے ذیل میں) اور جلد ۸ صفحہ ۴۰۸ تا ۴۱۰ (سورۂ فرقان کی آیت ۴۷ کے ذیل میں) اور جلد ۱۲ صفحہ ۶۰ (سورۂ ذاریات کی آیت ۱۸ کے ذیل میں) ہم نے اور بحثیں بھی کی ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زیر سایہ منزل رشد تک پہنچاتی ہے، انہیں نشوونما بخشتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا تعبیر جس میں فرماتا ہے:

"ہم نے دن کو تمہاری معاش اور زندگی کا وسیلہ و ذریعہ قرار دیا ہے" ہر لحاظ سے عمدہ اور پُر معنی تعبیر ہے جو کسی شرح و توصیف کی محتاج نہیں ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ دن اور رات کی آمد و رفت اور ان کے نظام دقیق کے تدریجی تغیرات عمل تخلیق کی ایک آیت اور خدا کی ایک نشانی ہیں۔ اس کے علاوہ انسانوں کی زندگی کی زمانی نظام بندی کے لیے ایک طبعی اور فطری تقویم کے پیدا ہونے کا سرچشمہ شمار ہوتے ہیں۔ اس کے بعد زمین سے آسمان کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"ہم نے تمہارے سر کے اوپر سات مستحکم آسمان بنائے ہیں" (و بنینا فوقکم سبعا شدادا) یہاں سات کا عدد ہو سکتا ہے کہ عدد تکثیر ہو اور آسمان کے متعدد کُروں، کہکشاؤں اور نظام ہائے شمسی کے مجموعہ کی طرف اشارہ ہو جو مستحکم خلقت اور عظیم و قوی تعبیر کے حامل ہیں۔ یا یہ عدد "تعداد" ہو، اس طرح کہ چمکتے ستارے ہم دیکھتے ہیں ــــ سورہ صافات کی آیت ۶ کے حکم کے مطابق (انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب) "ہم نے نچلے آسمان کو ستاروں سے زینت بخشی"، پہلے آسمان سے متعلق ہوں اور ان کے علاوہ چھ دوسرے عوالم اور آسمان وجود رکھتے ہوں جو علم بشر کی دسترس سے خارج ہیں۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد زمین کے اطراف میں ہَوا کے متعدد طبقات ہوں جو ظاہری طور پر رقیق ہونے کے باوجود اس طرح مستحکم ہیں کہ اس کرہ خاکی کو آسمانی پتھروں کے مسلسل حملوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور جس وقت بھی ان میں سے کوئی ٹکڑہ زمین میں جذب ہوتا ہے خلۂ ہَوا سے شدید تصادم کی بنا پر اس طرح گرم ہو جاتا ہے کہ اس میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ جل کر خاک ہو جاتا ہے اور اس کی خاکستر نرم و ملائم ہو کر زمین پر بیٹھ جاتی ہے۔ اگر یہ خلۂ ہَوا نہ ہوتا تو ہمارے شہر اور آبادیاں شب و روز ان پتھروں کے گرنے کی زد پر ہوتیں۔

بعض ماہرین نے حساب لگایا ہے کہ اطراف زمین میں پائے جانے والے خلۂ ہَوا کی استقامت جو ایک سو کلو میٹر کی ضخامت سے زیادہ ہے، ایک پولاد فولاد کی چھت کی دس میٹر کی ضخامت کے برابر ہے اور "سبع شداد" کی یہ ایک تفسیر ہے۔[1]

آسمانوں کی خلقت کی طرف ایک اجمالی اشارہ کرنے کے بعد آفتاب عالمتاب جیسی عظیم نعمت کی طرف رُخ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"ہم نے نورانی اور حرارت بخش چراغ پیدا کیا ہے" (و جعلنا سراجا وهاجا)[2]

"وھاج" "وہج" (بروزن کرج) کے مادہ سے اس نور و حرارت کے معنی میں ہے جو آگ

---

[1] سات آسمانوں اور ان کی تفسیر کے سلسلہ میں (سورہ بقرہ کی آیت ۲۹ کے ذیل میں) ہم تفصیل بحث کر چکے ہیں۔

[2] "جعلنا" یہاں خلقنا کے معنی میں ہے اس نے ایک مفعول لیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے برآمد ہوتے ہیں ۔[1]

اس بنا پر اس پُر فروغ چراغِ آسمانی کی اس صفت کا ذکر دو عظیم نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جو اس جہان کی عام مادی نعمتوں کا سرچشمہ ہیں یعنی "نور و حرارت"۔ سورج کی روشنی نہ صرف یہ کہ انسان کی زندگی کے تمام نظامِ شمسی کے صحن کو روشن کرتی ہے بلکہ زندہ موجودات کی پرورش میں بڑا گہرا دخل رکھتی ہے۔ سورج کی حرارت علاوہ اس کے کہ انسان، حیوان اور نباتات کی زندگی میں براہِ راست اثر انداز ہوتی ہے، بادلوں کے بننے، ہواؤں کے چلنے، بارشوں کے برسنے اور خشک زمینوں کی آبیاری کا اصل منبع و سرچشمہ ہے۔

سورج مخصوص شعاعوں کی وجہ سے (آبی اور سرخ شعاؤں کے علاوہ) جراثیم کشی میں بہت زیادہ کارآمد ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو کرۂ ارض ایک بڑے ہسپتال میں تبدیل ہو جاتا اور یہ ممکن تھا کہ مختصر سی مدت میں تمام زندہ موجودات کی نسل مردہ ہو جاتی۔ سورج صحیح و سالم صفت اور دائمی مناسب فاصلے سے نہ زیادہ گرم اور جلانے والی نہ سرد اور بے روح روشنی ہم سب کو عطا کرتا ہے۔

اگر سورج سے نکلنے والی قوت کی قیمت کا قوت کے دوسرے منابع کی قیمت کے ساتھ ہم حساب لگائیں تو وہ بہت بڑے عدد کو تشکیل دے۔ اگر فرض کریں کہ ہم ایک سیب کے درخت کی مصنوعی روشنی اور قوت کو پرورش کریں تو سیب کے ہر دانہ کی قیمت ہم کو پریشان کر کے رکھ دے۔ جی ہاں! یہ عالمِ ہستی کا "سراج وہاج" تمام قوت ہم سب کو مفت عطا کرتا ہے۔[2]

ماہرین کے اندازے کے مطابق سورج کا دائرہ کرۂ زمین سے تقریباً ایک ملین اور تین لاکھ گنا بڑا ہے اور اس کا فاصلہ تقریباً ایک سو پچاس ملین کلو میٹر ہے اور سطحِ خورشید کی بیرونی حرارت قریب قریب بیس ملین درجہ ہے۔ یہ سب کچھ اس قدر بچا تلا حساب شدہ ہے کہ اگر تھوڑا سا کم یا زیادہ ہو جاتا تو اہلِ زمین کے لیے عرصۂ حیات

---

[1] مفرداتِ راغب، مادہ "وہج"۔ لسان العرب، اس لفظ کے معنی میں کہتی ہے "دور کے فاصلے سے سورج اور آگ کی حرارت"۔

[2] کتاب "دنیائے سیارگان" تالیف "انتری وایت" میں اس نور و حرارت کا حساب لگایا گیا ہے جو سورج اہلِ زمین کو دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر فرض کریں اس نور و حرارت کے بدلے جو ہم سورج سے مفت لیتے ہیں بجلی کی عام قیمت کے مطابق پیسہ خرچ کریں تو روئے زمین کے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ ہر گھنٹے ایک ارب اور ساٹھ سو ملین ڈالر ادا کریں۔ اور ایک سال میں یہ رقم لرزہ براندام کر کے رکھ دے گی۔ وہ یہ بتاتا ہے کہ کتنی عظیم دولت اس وسیلہ سے ہمیں مفت مل رہی ہے۔ "از جہانہائے دور" کے مصنف کے بقول اگر زمین کے لوگ اس روشنی کو جو سورج سے لیتے ہیں بلبوں سے حاصل کریں جو اسی جگہ نصیب ہوں جہاں سورج ہے تو ہر ایک شخص کے بدلے سو شمع والے پانچ ملین ارب بلب روشن ہونے چاہئیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تنگ ہو جاتا اور زندگی کا امکان ختم ہو جاتا۔ اس کی تفصیل مختصراً بیان میں نہیں آسکتی۔ نور و حرارت کی نعمت کے بعد ایک اور حیاتی مادہ جو سورج کے چمکنے سے تعلق رکھتا ہے اس کی بات درمیان میں لاتا ہے اور مزید فرماتا ہے:

"اور ہم نے بارش برسانے والے بادلوں سے بہت سا پانی نازل فرمایا"۔ (وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا)۔

"معصرات" "معصر" کی جمع ہے یہ عصر کے مادہ سے ہے اس کے معنی دبانے اور نچوڑنے کے ہیں، جن سے بارش برسانے والے بادلوں کی طرف اشارہ ہے، گویا وہ اپنے آپ کو دباتے اور نچوڑتے ہیں تاکہ پانی ان کے اندر سے باہر نکلے ۱؎۔

توجہ فرمائیں کہ (معصرات اسم فاعل ہے یعنی نچوڑنے اور دبانے والے) بعض مفسرین نے اس کی تفسیر برسنے کے لیے آمادہ بادلوں سے کی ہے اس لیے کہ اسم فاعل کبھی کبھی کسی چیز کے لیے آمادگی کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ کچھ نے یہ بھی کہا ہے کہ معصرات بادلوں کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ ہواؤں کی صفت ہے جو بادلوں پر ہر طرف سے دباؤ ڈالتی ہیں اور بارش برسانے کے لیے انہیں دباتی ہیں۔

اور "ثجاج" "ثج" (بروزن حج) کے مادہ سے پانی کے مسلسل اور فراوانی کے ساتھ نیچے گرنے کے معنی میں ہے اور یہ بات پیش نظر رکھتے ہوئے کہ "ثجاج" مبالغہ کا صیغہ ہے یہ کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ اب مجموعی اعتبار سے آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے بارش برسانے والے بادلوں سے بہت زیادہ اور مسلسل طور پر پانی نازل کیا۔

اوّل تو بارش کا ہونا بجائے خود خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے، یہ ہوا کو لطیف کرتا ہے، آلودگیوں کو دھو ڈالتا ہے، کثافتوں کو ختم کر دیتا ہے، ہوا کی گرمی میں کمی پیدا کرتا ہے، یہاں تک کہ سردی کو معتدل بنا دیتا ہے۔ اس سے بیماری کے عوامل میں کمی ہو جاتی ہے اور انسان کو روح نشاط حاصل ہوتی ہے لیکن ان سب چیزوں کے باوجود اس سے اگلی آیت میں، اس کے تین اہم فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"بارش کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ ہم غذائی فصلوں اور سبزہ کو اس کے ذریعہ زمین سے باہر نکالیں"۔ (لنخرج بہ حبا و نباتا)۔ "اور درختوں سے پُر باغات"۔ (وجنات الفافا)۔

"الفاف" راغب نے مفردات میں کہا ہے کہ اس سے باغوں کے ان درختوں کی طرف اشارہ ہے

۱؎ بعض ماہرین کے بقول بادلوں کے ایک دوسرے سے ٹکرانے کی وجہ سے ان پر ایک ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دباتے اور نچوڑتے ہیں جس کے نتیجے میں بارش ہوتی ہے۔ یہ تعبیر حقیقت میں قرآن مجید کے علمی معجزات میں شمار ہوتی ہے۔

(کتاب باد و باراں ص ۱۲۹ سے رجوع کیا جائے)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جو بہت زیادہ ہوں اور ایک دوسرے میں الجھے ہوئے ہوں [1]

درحقیقت ان دو آیتوں میں اس تمام مواد غذا کی طرف اشارہ ہے جس سے انسان اور حیوان فائدہ اٹھاتے ہیں اور یہ مواد زمین سے اُگتا ہے۔ اس مواد غذائی کے اہم حصہ کو غذائی دانے تشکیل دیتے ہیں (حبّا)

دوسرا حصہ سبزیوں اور جڑی بوٹیوں کا ہے۔ (و نباتا) ایک اور حصہ میووں اور پھلوں کا ہے" (وجنات)

یہ ٹھیک ہے کہ ان دو آیتوں میں بارش کے نزول کے صرف یہی تین عظیم منابع بیان ہوئے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ بارش کے فوائد یہی نہیں ہیں۔ بدنِ انسانی کے سو میں سے ستر حصوں کو اصل طور پر پانی ہی تشکیل دیتا ہے اور تمام زندہ موجودات کی پیدائش کا سرچشمہ قرآن کے مطابق صریح طور پر پانی ہے۔ (وجعلنا من الماء کل شیء حی) (انبیاء/۳۰)۔

اس بنا پر پانی کا زندہ موجودات، بالخصوص انسانوں پر اصلی و بنیادی اثر ہے۔ نہ صرف انسانی جان بلکہ زیادہ تر کارخانے بھی پانی کے بغیر مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں اور صنعتی کارخانوں کا نظام بھی معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ انسانی چہرہ کی زیبائی اور خوبصورتی اور اس کی مسرت پانی ہی سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا کے بہت سے تجارتی اور اقتصادی طریقوں کو پانی کے راستے ہی تشکیل دیتے ہیں۔

ایک نکتہ

ان آیات کا مسئلہ معاد سے تعلق

مندرجہ بالا گیارہ آیتوں میں اہم ترین نعمات الٰہی اور انسانی زندگی کے بنیادی ارکان یعنی نور و حرارت، پانی، مٹی اور گیاہ و نباتات کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ اس دقیق نظام کا بیان، ایک تو ہر چیز سے خدا کی قدرت کو واضح کرتا ہے جس کے بعد اس کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ کوئی یہ کہے کہ خدا مُردوں کو دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا جیسا کہ منکرین معاد کے جواب میں سورہ یٰسین کی آخری آیتوں میں کمال وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے جہاں پروردگار عالم فرماتا ہے:

"کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس امر پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا

---

[1] "الفاف" بہت سے ارباب لغت و تفسیر کے بقول "لفیف" کی جمع ہے جو ایک دوسرے سے الجھے ہونے کے معنی میں ہے بعض نے اسے "لُف" (لام کے پیش کے ساتھ) کی جمع سمجھا ہے اور بعض نے "لِف" (لام کے زیر کے ساتھ) کی جمع خیال کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ ان جملوں میں سے ہے جن کا مفرد نہیں ہے۔ مشہور وہی اوّل ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرے۔ (یسٰین / ۸۱)۔

دوسرے ان عظیم تشکیلات کا یقیناً کوئی مقصد ہے اور یہ مقصد دنیا کی چند روزہ زندگی نہیں ہو سکتا جس میں صرف کھانے پینے، سونے اور جاگنے پر اکتفا ہو۔ بلکہ حکمتِ خداوندی کا یہ تقاضا ہے کہ اس کا کوئی بلند مقصد ہے۔ بالفاظِ دیگر نشاۃ اولیٰ نشاۃ آخری کے لیے یاددہانی ہے اور یہ بشر کی طولانی سیرگاہ کے لیے منزل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ سورہ مومنون کی آیت ۱۱۵ میں فرماتا ہے:

(افحسبتم انما خلقناکم عبثاً و انکم الینا لا ترجعون) "کیا تم نے گمان کیا ہے کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے"۔

تیسرے نیند اور بیداری کا مسئلہ جو خود موت اور نئی زندگی کا ایک نمونہ ہے اور مردہ زمینوں کا بارش کے نزول کے نتیجے میں زندہ ہونا جو منظرِ معاد کو ہر سال انسانوں کی آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے قیامت اور موت کے بعد کی زندگی کی طرف پُرمعنی اشارہ ہے جیسا کہ سورہ فاطر کی آیت ۹ میں بارش کی وجہ سے مُردہ زمینوں کی تجدیدِ حیات کے بیان کے بعد فرماتا ہے:

(کذالک النشور) قیامت میں قبروں سے اٹھنا بھی اسی طرح ہے۔

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۷) اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ كَانَ مِيۡقَاتًا ۙ

(۱۸) يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا ۙ

(۱۹) وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ اَبۡوَابًا ۙ

(۲۰) وَّسُيِّرَتِ الۡجِبَالُ فَكَانَتۡ سَرَابًا ؕ

ترجمہ

(۱۷) جدائی کا دن سب کی میعاد ہے۔

(۱۸) وہ دن جس میں صور پھونکا جائے گا اور تم فوج فوج ہو کر میدانِ محشر میں وارد ہو گے۔

(۱۹) اور آسمان کھول دیا جائے گا اور وہ متعدد دروازوں کی صورت میں ہو جائے گا۔

(۲۰) اور پہاڑ چلنے لگیں گے اور سراب کی شکل میں ہو جائیں گے۔

تفسیر

آخر کار روزِ موعود آکر رہے گا

گزشتہ آیتوں میں معاد کے مختلف دلائل آئے تھے۔ پہلی زیرِ بحث آیت میں ایک نتیجہ پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "جدائی کا دن سب کے وعدہ کا دن ہے" (ان یوم الفصل کان میقاتا)[1]

"یوم الفصل" کی تعبیر بہت ہی پُرمعنی ہے جو اس عظیم دن میں ہونے والی جدائیوں کو بیان کرتی ہے

---

[1] عام طور پر "کان" جو فعل ماضی ہے اس کی تعبیر اس دن کے بارے میں جو آئندہ تحقق پذیر ہو گا اس دن کے قطعی اور یقینی ہونے کے بیان کے لیے ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حق کی باطل سے علیحدگی، نیک مومنین کی بدکار مجرموں سے علیحدگی، ماں باپ کی اولاد سے جدائی اور بھائی کی بھائی سے جدائی۔

"میقات" وقت کے مادہ سے "میعاد" اور "وعدہ" کی طرح متعین و مقرر وقت کے معنی میں ہے۔ اور یہ جو ان معین مقامات کو "میقات" کہا جاتا ہے جہاں سے خانہ کعبہ کے زائرین احرام باندھتے ہیں اس وجہ سے ہے کہ وہ معین وقت میں وہاں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس عظیم دن کی بعض خصوصیات اور حوادث کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے:

"وہی دن جس میں صور پھونکا جائے گا اور تم فوج در فوج میدان محشر میں وارد ہو گے"۔ (یوم ینفخ فی الصور فتأتون افواجًا)۔ آیات قرآنی سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ نفخ صور کے عنوان سے دو عظیم حادثے برپا ہوں گے، جن میں سے پہلے حادثہ سے عالم ہستی کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا اور دوسرے حادثہ کے نتیجہ میں عالم دوبارہ وجود میں آجائے گا اور مُردے نئی زندگی کی طرف لوٹ آئیں گے اور بڑی قیامت برپا ہوگی۔

"نفخ" کے معنی ہیں پھونکنا اور "صور" کے معنی ہیں بگل، نفیری اور سائرن، جو عام طور پر لشکر کو ٹھہرانے یا روانہ کرنے کے لیے بجایا جاتا ہے اور اہل قافلہ اور لشکر والے اس کی صدا سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کو توقف کرنا چاہیئے یا روانہ ہو جانا چاہیئے۔ یہ تعبیر ان دو حادثوں کا ایک لطیف کنایہ ہے، جو مندرجہ بالا آیت میں بیان ہوتے ہیں، اور دوسرے "نفخ" صور کی طرف اشارہ ہے جو حیات تازہ کا سبب ہے اور صور قیامت ہے۔ (نفخ صور اور اس سے متعلق نکات کے بارے میں ہم تفصیل کے ساتھ جلد ۱۱ سورہ زمر کی آیت ۶۸ کے ذیل میں صفحہ ۱۵۶ تا ۱۶۴ پر بحث کر چکے ہیں)۔

زیر بحث آیت کہتی ہے "تم فوج در فوج میدان محشر میں وارد ہو گے" جبکہ سورہ مریم کی آیت ۹۵ کہتی ہے: "ہر شخص اس دن تنہا ہوگا" (وکلھم اٰتیه یوم القیامة فردًا) اور سورۂ اسراء کی آیت ۷۱ کہتی ہے: "عرصہ محشر میں ہر گروہ اپنے امام کے ہمراہ وارد ہوگا" (یوم ندعوا کل اناس بامامھم)

ان آیات کے مفہوم اس طرح جمع ہو سکتے ہیں کہ لوگوں کا فوج فوج ہونا اس سے تضاد نہیں رکھتا کہ ہر فوج اپنے امام کے ساتھ محشر میں وارد ہوگی۔ باقی رہا اکیلا ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے کئی مواقف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے موقف میں لوگ گروہ در گروہ ہدایت و ضلالت کے رہبروں کے ساتھ محشر میں وارد ہوں لیکن خدا کے محکمۂ عدالت میں آجانے کے بعد فرد فرد ہوں۔

سورہ ق کی آیت ۲۱ میں قرآن کی تعبیر کے مطابق ہر شخص ایک مامور اور ایک گواہ کے ساتھ وہاں حاضر ہوگا۔ (وجاءت کل نفس معھا سائق وشھید) یہ احتمال بھی ہے کہ اکیلے ہونے سے مراد دوستوں ساتھیوں اور یار و انصار سے جدا ہونا ہے اس لیے وہاں انسان خود ہوگا یا اس کا عمل۔ اس کے بعد

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مزید کہتا ہے :

"آسمان کھول دیا جائے گا اور وہ متعدد دروازوں کی شکل میں ہو جائے گا" (و فتحت السماء فکانت ابوابا) - ان دروازوں سے کیا مراد ہے اور ان کے کھلنے کا کیا مفہوم ہے - بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عالم غیب کے دروازے عالم شہود میں کھل جائیں گے ، پردے ہٹ جائیں گے اور فرشتوں کا جہان دنیائے انسانیت میں اپنا راستہ نکال لے گا ۔[1]

یہاں ایک جماعت نے اس آیت کو ایک ایسی چیز کی طرف اشارہ سمجھا ہے جو دوسری آیت میں آئی ہے جس کے بارے میں فرماتا ہے : "جب آسمان پھٹ جائے گا" (اذا السماء انشقت) (انشقاق/۱) دوسری جگہ اس معنی کو ایک دوسری تعبیر کے ساتھ بیان کرتا ہے - (اذا السماء انفطرت) (انفطار/۱) درحقیقت آسمانی کروں میں اتنے شگاف پڑ جائیں گے ، گویا وہ سب دروازوں کی طرح ہوں گے ۔

یہ احتمال بھی ہے کہ انسان دنیا میں موجودہ حالات میں آسمانوں کی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتا - اگر اس کے لیے ممکن ہو بھی تو وہ بہت محدود حد تک ہے - گویا موجودہ حالات نے اس پر آسمان کے تمام دروازے بند کر رکھے ہیں - لیکن قیامت میں انسان کرۂ خاکی سے آزاد ہو جائے گا ، اور آسمانوں کی طرف سفر کرنے کے دروازے اس کے سامنے کھل جائیں گے اور اس چیز کے اسباب و حالات فراہم ہو جائیں گے ۔

دوسرے لفظوں میں پہلے تو آسمان ایک دوسرے سے علٰحدہ ہو جائیں گے اور اس کے بعد سورہ ابراہیم کی آیت ۴۸ کے مطابق نئے آسمان اور نئی زمین ان کی جگہ لے لے گی (یوم تبدل الارض غیر الارض والسماوات) اور اس صورت میں اہل زمین کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل جائیں گے اور آسمانوں کے راستے زمین والوں پر ظاہر ہو جائیں گے ۔

جنت والے جنت کی طرف چلے جائیں گے اور بہشت کے دروازے ان کے سامنے کھلے ہوں گے ۔ (حتّٰی اذا جاء وھا و فتحت ابوابھا و قال لھم خزنتھا سلام علیکم) "یہاں تک کہ جنت والے جنت کی طرف آئیں گے اور اس کے دروازے کھلے پائیں گے اور جنت کے خازن ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام ہو" (زمر/ ۷۳) - اور یہی وہ مقام ہے کہ فرشتے دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور ان کی خدمت میں تبریک پیش کریں گے (والملائکۃ یدخلون علیھم من کل باب) (رعد/ ۲۳)۔

"اور کافروں کے سامنے دوزخ کے دروازے کھل جائیں گے" (وسیق الذین کفروا الی جھنم زمرًا حتّٰی اذا جاء وھا فتحت ابوابھا) (زمر/ ۷۱) - اور اس طرح انسان ایک ایسے میدان میں قدم رکھے گا جس کی وسعت موجودہ زمین و آسمان جتنی ہوگی - (و جنۃ عرضھا السماوات والارض) - (آل عمران/ ۱۳۳)

---

[1] المیزان ، جلد ۲۰ صفحہ ۲۶۵ ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آخر میں زیر بحث آیت میں قیامت میں پہاڑوں کی کیفیت کو واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے "پہاڑوں کو چلایا جائے گا اور وہ آخرکار سراب ہو جائیں گے"۔ (وسیرت الجبال فکانت سرابًا)۔

قرآن کی مختلف آیتوں کے اجتماع سے قیامت میں پہاڑوں کی سرنوشت کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ پہاڑ کئی مرحلے طے کریں گے۔ "پہلے تو پہاڑ حرکت میں آ جائیں گے" (چلنے لگیں گے)۔ (وتسیر الجبال سیرًا) (طور/۱۰)۔ "پھر وہ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے اور ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے" (وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ) (حاقہ/۱۴)۔ "اور اس کے بعد ایک دوسرے پر پڑے ہوئے ریت کے تودوں کی طرح ہو جائیں گے" (وکانت الجبال کثیبًا مھیلًا) (مزمل/۱۴)۔ "اس کے بعد دھنکی ہوئی اون کی شکل کے ہو جائیں گے جو تیز ہوا کے ساتھ اُڑ رہی ہو" (وتکون الجبال کالعھن المنفوش) (قارعہ/۵)۔ "پھر اس گرد و غبار کی طرح ہو جائیں گے جو فضا میں بکھر جاتا ہے" (وبست الجبال بسًا فکانت ھباء منبثًا) (واقعہ/۵-۶)۔

آخر میں جیسا کہ زیر بحث آیت میں آیا ہے صرف ان کے اثرات باقی رہ جائیں گے اور وہ دور سے سراب نظر آئیں گے اور اس طرح پہاڑ زمین پر سے ختم ہو جائیں گے اور زمین ہموار ہو جائے گی۔ (ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی نسفًا فیذرھا قاعًا صفصفًا)۔ "تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دے کہ میرا پروردگار انہیں تباہ و برباد کر دے گا اور زمین کو صاف ہموار کر دے گا" (طٰہٰ/۱۰۵-۱۰۶)۔

"سراب" "سرب" (بروزن طرف) کے مادہ سے ڈھلان کی طرف چلنے کے معنی میں ہے اور چونکہ بیابانوں میں گرمی کے دنوں میں جس وقت انسان ڈھلان کی طرف چلے تو دور سے اسے ایک چمک سی نظر آتی ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ یہ پانی ہے حالانکہ سوائے روشنی (نور کے ذرات) کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی اس کے بعد ہر اس چیز کو، جس کا ظاہر ہو لیکن اس کی کوئی حقیقت نہ ہو، سراب کہا جاتا ہے۔ اس طرح مذکورہ بالا آیت اس حرکت کی ابتداء و انتہا کو بیان کرتی ہے۔ دوسرے مرحلے دوسری آیتوں میں آتے ہیں۔

حقیقت میں پہاڑ غبار کی شکل میں فضا میں سراب کی شکل میں ہو جائیں گے۔ وہ مقام جہاں پہاڑ اس قسم کی سختی کے ہوتے ہوئے ایسی صورت اختیار کر لیں گے تو ظاہر ہے کہ عالم میں اس کے سامنے کس قسم کے تغیرات رونما ہوں گے۔ لہٰذا وہ افراد اور قومیں جو اس دنیا میں پہاڑ جیسا مضبوط جسم رکھتی تھیں ان کی سراب سے زیادہ حیثیت نہیں ہوگی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ حوادث نفخ اولیٰ میں صورت پذیر ہوں گے جو اس عالم کے اختتام سے تعلق رکھتے ہیں یا نفخ ثانیہ میں جس سے قیامت کی ابتداء ہے لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ آیت (یوم ینفخ فی الصور فتأتون افواجًا) بتا رہی ہے کہ یہ حوادث نفخ ثانیہ سے تعلق رکھتے ہیں جس میں زندہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہو جانے والے انسان فوج در فوج عرصۂ محشر میں وارد ہوں گے لہٰذا اس امر آیت کو بھی قاعدتاً اسی نفخ سے متعلق ہونا چاہیئے۔ البتہ ممکن ہے کہ پہاڑوں کی اس حرکت کا آغاز پہلے نفخ میں صورت پذیر ہو اور ان کا سراب میں تبدیل ہونا دوسرے نفخ میں ہو۔

یہ احتمال بھی ہے کہ پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے تمام مرحلے نفخ اولیٰ سے تعلق رکھتے ہوں البتہ چونکہ ان دونوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہے لہٰذا ان کا ذکر ایک ساتھ ہوا ہے جیسا کہ قرآن کی کچھ اور آیات میں بھی نفخ اولیٰ و ثانیہ کے حوادث کا ذکر ایک جگہ ہوا ہے (اس کا نمونہ سورہ تکویر و انفطار) میں نظر آتا ہے۔ (غور کیجئے)۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں پہاڑوں کا میخوں کے عنوان سے اور زمین کا گہوارے کے عنوان سے تعارف ہوا ہے اور زیر بحث آیات میں آیا ہے کہ وہ دن جس میں عالم کے فنا ہونے کا فرمان صادر ہوگا تو یہ گہوارہ درہم برہم ہو جائے گا اور یہ عظیم میخیں اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گی۔ واضح ہے کہ جس وقت کسی چیز کی میخوں کو کھینچا جائے تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۲۱) اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۙ

(۲۲) لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۙ

(۲۳) لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۚ

(۲۴) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۙ

(۲۵) اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۙ

(۲۶) جَزَآءً وِّفَاقًا ۗ

(۲۷) اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۙ

(۲۸) وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۗ

(۲۹) وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۙ

(۳۰) فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۧ

ترجمہ

(۲۱) جہنم ایک بہت بڑی کمین گاہ ہے۔

(۲۲) اور سرکشی کرنے والوں کے لیے بازگشت کی جگہ۔

(۲۳) وہ اس میں طویل مدت تک رہیں گے۔

(۲۴) وہاں نہ کوئی ٹھنڈی چیز چکھیں گے اور نہ کوئی خوشگوار مشروب۔

(۲۵) سوائے جلتے ہوئے پانی، پیپ اور لہو کے۔

(۲۶) یہ سزا ان کے اعمال کے موافق و مطابق ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۲۷) اس لیے کہ انہیں حساب کی اُمید نہیں تھی۔

(۲۸) اور انہوں نے ہماری آیتوں کی مکمل طور پر تکذیب کی۔

(۲۹) اور ہم نے ہر چیز کا احصا کیا ہے اور اسے ثبت کیا ہے۔

(۳۰) پس چکھو، عذاب کے علاوہ ہم تم پر کسی اور چیز کا اضافہ نہیں کریں گے۔

تفسیر

جہنم ایک عظیم کمین گاہ۔

معاد کے متعلق دلائل اور قیامت کے بعض حوادث کو بیان کرنے کے بعد قرآن دوزخیوں اور جنتیوں کی سرگزشت کی طرف رُخ کرتا ہے۔ بات پہلے دوزخیوں سے شروع ہوتی ہے۔ فرماتا ہے، "جہنم کمین گاہ ہے" (ان جهنم كانت مرصادا)۔ "اور سرکشوں کی بازگشت کا مقام ہے" (للطاغين مآبا)[1] "وہ اس میں طویل مدت تک رہیں گے" (لابثين فيها احقابا)۔

"مرصاد" اسم مکان ہے یہ اس جگہ کے معنی میں ہے جہاں کمین گاہ بناتے ہیں۔ "راغب" "مفردات" میں کہتا ہے "مرصد" (بروزن مرقد) اور "مرصاد" دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے اس فرق کے ساتھ کہ "مرصاد" اس جگہ کو کہا جاتا ہے جو کمین گاہ کے لیے مخصوص ہو۔ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس شخص کے معنی میں ہے جو کمین گاہ سے زیادہ کام لیتا ہو، معمار کی طرح جو اس شخص کے معنی میں ہے جو بہت زیادہ تعمیر کا کام کرتا ہو۔ البتہ پہلے معنی زیادہ معروف ہیں اور مناسب بھی ہیں۔

اب یہ کہ دوزخ میں کون شخص دوزخیوں کی تاک میں ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ، اس سے مراد عذاب کے فرشتے ہیں، اس لیے کہ سورہ مریم کی آیت ۷۱ کے مطابق تمام انسان، عام اس سے کہ نیک ہوں یا بد، دوزخ کے قریب سے گزریں گے یا اس کے اوپر سے گزر کریں گے (وان منکم الا واردها كان على ربك حتما مقضيا) اس عمومی گزرگاہ میں عذاب کے فرشتے کمین گاہ میں ہیں اور وہ دوزخیوں کو اُچک لیں گے۔

اگر ہم اس کی صیغہ مبالغہ کے اعتبار سے تفسیر کریں تو پھر خود دوزخ ان کی تاک میں قرار پائے گا اور سرکشوں میں سے جو کوئی اس کے قریب ہوگا وہ اسے اپنی طرف کھینچ لے گا اور اسے نگل لے گا۔ بہر حال اس عمومی گزرگاہ پر سے سرکشوں میں سے کوئی نہیں گزر سکے گا مگر یہ کہ یا عذاب کے فرشتے اسے اُچک لیں گے یا جہنم کی شدید

---

[1] آیت محذوف رکھتی ہے۔ تقدیر اس طرح ہے (كانت للطاغين مآبا)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کشش اسے کھینچ لے گی۔

"مآب" کے معنی مرجع یا محلِ بازگشت کے ہیں، لوٹنے کی جگہ۔ یہ کبھی منزل اور قرارگاہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں اسی معنی میں ہے۔ باقی رہا "احقاب" جو "حقب" (بروزن قفل) کی جمع ہے، یہ زمانے کی غیر محدود مدت کے معنی میں ہے۔

بعض مفسرین نے اس کی اَسّی سال، بعض نے ستر سال اور بعض نے چالیس سال تفسیر کی ہے۔ چونکہ اس تفسیر سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ دوزخی طویل مدت تک دوزخ میں رہیں گے، اور آخرکار ختم ہو جائیں گے۔ یہ چیز ہمیشہ رہنے والے عذاب سے متضاد ہے، اس لیے ہر ایک مفسر نے اس تفسیر میں کوئی نہ کوئی راہ اختیار کی ہے۔ مفسرین کے درمیان یہ مشہور ہے کہ احقاب سے مراد یہاں یہ ہے کہ طولانی مدتیں اور سال ہائے دراز پے در پے آئیں گے اور گزر جائیں گے بغیر اس کے کہ وہ ختم ہوں۔ جو زمانہ گزرے گا دوسرا اس کا جانشین بن جائے گا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ آیت ان گنہگاروں کے بارے میں ہے جو آخرکار پاک ہو جائیں گے اور دوزخ سے آزاد ہو جائیں گے، نہ کہ ان کافروں کے بارے میں جو جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے[1]

اس کے بعد جہنم کے شدید عذابوں کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "وہ وہاں نہ کوئی ٹھنڈی چیز چکھیں گے جو جہنم کی وحشتناک گرمی کو کم کر سکے اور نہ انہیں کوئی خوشگوار مشروب ملے گا جو ان کی شدید پیاس کو تسکین بخشے۔ (لا یذوقون فیھا بردًا ولا شرابًا)۔ "سوائے جلتے ہوئے پانی، پیپ اور لہو کے": (الا حمیمًا وغساقًا)۔ "اور سوائے آگ کے گاڑھے گرم دخان میں مبتلا کر دینے والے اور گھٹن پیدا کرنے والے دھوئیں کے سائے کے، جیسا کہ سورہ واقعہ کی آیت ۴۳ میں آیا ہے، (وظل من یحموم)۔

"حمیم" نہایت گرم پانی کے معنی میں ہے اور غساق پیپ اور لہو کے معنی میں ہے جو زخم سے نکلتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس کی تفسیر بدبودار بہنے والی چیزوں سے کی ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا جبکہ جنت والے اپنے پروردگار کی طرف سے شراب طہور کے خوشگوار چشموں سے سیراب ہوں گے۔ (وسقاھم ربھم شرابًا طھورًا)۔ (دھر۔ ۲۱) اور ایسے مشروبات سے سیراب ہوں گے جو جنت کے خوبصورت ظروف میں ہوں گے اور جن پر مُہر لگی ہوتی ہوگی۔ ایسی مُہر جو مشک سے ہوگی۔ (ختامہ مسک)۔ (مطففین / ۲۶)۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

چونکہ ممکن ہے کہ ان سخت اور شدید عذابوں کا وجود بعض افراد کو عجیب نظر آتے لہٰذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے:

---

[1] تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ صفحہ ۴۹۴ حدیث ۲۳۔ اور۔ حدیث ۲۹ ص ۴۹۵۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"یہ سزا ان کے اعمال کے موافق و مناسب ہے": (جزاء وفاقاً) ۱؎ ایسا کیوں نہ ہوا اس لیے کہ انہوں نے اس دنیا میں مظلوموں کے دل جلائے ہیں اور ان کے قلب و جان میں آگ لگائی ہے اور اپنے ظلم و ستم اور سرکشی کی وجہ سے کسی پر رحم نہیں کھایا۔ لہٰذا یہی مناسب ہے کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے اور ان کے مشروبات ایسے ہی ہوں، اصولی طور پر جیسا کہ ہم نے بار بار تاکید بھی کی ہے۔

آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں گنہگاروں پر ہونے والے عذاب اور ان کو ملنے والی بہت سی سزائیں ان کے اعمال کی تجسیم ہیں جیسا کہ سورہ تحریم کی آیت ۷ میں ہم پڑھتے ہیں (یا ایھا الذین کفروا لا تعتذروا الیوم انما تجزون ما کنتم تعملون)۔ "اے کافرو! آج معذرت نہ کرو اس لیے کہ تمہاری سزا صرف وہی اعمال ہیں جنہیں تم انجام دیتے تھے": (جواب مجسم ہو گئے ہیں اور تمہارے سامنے آگئے ہیں)۔ اس کے بعد اس سزا کی علت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"یہ اس بناء پر ہے کہ وہ حساب کتاب کی امید اور خدا کا خوف نہیں رکھتے تھے": (انھم کانوا لا یرجون حسابا)۔ حساب اور روز جزاء سے یہی بے اعتنائی ان کی سرکشی اور ظلم و ستم کا باعث بنی تھی اور اسی ظلم و فساد نے ان کے لیے اس قسم کی دردناک سرنوشت فراہم کی حقیقت میں حساب کے متعلق عدم اطمینان سرکشی کا سبب ہے اور وہ ان سخت قسم کے عذابوں کا عامل و سبب ہے۔

توجہ رہے کہ "لا یرجون" "رجاء" کے مادہ سے امید کے معنی میں بھی ہے اور عدم خوف و وحشت کے معنی میں بھی۔ اصولی طور پر جب کوئی انسان سزا و عذاب کا امکان محسوس کرتا ہو تو وہ فطرتاً خوف کھاتا ہے اور اگر یہ چیز محسوس نہ کرتا ہو تو پھر وہ نہیں ڈرتا۔ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں اس لیے وہ لوگ جو حساب و کتاب پر یقین نہ رکھتے ہوں خوف و ہراس محسوس نہیں کر سکتے۔

"ان" کی تعبیر جو تاکید کے لیے ہے اور "کانوا" کا لفظ جو ماضی میں استمرار کو بیان کرتا ہے اور "حسابا" جو نفی کے بعد نکرہ کی شکل میں آیا ہے اور عمومیت کے معنی دیتا ہے، یہ سب اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ وہ مطلقاً کسی قسم کے حساب و کتاب کا خوف نہیں رکھتے تھے با الفاظ دیگر وہ قیامت میں ہونے والے حساب و کتاب کو بالکل فراموش کر چکے تھے اور اسے اپنی زندگی کے لائحہ عمل میں سے مکمل طور پر حذف کر چکے تھے۔ اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ایسے افراد اس طرح کے بڑے گناہوں میں آلودہ ہوں اور آخرکار دردناک عذاب میں گرفتار ہوں۔

اسی لیے بلا فاصلہ مزید کہتا ہے: "انہوں نے ہماری آیات کی مکمل طور پر تکذیب کی":

۱؎ جزاء منصوب ہے فعل محذوف کے مفعول مطلق کے عنوان سے جو کلام کے قرینہ سے واضح ہوتا ہے اور وفاق بھی مصدر کے معنی رکھتا ہے اور اس کی صفت ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے یجازیھم جزاء ذا وفاق۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(وکذبوا بآیاتنا کذابًا) [1]

ان پر ہوائے نفس اس طرح غالب آئی کہ انہوں نے خوابِ غفلت سے جگانے والی تمام الٰہی آیات کا شدت سے انکار کیا تاکہ وہ اپنی سرکشی کو اور ہوا و ہوس کے مشغلہ کو جاری رکھ سکیں اور اپنی غیر شرعی خواہشات کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

ظاہر ہے کہ لفظ آیات کے یہاں ایک وسیع معانی ہیں جس میں تمام آیاتِ توحید و نبوت و تشریع و تکوین و معجزاتِ انبیاء و احکام و سنن سب شامل ہیں اور ان سب آیاتِ الٰہی کی تکذیب کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ جن سے عالم تکوین و تشریع چھلک رہا ہے ہمیں تصدیق کرنی چاہیئے۔ وہ سزائیں ایسے ایسے منکر افراد کے لیے مناسب ہیں۔

اس کے بعد ان سرکشوں کو تنبیہ کرتے ہوئے اور جرم و حاکمیت و سزائے مناسب کے درمیان موازنہ کے موجود ہونے کے مسئلہ پر تاکید کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "ہم نے ہر چیز کا قطعی اور یقینی طور پر احصاکیا ہے": (وکل شیء احصیناہ کتابًا) [2]

تاکہ تم یہ گمان نہ کرو کہ کوئی چیز تمہارے اعمال میں سے بے حساب اور بغیر سزا کے رہ جائے گی اور یہ خیال بھی تمہیں نہ ہو کہ یہ شدید قسم کی سزائیں غیر منصفانہ ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان کے تمام اعمال، قطع نظر اس سے کہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، پوشیدہ ہوں یا ظاہر، یہ سب ثبت ہوتے ہیں حتیٰ کہ نیتیں اور عقائد بھی لکھے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت بہت سی قرآنی آیات سے ثابت ہوتی ہے۔

ایک جگہ فرماتا ہے: (وکل شیء فعلوہ فی الزبر وکل صغیر وکبیر مستطر) "جس کام کو انہوں نے انجام دیا وہ ان کے نامۂ اعمال میں ثبت ہے اور ہر چھوٹا بڑا کام لکھا جاتا ہے": (قمر / ۵۲، ۵۳)۔

دوسری جگہ فرماتا ہے: (ان رسلنا یکتبون ما تمکرون) "جو کچھ تم کرتے ہو ہمارے رسول اُسے لکھتے ہیں": (یونس / ۲۱)۔

علاوہ ازیں ہم پڑھتے ہیں (ونکتب ما قدموا واٰثارھم) "اور ہم ان تمام چیزوں کو جنہیں تم نے آگے بھیجا ہے اور اسی طرح ہم ان کے آثار کو لکھتے ہیں": (یٰسین / ۱۲)۔

---

[1] "کِذّاب" (کاف کے زیر کے ساتھ) باب تفعیل کے مصدر کا ایک صیغہ ہے جو تکذیب کے معنی میں ہے بعض ارباب لغت نے یہ بھی کہا ہے کہ ثلاثی مجرد کا مصدر اور کذب کا معادل ہے بہرحال "کذبوا" کا مفعول مطلق ہے اور تاکید کے لیے ہے۔

[2] اس آیت میں "کل" فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر فعل مذکور یعنی "احصیناہ" دلالت کرتا ہے اور "کتابًا" مفعول مطلق کے عنوان سے منصوب ہے اس لیے کہ "احصینا" "کتبناہ" کے معنی میں ہے اور بعض نے اسے حال سمجھا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی لیے جب مجرموں کے نامۂ اعمال ان کے ہاتھوں میں دیں گے تو ان کی فریاد بلند ہوگی اور وہ کہیں گے: (یا ویلتنا مال ھٰذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا)۔ "وائے ہو ہم پر اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی چھوٹا بڑا کام ایسا نہیں ہے جسے ثبت نہ کیا گیا ہو اور وہ شمار نہ ہوا ہو" (کہف/۴۹)۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص اس حقیقت کو اپنے دل سے باور کرے تو وہ اعمال کے انجام دینے میں بہت ہی باریک بین اور حساب کرنے والا ہوگا، اور یہی اعتقاد انسان اور گناہ کے درمیان بہت بڑی رکاوٹ ڈال دے گا اور وہ تربیت ذات کے اہم عوامل میں شمار ہوگا۔

آخری زیر بحث آیت میں گفتگو کے لب ولہجہ کو تبدیل کرتے ہوئے انہیں غائب سے مخاطب بنا کر تہدید آمیز غصہ سے بھرے ہوئے اور دل ہلا دینے والے جملے فرماتا ہے: "پس چکھو، ہم تم پر سوائے عذاب کے اور کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتے" (فذوقوا فلن نزیدکم الا عذابا)۔ جس قدر فریاد کرو "یا ویلتنا" کہو، دنیا کی طرف بازگشت اور گناہوں کی تلافی کا مطالبہ کرو، تمہاری بات نہیں سنی جائے گی اور تم پر سوائے عذاب کے اور کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوگا۔ یہ سزا ہے ان لوگوں کی جو انبیائے خدا کی محبت آمیز دعوت فکر کے مقابلے میں یہ کہتے تھے: (سواء علینا اوعظت ام لم تکن من الواعظین)۔ "ہمارے لیے یکساں ہے کہ ہمیں تو نصیحت کرے یا نہ کرے" (شعراء/۱۳۶)۔ اور یہ اس شخص کی سزا ہے کہ جب اس کے سامنے خدائی آیات پڑھی جاتیں تو اس میں نفرت کے علاوہ کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا تھا۔ (ما یزیدھم الا نفوراً)۔ (اسراء/۴۱) اور بالآخر یہ سزا اس شخص کی جو کہ گناہ سے روگرداں نہیں تھا اور جو ہر کار خیر سے بے تعلق تھا۔

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ: (ھذہ الآیۃ اشد ما فی القراٰن علی اھل النار)۔ "یہ آیت قرآن کریم کی شدید ترین آیت ہے جو دوزخیوں کے بارے میں آئی ہے"[1]

ایسا کیوں نہ ہو جبکہ خداوند غفور و رحیم اُن پر غضبناک ہوا ہے اور انہیں ایسے جملے سے مخاطب کیا ہے جس نے ان کے سامنے امیدوں کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں اور سوائے اضافۂ عذاب کے وعدہ کے انہیں اور کوئی چیز نہیں دیتا۔

---

[1] "تفسیر کشاف" جلد ۴ صفحہ ۶۹۰۔ یہی حدیث تفسیر صافی میں بھی زیر بحث آیت کے ذیل میں آئی ہے اور اسی طرح تفسیر روح البیان میں جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۰ پر۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۳۱) إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝

(۳۲) حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝

(۳۳) وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۝

(۳۴) وَكَأْسًا دِهَاقًا ۝

(۳۵) لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ۝

(۳۶) جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ۝

(۳۷) رَّبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ۝

ترجمہ

(۳۱) پرہیزگاروں کے لیے یقیناً عظیم کامیابی ہے۔

(۳۲) سرسبز باغات اور انواع و اقسام کے انگور ہیں۔

(۳۳) اور بھرپور اور جوان ہم سن حوریں ہیں۔

(۳۴) اور لبریز و لگاتار و مسلسل جام ہیں۔ (شراب طہور کے)۔

(۳۵) وہاں نہ کوئی لغو و بیہودہ بات سُنیں گے اور نہ جھوٹ۔

(۳۶) یہ جزاء ہے تیرے پروردگار کی طرف سے اور کافی عطیہ ہے۔

(۳۷) وہی آسمانوں اور زمین کا پروردگار اور ان کا رحمٰن و پروردگار ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے اور کوئی شخص حق نہیں رکھتا کہ اس کی اجازت کے بغیر بات کرے۔ (یا شفاعت کرے)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

پرہیزگاروں کی عظیم جزا کا ایک حصّہ

گزشتہ آیات میں گفتگو سرکشی کرنے والوں کی سرنوشت اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کے ایک حصّہ اور اس کی بدبختی کے سبب کے بارے میں تھی اور زیر بحث آیات میں اس کے نقطہ مقابل کی تشریح ہو رہی ہے۔ سچے مومنین اور پرہیزگاروں کے لیے قیامت میں جو نعمتیں ہیں ان کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تاکہ تقابل کی وجہ سے حقائق زیادہ واضح ہوں۔

قرآن مجید کا یہی طریقہ دوسری سورتوں میں بھی ہے کہ وہ اضداد کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں لاکر ان کی حقیقت و کیفیت کو مقابلہ اور موازنہ کے ذریعہ واضح کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: "پرہیزگاروں کے لیے عظیم کامیابی اور نجات ہے" (انّ للمتقین مفازًا)۔

"مفاز" اسم مکان یا مصدر میمی ہے یہ فوز کے مادہ سے ہے اور خیر و خوبی تک سلامتی کے ساتھ پہنچنے کے معنی میں بھی آیا ہے جو اس معنی کا لازمی حصّہ ہے۔ اور اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ مفاز نکرہ کی شکل میں بیان ہوا ہے عظیم کامیابی اور بہت بڑی سعادت تک پہنچنے کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد اس سعادت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"سرسبز و پُرمسرت و محفوظ باغات انواع و اقسام کے انگوروں اور پھلوں کے ساتھ" (حدائق و اعنابًا)[1]

"حدائق" "حدیقہ" کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ایسا پُرمسرت، سرسبز اور پُردرخت باغ، جس کے گرد دیوار کھنچی ہوئی ہو اور وہ ہر لحاظ سے محفوظ ہو۔ راغب مفردات میں کہتا ہے حدق دراصل اس زمین کو کہتے ہیں جس میں آنکھ کے ڈھیلے کی طرح ہمیشہ پانی موجود رہے۔

قابل توجہ یہ امر ہے کہ یہاں تمام پھلوں میں سے انگور کا ذکر ہوا ہے، ان حد سے زیادہ خوبیوں اور مزے کی وجہ سے جو اس پھل میں ہے۔ اس لیے کہ بقول ماہرینِ غذا انگور، علاوہ اس کے کہ اپنے خواص کے اعتبار سے ایک مکمل غذا شمار ہوتا ہے اور اس کے اجزائے غذائی شیر مادر سے بہت مشابہ ہیں، یہ بدن میں گوشت سے دگنی حرارت پیدا کرتا ہے اس کے علاوہ اس میں اس قدر مفید اجزائے غذائی ہیں کہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک فطری دوا خانہ ہے۔

اس کی زہر سے متضاد خاصیت ہے، یہ تصفیۂ خون کے لیے بہت مفید ہے۔ جوڑوں کے درد، ورم،

---

[1] "حدائق" "مفازًا" کا بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انگلیوں کے جوڑ بند خصوصاً انگوٹھے کے درد کے لیے فائدہ مند ہے اور خون کے اس بے رنگ مادہ کے اضافہ کو روکتا ہے جس کا ذائقہ شور و تلخ ہے۔ اس کے علاوہ انگور اعصاب کو تقویت دیتا ہے اور جسم میں احساس نشاط پیدا کرتا ہے اور انواع و اقسام کے وٹامن اپنے اندر رکھنے کی وجہ سے انسان کو قوت و طاقت بخشتا ہے۔ یہ انگور کے آثار و خواص کا ایک گوشہ ہے۔

اسی لیے پیغمبر اسلام کی ایک حدیث میں ہمیں ملتا ہے (خیر فواکھکم العنب)۔ "تمہارے میوؤں اور پھلوں میں سے انگور سب سے بہتر ہے"۔

اس کے بعد جنت کی بیویوں کی طرف، جو پرہیزگاروں کو ملنے والی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہیں، اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "ان کے لیے بہت ہی نوجوان حوریں ہیں جن کے سینوں کا ابھار نیا نیا ظاہر ہوا ہے اور جو ہم سن ہیں" (وکواعب اترابا)۔

"کواعب" "کاعب" کی جمع ہے۔ یہ اس دوشیزہ کے معنوں میں ہے جس کے سینے کا ابھار نیا نیا ظاہر ہوا ہو جو جوانی کے آغاز کی طرف اشارہ ہے۔

"اتراب" "ترب" (بروزن حزب) کی جمع ہے جس کے معنی ہم سن کے ہیں۔ یہ زیادہ تر مؤنث کی صفت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بعض مفسرین کے بقول اصل میں "ترائب" سے لیا گیا ہے جس کے معنی سینے کی پسلیاں ہیں جو ایک دوسرے سے مشابہت رکھتی ہیں اور ہم سن ہونا ممکن ہے جنت کی خواتین کے لیے ہو یعنی وہ سب نوجوان ہوں گی۔ وہ حسن و جمال کی زیبائی اور قد و قامت کے اعتدال میں ایک جیسی ہوں گی۔ یا ہم سن ہونا ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان ہوگا اس لیے کہ شوہر اور زوجہ کے درمیان سن کا برابر ہونا اس بات کا سبب بنتا ہے کہ ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کو سمجھ سکیں۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

اس کے بعد جنت کی چوتھی نعمت جو پرہیزگاروں کے انتظار میں ہے اس کی اس طرح تشریح کرتا ہے "اور لبریز و مسلسل شراب طہور کے جام" (وکاسا دھاقا)۔ یہ دنیاوی شراب کی طرح نجس شراب نہیں ہوگی جو عقل کو بیکار کر دیتی ہے اور انسان کو جانور کی حد تک گرا دیتی ہے بلکہ ایسی شراب ہوگی جو عقل میں اضافہ کرے گی۔ وہ نشاط آفریں، جاں پرور اور روح افزا ہوگی۔

"کاس" (بروزن راس) مشروب سے لبریز جام کے معنوں میں ہے اور کبھی کبھی خود جام یا جو کچھ اس میں ہے اس کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

"دھاق" کی تفسیر بہت سے مفسرین نے لبریز کی ہے لیکن "ابن منظور" نے "لسان العرب" میں اس کے لیے دو اور معانی بھی تجویز کیے ہیں۔ ایک پے در پے اور دوسرے صاف و شفاف۔ اس بنا پر اگر ان معانی کے مجموعہ کو ہم ذہن میں رکھیں تو آیت کا مفہوم اس طرح ہے کہ جنتیوں کے لیے شفاف، لبریز اور پے در پے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شراب طہور کے جام ہوں گے۔

دنیا میں جام و شراب کی گفتگو اس کے غیر مطلوب معانی کا تقاضا کرتی ہے جبکہ جنت کی شراب دنیا کی شیطانی شرابوں سے بالکل متضاد ہے لہٰذا بلا فاصلہ مزید کہتا ہے: "جنت والے وہاں نہ لغو و بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ سنیں گے" (لا یسمعون فیھا لغوًا ولا کذّابا)۔

دنیا کی شراب عقل کو تباہ کر دیتی ہے اور ہوش و حواس کو ختم کر دیتی ہے اور انسان کو بیہودہ گوئی اور غیر مناسب باتوں کے کہنے پر آمادہ کرتی ہے لیکن جنت کی شراب طہور انسان کو روح و عقل اور نور و صفائے باطن بخشتی ہے۔

یہ کہ فیھا کی ضمیر کا مرجع کیا ہے اس میں علماء نے دو احتمال تجویز کیے ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ یہ جنت کی طرف لوٹتی ہے اور دوسرا یہ کہ (کأس) جام کی طرف لوٹتی ہے۔

پہلی تفسیر کی بناء پر آیت کا مفہوم یہ ہوگا۔ جنت میں لغو اور جھوٹی بات نہیں سنیں گے جیسا کہ سورہ غاشیہ کی آیت ۱۰ اور ۱۱ میں آیا ہے: (فی جنۃ عالیۃ لا تسمع فیھا لاغیۃ) جن کی جنت عالی میں جگہ ہوگی جس میں تو لغو اور بیہودہ بات نہیں سنے گا۔

دوسری تفسیر کی بناء پر آیت کا مفہوم یہ ہوگا "اس شراب کے جام کے پینے سے لغو اور جھوٹ حاصل نہیں ہوگا" جیسا کہ سورہ طور کی آیت ۲۳ میں آیا ہے (یتنازعون فیھا کأسًا لا لغو فیھا ولا تأثیم) "جنت میں شراب طہور سے لبریز جام ایک دوسرے سے لیں گے جس میں نہ بے ہودہ گوئی ہے اور نہ گناہ"۔

بہر حال اہل جنت کو ملنے والی عظیم معنوی نعمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں دروغ گوئی، بے ہودگی، تہمت، حق کی تکذیب، باطل کی توجیہ اور ان نامعقول باتوں کا نام و نشان تک نہ ہوگا جو پرہیزگاروں کے دلوں کو اس دنیا میں تکلیف پہنچاتی ہیں۔ اور واقعی کیا ہی خوبصورت اور اچھا ہوگا وہ ماحول جس میں ان غیر موزوں تکلیف دہ اور رنج پہنچانے والی باتوں کا نشان تک نہ ہوگا اور سورہ مریم کی آیت ۶۲ کے مطابق "وہ سوائے سلام اور صلح آمیز باتوں کے وہاں کوئی اور بات نہیں سنیں گے" (لا یسمعون فیھا لغوًا الّا سلامًا)

ان نعمتوں کے بیان کے آخر میں ایک اور معنوی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "یہ جزا ہے تیرے پروردگار کی جانب سے اور کافی عطیہ ہے" (جزاء من ربک عطاءً حسابًا)[1]

اس سے کونسی نعمت اور بشارت بالا ہے کہ ضعیف و کمزور بندہ اپنے مولائے کریم کی نوازش و کرم اور

---

[1] جزاءً اس آیت میں ان نعمتوں کا حال ہے جو گزشتہ آیات میں آئی ہیں اور معنوی طور پر اس طرح ہے (اعطاھم جمیع ذالک حال کونه جزاء من ربک) (یہ سب کچھ خدا نے انہیں دیا در آں حالیکہ یہ جزا ہے تیرے رب کی طرف سے) بعض نے یہ احتمال بھی بتایا ہے کہ یہ ایک فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور بعض نے اسے مفعول لاجلہ جانا ہے لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لطف وکرم کا مورد قرار پائے۔ وہ اس کا اکرام کرے، اسے بزرگی عطا کرے اور خلعت بخشے۔ یہ توجہ وعنایت اور یہ لطف ومحبت مومنین کو اس قسم کا لطف دے گی جس کا کوئی نعمت مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بقول شاعر:

من کہ باشم کہ براں خاطر عاطر گزرم لطفہا می کنی اے خاک درت تاج سرم

میں کون ہوں جس کا اس کے پاک اور معطر دل میں گزر ہو۔ یہ تو اے وہ شخص، جس کے در کی خاک میرے سر کا تاج ہے، تیرا لطف وکرم ہے۔

"رب" کی تعبیر ضمیر مخاطب کے ساتھ اور عطا کے لفظ کو لیے ہوئے یہ سب حد سے زیادہ لطف وکرم کو بیان کرتے ہیں جو ان نعمتوں میں پوشیدہ ہے۔

لفظ "حسابا" بہت سے مفسرین کے نظریہ کے مطابق یہاں "کافیا" کے معنی میں ہے جیسا کہ بعض اوقات کہا جاتا ہے "احسبت" یعنی میں نے اس پر اتنا لطف وکرم کیا کہ اس نے "حسبی" تو کافی ہے کہا۔[1]

ایک حدیث میں امیر المومنین امام علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ قیامت میں خدا مومنین کی حسنات کا حساب کرے گا اور ہر نیکی کا دس گنا اور ستر گنا اجر عطا فرمائے گا، جیسا کہ خدا قرآن میں فرماتا ہے (جزاء من ربك عطاء حسابا)۔[2]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے عطیات باوجود اس کے تفضل کا پہلو لیے ہوئے ہوتے ہیں، اعمال کے حساب کی بنا پر ہیں یعنی اس کے تفضلات وعطیات انسانوں کے اعمال صالح کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور اس طرح مندرجہ بالا آیت میں "حسابا" کی مشہور معنی محاسبہ سے تفسیر کی جا سکتی ہے اور اس معنی اور گزشتہ معنی کا جمع ہونا بھی کوئی قباحت نہیں رکھتا۔ (غور کیجئے)۔

اس کے بعد آخری آیت میں مزید کہتا ہے "یہ عظیم عطیات وہی بخشتا ہے جو آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، ان کا پروردگار ہے۔ وہی خدا جو رحمن اور بخشنے والا ہے۔ (رب السماوات والارض وما بینہما الرحمٰن)۔ جی ہاں! وہ جو اس باعظمت جہان کا مالک مدبر اور مربی ہے اور اس کی رحمت نے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہی قیامت میں نیکو کار مومن اور پاک لوگوں کو یہ سب عطیات بخشنے والا ہے۔ حقیقت میں مندرجہ بالا آیت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر خدا اس قسم کا وعدہ کرتا ہے تو اس نے اس دنیا میں اس کے ایک گوشہ کی اپنی رحمت عامہ کی شکل میں اہل آسمان وزمین کو نشاندہی کرائی ہے۔

آیت کے آخر میں فرماتا ہے، "کوئی اور شخص حق نہیں رکھتا کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں بات کرے یا شفاعت کرے" (لا یملکون منہ خطابا)۔

---

[1] تفسیر بیضاوی در ذیل آیہ زیر بحث۔

[2] نور الثقلین، جلد ۵ صفحہ ۴۹۵ حدیث ۲۹۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۔لا یملکون ۔میں جو ضمیر ہے ہو سکتا ہے کہ تمام اہل آسمان اور زمین کی طرف لوٹے یا اُن تمام متقین اور سرکشوں کی طرف لوٹے جو حساب کتاب اور جزا ، وسزا کی غرض سے عرصہ محشر میں جمع ہوں گے ۔ بہرحال یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس دن کسی شخص کو اعتراض اور چون وچرا کا حق نہیں ہوگا اس لیے کہ خدائی حساب اس قدر باریک بین پر مبنی اور عادلانہ ہے کہ کسی قسم کے چون وچرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔ علاوہ ازیں کوئی شخص بھی شفاعت کا حق نہیں رکھتا مگر اس کے اذن سے (من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ) (بقرہ/۲۵۵)۔

چند نکات

ا۔متقین کیلئے عطیات اور سرکشوں کیلئے عذاب

مندرجہ بالا آیات جو پرہیزگاروں کو ملنے والے عطیات کی بات کرتی ہیں ان سے گزشتہ آیات کا موازنہ ہے جو سرکشوں کو ملنے والی سزاؤں کی بات کرتی ہیں ۔اس میں ایک پُرکشش مقابلہ نظر آتا ہے ۔

یہاں گفتگو ۔ مفاز ۔ (محل نجات) سے ہے اور وہاں ۔ مرصاد ۔ (کمین گاہ) سے ہے ۔ یہاں بات پھلوں سے بھرے ہوتے باغات کی ہے اور وہاں غیر محدود مدت تک آگ میں غرق ہونے کی ۔ ا حقابہ ۔ یہاں گفتگو پے بہ پے جاموں کی ہے جو شراب طہور سے لبریز ہوں گے وہاں جلتے ہوتے اور ابلتے ہوئے پانی اور حمیم و غساق ۔کی ہے ۔یہاں گفتگو خداوند رحمٰن کے وسیع وعریض عطیات کی ہے اور وہاں منصفانہ سزاؤں اور جزاء وفاق کی ہے ۔ یہاں بات ہے نعمت الٰہی کی فراوانی کی اور وہاں عذاب کی فراوانی کی ۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ ہر لحاظ سے دو مخالف قطب میں قرار پاتے ہیں کیونکہ وہ اس دنیا میں ایمان وعمل کے لحاظ سے دو مخالف قطب تھے ۔

۲۔جنت کے مشروب

قرآنِ مجید کی مختلف آیتوں میں جنت کی شرابوں کی بہت زیادہ تعریف و توصیف ہوئی ہے جن کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کو پینے والے اس قسم کی روحانی لذت میں ڈوبے ہوئے ہوں گے جس کا اظہار الفاظ میں نہیں ہو سکتا ۔ایک جگہ اس کی تعریف شراب طہور کے عنوان سے کرتا ہے (وسقاھم ربھم شرابا طھورا) ۔(سورہ دہر/۲۱)۔

دوسری جگہ تاکید کرتا ہے کہ صاف وشفاف خالص اور لذت بخش شراب ۔نہ تو درد سر پیدا کرتی ہے اور نہ مستی لاتی ہے ۔نہ فسادِ عقل پیدا کرتی ہے (یطاف علیھم بکاس من معین بیضاء لذۃ للشاربین لا فیھا غول ولا ھم عنھا ینزفون) (صافات/۴۵ تا ۴۷)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک جگہ فرماتا ہے : " ایسے جام (مشروب) پئیں گے جو کافور کی آمیزش رکھتے ہیں (ٹھنڈے اور سکون بخش ہیں) (یشربون من کاس کان مزاجھا کافوراً) (دھر/۵)۔

دوسری جگہ مزید فرماتا ہے : " ایسے جام انہیں پلائیں گے جس کے مشروب میں زنجبیل کی آمیزش ہے (گرم کرنے والا اور نشاط آفریں مشروب)۔ (و یسقون فیھا کأساً کان مزاجھا زنجبیلاً) (دھر/۱۷)۔

زیر بحث آیات میں بھی ہم نے پڑھا ہے : " وہ لبالب زلال اور پے بہ پے جام رکھتے ہیں" (و کأساً دھاقاً) اور ان سب چیزوں سے اہم بات یہ ہے کہ اس بزم روحانی کا ساقی خدا ہے وہ اس کے دست قدرت سے اور اس کی بساط رحمت سے جام حاصل کریں گے اور پئیں گے اور اس کے عشق و معرفت کے جذبہ سے سرشار ہوں گے : " وسقاھم ربھم ... (دہر : ۲۱)

خداوندا ! ہمیں بھی وہ شراب طہور عطا فرما۔

jabir.abbas@yahoo.com www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۳۸) يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ○

(۳۹) ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ○

(۴۰) اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ○

ترجمہ

(۳۸) یہ سب کچھ اس دن ہوگا جب روح اور ملائکہ ایک ہی صف میں قیام کریں گے اور کوئی بھی خدائے رحمٰن کے اذن کے بغیر بات نہیں کرے گا اور اس وقت سب درست بات کریں گے۔

(۳۹) وہ دن حق ہے جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف جانے والی راہ کا انتخاب کر سکتا ہے۔

(۴۰) اور ہم تمہیں قریبی عذاب سے ڈراتے ہیں۔ یہ عذاب اس دن نازل ہوگا جب انسان جو کچھ پہلے بھیج چکا ہے اُسے دیکھے گا اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔

تفسیر

کافر کہیں گے کاش ہم مٹی ہوتے

گزشتہ آیتوں میں قیامت کے دن سرکشوں پر نازل ہونے والے عذاب اور پرہیزگاروں کو حاصل ہونے والی نعمتوں کا قابلِ ملاحظہ بیان تھا۔ زیرِ بحث آیات میں اس عظیم دن کا تعارف کرانے کے لیے اس کے بعض اوصاف اور حوادث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: "یہ سب کچھ اس دن ہوگا جب روح

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور تمام ملائکہ ایک ہی صف میں کھڑے ہوں گے اور خداوند رحمٰن کے اذن کے بغیر کوئی بھی بات نہ کر سکے گا اور جو بات کرے گا بھی تو حق کے علاوہ اور کچھ نہیں کہے گا۔ (یوم یقوم الروح والملائکة صفا لا یتکلمون الا من اذن له الرحمٰن وقال صوابا)۔[1]

اس میں شک نہیں کہ روح اور فرشتوں کا اس دن ایک ہی صف میں قیام اور خداوند رحمٰن سے اذن کے بغیر بات نہ کرسکنا صرف فرمانِ خدا کے اجراء کے لیے ہے۔ وہ اس جہان میں بھی "مدبرات امر" یعنی اس کے فرمان جاری کرنے والے ہیں اور عالم آخرت میں یہ امر زیادہ آشکار، زیادہ واضح اور وسیع صورت میں ہوگا۔

یہ کہ یہاں روح سے کیا مراد ہے؟ مفسرین نے اس کی بہت سی تفسیریں کی ہیں بعض تفاسیر میں تو آٹھ احتمال تک بیان کیے گئے ہیں[2] جن میں سے زیادہ اہم درج ذیل تفاسیر و احتمالات ہیں۔

۱۔ فرشتوں کے علاوہ ان سے افضل و برتر مخلوق مراد ہے۔

۲۔ حضرت جبرائیل امین مراد ہیں جو امینِ وحیِ خدا ہیں اور خدا اور تمام انبیاء و رسل کے درمیان واسطہ ہیں۔ سارے فرشتوں کے سردار ہیں اور سب سے بڑے فرشتے ہیں۔

۳۔ انسانوں کی ارواح مراد ہیں جو فرشتوں کے ہمراہ قیام کریں گی۔

۴۔ ایک فرشتہ مراد ہے جو تمام فرشتوں سے برتر ہے جبرائیل امین سے بھی افضل و برتر ہے۔ یہ وہی ہے جو انبیاء و معصومین کے ہمراہ تھا اور ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ روح کا لفظ قرآن مجید میں کبھی مطلق صورت میں اور بغیر کسی قید و شرط کے بیان ہوا ہے اور اس حالت میں زیادہ تر مقابلہ کے لیے قرار پایا ہے مثلاً: (تعرج الملائکة والروح الیه) فرشتے اور روح اس کی طرف اوپر جاتے ہیں۔ (معارج / ۴)۔ (تنزل الملائکة والروح فیھا باذن ربھم من کل امر) شب قدر میں ملائکہ اور روح اپنے پروردگار کے فرمان سے ہر چیز کے ساتھ نازل ہوں گے۔ (قدر / ۴)۔

ان دو آیات میں ملائکہ کے بعد روح کا ذکر ہوا ہے اور زیر بحث آیت میں ملائکہ سے پہلے ہوا ہے۔ البتہ ممکن ہے کہ یہ اس کا الگ ہونا ایک بزرگ فرد کے عنوان کے ماتحت ہو اور اصطلاح کے مطابق خاص کے بعد عام کا ذکر یا عام کے بعد خاص کا ذکر ہو لیکن بہت سی آیتوں میں روح ایک صفت کی طرف اضافہ کے

---

[1] بہت سے مفسرین کا نظریہ ہے کہ یوم اس آیت میں ظرف ہے اور گزشتہ آیات میں لا یملکون کے فعل سے متعلق ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ ان تمام چیزوں سے متعلق ہو جو گزشتہ آیتوں میں آئی ہیں اور تقدیرِ عبارت اس طرح ہو (کل ذالک یکون یوم یقوم الروح) یہ سب کچھ اس دن ہوگا جب روح و ملائکہ ایک صف میں کھڑے ہوں گے۔

[2] تفسیر قرطبی، جلد ۱۰ ص ۶۹۷۷۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ساتھ آیا ہے مثلاً۔ روح القدس۔ (قل نزلہ روح القدس من ربك بالحق) کہہ دے روح القدس نے اس قرآن کو تیرے پروردگار کی جانب سے حق کے ساتھ نازل کیا۔ (نحل/۱۰۲)۔ یا آیۂ (نزل به الروح الامین) قرآن کو روح الامین نے نازل کیا ہے۔ (شعراء/۱۹۳)۔

بعض آیات میں خدا نے روح کو اپنی طرف سے اضافت دی ہے۔ فرماتا ہے: (و نفخت فیه من روحی) "آدم میں میں نے اپنی روح پھونکی" ایک شریف روح جو اپنی شرافت کی وجہ سے اس کی ذات مقدس کی طرف مضاف ہوئی ہے۔ (حجر/۲۹)۔

دوسری جگہ فرماتا ہے: (فارسلنا الیها روحنا) "ہم نے مریم کی طرف اپنی روح بھیجی" (مریم/۱۷)۔ ایسا نظر آتا ہے کہ لفظِ روح ان آیات میں چونکہ مختلف شکلوں میں بیان ہوا ہے لہٰذا اس کے مختلف معانی ہیں جن کی تشریح انہی آیات کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے۔ لیکن، جو مختلف تفاسیر سے، زیر بحث آیات کے بارے میں زیادہ مناسب نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں روح سے مراد خدا کا ایک بہت بڑا فرشتہ ہے جو بعض روایات کے مطابق جبرئیل امین سے بھی افضل و برتر ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے:

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ (هو ملك اعظم من جبرائيل و ميكائيل) وہ ایک فرشتہ ہے جو جبرائیل و میکائیل سے بھی بڑا ہے۔[1]

اور تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی آیا ہے (الروح ملك اعظم من جبرائيل و ميكائيل وكان مع رسول الله و هو مع الائمة) روح ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے افضل و برتر ہے۔ وہ رسول اللہؐ کے ساتھ تھا اور آئمہ کے ساتھ بھی ہے۔[2]

اگرچہ بعض روایات میں اہل سنت کی تفاسیر میں پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے کہ: (الروح جند من جنود الله ليسوا بملائكة لهم رؤس و ايدى و ارجل ثم قرأ يوم يقوم الروح والملائكة صفاً قال هؤلاء جند و هؤلاء جند) روح خدا کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جو ملائکہ نہیں ہیں۔ ان کے سر، ہاتھ اور پاؤں ہیں۔ اس کے بعد پیغمبر نے اس آیت کی تلاوت فرمائی (یوم یقوم الروح والملائکة صفاً) پھر فرمایا یہ ایک الگ لشکر ہے اور ملائکہ الگ لشکر ہیں۔[3]

انسان کی روح اور اس کے تجرد و استقلال کے بارے میں شرح اور مفصل بحثیں ہم جلد ۹ صفحہ ۶۹۲ سے لے کر صفحہ ۶۹۷ تک (سورہ اسریٰ کی آیت ۸۵ کے ذیل میں) پیش کر چکے ہیں۔

---

[1] مجمع البیان، جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۳۔

[2] تفسیر علی بن ابراہیم، جلد ۲ صفحہ ۴۰۲۔

[3] تفسیر درالمنثور، جلد ۶ صفحہ ۳۰۹۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بہرحال جیسا کہ اشارہ ہو چکا ہے یہ عظیم خدائی مخلوق چاہے فرشتوں میں سے ہو یا اور کوئی خدا کی پیدا کی ہوئی مخلوق ہو، خدا کے فرمان کی اطاعت کے لیے ملائکہ کے ساتھ اطاعت کو آمادہ ہے اور اس طرح قیامت کی ہولناکی اور محشر کے اضطراب نے سب کو گھیر رکھا ہوگا کسی کو بھی بات کرنے کی طاقت نہیں ہوگی اور جہاں کوئی بات کرے گا یا شفاعت کرے گا وہ صرف پروردگار کی اجازت سے ہوگا۔ وہ خدا کی حمد و ثنا کریں گے اور جو لائق شفاعت ہیں ان کی شفاعت کریں گے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:
(نحن واللّٰہ المأذون لھم یوم القیامۃ والقائلون) خدا کی قسم! قیامت کے دن ہمیں اجازت ہوگی اور ہم ہی گفتگو کریں گے۔

راوی سوال کرتا ہے اس روز آپ کون سی بات کریں گے۔ تو آپ نے فرمایا: (نمجد ربنا ونصلی علی نبینا و نشفع لشیعتنا فلا یرد نا ربنا) ہم اپنے پروردگار کی تمجید و تعریف کریں گے۔ اور اپنے پیغمبرؐ پر درود و سلام بھیجیں گے اور اپنے پیروکاروں کی شفاعت کریں گے اور خدا ہماری شفاعت کو رد نہیں کرے گا۔[1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و ائمہ معصومین بھی ملائکہ اور روح کی صف میں قیام کریں گے اور انہیں بات کرنے، خدا کی حمد و ثنا کرنے اور شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔[2]

"صواباً" کی تعبیر اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ملائکہ و روح یا انبیاء و اولیاء کسی کے لیے شفاعت کریں تو بھی کسی حساب و کتاب کی بنیاد پر ہوگا اور بغیر وجہ و سبب کے نہیں ہوگا۔

اس کے بعد اس عظیم دن کی طرف جو انسانوں اور فرشتوں کے قیام کا دن بھی ہے، وہ یوم الفصل ہے، سرکشوں پر نزول عذاب کا دن ہے اور متقیوں کے اجر پانے کا دن۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "وہ دن حق ہے" (ذالک الیوم الحق)۔

حق اس چیز کے معنی میں ہے جو ثابت ہے اور واقعیت رکھتی ہے اور تحقق پاتی ہے اور یہ معنی قیامت کے بارے میں مکمل طور پر ثابت ہیں۔ اس کے علاوہ ایسا دن ہے جس دن ہر شخص کا حق دیا جائے گا۔ مظلوموں کا حق ظالموں سے لیا جائے گا۔ اس دن اسرار ظاہر ہوں گے۔ اس لیے وہ ایسا دن ہے جو پورے طور پر حق ہے۔ چونکہ اس واقعیت کی طرف توجہ انسان کے خدا کی طرف رجوع اور اس کے فرمان کی اطاعت کے لیے

---

[1] مجمع البیان، جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۶۔

[2] شفاعت اس کے شرائط و خصوصیات اور اس کے فلسفہ کے بارے میں اسی طرح اس کے مربوط اعتراضات و مشکلات کے سلسلہ میں تفصیلی بحثیں جلد ۱ سورہ بقرہ کی آیت ۴۸ کے ذیل میں ہم کر چکے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مؤثر ترین محرک اور سبب بن سکتی ہے، اس لیے بلا فاصلہ مزید کہتا ہے:

پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہے اور لوٹتا ہے (اس کی طرف) راستہ۔ (فمن شاء اتخذ الی ربہ مآبا)۔

یعنی اس محرک کے تمام اسباب فراہم ہیں جو خدا کی طرف رجوع کے لیے ہے اور راستے اور کنویں کھدائے جا چکے ہیں۔ انبیاء نے کافی حد تک فرمان حق کی تبلیغ کی ہے اور عقل انسانی نے بھی جو اس کے اندر کا پیغمبر ہے۔ سرکشوں اور پرہیزگاروں کی سرنوشت اچھی طرح واضح ہو چکی ہے۔ عدالت، مظلوم اور قاضی بھی معین ہو چکے ہیں۔ ایک چیز جو باقی رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ انسان دو ٹوک فیصلہ کرے اور اس اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو خدا نے اسے دیا ہے راستے کا انتخاب کرے اور آگے بڑھے۔

"مآب" کے معنی محل بازگشت ہیں۔ یہ راستے کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اس کے بعد مجرمین کی سزا کے مسئلہ پر تاکید کے عنوان سے اور اس عظیم دن کے ان لوگوں سے نزدیک ہونے کو بیان کرتے ہوئے جو اسے دور سمجھتے ہیں یا اس کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

مزید فرماتا ہے: "ہم تمہیں قریب کے عذاب سے ڈراتے ہیں (انا انذرناکم عذابا قریبا)۔ دنیا کی عمر جتنی بھی ہے آخرت کی عمر کے مقابلے میں ایک لمحے کے برابر بھی نہیں ہے نیز عربوں کی مشہور ضرب المثل کے مطابق۔ جو یقیناً آئے گی وہ نزدیک ہے" (کل ما ھو آت قریب)

اسی لیے سورہ معارج کی آیت پانچ سے لے کر سات تک خدا اپنے پیغمبر سے فرماتا ہے: (فاصبر صبرا جمیلا انھم یرونہ بعیدا ونراہ قریبا) صبر کر، صبر جمیل جو ہر قسم کے جزع و فزع سے خالی ہو۔ وہ اس دن کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے نزدیک دیکھتے ہیں۔

امیر المومنین علیؑ بھی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: (کل آت قریب دان) ہر وہ چیز جو آنے والی ہے قریب ہے۔[1]

کیوں نزدیک نہ ہو جبکہ عذاب الٰہی کا اصل سبب خود انسانوں کے اعمال ہیں جو ہمیشہ ان کے ساتھ ہیں اور جہنم نے ابھی سے ان کا احاطہ کیا ہوا ہے (وان جھنم لمحیطۃ بالکافرین) (عنکبوت/۵۴)۔ اور چونکہ اس دن ایک گروہ عظیم حسرت و اندوہ میں غرق ہوتے ہوئے نادم و پشیمان ہوگا اور جس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔

اس تنبیہ کے بعد مزید کہتا ہے: "یہ عذاب اس دن واقع ہوگا جس دن انسان جو کچھ اپنے ہاتھ سے آگے بھیج چکا ہے وہ سب دیکھے گا اور کافر کہے گا اے کاش میں مٹی ہوتا۔ (یوم ینظر المرء ما قدمت یداہ

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۳۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

و یقول الکافر یالیتنی کنت ترابا)۔

مفسرین کی ایک جماعت "ینظر" کے لفظ کی اس آیت میں "ینتظر" کے معنی میں تفسیر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ مراد یہ ہے کہ انسان اس دن اپنے اعمال کی جزاء کے انتظار میں ہے۔ بعض اسے نامہ اعمال کے مشاہدہ اور نیکیوں اور برائیوں کے دیکھنے کے معنی میں سمجھتے ہیں۔ اور پھر یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ اس سے مراد اعمال کی جزاء و سزا کا مشاہدہ ہے۔

یہ سب تفسیریں یہاں سے پیدا ہوتی ہیں کہ انھوں نے مسئلہ حضور یعنی اعمال انسان کی اس دن تجسیم کی طرف بہت کم توجہ دی ہے ورنہ اس واقعیت کی طرف توجہ کی صورت میں آیت کا مفہوم واضح ہے اور کسی قسم کی تقدیر و تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ قرآن کی مختلف آیات اور اسلامی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال اس دن مناسب صورتوں میں مجسم ہو کر اس کے سامنے ظاہر ہوں گے۔ وہ حقیقتاً اپنے اعمال کو دیکھے گا اور اپنے بُرے اعمال کے منظر کے مشاہدہ سے وحشت و ندامت محسوس کرے گا اور حسرت میں ڈوب جائے گا اور اپنے حسنات کو دیکھنے سے شاد و مسرور ہوگا اور اصولی طور پر نیکو کاروں کا بہترین اجر اور بدکاروں کی مناسب ترین سزا ان کے مجسم اعمال ہیں جو ان کے ساتھ ساتھ ہوں گے۔

سورہ کہف کی آیت ۴۹ میں ہم پڑھتے ہیں: (و وجدوا ما عملوا حاضرًا) "جو کچھ وہ انجام دیتے تھے اسے حاضر پائیں گے" اور سورہ زلزال کی آخری آیات میں آیا ہے (فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ) جس شخص نے ذرہ برابر بھی نیک کام کیا ہوگا وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی بُرا کام کیا ہوگا وہ اسے دیکھے گا۔

اور روز قیامت کے عجائبات میں سے ہے کہ وہاں انسان کے اعمال مجسم ہوں گے اور قوتیں مادہ میں تبدیل ہو کر جاندار ہو جائیں گی (قدمت یداہ)۔ "اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے" کی تعبیر اس لیے ہے کہ انسان زیادہ تر کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتا ہے۔ لیکن مسلّم ہے کہ صرف ہاتھ کے اعمال پر منحصر نہیں ہے بلکہ جو کچھ وہ زبان، آنکھ اور کان سے بھی انجام دیتا ہے وہ سب اس قانون کے ذیل میں ہے۔

قرآن اس دن کے آنے سے پہلے ہمیں خبردار کرتا ہے اور کہتا ہے ہر شخص کو دیکھنا چاہیئے کہ اس دن کےلیے اس نے آگے کیا بھیجا ہے (و لتنظر نفس ما قدمت لغد) (حشر/۱۸)۔

بہر حال بعد اس کے کہ کفار اپنی عمر کے تمام اعمال کو اپنے سامنے موجود پائیں گے اسی غم و اندوہ و حسرت میں ڈوبے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے کاش ہم خاک ہوتے۔ کاش ابتدا میں ہم خاک کے مرحلہ سے اوپر نہ جاتے۔ جماد سے نامی (نشو و نما کرنے والے نباتات) اور نامی سے حیوان اور حیوان سے انسان نہ بنتے اور کاش بعد اس کے کہ ہم انسان ہو گئے اور مر گئے تو مرنے اور خاک ہونے کے بعد قیامت میں نئی زندگی حاصل نہ کرتے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

البتہ وہ جانتے ہیں کہ مٹی بھی ان سے بہتر ہے کیونکہ مٹی ایک دانہ لیتی ہے اور کبھی کبھی سو دانے واپس کرتی ہے۔ انواع و اقسام کے غذائی مواد، معدنیات اور بہت سی برکتوں کا منبع و سرچشمہ ہے۔ مٹی انسان کا بستر اور اس کی زندگی کا گہوارہ ہے اور بغیر اس کے کہ اس میں کوئی ضرر ہو وہ یہ سب فوائد لیے ہوتے ہے لیکن وہ مٹی کے فوائد میں سے ایک بھی نہیں رکھتے۔ اس پر مستزاد یہ کہ بہت سی خرابیوں کی کان ہیں۔

جی ہاں! اس انسان کا کام جو اشرف المخلوقات ہے بعض اوقات کفر و گناہ کی بنیاد بنتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ آرزو کرتے ہیں کہ وہ کسی بے روح اور پست مخلوق کی صف میں کھڑے ہوتے۔ آیات قرآنی میں ہم پڑھتے ہیں کہ کفار اور مجرم جب قیامت میں پروردگار کی داد رسی کا منظر اور اعمال کی جزا کا مشاہدہ کریں گے تو وہ کئی عکس العمل دکھائیں گے جو ان کی شدت تاثر و تاسف کی ترجمانی کریں گے۔

کبھی کہیں گے وائے ہو ہم پر اور ہماری اس حسرت پر کہ ہم نے فرمانِ خداوندی کی اطاعت میں کوتاہی کی (یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ) (زمر/۵۶)۔ اور کہیں گے "خداوندا! ہمیں دنیا کی طرف پلٹا تاکہ ہم عمل صالح کر سکیں۔ (فارجعنا نعمل صالحًا) (الم سجدہ/۱۲)۔ اور کبھی کہیں گے کاش ہم خاک ہوتے اور کبھی زندہ نہ ہوتے، جیسا کہ زیر بحث آیات میں آیا ہے۔

ایک نکتہ

مسئلہ جبر و اختیار کے حل ہونے کا واضح راستہ

یہ مسئلہ قدیم ترین مسائل میں سے ہے جو علماء کو در پیش ہے کہ ایک گروہ ارادۂ انسانی کا قائل ہے۔ دوسرا گروہ جبر کا طرفدار ہے اور ہر ایک گروہ نے اپنے مقصد کو ثابت کرنے کے لیے کچھ دلائل پیش کیے ہیں۔ لیکن جاذب توجہ یہ ہے کہ "جبریین" اور اختیار کے طرف دونوں ہی عمل میں اصل اختیار اور ارادہ کی آزادی کو قانونی طور پر قبول کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ ساری بحثیں مباحث علمی کے دائرہ میں تقیں نہ کہ مقام عمل میں۔ اور یہ چیز اچھی طرح سے بتاتی ہے کہ اصل ارادہ کی آزادی اور اختیار تمام انسانوں کا فطری ہے۔

اگر درمیان میں مختلف وسوسے نہ ہوں تو تمام لوگ آزادیٔ ارادہ کے معترف ہوں۔ یہ عمومی وجدان اور فطرت جو اختیار کے دلائل میں سب سے زیادہ واضح ہے انسان کی زندگی میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اگر انسان خود کو اپنے اعمال کے بارے میں مجبور سمجھتا اور اپنے لیے اختیار کا قائل نہ ہوتا تو ایسا کیوں ہے کہ:

۱۔ ان اعمال کی بنا پر جنہیں انجام دیا یا ان اعمال کی بنا پر جنہیں انجام نہیں دیا پشیمان ہوتا ہے اور پختہ ارادہ کرتا ہے کہ آئندہ زمانہ میں تجربہ سے فائدہ اٹھائے۔ یہ حالت ندامت عقیدہ جبر کے قائلوں میں زیادہ ہے اگر اختیار نہیں ہے تو ندامت کیوں؟

۲۔ بدکاروں کو سب لوگ ملامت و سرزنش کرتے ہیں اگر جبر ہے تو یہ سرزنش کیسی؟

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۔ نیکوکاروں کی مدح و تعریف و ستائش کرتے ہیں۔ کیوں؟

۴۔ اولاد کی تعلیم و تربیت میں کوشش کرتے ہیں کہ وہ سعادت مند ہوں۔ اگر سب مجبور ہیں تو پھر تعلیم کیا مفہوم رکھتی ہے؟

۵۔ معاشرہ کے اخلاق کو بلند کرنے کے لیے سب علماء بغیر استثناء کوشش کرتے ہیں۔

۶۔ انسان اپنی خطاؤں اور غلطیوں سے توبہ کرتا ہے۔ اصل جبر کو قبول کر لینے کی صورت میں توبہ کیا معنی رکھتی ہے؟

۷۔ انسان اپنی کوتاہیوں پر حسرت کرتا ہے آخر کیوں؟

۸۔ ساری دنیا بدکاروں اور مجرموں کا محاسبہ کرتی ہے اور ان سے شدید طور پر بازپرس ہوتی ہے وہ کام جو اختیار سے باہر ہے اس کی بازپرس اور محاکمہ کیسا؟

۹۔ ساری دنیا اور تمام اقوام عالم کے درمیان عام اس سے کہ وہ خدا پرست ہوں یا مادیین یہ طے ہے کہ وہ مجرموں کے لیے سزا کے قائل ہیں۔ اس کام کی سزا کیسی جس پر وہ مجبور تھا۔

۱۰۔ یہاں تک کہ جبر کے حامی، جب کوئی شخص اُن کو گھسیٹے اور ان کی برائی کرے اور حیثیت کو مجروح کرے تو فریاد کرتے ہیں اور اس کو قصوروار ٹھہراتے ہیں اور اسے عدالت میں لے جاتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر واقعی انسان کوئی اختیار نہیں رکھتا تو پھر پشیمانی کے کیا معنی ہیں اور ملامت و سرزنش کس لیے ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں رعشہ ہو اس کو ملامت کی جائے۔ نیکوکاروں کی تعریف کیوں کی جاتی ہے اور انہیں نیکی پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ کیا وہ اختیار رکھتے ہیں کہ شوق دلانے سے نیک کام کرنے لگیں گے؟ اصولی طور پر تعلیم و تربیت کی تاثیر کو قبول کر لینے کی صورت میں جبر اپنا مفہوم کھو بیٹھتا ہے؟

اس سے قطع نظر ارادہ کی آزادی کے بغیر اخلاقی مسائل کا بھی کوئی مفہوم نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے کاموں میں مجبور ہیں تو توبہ کی کیا ضرورت ہے۔ حسرت و ندامت کس لیے ہے۔ شخص مجبور کا محاکمہ کرنا اور اسے عدالت میں لے جانا سب سے زیادہ ظالمانہ کام ہے اور اس کو سزا دینا اس سے محاکمہ زیادہ نامناسب ہے۔

یہ سب چیزیں بتاتی ہیں کہ ارادہ کی آزادی والی حقیقت سب انسانوں میں فطری ہے اور تمام نوع بشر کے وجدان کے موافق ہے۔ نہ صرف عوام بلکہ سارے خواص اور سب فلاسفہ عمل کی دنیا میں اسی طرح ہیں یہاں تک کہ جبری بھی عمل میں اختیاری ہیں (الجبریون اختیاریون من حیث لا یعلمون)

قابل توجہ یہ کہ قرآن مجید نے بارہا اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے، وہ نہ صرف زیر بحث آیات میں فرماتا ہے: (فمن شاء اتخذ الی ربہ مآبا) جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستے کا انتخاب کر سکتا ہے۔ بلکہ دوسری آیات میں بھی انسان کے ارادہ پر بہت سے مقامات پر خصوصی روشنی ڈالی ہے جن سب کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہم صرف ذیل کی تین آیات پر اکتفا کرتے ہیں: (انا ھدیناہ السبیل اما شاکرًا و اما کفورًا) ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے چاہے وہ قبول کرکے شکر گزار بنے یا مخالفت کرکے کفران کرے۔ (دہر/۳)۔ اور سورہ کہف کی آیت ۲۹ میں فرماتا ہے: (فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر) جو شخص چاہتا ہے ایمان لے آئے اور جو نہیں چاہتا وہ کفر کی راہ اختیار کرے۔ نیز سورہ دہر کی آیت ۲۹ میں ہم پڑھتے ہیں (ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا) یہ تذکرہ ہے جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستے کا انتخاب کرے۔

مسئلہ جبر و تفویض کے بارے میں گفتگو بہت طولانی ہے اور اس سلسلہ میں کئی کتابیں اور مقالے لکھے گئے ہیں اور جو کچھ اوپر کہا گیا ہے وہ صرف اس مسئلہ کی طرف قرآن و وجدان کے زاویہ سے نگاہ ڈالی ہے۔ اس گفتگو کو ہم ایک اہم نکتہ پیش کرکے ختم کرتے ہیں۔ ایک گروہ کا مسئلہ جبر کا قائل ہونا چند فلسفیانہ اور استدلال سے تعلق رکھنے والی مشکلات کی بنا پر ہے۔ اس کے علاوہ کچھ دوسرے نفسیاتی، اجتماعی اور معاشرتی اہم عوامل بھی بلاشک و شبہ اس عقیدہ کے پیدا ہونے اور باقی رہنے میں دخل رکھتے ہیں۔

بہت سے افراد نے جبر کے عقیدہ کو، یا جبری سرنوشت کو، یا اس قضا و قدر کو جس کے معنی میں جبر داخل ہے، اور جن سب کی ایک ہی بنیاد ہے، ذمہ داری اور جوابدہی سے بچنے کے لیے قبول کیا ہے یا پھر اس عقیدہ کو اپنی ان ناکامیوں کے لیے ایک حجاب کے طور پر اپنایا ہے جو ذاتی کوتاہیوں اور سہل انگاری کی بنا پر سامنے آئی ہیں۔ یا پھر سرکش ہوا و ہوس پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے اختیار کیا ہے اور یہ نظریہ اپنا لیا ہے کہ ہمارے شراب پینے کو وہ ازل سے جانتا ہے اور ہم اسی لیے شراب پیتے ہیں تاکہ خدا کا علم جہالت میں نہ بدل جائے۔

بعض اوقات استعمار اور سامراج کی فضا میں پرورش پانے والے افراد کی قوت مقابلہ کو شکست دینے کے لیے اور مختلف اقوام و ملل کے قہر و غضب کی آگ کو بجھانے کے لیے بہت سے لوگ اس عقیدہ سے متوسل ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو دوسروں کی گردنوں پر سوار کرتے ہیں کہ تمہاری تقدیر میں یہی تھا اور ظاہر ہے تسلیم و رضا کے علاوہ کوئی چارہ کار ہے ہی نہیں۔

اس طرز فکر کو قبول کر لینے سے تمام ظالموں کے اعمال کی توجیہ ہو جاتی ہے اور تمام گنہگاروں کے گناہ منطقی توجیہ پا لیتے ہیں اور مطیع و مجرم کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

خداوندا! ہمیں ان انحرافی عقائد اور ان کے نتائج سے محفوظ فرما۔ پروردگارا! ہمیں معلوم ہے کہ جہنم سرکشوں کے لیے مرصاد اور جنت متقیوں کے لیے کامیابی کی جگہ ہے۔ ہم سب کی چشم امید تیرے لطف و کرم پر لگی ہوئی ہے۔

بارالٰہا! وہ دن جس میں ہم اپنے تمام اعمال اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو ہمیں اس روز شرمندگی و شرمساری سے بچا لیجیو۔ آمین یا رب العالمین۔

سورہ نبا کا اختتام

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورہ نازعات

یہ سورہ مکی ہے

اس میں ۴۶ آیتیں ہیں۔

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ نازعات کے مضامین اور اس کا دائرۂ فکر

یہ سورہ مثل سورہ نباء کے معاد کے مسائل کے محور کے گرد گردش کرتا ہے اور مجموعۂ اس کا چھ حصّوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے ایسی قسموں کے ساتھ تاکید جو مسئلہ معاد سے تعلق رکھتی ہیں، قیامت کے عظیم دن کے تحقق پر تاکید کی گئی ہے۔

۲۔ اس کے بعد کے مرحلہ میں اس دن کے ہولناک اور وحشت ناک بعض مناظر کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ ایک اور حصّہ میں مختصر سا اشارہ حضرت موسٰیؑ کے قضیہ اور سرکش فرعون کی سرنوشت کی طرف ہے جو پیغمبرؐ اور مومنین کی تسلّی کا باعث بھی ہے اور سرکش مشرکین کے لیے تنبیہ بھی اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ معاد و قیامت کا انکار انسان کو کن گناہوں میں گرفتار کرتا ہے۔

۴۔ بعد والے حصّہ میں آسمان و زمین میں قدرتِ خدا کے مظاہر کے کچھ نمونے ہیں جنہیں خود امکانِ معاد اور حیات بعد الممات کے لیے دلیل شمار کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ ایک مرتبہ پھر اس عظیم دن کے وحشت ناک حوادث اور سرکشوں کے انجام اور نیکوکاروں کے اجر کی تشریح کرتا ہے۔

۶۔ سورہ کے آخر میں اس حقیقت کی تاکید ہے کہ کوئی شخص بھی اس دن کی تاریخ سے باخبر نہیں ہے لیکن اس قدر مسلّم ہے کہ وہ نزدیک ہے۔

اس سورہ کے لیے نازعات کے نام کا انتخاب اس کی پہلی آیت کی وجہ سے ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے: (من قرأ سورة "والنازعات" لم یکن حبسه وحسابه یوم القیامة الا کقدر صلٰوة مکتوبة حتّٰی یدخل الجنة)۔ "جو شخص سورہ نازعات کو پڑھے تو قیامت کے دن اس کا توقف و حساب روزانہ کی ایک نماز پڑھنے کی مقدار کے برابر ہوگا، اس کے بعد وہ جنت میں داخل ہو جائے گا"۔[1]

---

[1] مجمع البیان، جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۰۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

(من قرأها لم يمت الّا ريّان ولم يبعثه الله الّا ريّان ولم يدخله الجنة الّا ريّان)۔ "جو شخص اس سورہ کو پڑھے تو وہ اس دنیا سے سیراب ہو جائے گا اور خدا اسے سیراب ہی محشور کرے گا اور سیراب ہی جنت میں داخل کرے گا" (حق تعالیٰ کی رحمت بے پایاں سے سیراب) [1]

مسلّم ہے کہ جو شخص اس سورہ کے مضمون کو جس کی دل ہلا دینے والی آیتیں سوئی ہوئی ارواح کو بیدار کرتی ہیں اور انہیں ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرتی ہیں، اپنے دل میں جگہ دے اور اس پر خلوص دل سے عمل کرے تو وہ مذکورہ اجر پائے گا۔ یقیناً وہ افراد اس اجر کو نہیں پاسکیں گے جو صرف الفاظ کے پڑھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

[1] مجمع البیان، جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۰۔

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝

۲ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝

۳ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝

۴ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝

۵ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝

ترجمہ

خدا کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔

۱ قسم ہے ان فرشتوں کی جو مجرموں کی ارواح ان کے جسموں سے شدت کے ساتھ کھینچتے ہیں۔

۲ اور وہ فرشتے جو مومنین کی ارواح نرمی و مدارات ونشاط کے ساتھ نکالتے ہیں۔

۳ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو حکم الٰہی کے اجرار میں تیزی سے چلتے ہیں۔

۴ اور پھر ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں۔

۵ اور وہ جو امور کی تدبیر کرتے ہیں۔

تفسیر

اُن انتھک فرشتوں کی قسم

ان آیات میں پانچ موضوعات کی قسم کھائی گئی ہے اور ان قسموں کا مقصد مسئلہ معاد و قیامت کی حقانیت اور اس کے تحقق کو بیان کرنا ہے۔ فرماتا ہے: "ان کی قسم جو سختی سے کھینچتے اور اکھاڑتے ہیں"۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(والنازعات غرقًا) ۔

اور ان کی قسم جو راحت و آرام کے ساتھ جدا کرتے ہیں ۔ (والناشطات نشطًا) ۔

اور ان کی قسم جو سرعت و تیزی سے چلتے ہیں ۔ (والسابحات سبحًا) ۔

اور وہ جو اچھی طرح سبقت لے جاتے ہیں ۔ (فالسابقات سبقًا) ۔

اور وہ جو امور کی تدبیر کرتے ہیں ۔ (فالمدبرات امرًا) ۔

اس سے پہلے کہ ہم ان آیات کی تفسیر پیش کریں جو الفاظ ان میں استعمال ہوئے ہیں مناسب ہے کہ باریک بینی کے ساتھ ان کی وضاحت کی جائے ۔

"نازعات" "نزع" کے مادہ سے ہے ۔ اس کے معنی کسی چیز کو اس جگہ سے اکھاڑنا یا کھینچنا ہیں ۔ مثلاً کمان کو تیر پھینکتے وقت کھینچنا ۔ کبھی کبھی یہ لفظ معنوی امور میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ دل سے عداوت اور محبت کا نزع اس کے اکھاڑ پھینکنے کے معنی میں ہے[1]

"غرق" (ر کے زبر کے ساتھ) (بروزن شفق) بہت سے ارباب لغت کے بقول پانی میں ڈوب جانے کے معنی دیتا ہے کبھی کبھی کسی شدید حادثہ میں مبتلا ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے اور غرق بروزن فرق بقول ابن منظور (در لسان العرب) ایک اسم ہے جو مصدر کا جانشین ہوا ہے اور اغراق کے معنی میں ہے اغراق کے معنی اصل میں آخری ممکن نقطہ تک کمان کو کھینچنے کے ہیں اس کے بعد مبالغہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ یہاں سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ جو کچھ اوپر والی آیت میں آیا ہے وہ غرق ہونے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ کسی کام کو اس کی ممکن حد تک انجام دینے کے معنوں میں ہے[2]

"ناشطات" "نشط" (بروزن ہشت) کے مادہ سے اصل میں گرہ کھولنے کے معنی میں ہے جو آسانی سے کھل جاتی ہے ۔ اور وہ کنویں جن کی گہرائی کم ہے اور ان میں سے ڈول آسانی سے ایک ہی دفعہ میں باہر آ جاتا ہے انہیں انشاط کہا جاتا ہے اور بطور کلی یہ لفظ ہر قسم کی اس حرکت کے لیے استعمال ہوتا ہے جو سہولت کے ساتھ انجام پا جائے ۔

"سابحات" "سبح" (بروزن سطح) کے مادہ سے پانی یا ہوا میں سریع و تیز حرکت کے معنوں میں ہے ۔ اس لیے پانی میں نہانے یا گھوڑے کے تیز چلنے یا تیزی سے کسی کام کے پیچھے جانے کو کہا جاتا ہے ۔ تسبیح جو خدا کو ہر عیب و نقص سے پاک شمار کرنے کے معنی میں ہے وہ بھی اسی سے لی گئی ہے ۔ گویا جو شخص تسبیح کرتا ہے وہ پروردگار کی عبادت کی راہ میں تیزی سے آگے بڑھتا ہے ۔

---

[1] مفردات راغب مادہ "نزع" ۔

[2] کتاب لسان العرب تفسیر مجمع البیان، تفسیر کشاف اور مجمع البحرین سے رجوع کیا جائے ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"سابقات" سبقت کے مادہ سے، آگے نکل جانے کے معنی میں ہے۔ چونکہ گوئے سبقت لے جانا عام طور پر تیز چلنے کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے کبھی کبھی اس مادہ سے سرعت اور تیزی کے مفہوم کا فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے۔

"مدبرات" تدبیر کے مادہ سے کسی چیز کی عاقبت اور انجام کے بارے میں غور و فکر کرنا اور سوچنا ہے۔ چونکہ عاقبت اندیشی اور آئندہ کے بارے میں سوچنا کام کے احسن طریقہ پر انجام پانے کا سبب ہوتا ہے لہٰذا لفظ تدبیر اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اب اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ جو کچھ ان آیات کے الفاظ کے معنی کے بارے میں کہا گیا ہے ہم تفسیر کی طرف رُخ کرتے ہیں۔ یہ پانچ قسمیں جو ابتدا میں ابہام کے ہالے میں گھری ہوئی ہیں اور ابہام بھی ایسا جو بہت زیادہ غور و فکر کا متقاضی ہے، ذہن و فکر کو نئی جولانی عطا کرتا ہے اور باریک بینی و مطالعہ کا تقاضا کرتا ہے، وہ یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں کہ یہ افراد یا چیزوں کی طرف اشارہ ہیں۔

مفسرین نے اس سلسلہ میں بہت کچھ گفتگو کی ہے اور بہت سی تفسیریں کی ہیں جن میں سے عمدہ تفسیریں تین محوروں کے گرد گھومتی ہیں۔

۱۔ ان قسموں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار و مجرمین کی ارواح کو قبض کرنے پر مامور ہیں جو ان روحوں کو بڑی شدت سے کفار و مجرمین کے جسموں سے نکالیں گے۔ وہ ارواح و نفوس جو حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر بالکل آمادہ نہ تھے اور وہ فرشتے جو مومنین کی روحیں قبض کرنے پر مامور تھے جو مدارات، نرمی اور نشاط کے ساتھ انہیں جدا کرتے ہیں، وہ فرشتے جو فرمانِ الٰہی کے اجراء میں سرعت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اور پھر ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو امورِ عالم کی اس کے فرمان کے ماتحت تدبیر کرتے ہیں۔

۲۔ یہ قسمیں اشارہ ہیں آسمان کے ستاروں کی طرف جو ہمیشہ ایک افق سے اکھاڑے جاتے ہیں اور دوسرے افق کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ آہستہ آہستہ چلتا ہے اور دوسرا گروہ تیزی سے راستہ طے کرتا ہے۔ یہ سب عالمِ بالا کے سمندر میں تیر رہے ہیں اور ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتے ہیں اور آخرکار ان تاثیروں کی بنا پر جو ان ستاروں میں ہے (جیسے سورج اور چاند کے نور کی تاثیر کرہ زمین میں) وہ خدا کے فرمان سے امورِ جہان کی تدبیر کرتے ہیں۔

۳۔ مراد جنگجو، غازی یا مجاہدینِ راہ خدا کے گھوڑے ہیں جو اپنے گھروں اور وطنوں سے اکھڑ جاتے ہیں اور جدا ہو جاتے ہیں اس کے بعد نشاط، نرمی اور آرام کے ساتھ میدانِ جنگ کا رخ کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتے ہیں اور جنگی امور کی تدبیر کرتے ہیں۔

بعض اوقات کچھ مفسرین نے ان تفاسیر کو ایک دوسرے سے ملا دیا ہے۔ پانچ قسموں میں سے کچھ کو ایک تفسیر سے اور دوسرے حصہ کو دوسری تفسیر سے لیا ہے لیکن کلام کی بنیاد وہی مذکورہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بالا تین تفسیریں ہیں جن کے درمیان کوئی تضاد موجود نہیں ہے۔

لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اوپر والی آیات سے ان سب کی طرف اشارہ ہو لیکن ان سب میں سے پہلی تفسیر، ان نکات کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جو ذیل میں درج کیے جائیں گے، زیادہ مناسب ہے پہلے یہ کہ یہ تفسیر روز قیامت سے مناسبت رکھتی ہے جیسا کہ سورہ کی تمام آیات اس مفہوم کو لیے ہوئے ہیں، دوسرے یہ کہ سورہ مرسلات کی ان ہی جیسی آیات سے مناسبت رکھتی ہیں جو آغاز میں ہیں۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ (فالمدبرات امرًا) کا جملہ زیادہ تر فرشتوں سے مناسبت رکھتا ہے جو امر خدا سے کاروبار جہاں کی تدبیر کرتے ہیں اور ایک لمحے کے لیے بھی اس کے اوامر کی انجام دہی سے روگردانی نہیں کرتے (لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون) (انبیاء/۲۷)۔ خصوصاً یہ کہ تدبیر امور کا مسئلہ یہاں بصورت مطلق بیان ہوا ہے اور اس میں کوئی قید و شرط نہیں لگائی گئی ہے۔

ان سب باتوں سے قطع نظر ائمہ معصومین سے کچھ روایات ان آیات کی تفسیر میں مروی ہیں جو انہی معانی سے مناسبت رکھتی ہیں۔ منجملہ دیگر روایات کے ایک روایت میں حضرت علیؑ کی طرف ہے کہ آپ نے (والنازعات غرقًا) کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: "اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی روحیں نہایت شدت کے ساتھ ان کے جسموں سے نکالیں گے جس طرح تیر انداز کمان کو آخری مرحلہ تک کھینچتا ہے"[2]

ایسے ہی معانی انہی جناب سے والناشطات، والسابحات اور فالمدبرات کی تفسیر میں نقل ہوئے ہیں[3]

البتہ اسی تفسیر کو زیادہ کلی اور زیادہ عمومی شکل میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ مومنین اور کفار کی روحوں کا قبض ہونا ممکن ہے کہ اس کا ایک مصداق ہو لیکن اس کے تمام مضامین کو صرف اسی عنوان میں محدود کر دینا مناسب نہیں جیسا کہ اس طرح کہا جائے کہ ان قسموں سے مراد تمام تر وہ فرشتے ہیں جو خدا کے تمام اوامر کا اجرا

---

[1] بعض نے چوتھا احتمال پیش کیا ہے۔ موجودات کی طبیعی ارادی اور صنعتی حرکتوں کی قسم مراد لیا ہے، مثلاً ایک نطفہ اپنی اصلی جگہ جو باپ کا صلب ہے وہاں سے اکھڑ کر رحم مادر میں داخل ہو کر قرار پاتا ہے تو اپنی رفتار کو آہستہ آہستہ جاری رکھتا ہے پھر تیز ہو جاتا ہے اور نطفے کے مواد حیاتی ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں اور آخر کار مکمل انسان بنا دیتے ہیں اور اس کی تدبیر کرتے ہیں، حرکات ارادی میں بھی انسان پہلے ارادہ کرتا ہے پھر آہستہ سے چل پڑتا ہے پھر تیز ہو جاتا ہے پھر کوشش کرتا ہے کہ وہ دوسروں سے سبقت حاصل کرے۔ آخر میں اپنے امور اجتماعی زندگی کی تدبیر کرتا ہے۔ اسی طرح صنعتی وسائل مثلاً ہوائی جہاز اپنی حرکت میں ان تمام مراحل کو طے کرتا ہے۔ (لیکن اس تفسیر کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے۔)

[2] نور الثقلین، جلد ۵ ص ۴۹۰ حدیث ۴۔

[3] نور الثقلین، جلد ۵ ص ۴۹۰ حدیث ۷، ۸، ۱۲۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرتے ہیں اور یہ اجرا پانچ مرحلوں میں تحقق پاتا ہے۔

پہلا مرحلہ پہل شدید حرکت اور دو ٹوک ارادہ اور فیصلہ اس کے بعد آہستہ آہستہ چل پڑنا پھر اس میں سرعت اور تیزی اور ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنا اور آخر میں امور کی تدبیر اور کاموں کو ترتیب دینا۔ لیکن بہرحال فرشتوں کا پروگرام کفار و مومنین کی ارواح کو قبض کرنے کے سلسلہ میں اس مفہوم کلی کا ایک مصداق ہے اور سورہ کے آئندہ مباحث کے لیے ایک تمہید شمار ہوتا ہے جو معاد کے بارے میں ہیں۔

دو سوالوں کا جواب

یہاں دو سوال باقی رہ جاتے ہیں۔ پہلا یہ کہ نازعات اور ناشطات جمع مؤنث ہیں تو کس مناسبت سے یہاں استعمال ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ پہلی قسم واؤ قسم کے ساتھ شروع ہوئی ہے لیکن چوتھی اور پانچویں قسم میں اس کی جگہ "ف" ہے جو عطف یا تفریع کے لیے آتی ہے۔

پہلے سوال کے جواب میں اس نکتہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے کہ نازعات نازعۃ کی جمع ہے جس کے معنی فرشتوں کے ایک طائفہ کے ہیں جو اس پروگرام کو انجام دیتا ہے۔ اسی طرح "ناشطات" اور باقی جمع کے صیغے اور چونکہ طائفہ ایک مؤنث لفظی ہے لہٰذا اس کی جمع اسی شکل میں آئی ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ سبقت لے جانا حرکتِ سریع کا نتیجہ ہے جو سابحات سے معلوم ہوتی ہے اور تدبیر امور بھی اسی مجموع حرکت کا نتیجہ ہے۔

آخری بات جو یہاں کہنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ یہ تمام قسمیں ایک مطلب کو بیان کرنے کے لیے ہیں جو صراحت کے ساتھ آیت میں بیان نہیں ہوا لیکن قرینۂ کلام سے بعد والی آیات سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ کہے "ان امور کی قسم تم سب آخرکار مبعوث و محشور ہو گے اور قیامت و معاد حق ہے"۔[1]

---

[1] تقدیر میں اس طرح ہے "لتبعثن یوم القیامۃ ولتحشرن ولتحاسبن"۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۶ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝

۷ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝

۸ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝

۹ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝

۱۰ يَقُولُونَ ءَاِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝

۱۱ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝

۱۲ قَالُوا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝

۱۳ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝

۱۴ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝

ترجمہ

۶ جس دن وحشتناک زلزلے ہر چیز کو لرزا دیں گے۔

۷ اور اس کے پیچھے دوسرا حادثہ (صیحہ عظیم) رونما ہوگا۔

۸ دل اس روز سخت مضطرب ہوں گے۔

۹ اور ان کی آنکھیں خوف کی شدت کی وجہ سے دھنسی ہوئی ہوں گی۔

۱۰ لیکن آج، وہ کہتے ہیں کیا ہم نئی زندگی کی طرف پلٹ جائیں گے؟

۱۱ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (ممکن ہے کہ ہم زندہ ہوں؟)

۱۲ وہ کہتے ہیں اگر قیامت ہے تو نقصان دہ بازگشت ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۳) لیکن یہ بازگشت صرف ایک عظیم صیحہ سے واقع ہو گی ۔

(۱۴) اچانک سب کے سب زمین پر ظاہر ہو جائیں گے ۔

تفسیر

معاد صرف ایک عظیم صیحہ سے رو نما ہو گا

بعد اس کے کہ قیامت کا وقوع گزشتہ آیات میں تاکیدی قسموں کے ساتھ ایک امر حتمی و یقینی کی صورت میں بیان ہوا، زیر بحث آیات میں اس عظیم دن کی بعض نشانیوں اور حوادث کی تشریح کرکے فرماتا ہے :

" یہ قبروں سے اٹھنا ایسے دن ہوگا جس میں وحشتناک زلزلے ہر چیز کو لرزہ براندام کر دیں گے :" (یوم ترجف الراجفة)۔ پھر دوسرا عظیم حادثہ رونما ہو گا (تتبعھا الرادفة)۔

" راجفہ " " رجف " (بروزن کشف) کے مادہ سے اضطراب اور شدید لرزے کے معنوں میں ہے اور چونکہ فتنہ انگیز خبریں معاشرہ کے اضطراب کا سبب ہوتی ہیں لہٰذا انہیں اراجیف کہتے ہیں۔

" رادفہ " " ردف " (بروزن حرف) کے مادہ سے ایسے شخص یا چیز کے معنوں میں ہے جو دوسری چیز یا شخص کے پیچھے ہو اسی لیے اس شخص کو جو مرکب پر دوسرے کے پیچھے بیٹھے اسے ردیف کہتے ہیں۔

بہت سے مفسرین کا نظریہ ہے کہ راجفہ سے مراد وہی پہلا صیحہ ہے یا پہلے صور کا پھونکا جانا ہے جو عالم کو فنا کرنے والا ناقوس ہے اور ایسا زلزلہ ہے جو دنیا کو فنا کرکے رکھ دے گا اور رادفہ دوسرا صیحہ یا دوسرے صور کا پھونکا جانا ہے جس سے قیامت کا برپا ہونا اور نئی زندگی کی طرف بازگشت متعلق ہے [1]

اس بنا پر آیت اس چیز کے مشابہ ہے جو سورہ زمر کی آیت ۶۸ میں آئی ہے۔ (و نفخ فی الصور فصعق من فی السماوات و من فی الارض الّا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذا ھم قیام ینظرون) صور پھونکا جائے گا اور وہ تمام لوگ جو زمین اور آسمانوں میں ہیں مدہوش ہو جائیں گے اور مر جائیں گے سوائے اس کے جسے خدا چاہے گا۔

اس کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا اچانک سب کھڑے ہو کر حساب کے انتظار میں ہوں گے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ راجفہ اس زلزلے کی طرف اشارہ ہے جو زمین کو لرزہ براندام کر دے گا اور رادفہ وہ زلزلہ ہے

---

[1] توجہ کرنی چاہیئے کہ رجف کا مادہ فعل متعدی کی شکل میں بھی آتا ہے اور فعل لازم کی شکل میں بھی۔ پہلی شکل میں راجفہ اس عظیم زلزلے کے معنی میں ہے جس میں زمین اور تمام موجودات لرزنے لگیں گے۔ دوسری صورت میں راجفہ خود زمین کے معنوں میں ہے جو لرزنے لگے گی۔ (غور کیجئے)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جو آسمانوں کو درہم برہم کر دے گا لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اس دن وہ دل سخت مضطرب ہوں گے" (قلوب یومئذ واجفة)۔ مجرموں، گنہگاروں اور سرکشی کرنے والوں کے دل شدید طور پر لرز رہے ہوں گے اور وہ حساب وکتاب اور جزا وسزا کے منتظر ہوں گے۔

"واجفہ"، "وجف" (بروزن حذف) کے مادہ سے اصل میں سرعت سیر کے معنی میں ہے اور "اوجف البعیر" اس مقام پر کہا جاتا ہے جہاں انسان اونٹ کو بہت تیز چلانے لگے اور چونکہ تیز چلنا اضطراب کا باعث ہے اس لیے یہ لفظ شدت اضطراب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

یہ اندرونی اضطراب اس قدر شدید ہوگا کہ اس کے آثار گنہگاروں کے سارے وجود میں ظاہر ہوں گے۔

اس لیے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے، "ان کی آنکھیں شدت خوف وہراس سے نیچے کی طرف جھکی ہوئی ہوں گی" (ابصارھا خاشعة)[1]

"اس دن آنکھیں دھنسی ہوئی ہوں گے اور حرکت نہیں کر سکیں گی اور خیرہ ہوں گی گویا وہ لوگ شدت خوف سے اپنی نگاہ گم کر دیں گے۔ اب گفتگو کو قیامت سے دنیا کی طرف لے آیا ہے اور فرماتا ہے:

"ان سب چیزوں کے باوجود وہ اس دنیا میں کہتے ہیں کیا ہم دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ آئیں گے" (یقولون ءانا لمردودون فی الحافرة)۔

"حافرہ" "حفر" کے مادہ سے زمین کے کھودنے کے معنی میں ہے اور جو اس کھودنے کا اثر باقی رہ جاتا ہے اسے حفر کہتے ہیں۔ گھوڑے کے سم کو حافر کہتے ہیں اس لیے کہ وہ زمین کو کھودتا ہے۔ اس کے بعد حافرہ کنایہ کے طور پر پہلی حالت میں استعمال ہوا ہے اس لیے کہ انسان جس راستے سے جاتا ہے زمین کو اپنے پاؤں سے کھودتا ہوا جاتا ہے اور اس طرح اس کے پاؤں کے نشان باقی رہ جاتے ہیں اور جب واپس لوٹتا ہے تو انہیں پہلے نشانات پر قدم رکھتا ہے اس لیے یہ لفظ پہلی حالت کے معنی میں آیا ہے[2]

بعد والی آیت ان کی باتوں کو نقل کرتے ہوئے کہتی ہے کیا جس وقت ہم بوسیدہ اور پراگندہ ہڈیوں کی شکل میں ہوگئے تو دوبارہ زندگی کی طرف لوٹیں گے" (ءاذا کنا عظاما نخرة)[3]

---

[1] ابصارھا کی ضمیر قلوب کی طرف لوٹتی ہے جو یہاں نفوس وارواح کے معنی میں ہیں اور یہ اضافت اس بنا پر ہے کہ انسانی حواس کے تاثرات سب اس کی روح اور جان سے متعلق ہیں اور اضطراب ووحشت کا منبع جو آنکھوں میں ہے وہی وحشت ہے جو روح پر سایہ فگن ہے۔

[2] توجہ کرنی چاہیئے کہ اسم فاعل یہاں اسم مفعول کے معنی میں ہے اور حافرہ محفورہ کے معنی میں ہے۔

[3] اس جملہ میں کچھ محذوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: (ءاذا کنا عظاما نخرة نرد احیاء یا ءانا لمبعوثون)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ وہی چیز ہے جس پر منکرین معاد و قیامت ہمیشہ انحصار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بات باور نہیں کی جا سکتی کہ ریزہ ریزہ ہو جانے والی بوسیدہ ہڈی دوبارہ بدن میں لباس حیات پہنے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ اس صورت حال اور ایک زندہ وجود کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ دیکھتے تھے۔ وہ گویا فراموش کر چکے تھے کہ ابتداء میں بھی اسی خاک سے پیدا ہوتے تھے۔

" نخرہ " صفت مشبہ ہے (نخر بروزن نخل) کے مادہ سے اور اسی طرح (بروزن شجر) اصل میں بوسیدہ اور کھوکھلے درخت کے معنوں میں ہے۔ جب ہَوا چلتی ہے تو وہ آواز دیتا ہے۔ وہ آواز جو ناک میں گردش کرتی ہے اُسے نخیر کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ لفظ ہر بوسیدہ اور ٹوٹے پھوٹے وجود کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔

منکرین معاد صرف اسی پر قناعت نہیں کرتے بلکہ معاد کا مذاق اڑاتے ہیں اور تمسخر کے انداز میں کہتے ہیں " اگر قیامت ہوتی ہے تو نقصان دہ بازگشت کا سبب ہے ہماری حالت اس روز سخت اور دردناک ہوگی "

(قالوا تلك اذاً كرة خاسرة)۔

دوسرا احتمال جو اس آیت کی تفسیر میں ہے وہ یہ ہے کہ یہ بات مذاق کے طور پر نہیں بلکہ سنجیدگی سے کہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر دوبارہ زندگی کی طرف واپس لوٹنا ہے تو ایک فضول اور بے ہودہ قسم کا لوٹنا ہے اور یہ نقصان دہ ہے۔ اگر زندگی اچھی چیز ہے تو کیا ہی بہتر ہو کہ خدا اس زندگی کو باقی رکھے اور اگر بُری ہے تو پھر بازگشت کس لیے ہے۔ (ء انا لمردودون فی الحافرة)

اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ " حافرہ " گڑھے کے معنوں میں ہے وہ بھی تفسیر کے لیے قرینہ بن سکتا ہے لیکن مفسرین کے درمیان جو مشہور ہے وہ پہلی تفسیر ہے۔

قابل توجہ یہ بات ہے کہ گزشتہ آیات میں " یقولون " کی تعبیر آئی ہے جو ان کی جانب سے اس بات کی تکرار اور استمرار کی نشانی ہے لیکن " قالوا " (انہوں نے کہا) کی تعبیر زیر بحث آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ اس بات کی وہ ہمیشہ تکرار نہیں کرتے تھے۔ یہ بات ان سے کبھی کبھار سرزد ہوتی تھی اور یہ نکتہ ہے اس تعبیر کے مختلف ہونے کا۔

ان آیات کے آخر میں ایک مرتبہ پھر قیام قیامت اور حشر کے برپا ہونے کے مسئلہ کی طرف رُخ کرتے ہوئے دو ٹوک اور سرکوبی کرنے والے انداز میں فرماتا ہے :

" یہ بازگشت صرف ایک مہیب اور عظیم فریاد سے واقع ہوگی " (فانما ھی زجرة واحدة)۔ اچانک سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے (فاذا ھم بالساھرة)۔ یہ کام پیچیدہ اور مشکل نہیں ہے جب بھی بحکم خدا دوسرا نفخہ پھونکا جائے گا اور زندگی کی اذان دی جائے گی تو تمام مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں ایک ہی مرتبہ جمع ہو جائیں گی اور ان میں جان پڑ جائے گی اور سب قبروں سے نکل کر باہر آ جائیں گے۔

" زجرة " اصل میں اس فریاد اور بلند آواز کے معنی میں ہے جو کسی کے ہانکنے کے لیے نکالی جاتی ہے اور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہاں دوسرے نفخہ کے معنوں میں ہے۔

"زجرة واحدة" کی تعبیر کا انتخاب ان دونوں الفاظ کے مفہوم کی طرف توجہ کرتے ہوئے قیامت کے تیزی سے اور ناگہانی طور پر برپا ہونے اور خدا کی قدرت کے سامنے اس کے نہایت آسان ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ قیامت کے فرشتے یا صور اسرافیل کی ایک تحکمانہ آواز مُردوں کے بدن کو زندگی کا لباس پہنائے گی اور وہ عرصۂ حشر میں حساب کتاب کے لیے حاضر ہو جائیں گے۔

"ساھرة" "سھر" (بروزن سحر) کے مادہ سے شب بیداری کے معنوں میں ہے اور چونکہ وحشت ناک حوادث رات کی نیند اڑا دیتے ہیں، پھر قیامت کی زمین نہایت وحشت انگیز ہے اس لیے عرصۂ حشر کے لیے لفظ "ساھرہ" صرف کیا گیا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ "ساھرہ" ہر بیابان کو کہتے ہیں چونکہ اصولی طور پر تمام بیابان وحشت ناک ہوتے ہیں گویا وحشت کی بنا پر رات کی نیند اڑا دیتے ہیں[1]

---

[1] لسان العرب مادہ سھر اور مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۲۹، تفسیر قرطبی، جلد ۱۰ ص ۶۹۹۔

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۵) هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰىۘ

(۱۶) اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًىۚ

(۱۷) اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰىۖ

(۱۸) فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰىۙ

(۱۹) وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰىۚ

(۲۰) فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰىۖ

(۲۱) فَكَذَّبَ وَعَصٰىۖ

(۲۲) ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰىۖ

(۲۳) فَحَشَرَ فَنَادٰىۖ

(۲۴) فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰىۖ

(۲۵) فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰىؕ

(۲۶) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰىؕ

ترجمہ

(۱۵) کیا تجھ تک موسٰی کی داستان پہنچی ہے؟

(۱۶) جس وقت اس کے پروردگار نے سرزمین مقدس طوی میں اُسے کو پکارا اور کہا۔

(۱۷) فرعون کی طرف جا کہ وہ سرکش و طاغی ہو گیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔ فرعون کو دعوتِ فکر دینے کے لیے نہایت نرم اور خیر خواہانہ تعبیر کے ساتھ حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے:
"اس سے کہہ کیا تو میل اور رغبت رکھتا ہے کہ تُو پاک و پاکیزہ ہو جائے (مطلق پاکیزگی جو شرک و کفر سے پاکیزگی بھی ہے اور ظلم و فساد کی ناپاکی سے بھی) اس تعبیر کے مشابہ جو سورہ طٰہٰ کی آیت ۴۴ میں آئی ہے (فقولا له قولاً لينا) "اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرو۔"

۳۔ یہ تعبیر اس حقیقت کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ انبیاء کی رسالت کا مقصد انسانوں کا پاک کرنا ہے اور ان کی طرف پہلی فطری طہارت کو لوٹانا ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ میں تجھے پاک کروں بلکہ کہتا ہے کہ تُو پاکیزگی کو قبول کرے یہ جملہ بتاتا ہے کہ پاک ہونا اپنی خواہش کے نتیجے میں ہو نہ یہ کہ باہر سے اس پر یہ بات لادی جائے۔

۴۔ پاک ہونے کے بعد ہدایت کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے خود کو پاک و صاف کیا جائے پھر کوئے دوست میں قدم رکھا جائے۔

۵۔ ربک (تیرا پروردگار) کی تعبیر حقیقت میں اس نکتہ کی تاکید ہے کہ میں تجھے ایسی ذات کی طرف لے جاؤں گا جو تیرا مالک، مربی اور پرورش کرنے والا ہے تو پھر کیوں راہِ سعادت سے گریز کرتا ہے۔

۶۔ خدا ترسی خدا کی طرف سے ہدایت کا نتیجہ ہے۔ جی ہاں شجرِ توحید و ہدایت کا ثمر یہی ہے کہ انسان جان لے کہ اسے خدا کے سامنے حاضر ہو کر جوابدہ ہونا ہے اس لیے کہ خوفِ خدا بھی معرفتِ خدا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اسی لیے تو سورہ فاطر کی آیت ۲۸ میں ہم پڑھتے ہیں (انما یخشی الله من عباده العلماء) صرف علماء اور صاحبانِ معرفت ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔

۷۔ حضرت موسیٰ سب سے پہلے اس کی شفقت آمیز ہدایت کی طرف جاتے ہیں اس کے بعد عقلی و منطقی ہدایت کرتے ہیں بذریعہ آیتِ کبریٰ یعنی بہت بڑا معجزہ دکھا کر اور یہ مؤثر ترین راہِ تبلیغ ہے۔ پہلے خیر خواہی اور محبت کے انداز سے مقابل کو متاثر کرے اور پھر استدلال و حجت کے ساتھ اسے قائل کرے۔

اب دیکھیں کہ فرعون نے اس لطف و محبت اور اس منطق و بیانِ زیبا اور آیتِ کبریٰ کے دکھانے کے مقابلہ میں کیا رویہ اختیار کیا۔ یہ سرکش خیرہ سر مرکبِ غرور سے بالکل نیچے نہیں اترا۔ اور جیسا کہ بعد والی آیت میں آیا ہے اس نے موسیٰ کی دعوتِ فکر کی تکذیب کی اور پروردگار کی نافرمانی کی (فکذب وعصیٰ)۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ تکذیب عصیان و نافرمانی کی تمہید ہوتی ہے جس طرح تصدیق ایمان و اطاعت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس پر بھی قناعت نہیں کی اور موسیٰ کی دعوتِ فکر کے مقابلہ میں وہ صرف الگ ہی نہیں رہا بلکہ اس نے پشت پھیری اور بلاتامل موسیٰ سے لڑنے اور ان کے دین کو برباد کرنے کی کوشش کرنے لگا (ثم ادبر یسعی) [1]

۱۔ ثم کی تعبیر عام طور پر دو حادثوں کے درمیان فاصلہ کے لیے آتی ہے ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ فرعون نے ایک مدت کا فاصلہ دیا ہو تاکہ اس کے موسیٰ سے مبارزہ کرنے کا نقشہ مکمل طور پر منضبط اور تیار ہو جائے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور چونکہ موسیٰ کا معجزہ اس کی ساری سرکشی کی طاقت کو خطرہ میں ڈالتا تھا اس لیے اس نے اپنے مامورین ہر شہر میں بھیجے تاکہ وہ جادوگروں کو جمع کریں اور لوگوں میں منادی کریں کہ وہ موسیٰ اور جادوگروں کا مقابلہ دیکھیں (فحشر فنادٰی)۔

اگرچہ قرآن نے یہاں لفظ حشر کو مطلق بیان کیا ہے لیکن سورہ اعراف کی آیت ۱۱۱، ۱۱۲ (وارسل فی المدائن حاشرین یأتوک بکل ساحر علیم) کے قرینہ سے اور نادٰی کی تعبیر سے جو اگرچہ مطلق ہے ظاہراً فرعون کے لوگوں کو جمع کرنے اور اس مقابلے کے منظر کو دیکھنے کی دعوت دینے کی طرف اشارہ ہے اور سورہ شعراء کی آیت ۳۹ (وقیل للناس هل انتم مجتمعون) "اور لوگوں سے کہا گیا تم جمع ہو گے" کے قرینے سے بھی۔

پھر بھی ان سازشوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بدترین تعبیروں کے ساتھ عظیم ترین دعویٰ کرتے ہوئے کہا: میں تمہارا بہت بڑا پروردگار ہوں (فقال انا ربکم الاعلٰی)۔

واقعی عجیب سی بات ہے کہ یہ خیرہ سر طاغی و سرکش جب مرکب غرور و تکبر و خود پرستی پر سوار ہوتے ہیں تو پھر کسی مقام پر رُکنے کا نام نہیں لیتے حتیٰ کہ دعویٰ خدائی پر بھی قناعت نہیں کرتے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ خداؤں کے خدا ہو جائیں۔

یہ بات ضمنی طور پر اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم بتوں کی پوجا کرتے ہو تو وہ اپنی جگہ پر محترم سہی لیکن میں افضل ترین ہوں اور تمہارا معبود ہوں۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ فرعون سورہ اعراف کی آیت ۱۲۷ کی شہادت سے (اتذر موسٰی و قومه لیفسدوا فی الارض ویذرک و اٰلھتک) کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو اجازت دیتا ہے کہ وہ زمین میں فساد کریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں۔

فرعون جو ایک بت پرست تھا لیکن یہاں دعویٰ کرتا ہے میں تمہارا بہت بڑا پروردگار ہوں یعنی وہ اپنے آپ کو اپنے معبود سے بھی بالاتر خیال کرتا ہے۔ یہ ہیں سرکشوں کی بیہودہ گوئیاں۔

اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک جگہ صرف الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے (ما علمت لکم من الٰه غیری)۔ میں اپنے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا۔ (قصص / ۳۸)۔

لیکن زیر بحث آیت میں ایک قدم اور آگے بڑھاتا ہے اور ربوبیت کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے میں تمہارا پروردگار ہوں۔ یہ سب ہے لائحہ عمل ان ہلکے دماغ والے مغروروں کا۔

بہرحال فرعون نے اپنی سرکشی کو آخری مرحلہ تک پہنچایا اور بہت زیادہ دردناک عذاب کا مستحق ہوا۔ فرمانِ الٰہی آن پہنچا اور وہ اور اس کی ظلم و فساد کی قوت درہم و برہم ہو گئی۔ اسی لیے بعد والی آیت میں فرماتا ہے:

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خدا نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب میں گرفتار کیا (فاخذہ اللہ نکال الاٰخرۃ والاولیٰ) [1]

" نکال " (بروزن ضلال) کے معنی اصل میں ضعف و ناتوانی اور عجز کے ہیں۔ اسی لیے اس شخص کے بارے میں جو رقم کی ادائیگی کا حکم نہ دے، کہتے ہیں کہ اس نے نکول کیا۔ " نکل " (بروزن فکر) اس بھاری زنجیر کو کہتے ہیں جو انسان کو کمزور کر دے اور چلنے سے روک دے۔ چونکہ عذاب الٰہی بھی ناتوانی کا باعث ہے اور دوسرے افراد کو ارتکاب گناہ سے روکتا ہے اسی لیے اسے " نکال " کہا گیا ہے۔

" نکال الاٰخرۃ " کی تعبیر سے قیامت کے اس عذاب کی طرف اشارہ ہے جو فرعون اور اس جیسے لوگوں پر نازل ہوگا اور چونکہ وہ اہم ترین ہے لہٰذا اُسے مقدم سمجھا گیا ہے۔ اولیٰ سے مراد دنیاوی عذاب ہے جو فرعون پر نازل ہوا اور اس نے فرعون کے سب یار و انصار کو دریائے نیل میں غرق کر دیا۔

یہاں اس آیت کی ایک اور تفسیر بھی بیان ہوئی ہے اور وہ یہ کہ الاولیٰ سے مراد وہ پہلا کلمہ اور لفظ ہے جو فرعون نے اپنی سرکشی کے راستے میں کہا اور الوہیت کا دعویٰ کیا۔ (قصص/۳۸) اور " الاٰخرۃ " آخری کلمہ اور لفظ کی طرف اشارہ ہے جو اس نے کہا اور ربوبیت اعلیٰ کا دعویٰ کیا۔ خدا نے اسے ان دونوں کفر آمیز دعووں کی سزا اس دنیا میں دی۔

یہ معنی ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہیں۔ امام نے مزید فرمایا ہے کہ ان دونوں جملوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا اور خدا نے انتہائی اتمام حجت کے لیے اس مدت میں اس پر عذاب نازل نہیں کیا۔ یہ تفسیر اخذ کے لفظ کے ساتھ، جو فعل ماضی ہے اور بتاتا ہے کہ یہ سزا مکمل طور پر دنیا میں واقع ہوئی اور اس کے بعد کی آیت جو اس واقعہ کو درس عبرت شمار کرتی ہے زیادہ موافق ہے۔

انجام کار آخری زیر بحث آیت میں اس واقعہ کی تکمیل سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

" اس موسیٰ اور فرعون کی داستان اور اس کے انجام کو پہنچنے میں، ان کے لیے جو خدا سے ڈرتے ہیں ایک عظیم درس عبرت ہے۔ (ان فی ذالک لعبرۃ لمن یخشیٰ) "۔

یہ آیت اچھی طرح بتاتی ہے کہ اس قسم کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو خوف خدا اور احساس ذمہ داری کو دل میں جگہ دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں عبرت حاصل کرنے والی نظر رکھتے ہیں اور اچھائی اور برائی سے درس عبرت لینا جن کا اصول ہے۔

---

[1] نکال منصوب ہے " بنزع الخافض " اور تقدیر میں " فاخذہ اللہ بنکال الاٰخرۃ " تھا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اخذ کا مفعول مطلق ہو جو " نکّل " کے معنی میں ہے (باب تفعیل کا فعل ماضی ہے) اور معنی کے لحاظ سے " نکّل اللہ بہ نکال الاٰخرۃ " ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۵) هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰىۘ

(۱۶) اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًىۚ

(۱۷) اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰىۖ

(۱۸) فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰىۙ

(۱۹) وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰىۚ

(۲۰) فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰىۖ

(۲۱) فَكَذَّبَ وَعَصٰىۖ

(۲۲) ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰىۖ

(۲۳) فَحَشَرَ فَنَادٰىۖ

(۲۴) فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰىۖ

(۲۵) فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰىۙ

(۲۶) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰىۚ

ترجمہ

(۱۵) کیا تجھ تک موسٰی کی داستان پہنچی ہے؟

(۱۶) جس وقت اس کے پروردگار نے سرزمین مقدس طویٰ میں اس کو پکارا اور کہا۔

(۱۷) فرعون کی طرف جا کہ وہ سرکش و طاغی ہو گیا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۸) اور اس سے کہہ کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے۔

(۱۹) اور میں تجھے تیرے پروردگار کی طرف ہدایت کروں تاکہ تو اس سے ڈرے۔

(۲۰) اس کے بعد موسٰی نے اسے عظیم معجزہ دکھایا۔

(۲۱) لیکن اس نے تکذیب اور نافرمانی کی۔

(۲۲) پھر پشت پھیری اور اس نے (دینِ موسٰی کے مٹانے کی) مسلسل کوشش کی۔

(۲۳) اور جادوگروں کو جمع کیا اور لوگوں کو دعوت دی۔

(۲۴) اور کہا میں تمہارا بہت بڑا پروردگار ہوں۔

(۲۵) اس لیے خدا نے اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کیا۔

(۲۶) اس میں عبرت اُن لوگوں کے لیے ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر

فرعون کہتا تھا کہ میں تمہارا بہت بڑا خدا ہوں

نسبتاً تفصیلی بیانات کے بعد جو گزشتہ آیات میں مسئلہ معاد اور مشرکین کے انکار و مخالفت کے بارے میں آئے تھے زیرِ بحث آیات میں تاریخ کے ایک بہت بڑے سرکش یعنی فرعون اور اس کی دردناک سرنوشت کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ مشرکین عرب بھی جان لیں کہ ان سے زیادہ طاقتور افراد بھی خدا کے غضب اور عذاب کے مقابلہ میں تابِ مقاومت نہ لا سکے' اور وہ مومنین کو بھی جوش دلائے کہ وہ دشمن کی ظاہری طاقت کی برتری سے دل میں خائف نہ ہوں اس لیے کہ ان کو درہم برہم کرنا اور ان کی سرکوبی کرنا خدا کے لیے بہت ہی آسان ہے۔ پہلے یہاں سے شروع کرتا ہے:

"کیا تجھ تک موسٰی کی داستان پہنچی ہے؟ (هل اتاك حديث موسى)۔ قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ روئے سخن پیغمبرؐ کی طرف کرتے ہوئے مقصدِ کلام کو استفہام کے ساتھ شروع کرتا ہے تاکہ سننے والے کے شوق کو بیدار کرے اور وہ اس عبرتناک داستان کو سننے کے لیے آمادہ ہو۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے:

"جس وقت اس کے پروردگار نے اسے سرزمینِ مقدس طویٰ میں پکارا۔ (اذ ناداہ ربه

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بالواد المقدس طوی) [1]

"طوی" ہوسکتا ہے کہ مقدس سرزمین کا نام ہو جو شام میں مدین و مصر کے درمیان واقع تھی اور وحی کا پہلا شعلہ اسی بیابان میں موسیٰؑ کے دل پر نازل ہوا۔ یہی تعبیر سورہ طٰہٰ میں بھی آئی ہے جہاں موسیٰؑ ایک ندا سنتے ہیں جو کہتی ہے: (انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی) "میں تیرا پروردگار ہوں اپنے جوتے اتار دے کہ تو وادی مقدس طویٰ میں ہے" (طٰہٰ/۱۲)۔

یا طویٰ طی کے مادہ سے ہے اور وصفی معنی رکھتی ہے جو لپیٹنے کے معنی میں ہے تو گویا وہ زمین پاکیزگی و برکت میں لپٹی ہوئی ہے، یا راغب کے بقول ضروری تھا کہ حضرت موسیٰؑ ایک طولانی راستہ طے کریں یہاں تک کہ وحی کے لیے آمادہ ہوں لیکن خدا نے اس راستے کو ان کے لیے لپیٹ دیا تھا اور اس کو مقصد کے قریب کر دیا تھا۔

اس کے بعد وہ پیغام جو خدا نے موسیٰؑ کو اس سرزمین مقدس میں دیا تھا اس کی طرف دو مختصر اور پُرمعنی جملوں میں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"فرعون کی طرف جا کر اس نے سرکشی کی ہے" (اذهب الیٰ فرعون انه طغیٰ)۔ "اور اس سے کہہ کیا تو چاہتا ہے کہ پاک و پاکیزہ ہو جائے" (فقل هل لك الیٰ ان تزکیٰ)۔ "اور پاک ہونے اور محبوب کی ملاقات کے قابل ہونے کے بعد میں اپنے پروردگار کی طرف تجھے ہدایت کروں تاکہ تو اس سے ڈرے اور غلط دعویٰ سے الگ ہو جائے"۔ (واهدیك الیٰ ربك فتخشیٰ)۔

چونکہ ضروری ہے کہ ہر دعوت فکر و دلیل کے ہمراہ لائے اس لیے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: "موسیٰ نے اس گفتگو کے بعد اس کو عظیم معجزہ دکھایا"۔ (فاراه الاٰیة الکبریٰ) [2]

یہ معجزہ چاہے عصا کا عظیم اژدہے میں تبدیل ہونا ہو یا ید بیضا ہو یا دونوں ہوں (اس بنا پر الف لام (الاٰیة الکبریٰ) میں جنس کی طرف اشارہ ہو) جو کچھ جو بھی تھا موسیٰؑ کے عظیم معجزات میں سے تھا کہ جس پر آغاز تبلیغ میں انحصار کیا ہے۔ ان چار آیات میں جاذب نظر نکات یہ ہیں جن کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔

۱۔ فرعون کی طرف جانے کی علت فرعون کی سرکشی ہے اور یہ چیز بتاتی ہے کہ انبیاء کے مبعوث ہونے کا ایک عظیم مقصد سرکشی کرنے والوں کی ہدایت یا ان کے ساتھ دو ٹوک مبارزہ تھا۔

---

[1] بہت سے مفسرین نے اذ کو حدیث کے لیے ظرف زمان سمجھا ہے۔ البتہ یہ اس صورت میں صحیح ہے کہ جب حدیث خود حادثہ کے معنی میں ہو نہ کہ حادثہ کی حکایت کے معنی میں۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اذ فعل محذوف کے لیے ظرف ہو اور تقدیر میں (اذکر اذ ناداه ....) ہو۔ (غور کیجئے)۔

[2] مسلم ہے کہ اس وادی مقدس میں اس خطاب الٰہی اور اس عظیم معجزے کے دکھانے کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ تھا قرآن نے اختصار کے پیش نظر دوسرے مطالب یہاں حذف کر دیئے ہیں اور وہ سب تقدیر میں ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔ فرعون کو دعوتِ فکر دینے کے لیے نہایت نرم اور خیر خواہانہ تعبیر کے ساتھ حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے:
"اس سے کہہ کیا تو میل اور رغبت رکھتا ہے کہ تو پاک و پاکیزہ ہو جائے (مطلق پاکیزگی جو شرک و کفر سے پاکیزگی بھی ہے اور ظلم و فساد کی ناپاکی سے بھی) اس تعبیر کے مشابہ جو سورہ طٰہٰ کی آیت ۴۴ میں آئی ہے (فقولا لہ قولًا لینًا) "اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرو"۔

۳۔ یہ تعبیر اس حقیقت کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ انبیاء کی رسالت کا مقصد انسانوں کا پاک کرنا ہے اور ان کی طرف پہلی فطری طہارت کو لوٹانا ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ میں تجھے پاک کردوں بلکہ کہتا ہے کہ تو پاکیزگی کو قبول کرے۔ یہ جملہ بتاتا ہے کہ پاک ہونا اپنی خواہش کے نتیجے میں ہو، نہ یہ کہ باہر سے اس پر یہ بات لادی جائے۔

۴۔ پاک ہونے کے بعد ہدایت کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے خود کو پاک و صاف کیا جائے پھر کوئے دوست میں قدم رکھا جائے۔

۵۔ ربک (تیرا پروردگار) کی تعبیر حقیقت میں اس نکتہ کی تاکید ہے کہ میں تجھے ایسی ذات کی طرف لے جاؤں گا جو تیرا مالک، مربی اور پرورش کرنے والا ہے تو پھر کیوں راہِ سعادت سے گریز کرتا ہے۔

۶۔ خدا ترسی خدا کی طرف سے ہدایت کا نتیجہ ہے۔ جی ہاں شجرِ توحید و ہدایت کا ثمر یہی ہے کہ انسان جان لے کہ اسے خدا کے سامنے حاضر ہو کر جوابدہ ہونا ہے، اس لیے کہ خوفِ خدا بھی معرفتِ خدا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اسی لیے تو سورہ فاطر کی آیت ۲۸ میں ہم پڑھتے ہیں (انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء) صرف علماء اور صاحبانِ معرفت ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔

۷۔ حضرت موسیٰ سب سے پہلے اس کی شفقت آمیز ہدایت کی طرف جاتے ہیں، اس کے بعد عقلی و منطقی ہدایت کرتے ہیں، بذریعہ آیت کبریٰ یعنی بہت بڑا معجزہ دکھا کر اور یہ موثر ترین راہِ تبلیغ ہے۔ پہلے خیر خواہی اور محبت کے انداز سے مقابل کو متاثر کرے اور پھر استدلال و حجت کے ساتھ اسے قائل کرے۔

اب دیکھیں کہ فرعون نے اس لطف و محبت اور اس منطق و بیانِ زیبا اور آیتِ کبریٰ کے دکھانے کے مقابلہ میں کیا رویہ اختیار کیا۔ یہ سرکش خیرہ سر مرکبِ غرور سے بالکل نیچے نہیں اترا۔ اور جیسا کہ بعد والی آیت میں آیا ہے اس نے موسیٰ کی دعوتِ فکر کی تکذیب کی اور پروردگار کی نافرمانی کی (فکذب وعصٰی)۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ تکذیب عصیان و نافرمانی کی تمہید ہوتی ہے جس طرح تصدیق ایمان و اطاعت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس پر بھی قناعت نہیں کی اور موسیٰ کی دعوتِ فکر کے مقابلہ میں وہ صرف الگ ہی نہیں رہا بلکہ اس نے پشت پھیری اور بلا تامل موسیٰ سے لڑنے اور ان کے دین کو برباد کرنے کی کوشش کرنے لگا (ثم ادبر یسعٰی)[1]

---

[1] ثم کی تعبیر جو عام طور پر دو حادثوں کے درمیان فاصلہ کے لیے آتی ہے ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ فرعون نے ایک مدت کا فاصلہ دیا ہو تاکہ اس کے موسیٰ سے مبارزہ کرنے کا نقشہ مکمل طور پر منضبط اور تیار ہو جائے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور چونکہ موسٰیؑ کا معجزہ اس کی ساری سرکشی کی طاقت کو خطرہ میں ڈالتا تھا اس لیے اس نے اپنے مامورین ہر شہر میں بھیجے تاکہ وہ جادوگروں کو جمع کریں اور لوگوں میں منادی کریں کہ وہ موسٰی اور جادوگروں کا مقابلہ دیکھیں (فحشر فنادٰی)۔

اگرچہ قرآن نے یہاں لفظ حشر کو مطلق بیان کیا ہے لیکن سورہ اعراف کی آیت ۱۱۱، ۱۱۲ (وارسل فی المدائن حاشرین یأتوک بکل ساحر علیم) کے قرینہ سے اور نادٰی کی تعبیر سے جو اگرچہ مطلق ہے ظاہراً فرعون کے لوگوں کو جمع کرنے اور اس مقابلے کے منظر کو دیکھنے کی دعوت دینے کی طرف اشارہ ہے اور سورہ شعراء کی آیت ۳۹ (وقیل للناس هل انتم مجتمعون) "اور لوگوں سے کہا گیا تم جمع ہو گئے" کے قرینے سے بھی۔

پھر بھی ان سازشوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بدترین تعبیروں کے ساتھ عظیم ترین دعویٰ کرتے ہوئے کہا: میں تمہارا بہت بڑا پروردگار ہوں (فقال انا ربکم الاعلٰی)۔

واقعی عجیب سی بات ہے کہ یہ خیرہ سر طاغی و سرکش جب مرکب غرور و تکبر و خود پرستی پر سوار ہوتے ہیں تو پھر کسی مقام پر رُکنے کا نام نہیں لیتے حتٰی کہ دعویٰ خدائی پر بھی قناعت نہیں کرتے بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ خداؤں کے خدا ہو جائیں۔

یہ بات ضمنی طور پر اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم بتوں کی پوجا کرتے ہو تو وہ اپنی جگہ پر محترم سہی لیکن میں افضل ترین ہوں اور تمہارا معبود ہوں۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ فرعون سورہ اعراف کی آیت ۱۲۷ کی شہادت سے (اتذر موسٰی و قومه لیفسدوا فی الارض ویذرک و اٰلهتک) کیا تُو موسٰیؑ اور اس کی قوم کو اجازت دیتا ہے کہ وہ زمین میں فساد کریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں۔

فرعون جو ایک بت پرست تھا لیکن یہاں دعویٰ کرتا ہے میں تمہارا بہت بڑا پروردگار ہوں یعنی وہ اپنے آپ کو اپنے معبود سے بھی بالاتر خیال کرتا ہے۔ یہ ہیں سرکشوں کی بیہودہ گوئیاں۔

اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک جگہ صرف الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے (ما علمت لکم من اله غیری)۔ میں اپنے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا۔ (قصص/۳۸)۔

لیکن زیر بحث آیت میں ایک قدم اور آگے بڑھاتا ہے اور ربوبیت کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے میں تمہارا پروردگار ہوں۔ یہ ہے لائحہ عمل ان ہلکے دماغ والے مغروروں کا۔

بہرحال فرعون نے اپنی سرکشی کو آخری مرحلہ تک پہنچایا اور بہت زیادہ دردناک عذاب کا مستحق ہوا۔ فرمانِ الٰہی آن پہنچا اور وہ اور اس کی ظلم و فساد کی قوت درہم برہم ہو گئی۔ اسی لیے بعد والی آیت میں فرماتا ہے:

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خدا نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب میں گرفتار کیا (فاخذه الله نكال الاخرة والاولى)[1]

"نکال" (بروزن ضلال) کے معنی اصل میں ضعف و ناتوانی اور عجز کے ہیں۔ اسی لیے اس شخص کے بارے میں جو رقم کی ادائیگی کا حکم نہ دے، کہتے ہیں کہ اس نے نکول کیا۔ "نکل" (بروزن فکر) اس بھاری زنجیر کو کہتے ہیں جو انسان کو کمزور کر دے اور چلنے سے روک دے۔ چونکہ عذاب الٰہی بھی ناتوانی کا باعث ہے اور دوسرے افراد کو ارتکاب گناہ سے روکتا ہے اسی لیے اسے "نکال" کہا گیا ہے۔

"نکال الآخرة" کی تعبیر سے قیامت کے اس عذاب کی طرف اشارہ ہے جو فرعون اور اس کے پیروکاروں پر نازل ہوگا اور چونکہ وہ اہم ترین ہے لہٰذا اُسے مقدم سمجھا گیا ہے۔ اولیٰ سے مراد دنیاوی عذاب ہے جو فرعون پر نازل ہوا اور اس نے فرعون کے سب یار و انصار کو دریائے نیل میں غرق کر دیا۔

یہاں اس آیت کی ایک اور تفسیر بھی بیان ہوئی ہے اور وہ یہ کہ الاولیٰ سے مراد وہ پہلا کلمہ اور لفظ ہے جو فرعون نے اپنی سرکشی کے راستے میں کہا اور الوہیت کا دعویٰ کیا۔ (قصص / ۳۸) اور "الآخرة" آخری کلمہ اور لفظ کی طرف اشارہ ہے جو اس نے کہا اور ربوبیت اعلیٰ کا دعویٰ کیا۔ خدا نے اسے ان دونوں کفر آمیز دعووں کی سزا اس دنیا میں دی۔

یہ معنی ایک حدیث میں امام محمد باقرؑ سے منقول ہیں۔ امامؑ نے مزید فرمایا ہے کہ ان دونوں جملوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا اور خدا نے انتہائی اتمام حجت کے لیے اس مدت میں اس پر عذاب نازل نہیں کیا۔ یہ تفسیر اخذ کے لفظ کے ساتھ، جو فعل ماضی ہے اور بتاتا ہے کہ یہ سزا مکمل طور پر دنیا میں واقع ہوئی اور اس کے بعد کی آیت جو اس واقعہ کو درس عبرت شمار کرتی ہے زیادہ موافق ہے۔

انجام کار آخری زیر بحث آیت میں اس واقعہ کی تکمیل سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"اس موسیٰ اور فرعون کی داستان اور اس کے انجام کو پہنچنے میں، ان کے لیے جو خدا سے ڈرتے ہیں ایک عظیم درس عبرت ہے۔ (ان فی ذالک لعبرة لمن یخشٰی)۔

یہ آیت اچھی طرح بتاتی ہے کہ اس قسم کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو خوف خدا اور احساس ذمہ داری کو دل میں جگہ دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں عبرت حاصل کرنے والی نظر رکھتے ہیں اور اچھائی اور برائی سے درس عبرت لینا جن کا اصول ہے۔

---

[1] نکال منصوب ہے "بنزع الخافض" اور تقدیر میں "فاخذه الله بنكال الآخرة" تھا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اخذ کا مفعول مطلق ہو جو "نکّل" کے معنی میں ہے (باب تفعیل کا فعل ماضی ہے) اور معنی کے لحاظ سے "نکّل الله به نكال الآخرة" ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جی ہاں! یہ حق فرعون جیسے سرکش کی سرنوشت تاکہ روسائے مشرکین عرب میں جو فرعون تھے اور وہ دوسرے لوگ جو ہر زمانے میں فرعون کا راستہ اختیار کرنے والے ہیں اپنا حساب و کتاب دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ یہ تاریخ کا قطعی فرمان اور خدا کی نہ بدلنے والی سنت ہے۔

ایک نکتہ

قرآن کی فصاحت کا ایک گوشہ

مندرجہ بالا آیات میں غور و فکر کرنے سے قرآن کی انتہائی فصاحت و بلاغت نظر آتی ہے۔ ان چند مختصر سطروں میں موسیٰ و فرعون کے تمام واقعہ کا خلاصہ، محرکِ رسالت، مقصدِ رسالت، تزکیہ کا وسیلہ، دعوتِ فکر کی کیفیت، ردعمل کی کیفیت، فرعون کی سازش کی کیفیت، اس کے فضول اور بے بنیاد دعووں کا نمونہ اور آخرکار اس مستِ بادۂ غرور کو ملنے والی دردناک سزا اور آخر میں درسِ عبرت جس کا فائدہ تمام بیدار مغز انسانوں کو پہنچا ہے، یہ سب موجود ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۲۷) ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ۟

(۲۸) رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۟ۙ

(۲۹) وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۟

(۳۰) وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۟ؕ

(۳۱) اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۟

(۳۲) وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۟ۙ

(۳۳) مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۟ؕ

ترجمہ

(۲۷) کیا موت کے بعد تمہاری تخلیق مشکل ہے یا آسمان کی تخلیق جس کی خدا نے بنیاد رکھی؟

(۲۸) اس کی چھت کو بلند کیا اور اسے منظم کیا۔

(۲۹) اور اس کی رات کو تاریک اور دن کو آشکار کیا۔

(۳۰) اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔

(۳۱) اس میں سے اس کا پانی نکالا اور اس کی چراگاہ کو تیار کیا۔

(۳۲) اور پہاڑوں کو ثابت و محکم کیا۔

(۳۳) یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے لیے ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمانوں کی؟ (معاد پر ایک دوسری دلیل)

حضرت موسیٰ اور فرعون کی سرگزشت تمام سرکشوں اور تکذیب کرنے والوں کے لیے ایک درس عبرت کے طور پر پیش کرنے کے بعد دوبارہ معاد اور قیامت کے مسئلہ کی طرف لوٹتا ہے اور عالم ہستی میں اپنی غیر متناہی قدرت کے نمونے امکانِ معاد کے لیے ایک دلیل کے طور پر بیان کرتا ہے اور انسانوں کو جو لا محدود نعمتیں اس نے دی ہیں ان کے کچھ حصوں کی تشریح کرتا ہے تاکہ شکر گزاری کے اس احساس کو جو خدا کی معرفت کا سرچشمہ ہے انسانوں کے دل میں بیدار کرے۔

پہلے منکرین معاد کو مخاطب کرتے ہوئے ایک ایسے استفہام کے طور پر جو تنبیہ کا پہلو لیے ہوئے ہے فرماتا ہے:

"کیا تمہاری تخلیق (موت کے بعد زندگی کی طرف بازگشت) زیادہ مشکل ہے یا اُس باعظمت آسمان کی تخلیق جس کی خدا نے بنیاد رکھی ہے؟" (ءانتم اشد خلقا ام السماء بناھا)[1]

یہ گفتگو حقیقت میں ان لوگوں کی بات کا جواب ہے جو گزشتہ آیات میں گزر چکی ہے۔ وہ کہتے تھے: (ءانا لمردودون فی الحافرۃ) "کیا ہم پہلی حالت کی طرف پلٹ جائیں گے؟"

یہ آیت کہتی ہے کہ ہر انسان ادراک و شعور کے کسی مرحلہ میں بھی ہو وہ جانتا ہے کہ اس بلند آسمان کی تخلیق، یہ تمام عظیم کرے اور لاتعداد کہکشائیں ان کی تخلیق صاف طور پر بتاتی ہے کہ انسان کی تخلیق ان کے مقابلہ میں کوئی شے نہیں ہے۔ لہٰذا جو یہ قدرت رکھتا ہو وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے سے کس طرح عاجز ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد اس عظیم آفرینش کے بارے میں تشریح کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "آسمان کی چھت کو اس نے بلند کیا اور اُسے منظم و مرتب و موزوں کیا۔" (رفع سمکھا فسواھا)۔

"سمک" (بروزن سقف) کے معنی اصل میں بلندی کے ہیں۔ یہ چھت کے معنی میں بھی آیا ہے۔ فخر رازی کی تفسیر کبیر میں ہے کہ کسی چیز کی بلندی کا جب اوپر والی سمت سے نیچے کی طرف اندازہ لگائیں تو اُسے عمق کہتے ہیں اور اگر نیچے کی طرف سے اوپر کا اندازہ لگائیں تو اسے سمک کا نام دیا جاتا ہے۔[2]

---

[1] یہ آیت حقیقت میں محذوف رکھتی ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے (ام السماء اشد خلقًا) اور "بناھا" ایک جملہ مستانفہ ہے اور بعد میں آنے والی آیت کا مقدمہ ہے۔

[2] تفسیر فخر رازی / جلد ۳۱ صفحہ ۴۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"سواھا" تسویہ کے مادہ سے ہے۔ اس کے معنی کسی چیز کی تنظیم اور اُسے موزوں بنانے کے ہیں۔ یہ اشارہ ہے اس عظیم و دقیق نظم و ضبط کی طرف جو تمام آسمانی کرّات میں کارفرما ہے۔ اگر سمک سے مراد چھت ہو تو پھر ہوا کے عظیم خطہ کی طرف اشارہ ہے جس نے محفوظ و محکم چھت کی طرح اطراف زمین کو گھیر رکھا ہے اور اُسے آسمان کی طرف سے آنے والے منتشر پتھروں کے حملے سے، اور ایسی شعاؤں سے، جو موت کا سبب بن سکتی ہیں، محفوظ کر رکھا ہے۔

بعض مفسرین مندرجہ بالا تعبیر کو آسمان کے کروی ہونے کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے اس نے اطراف زمین کو گھیر رکھا ہے اور وہ اس لیے کہ تسویہ اس سقف کے مرکز اصلی یعنی اجزائے زمین یکساں فاصلہ کی طرف اشارہ ہے جو کرویت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ یہ آیت آسمان کے بلند ہونے اور ہم سے آسمانی کرّوں کے بہت زیادہ طویل اور آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے والے فاصلہ کی طرف اشارہ ہے اور اطراف زمین کی محفوظ سقف کی طرف بھی اشارہ ہے۔

بہر حال یہ آیت اس چیز کے مشابہ ہے جو سورۂ مومن کی آیت ۵۷ میں آئی ہے (لخلق السماوات والارض اکبر من خلق الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمون) آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے زیادہ اہم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس کے بعد اس عظیم عالم کے ایک اہم ترین نظام کی یعنی نور و ظلمت کے نظام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"اس کی رات کو تاریک اور دن کو روشن بنایا" (و اغطش لیلھا و اخرج ضحاھا)۔ جن میں سے ہر ایک، انسان اور دوسرے زندہ موجودات کی زندگی میں، عام اس سے کہ وہ حیوان ہوں یا نباتات' بہت گہرا اثر رکھتا ہے۔ نہ تو انسان نور و روشنی کے بغیر زندگی گزار سکتا ہے کیونکہ تمام برکتیں اور رزق کی نعمتیں اس کی حس و حرکت کے ساتھ وابستہ ہیں نہ ظلمت کے بغیر اس کی زندگی ممکن ہے جو اس کے سکون و آرام کی رمز ہے [1]

"اغطش" "غطش" (بروزن عرش) کے مادہ سے تاریکی کے معنی دیتا ہے لیکن راغب مفردات میں کہتا ہے کہ اس کی اصل "اغطش" سے لی گئی ہے جو اس شخص کے معنی میں ہے جو اپنی آنکھ میں نور کم رکھتا ہو۔ اور ضحیٰ اس موقعہ کے معنوں میں ہے جب سورج کی روشنی آسمان و زمین میں پھیلتی ہے [2]

---

[1] زندہ موجودات کی زندگی میں نور و ظلمت کے اہم آثار کے سلسلہ میں جلد ۹ ص ۳۴۳ و جلد ۱۲ ص ۱۴۱ و جلد ۱۶ ص ۱۴۶ پر ہم تفصیل بحثیں کر چکے ہیں۔

[2] قابلِ توجہ یہ ہے کہ "لیلھا" کی ضمیر اور "ضحاھا" کی ضمیر آسمان کی طرف لوٹتی ہے اور نور و ظلمت کی نسبت آسمان کی طرف اس بنا پر ہے کہ اس کا آسمانی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے بعد آسمان سے زمین کا رُخ کرتے ہوئے فرماتا ہے :

"زمین کو اس کے بعد پھیلایا (اور بچھایا)۔ (والارض بعد ذالك دحاها)۔

"دحا" "دحو" (بروزن محو) کے مادہ سے ہے اس کے معنی میں پھیلانا۔ بعض مفسرین نے اسے کسی چیز کو اس کی اصل سے ہلانے کے معنی میں لیا ہے اور چونکہ یہ دونوں معانی ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہیں لہٰذا ایک ہی روح کلام رکھتے ہیں۔

بہرحال "دحو الارض" سے مراد یہ ہے کہ ابتدا میں تمام سطح زمین کو اس پانی نے گھیر رکھا تھا جو پہلی سیلابی بارش سے حاصل ہوا تھا۔ پانی آہستہ آہستہ زمین کے گڑھوں میں جگہ لیتا گیا۔ خشکیوں نے پانی کے نیچے سے سر نکالا اور روز بروز ان میں وسعت پیدا ہوتی گئی یہاں تک کہ موجودہ حالت میں نمودار ہو گئی (یہ مسئلہ زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد پیدا ہوا) [1]

زمین کو بچھانے اور زندگی کے لیے اس کے آمادہ ہو جانے کے بعد پانی اور نباتات کی بات درمیان میں لایا ہے اور فرماتا ہے :

"خدا نے زمین سے اس کے پانی کو نکالا اور اسی طرح اس کی چراگاہوں کو" (اخرج منها ماءها و مرعاها)۔ یہ تعبیر بتاتی ہے کہ پانی زمین کی نفوذ پذیر کھال کے درمیان چھپا ہوا تھا اس کے بعد چشموں اور نہروں کی شکل میں جاری ہوا۔ یہاں تک کہ دریاؤں اور سمندروں کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ "مرعی" اسم مکان ہے اس کے معنی چراگاہ ہیں [2]

اصل میں "رعی" سے حیوان کی حفاظت و نگہبانی کے معنی لیے جاتے ہیں چاہے غذا کے لحاظ سے ہو یا دیگر جہات سے۔ اسی لیے مراعات محافظت و نگہبانی اور تدبیر امور کے معنی میں آیا ہے اور مشہور حدیث (کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته) بھی یہی بتاتی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی حفاظت کو خود پر لازم سمجھیں [3]

لیکن چونکہ مختلف عوامل زمین کے آرام و سکون کو درہم برہم کر سکتے تھے، علاوہ دوسرے عوامل کے مثلاً بڑے بڑے مستقل طوفان اور مد و جزر جو زمین کی سطح پر چاند سورج کی کشش سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح زلزلے جو زمین کے اندر پگھلنے والے مواد کے دباؤ سے معرض وجود میں آتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] بعض مفسرین نے بعد ذالك کی تعبیر جو مندرجہ بالا آیت میں آئی ہے اس کی تفسیر "اس کے علاوہ" کی ہے۔ اب آیت کے معنی یہ بنتے ہیں کہ جو گزشتہ آیات میں آیا ہے مزید زمین کو بچھایا اور پھیلایا۔

[2] بعض نے اسے مصدر میمی کے طور پر لیا ہے جس کے معنی چرنے کے ہیں لیکن مناسب وہی مذکورہ بالا معانی ہیں۔

[3] مفردات راغب مادہ "رعی"۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان سب کو خدا نے پہاڑوں کے اس طاقتور جال کے ذریعہ، جس نے تمام روئے زمین کو گھیر رکھا ہے، کنٹرول میں رکھا اور زمین کو سکون و آرام دیا۔ اسی لیے فرمایا ہے: "اور پہاڑوں کو زمین میں ثابت و محکم کیا" (والجبال ارساھا)[1]

انسانوں کی زندگی اور سکون و آرام میں پہاڑوں کے گہرے اثرات کے بارے میں تفصیلی بحث ہم سورہ رعد کی آیت ۳ کے ذیل میں (جلد ۵ ص ۲۲۳) کر چکے ہیں۔ آخر میں فرماتا ہے:

"ان سب چیزوں کو اس نے اس لیے انجام دیا تاکہ تمہارے فائدہ اٹھانے کا سبب ہو اور تمہارے چوپایوں کے لیے وسیلہ و ذریعہ ہو" (متاعاً لکم ولانعامکم)۔

جی ہاں! آسمان کو بلند کیا، نور و ظلمت کا نظام قائم کیا، زمین کو بچھایا اور پھیلایا اور اس سے پانی اور نباتات کو نکالا، پہاڑوں کو زمین کی حفاظت کا نگہبان قرار دیا اور انسان کی زندگی کے تمام وسائل فراہم کیے اور سب کو انسان کا فرمانبردار قرار دیا تاکہ انسان زندگی کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اور غافل نہ رہے اور ان تمام فرمانبرداروں کا پاس کرتے ہوئے جو اللہ نے اس کے لیے پیدا کیے ہیں فرمانِ الٰہی کا فرمانبردار ہو۔ یہ سب ایک طرف مسئلہ معاد کے اثبات کے لیے اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور دوسری طرف معرفت توحید کی راہ میں اس کی عظمت کی دلیلیں ہیں۔

---

[1] "ارسی" از مادہ "رسو" (بروزن رسم) ثابت ہونے کے معنی میں ہے اور "ارسی" اس کے متعدی معانی کو بتاتا ہے یعنی پہاڑوں کو ثابت قدم رکھا۔

www.ziaraat.com jabir.abbas@yahoo.com Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

(۳۴) فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝

(۳۵) يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝

(۳۶) وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝

(۳۷) فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝

(۳۸) وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝

(۳۹) فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ

(۴۰) وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝

(۴۱) فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝

ترجمہ

(۳۴) جس وقت وہ عظیم حادثہ رونما ہوگا۔

(۳۵) تو اس دن انسان، [illegible] کو

(۳۶) اور جہنم ہر دیکھنے والے کے لیے آشکار ہو جائے گا۔

(۳۷) لیکن جس شخص نے سرکشی کی ہے۔

(۳۸) اور اس نے دنیا کی زندگی کو مقدم رکھا۔

(۳۹) یقیناً جہنم اس کا ٹھکانہ ہے۔

(۴۰) اور جو شخص اپنے پروردگار کے مرتبہ سے واقف تھا اور اس نے اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے روکا۔

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۴۱) جنت اس کی جگہ ہے۔

تفسیر

وہ جو اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے باز رکھیں

اس اشارہ کے بعد جو گزشتہ آیات میں معاد کے بعض دلائل کے بارے میں گزرا زیر بحث آیات میں قیامت، اس میں خدا سے ڈرنے والوں اور ہوائے نفس کے پرستاروں کی سرنوشت کی طرف رجوع کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"جس وقت وہ عظیم حادثہ رونما ہوگا تو نیکوکاروں اور بدکاروں میں سے ہر ایک اپنے اعمال کی جزا کو پہنچے گا" (فاذا جاءت الطامۃ الکبرٰی)۔[1]

"طامۃ" "طم" (بروزن فن) کے مادہ سے پُر کرنے کے معنوں میں آتا ہے اور وہ چیز جو اعلیٰ ہو اسے "طامۃ" کہتے ہیں اسی لیے سخت حوادث اور عظیم مصائب جو مشکلات سے پُر ہوں ان پر بھی طامۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔

یہاں قیامت کی طرف اشارہ ہے جو ہولناک حوادث سے پُر ہے اس کی انتہائی توصیف کے ساتھ اس بے مثال حادثہ کی اہمیت و عظمت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے:

یہ عظیم حادثہ جس وقت وقوع پذیر ہوگا سب کے سب خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں گے اور انسان اپنی کوشش اور اپنے اعمال کو خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے یاد کرے گا (یوم یتذکر الانسان ما سعٰی)؛ لیکن اعمال کا یہ یاد کرنا انہیں فائدہ نہ دے گا۔

اگر انسان دنیا کی طرف واپس لوٹنے اور گزشتہ اعمال کی تلافی کرنے کے لیے مہلت طلب کرے گا تو اسے اجازت نہیں ملے گی اور اس مطالبہ کے جواب میں کلا کہیں گے۔ اگر توبہ کرے گا اور اپنے اعمالِ بد کی معافی مانگے گا تو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا، کیونکہ توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہوں گے لہٰذا سوائے آہ بھرنے کے اور افسوس کرنے کے کوئی اور چارۂ کار نہ ہوگا اور بقول قرآن اگر وہ دونوں ہاتھوں کو دانتوں سے بھی

---

[1] "اذا" شرطیہ ہے اور اس کی جزا بعض مفسرین کے بقول بعد والی آیات میں (فاما من طغٰی .... واما من خاف مقام ربہ) آئی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کی جزا کو اس طرح محذوف کیا جائے جو بعد والی آیات سے معلوم ہوتی ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے "فاذا جاءت الطامۃ الکبرٰی یجزیٰ کل انسان بما عمل" بعض نے یہ احتمال بھی پیش کیا ہے کہ اس کی جزا یوم یتذکر الانسان سے معلوم ہوتی ہے لیکن یہ احتمال بعید ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کاٹیں گے (کوئی فائدہ نہ ہوگا) "ویوم یعض الظالم علی یدیہ" (فرقان - ۲۷)۔

توجہ کرنی چاہیئے کہ یتذکر فعل مضارع ہے اور عام طور پر استمرار پر دلالت کرتا ہے یعنی اس روز انسان اپنے اعمال کو مسلسل یاد کرے گا یہ اس بنا پر کہ اس روز انسان کی روح اور اس کے قلب کے آگے سے پردے اٹھ جائیں گے اور تمام پوشیدہ حقائق اس پر آشکار ہو جائیں گے۔ اس کے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے:

"اس دن جہنم ہر دیکھنے والے کے لیے آشکار ہوگا" (وبرزت الجحیم لمن یری)۔ جہنم اس وقت بھی موجود ہے بلکہ سورہ عنکبوت کی آیت ۵۴ (وان جھنم لمحیطۃ بالکافرین)۔ کے مطابق کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے لیکن عالم دنیا کے پردے اس کی رویت سے مانع ہیں۔ وہ دن جو ہر چیز کے آشکار ہونے کا دن ہوگا، اس روز جہنم ہر چیز سے زیادہ آشکار ہوگا۔

"لمن یری" کا جملہ اس طرف اشارہ ہے کہ جہنم اس دن اس قدر آشکار ہوگا کہ ہر شخص بلا استثناء اسے دیکھے گا۔ وہ کسی سے مخفی نہ ہوگا۔ نہ اچھے لوگوں سے نہ بُرے لوگوں سے کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ یہ جملہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اس دن چشم بینا رکھتے ہوں گے کیونکہ سورہ طٰہٰ کی آیت ۱۲۴ کے مطابق بعض لوگ اس دن نابینا محشور ہوں گے (ونحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ)۔ لیکن پہلے معنی جنہیں تمام مفسرین نے قبول کیا ہے زیادہ مناسب نظر آتے ہیں، اس لیے کہ جہنم بدکاروں کے لیے خود عذاب ہے یہ کوئی سزا ہے اور ایک گروہ کا محشر میں نابینا ہونا ممکن ہے بعض مواقف میں ہو نہ کہ تمام مواقف میں[1]

باقی رہا وہ شخص جو سرکشی کرے (فاما من طغیٰ)۔ اور دنیاوی زندگی کو ہر چیز پر مقدم رکھے۔ (وآثر الحیاۃ الدنیا)۔ تو یقیناً جہنم اس کی جگہ اور ٹھکانہ و ماویٰ ہے (فان الجحیم ھی الماویٰ)[2]

پہلے جملے میں ان کے عقیدہ کے خراب ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے اس لیے کہ طغیانی و سرکشی اپنے آپ کو بڑا سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا خدا کی معرفت نہ ہونے کی بنا پر ہوتا ہے۔ جو شخص خدا کو اس کی عظمت کے ساتھ پہچان لے تو وہ اپنے آپ کو بہت خفیف اور چھوٹا دیکھے گا اور کبھی بھی جادۂ عبودیت سے انحراف نہیں کرے گا۔

دوسرا جملہ ان کے عمل فساد کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ طغیان و سرکشی سبب بنتے ہیں کہ انسان دنیا کی جلد ختم ہو جانے والی لذتوں اور اس کی چمک دمک کو زیادہ قیمتی سمجھے اور ہر چیز پر انہیں ترجیح دے۔

---

[1] اس سلسلہ میں مزید وضاحت جلد ۷، سورہ طٰہٰ کی آیت ۱۲۴ کے ذیل میں ہو چکی ہے۔

[2] آیت میں محذوف ہے اور تقدیر میں ھی الماویٰ لہ یا ھی ماواہ ہے اور ضمیر وضاحت کی بنا پر حذف ہوئی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ دونوں درحقیقت ایک دوسرے کے علت و معلول ہیں۔ طغیان اور عقیدہ کا خراب ہونا فساد عمل اور دنیا کی ناپائیدار زندگی کو ہر چیز پر ترجیح دینے کا سرچشمہ ہے آخرکار یہ دونوں جہنم کی جلا دینے والی آگ ہیں۔

حضرت علیؑ ایک حدیث میں فرماتے ہیں (ومن طغٰی ضل علی عمل بلا حجة) جو شخص سرکشی کرے وہ گمراہ ہو جاتے گا اور ایسے اعمال کرے گا جن کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی[1]

یہ چیز خود کو بڑا سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے کہ انسان اس طرح اپنی تمام خواہشات کو بغیر کسی منطق و دلیل کے قبول کر لیتا ہے اور اس کے لیے ادچ کا قائل ہوتا ہے۔

اس کے بعد جنتیوں کے اوصاف کو مختصر اور بہت ہی پُر معنی جملوں میں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے، "اور باقی رہا وہ شخص جو اپنے پروردگار کے مرتبہ سے ڈرے اور نفس کو ہوا و ہوس سے روکے ..." (واما من خاف مقام ربه ونهی النفس عن الهوٰی)۔ "تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے" (فان الجنة هی المأوٰی)۔ جی ہاں جنتی ہونے کی پہلی شرط خوف ہے جو معرفت سے پیدا ہو۔ پروردگار کے مقام کو پہچاننا اور اس کے فرمان کی مخالفت سے ڈرنا۔

دوسری شرط جو حقیقت میں پہلی شرط کا نتیجہ اور معرفت و خوف کے درخت کا ثمر ہے وہ یہ ہے کہ ہوائے نفس کو زیر تسلط رکھا جائے اور اسے سرکشی نہ کرنے دی جائے، اس لیے کہ ہوائے نفس تمام گناہوں مفاسد اور بدبختیوں کا سرچشمہ ہے۔ یہ بد ترین اور قابل نفرت بُت ہے جسے معبود بنا لیا گیا ہے۔ (ابغض اله عبد علی وجه الارض الهوٰی) یہاں تک کہ وجود انسان میں شیطان کے نفوذ کا ذریعہ بھی ہوائے نفس ہے۔

اگر یہ اندرونی شیطان اور بیرونی شیطان ہم آہنگ نہ ہوں اور اندرونی شیطان اس پر دروازہ نہ کھولیں تو اس کا وارد ہونا ممکن نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن کہتا ہے (ان عبادی لیس لك علیهم سلطان الا من اتبعك من الغاوین) "تجھے کبھی بھی میرے بندوں پر تسلط حاصل نہ ہوگا مگر وہ گمراہ جو تیری پیروی کرتے ہیں"۔ (حجر/۴۲)۔

چند نکات

۱۔ مقام رب کیا ہے

قابل توجہ یہ ہے کہ زیر بحث آیات میں فرماتا ہے، "جو شخص اپنے پروردگار کے مقام سے ڈرے" یہ نہیں فرماتا، "جو اپنے پروردگار سے ڈرے" یہ کہ مقام سے کیا مراد ہے اس سلسلہ میں متعدد تفاسیر ہیں۔

۱۔ پہلی تفسیر یہ ہے کہ اس مقام سے مراد مختلف مواقف قیامت ہیں جن میں انسان بارگاہ خداوندی

---

[1] تفسیر نور الثقلین، جلد ۵ ص ۵۰۹ حدیث سوم۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں حسابِ کتاب کے لیے ٹھہرے گا۔ اس تفسیر کی بنا پر "مقام ربہ" کے معنی (مقامه عند ربه) انسان کا بارگاہِ خدا میں کھڑا ہونا ہیں۔

۲۔ مراد خدا کا علم اور تمام بندوں کے بارے میں اس کا مقامِ مراقبت و نگہبانی ہے جیسا کہ سورہ رعد کی آیت ۳۳ میں آیا ہے (افمن هو قائم علی کل نفس بما کسبت) کیا وہ جو سب کے سروں پر کھڑا ہے اور سب کے اعمال کا نگہبان ہے اس شخص کی طرح ہے جو یہ صفت نہیں رکھتا۔

اس تفسیر کی دوسری شاہد وہ حدیث ہے جو امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے (من علم ان الله یراه و یسمع ما یقول ویعلم ما یعلمه من خیر اوشر فیحجزه ذالك عن القبیح من الاعمال فذالك الذی خاف مقام ربه و نهی النفس عن الهوٰی) جو شخص جانتا ہے کہ خدا اسے دیکھتا ہے اور جو کچھ یہ کہتا ہے اُسے وہ سنتا ہے اور جو خیر و شر یہ انجام دیتا ہے اس سے وہ آگاہ ہے اور یہ توجہ اسے قبیح اعمال سے روکتی ہے وہ ایسا شخص ہے جو اپنے پروردگار کے مقام سے خائف ہے اور اس نے اپنے آپ کو ہوائے نفس سے باز رکھا ہے۔

۳۔ مراد اس کا مقامِ عدالت ہے اس لیے کہ اس کی ذات مقدس خوف کا سبب نہیں ہے خوف اس کی عدالت کا ہے اور حقیقت میں یہ خوف اس کے عدل کے ساتھ اپنے اعمال کے موازنہ سے محسوس ہوتا ہے جیسا کہ مجرم لوگ ایک عادل قاضی کو دیکھ کر لرزنے لگتے ہیں اور محکمہ عدالت کا نام سن کر ان کو وحشت ہونے لگتی ہے جبکہ بے گناہ شخص نہ اس سے خوف کھاتا ہے اور نہ اسے وحشت ہوتی ہے۔

ان تینوں تفسیروں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے لہٰذا ممکن ہے کہ یہ سب معانی آیت میں موجود ہوں۔

۲۔ طغیان اور دنیا پرستی کے درمیان ربط

حقیقت میں مندرجہ بالا مختصر قسم کی آیات انسان کے اصولِ سعادت و شقاوت کی خوب صورت اور شائستہ طریقہ سے تصویر کشی کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ انسان کی شقاوت اس کی سرکشی اور دنیا پرستی میں ہے اور سعادت خوفِ خدا اور ترکِ ہوا و ہوس میں ہے۔ انبیاء و اولیاء کی تمام تعلیمات کا نچوڑ بھی یہی چیز ہے۔ ایک حدیث امیر المومنین علیؑ سے منقول ہے:

(ان اخوف ما اخاف علیکم اثنان اتباع الهوٰی وطول الامل فاما اتباع الهوی فیصد عن الحق و اما طول الامل فینسی الأخرة)۔ زیادہ ہولناک چیزیں جن کا مجھے تمہارے بارے میں خوف ہے وہ دو ہیں ہوائے نفس کی پیروی اور طویل آرزوئیں۔ ہوا و ہوس کی پیروی تو تمہیں حق سے روک دے گی اور طویل آرزوئیں آخرت کو فراموشی کے سپرد کر دیں گی[1]

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ ۴۲۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خواہش کی پرستش انسانی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔اس کے بُرے اعمال کو اس کی نظر میں مزین کر کے پیش کرتی ہے اور تمیز کی حس، جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور انسان وحیوان میں وجہ امتیاز ہے اس سے چھین لیتی ہے اور اس کو اپنی ذات میں مشغول رکھتی ہے۔

یہ وہی بات ہے جو حضرت یعقوبؑ جیسے روشن ضمیر پیغمبر نے اپنے نالائق بیٹوں سے کہی تھی (بل سولت لکم انفسکم امرًا) (یوسف/۱۸)۔

یہاں باتیں بہت سی ہیں بہتر ہے کہ اہلبیت علیہم السلام کی احادیث میں سے دو حدیثوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، جن میں سب کہنے کی باتیں کہی گئی ہیں، ہم اس بحث کو ختم کریں۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: الجنة محفوفة بالمكاره والصبر فمن صبر على المكاره فى الدنيا دخل الجنة، وجهنم محفوفة باللذات والشهوات فمن اعطى نفسها لذتها وشهوتها دخل النار؛ جنت پریشانیوں، صبر و شکیبائی اور استقامت میں گھری ہوئی ہے جو شخص پریشانیوں کے مقابلے میں (اور خواہشات کو ترک کرنے میں) دنیا میں صبر و شکیبائی سے کام لے، وہ جنت میں داخل ہوگا اور جہنم غیر شرعی لذتوں اور سرکش خواہشات میں گھری ہوئی ہے جو شخص اپنے نفس کو ان لذتوں اور خواہشوں کے مقابلہ میں آزاد چھوڑ دے، وہ جہنم میں داخل ہوگا[1]

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: لا تدع النفس وهواها فان هواها فى رداها وترك النفس وما تهوى داؤها وكف النفس عما تهوى دواؤها؛ نفس کو ہوا و ہوس کے ساتھ نہ چھوڑو اس لیے کہ ہوائے نفس، نفس کی موت کا سبب ہے اور نفس کو اس کی ہوا کے مقابلہ میں آزاد چھوڑ دینا اس کی بیماری ہے اور اس کو ہوا و ہوس سے روکنا اس کی دوا ہے[2]

نہ صرف جہنم خواہش کی پرستش کا نتیجہ ہے بلکہ دنیا کے جلانے والے جہنم مثلاً بدامنی، بدنظمی، جنگیں، خونریزیاں لڑائیاں وغیرہ بھی اسی کا نتیجہ ہے۔

۳۔ صرف دو گروہ

مندرجہ بالا آیات میں دو گروہوں کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے۔ دنیا پرست طغیان و سرکشی کرنے والے اور صاحب تقویٰ خدا کا خوف کرنے والے۔ پہلے گروہ کی دائمی جگہ جہنم اور دوسرے گروہ کی جاودانی جائے سکونت جنت بتائی گئی ہے البتہ یہاں ایک تیسرا گروہ بھی ہے۔ وہ مومنین جو عمل کے لحاظ سے کچھ کوتاہیوں کا شکار ہیں، اگر خدا انہیں معاف کردے تو وہ جنت والے گروہ سے ملحق ہو جائیں گے اور اگر معافی نہ ملے تو دوزخ میں جائیں گے لیکن ان کا ٹھکانہ وہاں نہیں ہوگا۔ مندرجہ بالا آیات میں ان کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہے۔

---

[1] نورالثقلین، جلد ۵ ص ۵۰۷ حدیث ۴۶۔

[2] نورالثقلین، جلد ۵ ص ۵۰۷ حدیث ۴۵۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۴۲) يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۝

(۴۳) فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝

(۴۴) اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۝

(۴۵) اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۝

(۴۶) كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝

ترجمہ

(۴۲) تجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کس زمانہ میں واقع ہوگی؟

(۴۳) تجھے اس بات کی یاد آوری سے کیا کام؟

(۴۴) اس کی انتہا تیرے پروردگار کی طرف ہے۔

(۴۵) تیرا کام صرف ان لوگوں کو ڈرانا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔

(۴۶) وہ اس دن جب قیامت کو دیکھیں گے تو اس طرح محسوس کریں گے گویا ان کا توقف (دنیا اور برزخ میں) سوائے عصر کے وقت یا صبح کے وقت سے زیادہ نہیں تھا۔

تفسیر

قیامت کی تاریخ صرف خدا جانتا ہے

ان مطالب کے بعد جو قیامت کے بارے میں اور اس روز جو نیکوں اور بدکاروں کا حال ہوگا اس کے سلسلہ میں گزشتہ آیات میں آئے، ان آیات میں معاد کے بارے میں مشرکین اور منکرین کے ہمیشہ سوال کرنے کو موضوع بناتے ہوئے فرماتا ہے:

• تجھ سے قیامت سے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب برپا ہوگی؟ (یسئلونک عن الساعة ایان مرسٰھا)[1]

---

[1] • مرساہ • مصدری معنی میں ہے اور اسم زمان، اسم مکان اور اسم مفعول کے معنی میں آتا ہے۔ مادہ • ارساء • ہے، البتہ یہاں مصدری معنی (باقی اگلے صفحہ پر)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قرآن اس سوال کے جواب میں، انہیں سمجھانے کے لیے کہ کوئی شخص بھی قیامت کے وقوع سے واقف نہیں ہے اور نہ ہوگا، پیغمبر کی طرف رخ کرتے ہوئے سخن کرتے ہوئے کہتا ہے:

"تجھے اس بات کی یاد آوری سے کیا سروکار" (فیم انت من ذکراھا) یعنی وقوع قیامت کی تاریخ تجھ سے بھی پنہاں ہے چہ جائیکہ دوسرے۔ یہ اس علم غیب میں سے ہے جو ذات پروردگار کے مختصات میں سے ہے اور اس حقیقت کی اور کسی کو خبر نہیں ہے۔

بارہا ہم نے کہا ہے کہ منجملہ ان مطالب کے جو سب سے پوشیدہ ہیں قیام قیامت کا وقت بھی ہے، اس لیے کہ اس کا تربیتی اثر اس کے پوشیدہ ہوتے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر یہ بات معلوم ہو اور اس کا زمانہ دُور کا ہو، تو سب غفلت کا شکار ہو جائیں گے اور اگر نزدیک ہو تو برائیوں سے پرہیز، آزادی و اختیار کی حرکت سے باہر ہوگا اور ان دونوں صورتوں میں تربیت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے اور احتمال بھی پیش کیے ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ تو زمانہ قیامت بیان کرنے کے لیے مبعوث نہیں ہوا، تو اس لیے مبعوث ہوا ہے کہ اصل وجود کی اطلاع دے ذکر لمحہ وقوع کی۔ دوسرے یہ کہ تیرا کام قیامت کے نزدیک ہونے کو بیان کرنا ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے اپنی دو انگلیوں کو اکٹھا کرکے فرمایا:

(بعثت انا والساعة کھاتین) "میرا قیام اور قیامت کا قیام ان دو کی طرح ہے"۔[1]

پہلی تفسیر سب سے زیادہ مناسب ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے:

"قیامت کی انتہا تیرے پروردگار کی طرف ہے" (الیٰ ربک منتھاھا)۔ صرف وہی جانتا ہے کہ قیامت کب برپا ہوگی۔ کوئی دوسرا فرد اس سے آگاہ نہیں ہے اور قیام قیامت کی آگاہی کے لیے ہر طرح کی سعی و کوشش بے فائدہ ہے۔

یہ وہی مفہوم ہے جو سورہ لقمان کی آیت ۳۴ میں بھی آیا ہے۔ (ان اللہ عندہ علم الساعة) "قیامت کے وقوع کے زمانے اور وقت کا علم صرف خدا کو ہے"۔

سورہ اعراف کی آیت ۱۸۷ میں فرماتا ہے: (قل انما علمھا عند ربی) "کہہ دے اس کا علم صرف میرے پروردگار کو ہے"۔ بعض نے کہا ہے کہ اوپر والے جملے سے یہ مراد ہے کہ قیامت کا تحقق اور انجام پانا

پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ: گزشتہ صفحے رکھتا ہے اور وقوع و ثبوت اور پابرجا ہونے کے معنوں میں ہے یہ تعبیر کشتی کے لنگر انداز ہونے اور اسی طرح پہاڑوں کے روئے زمین پر حالت ثبات میں ہونے کے بارے میں بھی آئی ہے مثلاً (وقال ارکبوا فیھا بسم اللہ مجریھا و مرساھا) (ہود)۔

[1] تفسیر فخر رازی جلد ۳۱ ص ۵۰۔ یہ بات تفسیر مجمع البیان، قرطبی، فی ظلال اور دوسری تفسیروں میں بھی سورہ محمد کی آیت ۱۸ کے ذیل میں بھی مذکور ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خدا کے اختیار میں ہے۔

اور حقیقت میں اس چیز کے لیے جو گزشتہ آیت میں آئی ہے بیان علت کے برابر ہے۔ ان دونوں تفسیروں کے جمع کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

مزید وضاحت کے لیے فرماتا ہے: "تیرا کام صرف ان لوگوں کو ڈرانا ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ (انما انت منذر من یخشٰها)۔ تیری ذمہ داری ڈرانا اور خبردار کرنا ہے اور بس، باقی رہا وقت کا تعین کرنا تو وہ تیرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ڈرانے کو کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ مخصوص کرتا ہے جو اس عظیم دن کا خوف و ہراس رکھتے ہیں۔ اور یہ اس مفہوم کے مشابہ ہے جو سورہ بقرہ کی دوسری آیت میں آیا ہے (ذالك الكتاب لا ریب فیه هدى للمتقين) اس آسمانی کتاب میں کوئی شک و تردد نہیں ہے، یہ پرہیزگاروں کیلیے ہدایت کا سبب ہے۔

اس قسم کی تعبیریں اس طرف اشارہ ہیں کہ جب تک حق جوئی، حق طلبی اور پیش خدا احساس ذمہ داری کی روح انسان میں موجود نہ ہو تو وہ نہ تو کتب آسمانی کی تحقیق کرتا ہے اور نہ معاد و قیامت کی اور نہ وہ انبیاء و اولیاء کی طرف سے کی جانے والی تخویف پر توجہ کرتا ہے۔

اس سورہ کی آخری آیت میں اس حقیقت کو پیش کرنے کے لیے کہ قیامت کے آنے میں زیادہ وقت باقی نہیں ہے ارشاد فرماتا ہے: "جب قیامت کا دن دیکھیں گے تو اس طرح محسوس کریں گے گویا ان کا توقف اس جہان میں عصر کے وقت یا صبح کے وقت سے زیادہ نہیں تھا" (كانهم يوم يرونها لم يلبثوا الا عشية او ضحاها)۔ دنیا کی مختصر سی عمر اس تیزی سے گزر [illegible] اور برس [illegible] بھی اس تیزی سے گزر جائے گا کہ وہ قیامت میں خیال کریں گے کہ یہ سارا زمانہ [illegible] سے زیادہ نہیں تھا۔

یہ امر بھی ذاتی طور پر صحیح ہے کہ عمر دنیا بہت ہی مختصر اور جلد گزر جانے والی ہے اور قیامت کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے بھی تمام جہان کی عمر اس کے مقابلہ میں ایک لمحے سے زیادہ نہیں ہے۔

"عشیة" عصر کے معنوں میں اور ضحیٰ اس موقعہ پر بولا جاتا ہے جب سورج اوپر آجائے اور اس کی شعاعیں پھیل جائیں۔ بعض آیات قرآنی میں آیا ہے کہ قیامت میں جب مجرمین عالم برزخ یا دنیا میں توقف کی مقدار کے بارے میں گفتگو کریں گے تو بعض دوسروں سے کہیں گے کہ تم نے صرف دس دن رات عالم برزخ میں توقف کیا ہے (یتخافتون بینهم ان لبثتم الا عشرا) (طٰہٰ / ۱۰۳)۔ لیکن جو بہتر غور و فکر کریں گے وہ کہیں گے تم نے صرف ایک ہی دن کے برابر برزخ میں توقف کیا ہے (یقول امثلهم طريقة ان لبثتم الا یوما)

ایک دوسری جگہ مجرمین سے نقل کرتا ہے کہ جب قیامت برپا ہوگی تو مجرم قسم کھا کر کہیں گے کہ ایک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ساعت سے زیادہ توقف نہیں کیا (ویوم تقوم الساعۃ یقسم المجرمون مالبثوا غیر ساعۃ) (روم ۵۵)
ان تعبیروں کا اختلاف اس بنا پر ہے کہ جو چاہتے ہیں اس مدت کے مختصر ہونے کو ایک خاص انداز کے ساتھ ظاہر کریں ان میں سے ہر ایک اپنے احساسات کو ایک الگ تعبیر کے ذریعہ بیان کرتا ہے۔ ان سب کا ایک بات میں اشتراک ہے اور وہ اس جہان کی عمر کا قیامت کی عمر کے مقابلہ میں مختصر ہونا ہے۔ یہ ایسا مفہوم ہے جو انسان کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔

پروردگار! ہم سب کو عالم برزخ میں، اس دنیا میں اور اس عظیم دن امن و امان اور سکونِ اطمینان عطا فرما۔

پروردگار! کوئی شخص بھی اس عظیم دن کی سختیوں سے رہائی حاصل نہیں کر سکتا سوائے اس طرح کہ تیرا لطف و کرم ہو جائے۔ ہم پر اپنا خاص لطف و کرم فرما۔

بار الٰہا! ہمیں ایسے افراد میں سے قرار دے جو تیرے مقام سے خائف ہیں اور جو اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے روکتے ہیں اور بہشت بریں جن کا ملجا و ماویٰ ہے[1]

آمین یارب العالمین

(سورۂ نازعات کا اختتام)

---

[1] یہ سطور ان ساعات و لمحات میں ضبطِ تحریر میں آئیں جب ہر لمحے عراق کی بعثی حکومت کی طرف سے بمباری کا اور بے خانماں لوگوں کے دفن ہو جانے کا احتمال تھا۔ اس تاریخ سے ایک یا دو دن پہلے ایک بمباری میں اس شہر مقدس قم میں تقریباً ایک سو پچاس مسلمان خصوصاً بے گناہ بچے شہید ہو گئے تھے لیکن مسلّم ہے کہ ظلم و ظالم کی عمر کوتاہ ہوتی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۃ عبس

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس میں ۴۲ آیتیں ہیں

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ عبس کے مضامین

سورہ عبس مختصر ہونے کے باوجود مختلف اور اہم مسائل پر بحث کرتی ہے اور مسئلہ معاد کو خاص اہمیت دیتی ہے۔ اس کے مضامین کا پانچ موضوعات کے ماتحت خلاصہ کیا جا سکتا ہے:

۱۔ خدا کا شدید عتاب اس شخص پر جس نے ایک حقیقت کے متلاشی نابینا سے مناسب رویہ اختیار نہیں کیا۔

۲۔ قرآن مجید کی قدر و قیمت اور اہمیت۔

۳۔ خدا کی نعمتوں کے سلسلہ میں انسان کی ناشکر گزاری۔

۴۔ انسان اور حیوانات کی غذا کے سلسلہ میں انسان کے احساس شکر گزاری کو بیدار کرنے کے لیے خدا کی نعمتوں کے ایک حصّہ کا بیان۔

۵۔ حوادث قیامت کے کچھ لرزہ براندام کر دینے والے حصوں کی طرف اشارہ اور اس عظیم دن مومنین و کفار کا احوال۔

اس سورہ کا نام اس کی مناسبت سے

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے: من قرأ سورۃ عبس جاء یوم القیامۃ و وجھہ ضاحک مستبشر: جو شخص سورہ عبس کی تلاوت کرے وہ بروز محشر اس حالت میں وارد ہوگا کہ اس کا چہرہ خنداں اور وہ شخص ہشاش بشاش ہوگا۔[1]

---

[1] تفسیر مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۳۵۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱ عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۙ

۲ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۭ

۳ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۙ

۴ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۭ

۵ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ

۶ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۭ

۷ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۭ

۸ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ

۹ وَهُوَ يَخْشٰى ۙ

۱۰ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ

ترجمہ اس خدا کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔

۱ چیں بہ جبیں ہوا اور منہ پھیر لیا۔

۲ اس وجہ سے کہ نابینا اس کے پاس آیا تھا۔

۳ تو کیا جانتا ہے شاید وہ پاکیزگی اور تقویٰ اختیار کرے؟

۴ یا متذکر ہو اور یہ تذکر اس کے لیے مفید ہو۔

۵ لیکن وہ شخص جو مستغنی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۶) تو اس کی طرف رخ کرتا ہے۔
(۷) حالانکہ وہ اگر اپنے آپ کو پاک نہ کرے تو تیری کوئی ذمہ داری نہیں۔
(۸) لیکن جو تیرے پاس آیا ہے اور کوشش کرتا ہے۔
(۹) اور خدا سے ڈرتا ہے۔
(۱۰) تو اس سے غافل ہوتا ہے۔

شانِ نزول

یہ آیات اجمالی طور پر بتاتی ہیں کہ ان میں خدا نے کسی کو سرزنش کی ہے اور اس پر عتاب کیا ہے اس لیے کہ اس نے ایک یا کسی غنی افراد کو حق طلب نابینا پر ترجیح دی ہے۔

باقی رہا یہ کہ موردِ عتاب و سرزنش کون شخص ہے اس میں اختلاف ہے۔ عام اور خاص دونوں طرح کے مفسرین کے درمیان یہ مشہور ہے کہ قریش کے سرداروں کا ایک گروہ جن میں عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل، عباس ابن عبدالمطلب وغیرہ اور ان کے علاوہ کچھ اور لوگ خدمتِ پیغمبرؐ میں حاضر تھے اور پیغمبرؐ انہیں دعوتِ اسلام دینے میں مصروف تھے اور اس بات کی امید کر رہے تھے کہ یہ باتیں ان کے دلوں پر اثرانداز ہوں گی (یقینی بات تھی کہ اگر اس قسم کے افراد اسلام قبول کر لیتے تو دوسری قسم کے لوگوں کو بھی اسلام کی طرف کھینچ لاتے اور ان کی مخالفانہ کاروائیاں بھی ختم ہو جاتیں لہٰذا دونوں حیثیتوں سے یہ صورتِ حال اسلام کے لیے مفید تھی)۔

اس دوران میں عبداللہ ابن مکتوم جو نابینا اور مفلس تھے مجلس میں وارد ہوئے اور انہوں نے پیغمبرؐ سے استدعا کی کہ وہ کچھ آیتیں قرآن کی انہیں سنائیں اور انہیں ان کی تعلیم دیں۔ وہ اس بات پر مسلسل اصرار کیے جا رہے تھے اور خاموش نہیں ہو رہے تھے اس لیے کہ انہیں صحیح طور پر معلوم ہی نہیں تھا کہ پیغمبرِ اسلامؐ کن لوگوں سے مصروفِ گفتگو ہیں۔

انہوں نے کلامِ پیغمبرؐ کو اس قدر قطع کیا کہ پیغمبرِ اسلامؐ کے چہرہ اقدس پر ناگواری کے آثار ظاہر ہو گئے۔ آپؐ نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عرب کے سردار کیا سوچیں گے کہ محمدؐ کے پیروکار نابینا اور غلام ہیں لہٰذا آپؐ نے عبداللہ کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اور گروہِ قریش کے ساتھ اپنی بات جاری رکھی تو اس موقع پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔ (اور اس سلسلہ میں پیغمبرؐ کو موردِ عتاب قرار دیا)۔

رسولِ کریمؐ اس واقعہ کے بعد عبداللہ کا ہمیشہ احترام کرتے اور جس وقت ان کو دیکھتے تو فرماتے: (مرحبا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بمن عاتبنی فیہ ربی) "مرحبا اے وہ شخص جس کی وجہ سے میرے پروردگار نے مجھے مورد عتاب قرار دیا۔"
اس کے بعد ان سے کہتے "کیا تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے جسے میں ہم پہنچاؤں" اور پیغمبر اسلامؐ نے ان کو دو مرتبہ غزوات اسلامی کے سلسلہ میں مدینہ میں اپنا جانشین قرار دیا۔[1]

دوسری شانِ نزول

جو کچھ مندرجہ آیات کے سلسلہ میں نقل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ آیات بنی امیہ میں سے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئیں جو پیغمبرؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ عبداللہ ابن مکتوم وارد ہوئے۔ جب اُس کی نگاہ عبداللہ پر پڑی تو اس نے اپنا دامن سمیٹا اس خیال سے کہ وہ کہیں میلا نہ ہو اور اپنے چہرے پر ناگوار اثرات ظاہر کیے اور منہ پھیر لیا تو خدا نے مندرجہ بالا آیات میں اس کے عمل کو نقل کرکے اسے مورد عتاب قرار دیا۔ یہ شانِ نزول ایک حدیث میں امام جعفرؑ سے منقول ہے۔[2]

محقق بزرگ شیعہ مرحوم سید مرتضےٰ نے اسی شانِ نزول کو قبول کیا ہے۔ البتہ آیت میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو صراحت کے ساتھ دلالت کرے کہ اس سے مراد خود پیغمبرؐ ہیں جو چیز اس امر پر قرینہ بن سکتی ہے وہ صرف باتیں ہیں جو آیت ۸ سے لے کر آیت ۱۰ تک کہی گئی ہیں۔ مثلاً "جو شخص خدا کی آیتوں کو سننے کے لیے تیزی سے تیرے پیچھے آتا ہے اور خدا سے ڈرتا ہے تو اس سے غافل ہوتا ہے۔" یہ ایسی چیز ہے جو ہر شخص سے زیادہ پیغمبرؐ پر صادق آتی ہے لیکن مرحوم سید مرتضےٰ کے بقول ان آیات میں کئی قرائن بتاتے ہیں کہ اس سے مراد پیغمبرؐ نہیں ہیں۔

پہلا یہ کہ "ترشروئی اختیار کرنا" صفات انبیاء میں سے نہیں ہے۔ خصوصاً پیغمبر اسلامؐ تو اپنے دشمنوں سے بھی کشادہ روئی سے بات کرتے تھے چہ جائیکہ ایک ایسے مومن سے ترشروئی اختیار کریں جو حقیقت کی تلاش میں رہتا ہو۔

دوسرے یہ کہ اغنیاء کی طرف متوجہ ہونا اور حق طلب مفلس سے غافل ہونا آنحضرتؐ کے ان اخلاق کے ساتھ جن کی طرف سورہ (قلم) کی آیت ۴ میں اشارہ ہوا ہے (وانک لعلیٰ خلق عظیم) "تو عظیم اخلاق پر فائز ہے" ہرگز مطابقت نہیں رکھتا خصوصاً جبکہ مشہور یہ ہے کہ سورہ (قلم) سورہ عبس سے پہلے نازل ہوا۔[3]

---

[1] مجمع البیان جلد ۱۰ ص ۴۳۷۔
[2] ایضاً " " " " " "۔
[3] ایضاً " " " " " "۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تفسیر

حق طلب نابینا سے بے اعتنائی برتنے پر شدید عتاب

جو کچھ شانِ نزول میں بیان کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے اب ہم اس کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پہلے فرماتا ہے:

"اس نے ترشروئی اختیار کی اور منہ پھیرا" (عبس و تولّٰی)۔ "اس وجہ سے کہ نابینا اس کے پاس آیا تھا" (ان جاءہ الاعمٰی)۔ "تُو کیا جانتا ہے شاید وہ ایمان، پاکیزگی اور تقوی کی جستجو میں ہو" (وما یدریک لعلہ یزکّٰی)۔ "یا حق کی باتیں سننے سے ذکر یافتہ ہو جاتے اور یہ تذکر اس کے لیے مفید ہو" (او یذکر فتنفعہ الذکری)۔ اور اگر سو فیصد پاک نہ بھی ہو اور تقویٰ اختیار نہ کرے تو اس ذکر سے کم از کم نصیحت حاصل کرے اور بیدار ہو اور یہ بیداری اجمالی طور پر اس پر اثر انداز ہو۔[1]

اس کے بعد اس عتاب کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے: "باقی رہا وہ جو اپنے آپ کو غنی اور بے نیاز سمجھتا ہے" (اما من استغنٰی)۔ "تُو اس کی طرف رُخ کرتا ہے اور توجہ کرتا ہے" (فانت لہ تصدّٰی)۔ اور اس کی ہدایت پر اصرار کرتا ہے حالانکہ وہ غرور و ثروت و خود خواہی میں مبتلا ہے۔ وہ غرور جو طغیان و سرکشی کا منشاء ہے جیسا کہ سورہ علق کی آیت ۶، ۷ میں آیا ہے (ان الانسان لیطغٰی ان رّاٰہ استغنٰی) انسان طغیان و سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھتا ہے۔[2]

حالانکہ وہ تقویٰ کی راہ اختیار نہ کرے اور ایمان نہ لائے تو تیری کوئی ذمہ داری نہیں۔ (وما علیک الا یزکّٰی)۔ تیری ذمہ داری صرف تبلیغ رسالت ہے (خواہ ازاں پندگیرند یا ملال) چاہے وہ نصیحت حاصل کریں چاہے انہیں ملال ہو۔ اس لیے ہر قسم کے افراد کے واسطے حق طلب نابینا سے لاپرواہی نہیں برتنی چاہیئے اور اسے آزردہ نہیں کرنا چاہیئے خواہ تیرا مقصد یہ بھی ہو کہ یہ اکڑنے والے لوگ ہدایت حاصل کرلیں۔ تاکید و

---

[1] اس وجہ سے اس آیت میں اور گزشتہ آیت میں فرق یہ ہے کہ وہاں گفتگو کامل پاکیزگی اور تقویٰ کے بارے میں ہے اور یہاں تذکر کی اجمالی تاثیر کے بارے میں بات ہو رہی ہے چاہے کامل تقویٰ کے مقام تک نہ پہنچے۔ نتیجۃً وہ حق طلب نابینا تذکر سے فائدہ اٹھائے گا چاہے مکمل فائدہ ہو چاہے مختصر۔ بعض مفسرین سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی آیت گناہوں سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہے اور دوسری کسب اطاعات و پیروی فرمانِ خدا کی طرف لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔

[2] راغب مفردات میں کہتا ہے غنی، استغنی و تغنی اور تغانی کے ایک ہی معنی ہیں پھر اس کے بقول تصدی "صدی" (بروزن فتی) اصل میں اس آواز کے معنی میں ہے جو پہاڑ سے ٹکرا کر واپس آتی ہے۔ اس کے بعد لفظ تصدی کسی چیز کے روبرو قرار پانے کے معنی میں ہے اور مکمل طور پر اس کی طرف توجہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عتاب کو نئے سرے سے شروع کرتا ہے اور خطاب کی صورت میں فرماتا ہے :

"باقی رہا وہ شخص جو تیرے پاس آتا ہے اور ہدایت و پاکیزگی کے لیے کوشش کرتا ہے" (واما من جاءك يسعٰى) "اور خدا سے ڈرتا ہے" (وهو يخشٰى) [1]

اسی خوفِ خدا نے اسے تیرے پیچھے بھیجا ہے تاکہ وہ زیادہ حقائق سنے اور ان پر کاربند ہو اور اپنے آپ کو پاک و پاکیزہ کرے "تو اس سے غفلت کرتا ہے اور دوسروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے" (فانت عنه تلهّٰى) [2]

"انت" تو کی تعبیر حقیقت میں اس طرف اشارہ ہے کہ تجھ جیسے انسان کے لیے یہ سزاوار نہیں ہے کہ اس قسم کے حق طلب انسان سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل ہو اور دوسرے کی طرف متوجہ ہو اور تیرے دوسروں کی طرف متوجہ ہونے کا مقصد بھی یہ ہو کہ ان کو ہدایت حاصل ہو۔ اس لیے ترجیح اس کمزور اور پاک دل گروہ ہی کو ہے۔

بہر حال یہ عتاب و خطاب اس اہم حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ اسلام اور قرآن راہِ حق کو طے کرنے والے کمزور افراد کے لیے خاص قسم کی اہمیت و احترام کا قائل ہے اور اس کے برعکس حالت پر تیز اور سخت تنقید کرتا ہے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو نعمتِ الٰہی کی فراوانی کی وجہ سے مغرور ہو گئے ہیں، یہاں تک کہ خدا راضی نہیں ہوتا کہ تو ان کی طرف متوجہ ہونے کے لیے اس حق طلب کمزور طبقہ میں کم سے کم رنجش بھی پیدا کرے۔

اس کی وجہ اس لیے بھی واضح ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ اسلام کے مخلص سہارا بننے والے، مشکلات کے وقت دین کے عظیم پیشواؤں کی آواز پر لبیک کہنے والے، میدانِ جنگ میں قربانی پیش کرنے والے اور شہید ہونے والے تھے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت علیؑ اپنے مشہور مالک اشتر والے فرمان میں فرماتے ہیں: وانما عماد الدين و جماع المسلمين والعدة للاعداء العامة من الامة فليكن صغوك لهم و ميلك معهم ۔ دین کا ستون اور مسلمانوں کے اجتماع کا سرمایہ اور دشمنوں کے مقابلہ میں قوت و طاقت کا ذخیرہ امت کے صرف عامۃ الناس ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ان کی بات کان دھر کے سننا اور ان کی طرف اپنی خاص توجہ رکھنا چاہیئے [3]

---

[1] اس میں شک نہیں کہ یہاں خشیت سے مراد خوفِ خدا ہے، ایسا خوف جو انسان کو زیادہ سے زیادہ تحقیق پر آمادہ کرتا ہے، اس کے مشابہ جو متکلمین نے دفع ضرر محتمل کا استشہاد کرتے ہوئے وجوب معرفت خدا کے سلسلہ میں کہا ہے اور یہ جو فخر رازی نے احتمال پیش کیا ہے کہ مراد کفار کا خوف ہے یا نابینا ہونے کی وجہ سے گر پڑنے کا خوف مقصود ہے بہت بعید ہے۔

[2] "تلهّٰى" لهو کے مادہ سے سرگرم کر دینے والے کام کے معنی میں ہے اور یہاں اس سے غفلت برتنے اور دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کے معنی میں ہے اور حقیقت میں تصدی کا نقطہ مقابل ہے۔

[3] نہج البلاغہ جز خطوط خط ۵۳۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۱) كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝

(۱۲) فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝

(۱۳) فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝

(۱۴) مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝

(۱۵) بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ۝

(۱۶) كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝

(۱۷) قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ۝

(۱۸) مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ۝

(۱۹) مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝

(۲۰) ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ۝

(۲۱) ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝

(۲۲) ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝

(۲۳) كَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ۝

ترجمہ

(۱۱) کبھی ایسا نہ کر یہ (قرآن) ایک یاد آوری ہے۔

(۱۲) جو شخص چاہے اس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔

(۱۳) قیمتی الواح میں ثبت ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۱۴) بیش قدر اور پاکیزہ الواح میں۔

(۱۵) ایسے سفیروں کے ہاتھ میں۔

(۱۶) جو والا مقام فرمانبردار اور نیکوکار ہیں۔

(۱۷) موت آجائے انسان کو، یہ کس قدر کافر اور ناشکر گزار ہے؟

(۱۸) خدا نے اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟

(۱۹) اسے ناچیز نطفہ سے پیدا کیا پھر اس کا اندازہ لگایا او[illegible] سے موزوں بنایا۔

(۲۰) پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا۔

(۲۱) اس کے بعد اسے مار دیا اور قبر میں دفن کیا۔

(۲۲) پھر جس وقت چاہے گا اسے زندہ کرے گا۔

(۲۳) اس طرح نہیں ہے جیسے وہ خیال کرتا ہے اس نے ابھی تک حکم خدا کی اطاعت نہیں کی ہے۔

تفسیر

صرف پاک لوگوں کا ہاتھ قرآن کے دامن تک پہنچتا ہے

گزشتہ آیات کے بعد، جن میں گفتگو اس شخص کی سرزنش کے بارے میں تھی جس نے ایک حق طلب نابینا کی طرف توجہ کم کی تھی، ان آیات میں قرآن مجید کی اہمیت، اس کے پاک مبداء، اور اس کی نفوس میں تاثیر کے مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"ہرگز اس کام کی تکرار نہ کر اور اس کو ہمیشہ کے لیے بھول جا" (کلّا)۔ "یہ آیات چونکہ خلق خدا کے ذکر و یاد آوری کا وسیلہ ہیں" (انھا تذکرۃ)[1]

---

[1] "انھا" کی ضمیر مؤنث ہے آیات قرآن کی طرف لوٹتی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس چیز کی ضرورت نہیں کہ پاک دل مستضعفین سے تو غافل ہو کر اثر و رسوخ رکھنے والے مغرور افراد پر توجہ دے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ "کلا انھا تذکرة" کا جملہ مشرکین اور دشمنان اسلام کی ان تمام تہمتوں کا جواب ہو جو قرآن کے بارے میں تھیں کبھی اسے شعر کہتے تھے کبھی جادو، کبھی اس قسم کی کہانت۔ قرآن کہتا ہے ان تہمتوں میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے بلکہ یہ آیات بیداری، آگاہی، یاد آوری اور ایمان کا وسیلہ ہیں اور اس کی دلیل خود انہی میں پوشیدہ ہے اس لیے کہ جو شخص بھی اس کے نزدیک ہوتا ہے، سوائے معاندین، کج بحث اور ہٹ دھرم افراد کے، وہ یہ اثر اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے:

جو شخص چاہے اس سے پند و نصیحت حاصل کر سکتا ہے (فمن شاء ذکرہ)[1]

یہ تعبیر اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جبر و اکراہ درمیان میں نہیں ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ انسان اپنے ارادے میں آزاد ہے۔ جب تک وہ نہ چاہے اور قبول ہدایت کا مصمم ارادہ نہ کرے آیات قرآنی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے، "خدا کے یہ عظیم کلمات بیش قیمت صحائف میں ثبت ہیں (الواح و اوراق میں) (فی صحف مکرمة)۔

"صحف" صحیفہ کی جمع ہے جو لوح، تختی، ورق یا کوئی اور چیز ہے جس پر کسی مفہوم کو لکھتے ہیں۔ یہ تعبیر بتاتی ہے کہ آیات قرآن پیغمبر اکرمؐ پر نزول سے پہلے کچھ الواح پر لکھی ہوئی تھیں اور وحی کے فرشتے انہیں اپنے ساتھ لے کر آتے تھے۔ بہت ہی گراں قدر اور بیش قیمت الواح تھیں۔

یہ جو بعض مفسرین نے کہا ہے کہ صحف سے مراد گزشتہ انبیاء کی کتب ہیں غالباً یہ قبل و بعد کی آیات سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اسی طرح یہ جو کہا گیا ہے کہ اس سے مراد لوح محفوظ ہے وہ بھی مناسب نظر نہیں آتا کیونکہ لفظ صحف صیغہ جمع کی شکل میں لوح محفوظ کے بارے میں استعمال نہیں ہوا۔ اس کے بعد فرماتا ہے:

"یہ صحائف و الواح بیش قیمت اور پاکیزہ ہیں" (مرفوعة مطهرة)۔ یہ اس سے بالاتر ہیں کہ ناابلوں کے ہاتھ ان کی طرف بڑھیں یا ان میں تحریف کرنے کی ان میں طاقت ہو۔ اور یہ اس سے زیادہ پاک ہیں کہ ناپاک لوگوں کے ہاتھ انہیں آلودہ کریں۔ نیز ہر قسم کے تناقض، تضاد اور شک و شبہ سے پاک ہیں۔ اس سے قطع نظر یہ آیات الٰہی سفیروں کے ہاتھ میں ہیں۔ (بایدی سفرة)۔ "بلند مقام مطیع و فرماں بردار اور نیکوکار سفیر" (کرام بررة)۔

"سفرة" (بروزن طلبہ) سفر کے مادہ سے سافر کی جمع ہے جس کے معنی اصل میں کسی چیز کے رُخ

---

[1] "ذکرة" کی ضمیر اسی چیز کی طرف لوٹتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہاں مراد آیات ہیں لہٰذا ضمیر مؤنث ہے اور یہاں خود قرآن کی طرف اشارہ ہے جو مذکر لفظی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے پردہ اٹھانے کے ہیں۔ اسی لیے وہ مختلف اقوام کے درمیان آمد و رفت رکھتے ہیں اور ان کی مشکلات دیکھتے ہیں اور مبہم باتوں سے پردہ اٹھاتے ہیں انہیں سفیر کہا جاتا ہے۔ لکھنے والے شخص کو بھی مسافر کہتے ہیں اس لیے کہ وہ کسی مطلب کے رخ سے پردہ اٹھاتا ہے۔ اس بنا پر یہاں سفرہ سے مراد الٰہی فرشتے ہیں جو وحی کے سفیر ہیں یا خدا کی آیات لکھتے ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سفرہ سے مراد یہاں قرآن کے حافظ قاری اور کاتب ہیں اور علماء و دانشمند ہیں جو آیاتِ الٰہی کو ہر زمانے میں شیاطین کی دسترس سے محفوظ رکھتے ہیں لیکن یہ تفسیر بعید نظر آتی ہے اس لیے کہ ان آیات میں گفتگو زمانۂ نزولِ وحی یعنی عصرِ پیغمبر سے ہے نہ کہ آئندہ سے۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ کی طرف سے ہے آپ نے فرمایا: الحافظ للقرآن العامل بہ مع السفرة الکرام البررة۔ جو شخص قرآن کا حافظ ہو اور اس پر عمل کرے تو وہ خدا کے عظیم فرمانبرداروں کے ساتھ ہوگا۔

یہ تعبیر اچھی طرح بتاتی ہے کہ قرآن کے حافظ، مفسر اور اس پر عمل کرنے والے ان سفرہ کے ہمراہ ہیں[1] نہ یہ کہ یہ خود وہ ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت یہ علماء اور حافظین قرآن فرشتوں سے ملتا جلتا کوئی کام انجام دیں تو ان کے برابر قرار پائیں گے۔

بہر حال اس ساری گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام وہ لوگ جو حفظِ قرآن اور احیائے مطالبِ قرآن کی کوشش کرتے ہیں وہ (کرام بررہ) کی طرح بلند منزلت کے حامل ہیں۔ "کرام" کریم کی جمع ہے جو عزیز و عظیم کے معنی میں ہے اور بارگاہِ خدا میں وحی کے فرشتوں کی عظمت اور ان کے مقام کی رفعت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تعبیر ان کی ہر قسم کے گناہوں سے پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ سورہ انبیاء کی آیت ۲۶، ۲۷ میں فرشتوں کی تعریف میں آیا ہے (بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون) وہ خدا کے باعزت گرامی قدر بندے ہیں جو بات کرنے میں کبھی اس سے سبقت نہیں کرتے اور ہمیشہ اس کے اوامر کا اجراء کرتے ہیں۔

"بررة" بار کی جمع ہے (مثل طالب وطلبہ) یہ "بر" کے مادہ سے ہے جس کے معنی وسعت کے ہیں۔ اسی لیے وسیع صحرا کو بر کہتے ہیں اور چونکہ نیکوکار افراد کا وجود وسیع ہے اور اس کی برکتیں دوسروں تک پہنچتی ہیں لہٰذا انہیں "بار" کہا گیا ہے۔

البتہ زیر بحث آیت میں نیکوکاری سے مراد امرِ الٰہی کی اطاعت اور گناہوں سے پاک ہونا ہے۔ اسی طرح خدا نے فرشتوں کی تین صفتوں کے حوالے سے توصیف کی ہے۔ پہلی یہ کہ وہ وحی کے سفیر اور حامل ہیں۔ دوسری یہ کہ ذاتی طور پر عزت دار اور گراں قدر ہیں۔ ان کی تیسری صفت اعمال کی پاکیزگی، عبادت گزاری،

---

[1] مجمع البیان، جلد ۱۰ ص ۴۳۸۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تسلیم اور نیکو کاری ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے:

ہدایت الٰہی سے متعلق ان تمام اسباب کے باوجود جو صحف مکرمہ میں مقرب خدا فرشتوں کے ذریعہ انواع و اقسام کے تذکروں کے ساتھ نازل ہوئے ہیں پھر بھی یہ سرکش اور ناشکر گزار انسان پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا۔ "قتل ہو جائے یہ انسان کس قدر کافر و ناشکرا ہے" (قتل الانسان مااکفرہ)[1]

کفر یہاں ممکن ہے کہ عدم ایمان کے معنی میں لیا ناشکر گزاری اور کفران نعمت کے معنوں میں یا حق پر قسم کا پردہ ڈالنے کے معنی میں ہو اور مناسب یہی جامع معنی ہیں کیونکہ گزشتہ آیات میں اسباب ایمان ہدایت کی گفتگو تھی۔

بعد والی آیت میں پروردگار کی انواع و اقسام کی نعمتوں کی بات ہے بہر حال "ان افراد پر موت" کی تعبیر سے مراد اس کے وہ معنی ہیں جو بطور کنایہ حاصل ہوتے ہیں یعنی یہ شدت غضب و تنفر کا اظہار ہے ان افراد کے بارے میں جو کافر اور ناشکر گزار ہیں۔ چونکہ عام طور پر سرکشی کا سرچشمہ غرور ہوتا ہے لہٰذا اس غرور کو ختم کرنے کے لیے بعد والی آیت میں فرماتا ہے:

خدا نے اس انسان کو کس چیز سے پیدا کیا ہے (من ای شیء خلقہ)۔ "اسے ناچیز و حقیر و بے قیمت نطفہ سے پیدا کیا ہے پھر اسے موزوں بنایا اور تمام مرحلوں میں اس کا حساب رکھا" (من نطفۃ خلقہ فقدرہ)۔ یہ انسان اپنی حقیقی خلقت کے بارے میں کیوں غور نہیں کرتا اور اپنے بنیادی سرچشمہ کی بے قیمتی کو فراموش کیوں کیے ہوتے ہے اور پھر اس نطفہ نا چیز سے اس نادر وجود کی تخلیق کے سلسلہ میں خدا کی قدرت پر خود کیوں نہیں کرتا۔ اس لیے کہ نطفہ سے انسان کی تخلیق میں دقت اور اس کی تمام وجودی جہتوں کا حساب، اس کے پیکر کے اعضاء، اس کی استعدادیں اور اس کی ضرورتیں یہ سب معرفت خدا کے لیے بہترین دلیلیں ہیں۔

"قدرہ" کا جملہ تقدیر کے مادہ سے ناپ تول اور موزوں بنانے کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ وجود انسانی کی ساخت میں بیس سے زیادہ دھاتیں اور دھات سے ملتی جلتی چیزیں استعمال ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک مقدار اور کیفیت کے لحاظ سے معین و مقرر اندازہ رکھتی ہے۔ اگر اس میں کمی و بیشی واقع ہو تو انسانی وجود کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اس سے قطع نظر اعضائے بدن کی ساخت کی کیفیت اور ان کا ایک دوسرے سے تناسب و ارتباط دقیق اندازہ پر مشتمل ہے۔

---

[1] "قتل الانسان" کی تعبیر ایک قسم کی بددعا ہے اور زمخشری کے بقول (کشاف میں) یہ بدترین قسم کی نفرین ہے اور "مااکفرہ" میں لفظ "ما" تعجب کے اظہار کے لیے ہے۔ اس پر تعجب ہے کہ تمام اسباب ہدایت رکھتا ہے اور خدا کی نعمتیں بھی اسے حاصل ہیں پھر بھی کفر کی راہ اختیار کرتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نیز وہ استعدادیں اور میلانات جو انسان میں انفرادی طور پر ہیں اور مجموعۂ جہانِ بشریت میں پچھپے ہوئے ہیں، ضروری ہے کہ خاص حساب کے مطابق ہوں تاکہ سعادت انسان کی تکمیل کریں۔

خدا وہ ہے جس نے یہ تمام حساب اس حقیر نطفہ میں انجام دیا۔ وہ نطفہ جو اس قدر چھوٹا ہے کہ اگر تمام انسانی افراد کی تعداد کے مطابق زندگی کے اصلی سیل (خلیات) جو نطفہ کے پانی میں تیر رہے ہیں ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں تو انگلی کی ایک پور کو پُر نہیں کر سکتے۔

جی ہاں! اس قسم کے چھوٹے سے وجود میں خدا نے ان سب بدائع اور نقوش کی تصویر کشی کی ہے اور انہیں اس میں ودیعت کیا ہے۔ بعض مفسرین نے تقدیر کے معنی آمادہ کرنا تجویز کیے ہیں۔ یہ احتمال بھی ہے کہ تقدیر سے مراد اس ناچیز نطفہ میں ایجادِ قدرت ہے۔ وہ خدا کتنا عظیم ہے جس نے اس معمولی سے وجود کو یہ سب قدرت و توانائی بخشی ہے جو آسمان و زمین اور سمندروں کی گہرائیوں کو اپنی جولاں گاہ بنا سکتا ہے اور اپنے گرد و پیش کی تمام توانائیوں کو زیرِ تسلط لا سکتا ہے۔[1]

ان تینوں تفسیروں کے درمیان جمع ممکن ہے۔ اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

"پھر راستے کو اس کے لیے آسان کر دیا۔" (ثم السبیل یسرہ)۔ شکم مادر میں جنین کی پرورش اس کے تکامل و ارتقاء اور اس کے بعد اس دنیا کی طرف اس کے منتقل ہونے کو سہل و آسان بنا دیا۔ انسان کی پیدائش کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ پیدا ہونے کے لحات سے پہلے وہ شکم مادر میں اس طرح ہوتا ہے کہ اس کا سر اوپر کی طرف ہوتا ہے اور اس کا چہرہ ماں کی پشت کی جانب اور اس کے پاؤں رحم کے نچلے حصّہ میں ہوتے ہیں لیکن جب تولد کا فرمان صادر ہوتا ہے تو وہ اچانک الٹا ہو جاتا ہے اس کا سر نیچے کی طرف ہو جاتا ہے اور یہی صورتِ حال اس کی پیدائش کو اس کے اور اس کی ماں کے لیے آسان بنا دیتی ہے۔ البتہ بعض اوقات ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جو سر کی بجائے پاؤں کی طرف سے متولد ہوتے ہیں اور ماں کے لیے مشکلات پیدا کر دیتے ہیں۔

پیدائش کے بعد بھی بچپن کے دور میں جسم کی نشو و نما پھر رشد و بلوغ و عزائز کی نشو و نما کو اس کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ اس کے بعد ہدایتِ معنوی اور حصولِ ایمان کو عقل اور دعوتِ انبیاء کے ذریعہ سہل کر دیا۔ کیسا جامع اور جاذبِ توجہ جملہ ہے جو مختصر ہونے کے باوجود ان تمام معاملات کی طرف اشارہ کرتا ہے "ثم السبیل یسرہ" یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ فرماتا ہے:

"راہ کو انسان کے لیے آسان کیا" یہ نہیں فرماتا کہ اس کو اس راستے کے طے کرنے پر مجبور کیا۔ یہ انسان

---

[1] راغب نے مفردات میں کہا ہے "قدرہ بالتشدید: اعطاہ القدرۃ یقال قدرنی اللہ علی کذا وقوانی علیہ" اس بنا پر تقدیر کا مادہ عطائے قدرت و قوت کے معنی میں بھی آیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے ارادہ کی آزادی اور اختیار کے بارے میں دوسری تاکید ہے۔ پھر اس طولانی راہ کو طے کرنے کے بعد انسان کی عمر کے اختتام کے مرحلہ کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتا ہے:

"پھر اس کو مارتا ہے اور قبر میں پنہاں کرتا ہے" (ثم اماتہ فاقبرہ)۔ یقیناً (اماتہ) مارنا خدا کا کام ہے لیکن قبر میں پنہاں کرنے کا کام ظاہراً انسان سے متعلق ہے لیکن چونکہ اس کام کے لیے عقل و ہوش اور اسی طرح دوسرے وسائل کو خدا نے فراہم کیا ہے لہٰذا اس کام کی خدا کی طرف نسبت دی گئی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کام کے خدا کی طرف نسبت دینے سے مراد یہ ہے کہ اس نے انسان کے لیے قبر کو خلق کیا ہے اور وہ مٹی کے اندر کا حصّہ ہے اور بعض نے اس کو میتوں کے دفن کرنے کے سلسلہ میں حکم تشریعی اور دستورِ الٰہی کے معنی میں لیا ہے۔

بہرحال نوعِ بشر کے بارے میں الٰہی احترام میں سے ایک یہی چیز ہے یعنی ان کے اجسام کو دفن کرنا اس لیے کہ اگر دفن کرنے کا کوئی سلسلہ نہ ہوتا یا اس کے بارے میں کوئی حکم صادر نہ ہوا ہوتا اور بدنِ انسانی زمین پر رہ جاتا اور بدبودار ہو جاتا اور اس کے بعد درندوں پرندوں کا لقمہ بنتا تو کیسی عجیب قسم کی ذلّت و خواری تھی۔

اس بنا پر نہ صرف اس دنیا میں انسان کے حال پر اللہ کا کرم ہے بلکہ موت کے بعد بھی اس کا کرم اس کے شاملِ حال ہے۔ اس سے قطع نظر مُردوں کے دفن کرنے کا حکم (غسل و کفن و نماز کے بعد) ایک الہام بخش دستور ہے اس کی رو سے انسان کے مُردوں کو ہر طرح سے پاک و محترم ہونا چاہیئے۔ زندہ تو بہرحال ان سے بہتر ہیں۔

یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس آیت میں موت کو اللہ کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اگر دقّتِ نظر سے کام لیا جائے تو صورتِ حال اسی قسم کی ہے اس لیے کہ اوّل تو موت اس دنیا کی تکالیف سے رہائی کی تمہید ہے اس کے بعد انسان ایک دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے جو بہت زیادہ وسیع ہے۔ دوسرے یہ کہ موجودہ نسل کی موت آنے والی نسلوں کے لیے جگہ کے وسیع ہونے کا سبب بنتی ہے اور نوعِ انسانی کے تکامل حاصل کرنے کا سبب بھی بنتی ہے۔

اگر یہ صورتِ حال نہ ہو تو دنیا انسانوں کے لیے اس قدر تنگ ہو جاتی کہ روئے زمین پر زندگی گزارنا غیر ممکن ہو جاتا۔ جاذبِ توجہ یہ بات ہے کہ ایک لطیف اشارہ کے ضمن میں سورہ رحمٰن کی آیت ۲۶ سے لے کر ۲۸ تک فرماتا ہے:

(کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام فبای اٰلاءِ ربکما تکذبان) "تمام وہ لوگ جو روئے زمین پر زندگی بسر کرتے ہیں مر جائیں گے صرف تیرے پروردگار کی ذات گرامی و پُر جلال باقی رہ جائے گی۔ پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے"

ان تینوں آیتوں کے مطابق موت خدا کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ جی ہاں! دنیا اپنی تمام

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نعمتوں کے باوجود مومن کے لیے ایک زندان ہے اور اس دنیا سے نکلنا اس زندان سے آزاد ہوتا ہے۔ اس سے قطع نظر خدا کی عطا کی ہوئی بہت زیادہ نعمتیں بعض اوقات کسی گروہ کے لیے غفلت کا سبب بن جاتی ہیں اور موت کی یاد غفلت کے پردے ہٹا دیتی ہے۔ لہٰذا موت اس لحاظ سے بھی تنبیہ کرنے والی اور خبردار کرنے والی نعمت ہے۔ ان سب چیزوں سے قطع نظر دنیاوی زندگی اگر جاری رہے تو وہ یقیناً انسان کو تھکا دینے والی ہے۔ برخلاف زندگی اخروی کے کہ وہ سراپا نشاط و خوشدل ہے [1]

اس کے بعد انسانوں کے قبر سے اٹھنے کے مرحلہ کو پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

"اس کے بعد جب چاہے گا اسے زندہ کر کے حساب اور جزا و سزا کے لیے محشور کرے گا۔"

(ثم اذا شاء انشرہ)۔

"انشرہ" انشار کے مادہ سے جمع کرنے کے بعد پھیلانے کے معنی میں ہے۔ یہ بڑی عمدہ تعبیر ہے جو یہ بتاتی ہے کہ موت کے بعد انسانوں کی زندگی کلی طور پر جمع ہو جاتے گی اور قیامت میں زیادہ عظیم اور بہتر ماحول میں ہوگی۔

قابلِ توجہ یہ ہے کہ مرنے اور قبر میں پنہاں ہونے کے مسئلہ میں مشیت الٰہی کی تعبیر سے کام لیا گیا ہے لیکن یہاں کہتا ہے: "جس وقت خدا چاہے گا اُسے زندہ کرے گا۔" تعبیر کا یہ فرق ہو سکتا ہے کہ اس بنا پر ہو کہ کوئی فرد اس عظیم حادثہ (قیامت) کی تاریخ سے باخبر نہیں ہے۔ صرف خدا ہی جانتا ہے لیکن موت کے بارے میں اجمالی طور پر معلوم ہے کہ انسان عمر طبعی کا ایک حصہ طے کرنے کے بعد، خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے، اسے ضرور موت آئے گی۔

آخری زیر بحث آیت میں فرماتا ہے انسان نے ان تمام نعمتوں کے باوجود اس دن سے لے کر جس دن یہ بے قیمت نطفہ کی شکل میں تھا اس دن تک جب اس دنیا میں قدم رکھا اور اپنی راہِ کمال طے کی پھر اس دنیا سے وہ چلا گیا اور قبر میں پنہاں ہو گیا اور اس نے اپنی صحیح راہ اختیار نہیں کی۔ "اس طرح نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتا ہے اس نے ابھی تک فرمانِ الٰہی کو انجام نہیں دیا۔" (کلا لما یقض ما امرہ) [2]

---

[1] شاعر کہتا ہے: کن از دو روزہ عمر آدم بجاں اے خضر / چہ می کنی تو کہ یک عمر جاوداں داری

اے خضر! میں دو دن کی زندگی سے تنگ آگیا ہوں، آپ کا کیا حال ہوگا جنہیں عمر جاودانی ملی ہے۔

[2] بعض نے یہاں "کلا" کی تفسیر حقا کی ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ اپنے مشہور و معروف معنی لیے ہوئے ہے اور "ردع" کے معنی میں ہے اس لیے کہ بہت سے کوتاہ بین افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا کے معاملہ میں انہوں نے اپنی ذمہ داریاں انجام دے دی ہیں۔ آیت کہتی ہے ایسا نہیں ہے جیسا وہ سوچتے ہیں انہوں نے ابھی تک اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"لما" کی تعبیر جو عام طور پر انتظار اور نفی کے پہلو کو لیے ہوتے ہوتی ہے اُس سے اس طرف اشارہ ہے کہ تمام الٰہی نعمتوں کی موجودگی سے اور بیداری کے اُن تمام وسائل کے ہوتے ہوئے جو انسان کے اختیار میں ہیں یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ امر الٰہی کی اطاعت میں بہت زیادہ کوشاں ہو لیکن تعجب کی بات ہے کہ اس نے ابھی تک اس ذمہ داری کو پورا نہیں کیا۔

یہ بات کہ انسان سے مراد یہاں کون سے افراد ہیں اس کے بارے میں دو تفسیریں ہیں پہلی یہ کہ اس سے مراد وہ انسان ہیں جو کفر، نفاق، انکارِ حق اور ظلم وعصیاں کی راہ پر گامزن ہیں۔ سورہ ابراہیم کی آیت ۳۴ کے قرینہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے جس میں فرماتا ہے:

(ان الانسان لظلوم کفار) "انسان بہت ہی ظالم، کافر اور ناشکر گزار ہے" دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس میں بہت انسان شامل ہیں اس لیے کہ کسی شخص نے بھی، عام اس سے کہ مومن ہو یا کافر حقِ عبودیت و بندگی کو اس طرح ادا نہیں کیا جس کی عظمت خدا مستحق ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں:

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش — عذر بدرگاہ خدا آورد

ورنہ سزاوار خداوندیش — کس نتواند کہ بجا آورد

وہی بندہ اچھا ہے جو بارگاہ خداوندی میں اپنی کوتاہی کا عذر پیش کرے ورنہ اس کی بارگاہ کے لائق کوئی شخص بھی بندگی کا فرض ادا نہیں کر سکتا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۲۴) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ۙ

(۲۵) اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۙ

(۲۶) ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ

(۲۷) فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ

(۲۸) وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۙ

(۲۹) وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۙ

(۳۰) وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ

(۳۱) وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۙ

(۳۲) مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ؕ

ترجمہ

(۲۴) انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی غذا کو دیکھے۔

(۲۵) ہم نے آسمان سے وافر تعداد میں پانی برسایا۔

(۲۶) پھر زمین کو چیرا۔

(۲۷) اور اس میں بہت سے دانے اگائے۔

(۲۸) اور انگور اور بہت سی سبزیاں۔

(۲۹) اور زیتون اور بہت سے کھجور کے درخت۔

(۳۰) اور درختوں سے پُر باغات۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

(۳۱) اور پھل اور چراگاہیں۔

(۳۲) تاکہ تمہارے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنیں۔

تفسیر

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی غذا کی طرف دیکھے

چونکہ گزشتہ آیات کا موضوع مسئلہ معاد تھا اور یہ آیات بھی کافی زیادہ صراحت کے ساتھ اسی مسئلہ کی بات کرتی ہیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ زیر بحث آیات نظریہ معاد کی دلیل کے طور پر ہیں۔

پروردگار عالم ان آیتوں میں ہر چیز پر خدا کی قدرت کو بیان کر کے، اور اسی طرح مُردہ زمینوں کی بارش کے نزول کے ذریعہ زندگی سے جو عالم گیاہ و نباتات میں ایک قسم کا معاد ہے، اس کا ذکر کر کے امکان قیامت کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ یہ آیات انواع و اقسام کی ان غذاؤں کے بارے میں ہیں جو خدا نے انسانوں اور چوپاؤں کے اختیار میں دی ہیں اور ان کی گفتگو کر رہی ہیں لہٰذا پروردگار عالم انسان کی حسِ شکر گزاری کو انگیخت دیتا ہے اور اس کو اپنے منعم کی معرفت کی دعوت دیتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

"انسان کو چاہیئے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے کس طرح خدا نے اُسے پیدا کیا ہے" (فلینظر الانسان الی طعامہ) [1]

خارجی اشیاء میں انسان کے سب سے زیادہ قریب اس کی غذا ہے جو کچھ تبدیلی کے بعد انسان کے بدن کا جزو بن جاتی ہے۔ اگر اس تک وہ غذا نہ پہنچے تو یہ بہت جلد فنا ہو جائے۔ اسی لیے قرآن نے تمام موجودات میں سے صرف ایسے غذائی مواد پر انحصار کیا ہے جو گیاہ و نباتات و اشجار سے حاصل ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ دیکھنے سے مراد محض ظاہری طور پر دیکھنا نہیں ہے بلکہ اس مواد غذائی کی ساخت اور بناوٹ کے بارے میں اور اس کے حیات بخش اجزاء کے بارے میں اور عجیب و غریب اثرات پر جو وہ وجود انسانی پر مرتب کرتی ہیں، غور و فکر کرنا ہے۔

اور یہ جو بعض مفسرین نے احتمال پیش کیا ہے کہ اس سے مراد ظاہری طور پر نگاہ کرنا ہی ہے، وہ نگاہ کرنا لعاب دہن کے غددوں کی تحریک کا باعث ہوتا ہے، وہ غلط ہے۔ اس لیے کہ قبل و بعد کی آیات کے قرینے سے اس قسم کا کوئی تصور نہیں ملتا۔

---

[1] ممکن ہے فلینظر کا جملہ شرط مقدر کی جزا ہو اور تقدیر میں اس طرح ہے ان کان الانسان فی شک من ربہ ومن البعث فلینظر الی طعامہ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہاں بعض غذا شناس جو قرآن کو صرف اپنے ذاتی اور محدود وسائل کے زاویہ سے دیکھتے ہیں ان کے لیے ممکن ہے کہ وہ مذکورہ آیات کے ذیل میں یہ خیال رکھتے ہوں۔

بعض مفسرین کا یہ نظریہ بھی ہے کہ موادِ غذائی کی طرف دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ انسان جب دسترخوان پر بیٹھتا ہے تو اس وقت نگاہِ تدبر و تفکر سے دیکھے کہ اس میں موادِ غذائی کو اس نے کن ذرائع سے فراہم کیا ہے، حلال ذرائع سے یا حرام ذرائع سے، مشروع ذرائع سے یا غیر مشروع سے۔ اس طرح وہ اخلاقی اور تشریعی پہلوؤں کو موردِ توجہ قرار دے۔

بعض روایات میں، جو معصومین سے منقول ہیں، آیا ہے کہ یہاں طعام سے مراد علم و دانش ہے جو روحِ انسانی کی غذا ہے۔ اسے دیکھنا چاہیئے کہ اسے کس سے حاصل کیا ہے۔

منجملہ دیگر باتوں کے امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: (علمه الذی یأخذه عمن یأخذه) جو علم حاصل کر رہا ہے وہ کس سے حاصل کر رہا ہے[1]

اسی طرح کا ایک قول امام جعفر صادقؑ سے بھی منقول ہے[2]

اس میں شک نہیں کہ آیت کے ظاہری معنی جسمانی غذائیں ہی ہیں جو بعد والی آیات میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوتی ہیں لیکن غذائے روحانی کو بھی الویت کی بنا پر معلوم کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ انسان روح و جسم سے مرکب ہے اور جس طرح اس کا جسم مادی غذا کی احتیاج رکھتا ہے اسی طرح اس کی روح روحانی غذا کی محتاج ہے۔

انسان کو چاہیئے کہ جہاں اپنی جسمانی غذا کے بارے میں تفکر کرے وہاں بعد والی آیت کے مطابق اس غذا کے سرچشمے یعنی بارانِ رحمت کے بارے میں بھی سوچے جو حیات بخش ہے۔ اور اسے اپنی روحانی غذا کے بارے میں بھی غور و فکر کرنا چاہیئے جو بارانِ وحی کے ذریعہ سے پیغمبرؐ کے قلبِ پاک کی سرزمین پر نازل ہوتی ہے، معصومین کے سینے میں اس کا ذخیرہ ہوتا ہے اور جوش مارنے والے چشموں کی طرح وہ ان کے صفحۂ قلوب پر جاری ہوتی ہے اور انواع و اقسام کے لذت بخش پھلوں یعنی ایمان و تقویٰ اور اخلاقی فضائل کی پرورش کرتی ہے۔

جی ہاں! انسان کو اچھی طرح دیکھنا چاہیئے کہ اس کے علم و دانش کا سرچشمہ کہاں ہے۔ یہ اس کی روحانی غذا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہیں کسی چشمۂ آلودہ سے غذائے روحانی حاصل کر رہا ہو اگر ایسا ہے تو وہ اس کے جسم و روح کو بیمار کر دے گا اور اسے ہلاکت میں ڈال دے گا۔

اور الویت کے مفہوم کے پیشِ نظر حلال و حرام اور مشروع و غیر مشروع کے مسئلہ کو بھی دلالت کے ذریعہ اس آیت سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] و [2] تفسیر برہان، جلد ۴ ص ۴۲۹۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ احتمال بھی ہے کہ اس آیہ شریفہ میں طعام کے معنی وسیع ہیں اور نگاہ کرنے اور دیکھنے کے معنی بھی وسیع ہیں اس بنا پر مندرجہ بالا تینوں تفسیریں اس میں جمع ہو سکتی ہیں۔ یہ کہ یہاں انسان سے مراد کون شخص ہے، کے بغیر واضح ہے کہ تمام انسان اس میں شامل ہیں۔ عام اس سے کہ مومن ہوں یا کافر سب کو چاہیئے کہ اپنے مواد غذائی' ان کے عجائبات اور ان میں پوشیدہ اسرار و رموز پر غور کریں تاکہ بے ایمان افراد کو حق کا راستہ ملے اور مومن افراد کی ایمان کی قوت میں اضافہ ہو۔

واقعی موادِ غذائی، پھل، غذائی اجناس اور سبزیوں میں سے ہر ایک چشم بصیرت کے لیے ایک ایسی تعجب خیز دنیا رکھتے ہیں جس کا مدتوں مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور ان سے درس حاصل کیے جا سکتے ہیں جو تمام عمریں روشنی دانش دے سکتے ہیں۔

اس کے بعد اس غذائی مواد اور اس کے منابع کی تفصیلات بتاتے ہوئے فرماتا ہے: "ہم نے آسمان سے بہت زیادہ پانی پھینکا۔ (انا صببنا الماء صبًا)۔

"صب" اوپر سے پانی پھینکنے کے معنوں میں ہے یہاں اس سے مراد پانی کا بارش کی صورت میں برسنا ہے۔ آیت کے آخر میں "صبا" کی تعبیر تاکید کے لیے ہے اور اس پانی کی فراوانی پر دلالت کرتی ہے۔

جی ہاں! وہ پانی جو اہم ترین سبب حیات ہے، ہمیشہ بہت زیادہ مقدار میں پروردگار کے لطف و کرم سے آسمان سے نازل ہوتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ تمام نہریں اور چشمے اور پانی کے کنویں اپنے پانی کے ذخائر بارش ہی سے حاصل کرتے ہیں اور سب کا اصل سبب بارش ہی ہے کہ: ؎

اگر باراں بہ کوہستان نبارد بہ سالے دجلہ گرود خشک رودے

اگر پہاڑوں پر بارش نہ ہو تو ایک ہی سال میں دجلہ خشک نالے میں تبدیل ہو جائے۔

اس لیے مواد غذائی کے مطالعہ کے وقت ہر چیز سے پہلے انسان بارش کے نظام کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ کس طرح سورج ہمیشہ دریاؤں کی سطح پر چمکتا ہے اور وہاں سے بادل اٹھتے ہیں، ہوائیں انہیں چلاتی ہیں اور پھر سطح زمین سے دور ہونے کے باعث اور سرد فضا کے علاقہ میں پہنچ جانے کی وجہ سے دوبارہ پانی میں تبدیل ہو کر برستے ہیں۔ آب مصفیٰ، جو ہر قسم کی مضر اور نمکین آلودگیوں سے پاک ہوتا ہے وہ چھوٹے چھوٹے قطروں کی شکل میں یا برف کے ان نرم گالوں کی صورت میں جو آہستہ سے زمین کی طرف آتے ہیں اور گھاس اور درختوں میں جذب ہو جاتے ہیں، زمین پر نازل ہوتا ہے۔

پانی کا ذکر کرنے کے بعد جو نباتات کے روئیدہ ہونے کا ایک اہم سبب ہے ایک اور رکن یعنی زمین کا رُخ کرتا ہے اور مزید فرماتا ہے: "پھر زمین کو ہم نے شگافتہ کیا۔ (ثم شققنا الارض شقًا)۔

بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ یہ شگافتہ کرنا کونپلوں کے ذریعہ زمین کے چیرنے کی طرف اشارہ ہے۔ واقعی یہ بہت ہی عجیب و غریب چیز ہے کہ کونپل اس نرمی اور لطافت کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باوجود سخت قسم کی مٹی کو چیر کر اور کبھی پہاڑی پتھروں کے اندر سے اپنا سر باہر نکالتی ہیں۔ خالق عظیم نے اس لطیف کونپل میں کیا عظیم قدرت ودیعت کی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال پیش کیا ہے کہ انسانوں کے ہل چلانے کے ذریعہ زمین کو شگافتہ کرنا مراد ہے حتیٰ کہ ان کیڑوں کے ذریعہ جو دوسرے حیاتی عوامل کے ہمراہ ایک قسم کا ہل چلانے کا عمل انجام دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہل چلانا انسان کا کام ہے لیکن چونکہ اس کے تمام وسائل خدا نے اس کے اختیار میں رکھے ہیں لہٰذا اس کو خدا کی طرف نسبت دی گئی ہے۔

تیسری تفسیر جو اس تعبیر کے لیے نظر آتی ہے اور کئی پہلوؤں سے قابل ترجیح ہے، یہ ہے کہ زمین کے شگافتہ ہونے سے مراد اس کی سطح کے پتھروں کا ریزہ ریزہ ہونا ہے۔

اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ ابتدا میں سطح زمین کو قشر عظیم اور ... نے پوشیدہ کر رکھا تھا۔ پے در پے شدید بارشیں ہوئیں انہوں نے پتھروں کو شگافتہ کیا، اس کے ذروں کو جدا کیا اور زمین کے کچھ حصّوں میں اور اس کے کچھ گڑھوں میں وسعت پیدا ہوئی اور اس طرح مٹی کے قابل زراعت تودے تشکیل پاتے اور اب بھی سیلاب اس کے کچھ حصّوں کو تحلیل کر کے دریا میں ڈال دیتے ہیں لیکن نئی مٹی جو برف اور بارش کی وجہ سے از سر نو تشکیل پاتی ہے اس کی جگہ لے لیتی ہے ورنہ زراعتی مٹی کمیاب ...

اس طرح یہ آیت قرآن کے ایک علمی معجزے کی طرف اشارہ کر کے بتاتی ہے کہ پہلے بارشیں ہوتی ہیں پھر زمینیں شگافتہ ہوتی ہیں اور زراعت کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ابتدائی دنوں میں یہ عمل صورت پذیر ہوا تھا بلکہ آج بھی جاری ہے۔

یہ تفسیر اس وجہ سے کہ بعد والی آیت میں گیاہ و نباتات کے اگنے کے مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے، زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ تینوں تفسیروں کا اجتماع بھی کوئی تضاد یا قباحت نہیں رکھتا۔ ان دو بنیادی ارکان یعنی پانی اور مٹی کے ذکر کے بعد آٹھ قسم کی اُگنے والی چیزوں کی طرف، جو انسان اور حیوان کی غذا کے بنیادی ارکان ہیں، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"اس کے بعد ہم نے زمین میں بہت سے اجناس اُگائے" (فانبتنا فیھا حبًّا)۔ غذائی اناج جو انسان اور مختلف حیوانات کی غذا کا اصلی ذریعہ و سبب ہیں وہ اگر خشک سالی کی بنا پر ایک سال نہ ملیں تو قحط پڑ جائے اور بھوک تمام جہان کو گھیر لے اور تمام انسانوں پر مصیبت پڑ جائے۔

"حبًّا" کی تعبیر نکرہ کی شکل میں بیان عظمت یا ان اجناس کے مختلف الاقسام ہونے کی دلیل ہے اور یہ جو بعض مفسرین نے اس کی تفسیر گندم اور جو سے کی ہے اس کے پلے کوئی دلیل موجود نہیں۔ اس لیے کہ اس تفسیر میں تمام اناج شامل ہیں۔ بعد کے مرحلے میں مزید کہتا ہے:

"اسی طرح انگور اور بہت سی سبزیاں" (و عنبًا و قضبًا)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۔ عنب ۔ تمام پھلوں میں سے انگور کا ذکر غذائی مواد کی فراوانی کی بنا پر ہے جو اس پھل میں پوشیدہ ہے اور اسے ایک مکمل غذا کی شکل میں لے آیا ہے (توجہ فرمائیں کہ عنب انگور کو بھی کہا جاتا ہے اور انگور کی بیل کو بھی اور آیات قرآنی میں اس کا دونوں پر اطلاق ہوا ہے۔ لیکن یہاں مناسب انگور ہی ہے)۔

۔ قضب ۔ (بروزن جذب) اصل میں ان سبزیوں کے معنی میں ہے جنہیں مختلف موقعوں پر توڑتے ہیں یہاں مختلف قسم کی کھائی جانے والی سبزیوں کے معنی میں ہے اور انگور کے بعد اس کا ذکر اس غذائی مواد کی اہمیت کی دلیل ہے جس پر موجودہ غذا شناسی کے علم میں حد سے زیادہ انحصار کیا جاتا ہے کبھی لفظ قضب قطع کرنے اور توڑنے کے معنی میں آتا ہے اور لفظ قضیب درخت کی شاخ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور سیف قاضب شمشیر قاطع کے معنوں میں ہے۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ قضب سے یہاں مراد ۔ رطب ۔ تر و تازہ کھجوریں ہیں جنہیں درخت سے توڑتے ہیں لیکن یہ تفسیر بہت ہی بعید نظر آتی ہے اس لیے کہ بعد والی آیت میں رطب کی طرف علیحدہ اشارہ ہوا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی پیش کیا ہے کہ قضب بوئے جانے والے پھلوں کے معنی میں ہے (کھیرا تربوز وغیرہ) یا گیاہ و نبات کی جڑوں کے معنی میں ہے لیکن بعید نہیں ہے کہ یہاں قضب کے معنی وسیع ہوں جس میں کھائی جانے والی سبزیاں بھی شامل ہوں، بوئے جانے والے پھل بھی اور غذائی جڑیں بھی (جو جڑ کی صورت میں ہوتی ہیں (آلو پیاز وغیرہ) اس کے بعد مزید کہتا ہے:

" اور زیتون اور بہت سے کھجوروں کے درخت "۔ (و زیتونا و نخلا)۔

ان دو پھلوں پر انحصار کی دلیل بھی واضح ہے اس لیے کہ موجودہ زمانے میں ثابت ہو چکا ہے کہ زیتون اور کھجوریں اہم ترین، طاقت بخش، مفید اور صحت آفریں مواد غذائی ہیں۔ اس کے بعد کے مرحلے میں کہتا ہے:

۔ اور پُر درخت باغات ۔ (انواع و اقسام کے پھلوں کے ساتھ)۔ (و حدائق غلبا)۔ "حدائق" "حدیقہ" کی جمع ہے ایسے باغ کے معنوں میں جس کے اطراف میں دیوار ہو اور وہ محفوظ ہو۔

یہ اصل میں زمین کے اس ٹکڑے کے معنی میں ہے جس میں پانی ہو۔ یہ لفظ حدقہ چشم (آنکھ کے ڈھیلے) سے لیا گیا ہے جس میں ہمیشہ پانی رہتا ہے۔ چونکہ اس قسم کے باغات عام طور پر پھلدار ہوتے ہیں لہذا ہو سکتا ہے کہ جنت کے انواع و اقسام کے پھلوں کی طرف اشارہ ہو۔

۔ غلب ۔ (بروزن قفل) اغلب اور غلبا کی جمع ہے جس کے معنی موٹی گردن والے کے ہیں یہ اصل میں غلبہ کے مادہ سے لیا گیا ہے اور یہاں بلند اور گھنے درختوں کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے:

۔ اور پھل اور چراگاہ ۔ (و فاکھۃ و ابا)۔ ۔ اب ۔ (ب کی تشدید کے ساتھ) خود رو گھاس اور اس چراگاہ کے معنوں میں ہے جو جانوروں کے چرنے کے لیے ہو۔ یہ اصل میں آمادگی کے معنی دیتا ہے اور چونکہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس قسم کی چراگاہیں استفادہ کی غرض سے تیار ہوتی ہیں للہٰذا انہیں اب کہا گیا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اب سے مراد ایسا خشک میوہ ہے جو سردی کے موسم کے لیے خشک کیا جا سکے اور اس کا ذخیرہ کیا جا سکے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ فائدہ پہنچانے کے لیے مستعد ہوتا ہے۔

بہت سے اہل سنت اور شیعہ مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ ایک دن حضرت عمر منبر پر تھے انہوں نے ان آیتوں کی تلاوت کی۔ اس کے بعد کہا ان سب کو تو میں جانتا ہوں لیکن اب کیا چیز ہے اس کو میں نہیں جانتا۔ اس کے بعد وہ عصا جو ان کے ہاتھ میں تھا اس کو ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا خدا کی قسم! یہ ایک طرح کا تکلف ہے کیسی مشکل ہے کہ تو اب کے معنی نہیں جانتا۔ (لوگوں کو مخاطب کر کے کہا) تم ان چیزوں کی پیروی کرو جو تمہارے لیے بیان کی گئی ہے اور اسی پر عمل کرو۔ جس بات کو تم نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے اسے اپنے پروردگار کے سپرد کر دو۔[1]

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ وہ لفظ اب کے مفہوم کو پیچیدہ سمجھتے تھے حالانکہ لغتوں کے متن کی طرف توجہ کرنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کا کوئی پیچیدہ مفہوم نہیں ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ درالمنثور میں آیا ہے کہ یہی سوال حضرت ابوبکر سے بھی کیا گیا انہوں نے کہا کہ میں اگر کتاب خدا کے بارے میں ایسی بات کہوں جسے میں نہیں جانتا تو کونسا آسمان مجھ پر سایہ ڈالے اور کونسی زمین ہوگی جو مجھے قبول کرے گی۔

یہ ٹھیک ہے کہ بہت سے اہل سنت علماء نے ان دو روایتوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کوئی شخص ایسے مسائل کے بارے میں جنہیں وہ نہ جانتا ہو خصوصاً کتاب اللہ کے بارے میں اگر نہ جانتا ہو تو کوئی بات نہ کرے۔ پھر بھی اس سوال کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ وہ شخص جو خلیفۃ الرسول اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے حکومت کرنا چاہتا ہو وہ اس لفظ کے معنی سے آگاہ نہ ہو جو متن قرآن مجید میں ہے اور جو معانی کے اعتبار سے کوئی خاص پیچیدگی نہیں رکھتا۔

یہ اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک خدائی رہبر لوگوں کے درمیان ہو جو شریعت کے تمام مسائل سے آگاہ ہو اور ہر خطا و اشتباہ سے مصون و معصوم ہو۔ اسی لیے اس حدیث کے ذیل میں جو مرحوم مفید نے ارشاد میں نقل کی ہے، ہم پڑھتے ہیں کہ جس وقت یہ ماجرا امیرالمومنین حضرت علیؑ سے بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

(سبحان الله اما علم ان الاب هو الكلاء والمرعى و ان قوله تعالى "وفاكهة و ابا" اعتداد من الله بانعامه على خلقه فيما غذاهم به و خلقه لهم و الانعامهم مما تحيى به

---

[1] تفسیر روح المعانی، قرطبی، فی ظلال القرآن، درالمنثور اور المیزان زیر بحث آیات کے ذیل میں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انفسھم و تقوم بہ اجسادھم) "عجیب بات ہے کیا وہ نہیں جانتا کہ اب خود رو گھاس اور چراگاہ کے معنی میں ہے اور یہ کہ "وفاکھۃ و ابا" کا جملہ خدا کی اپنے بندوں پر عنایت ہے اس اعتبار سے کہ اس نے انہیں غذائی مواد دیئے ہیں اور انہیں ان کے لیے اور ان کے چوپایوں کے لیے ایسی چیزوں میں سے پیدا کیا ہے جو ان کی زندگی کا سبب اور ان کے جسم کی بنیادی ضرورت ہیں۔[1]

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ گزشتہ آیات میں بعض پھل خصوصیت کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں اور یہاں بطور کلی پھل پیش کیا گیا ہے اور اس سے قطع نظر گزشتہ آیت میں جس میں باغوں کی بات تھی بلطف ہر باغوں کے پھل پیش نظر تھے تو پھر یہاں میوے اور پھل کو کس لیے پیش کیا گیا ہے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ بعض پھلوں کا خصوصیت کے ساتھ بیان ہوا ہے مثلاً انگور، زیتون اور خرما وغیرہ کا (درخت نخل کے قرینہ کے پیش نظر) تو یہ ذکر ان پھلوں کی حد سے زیادہ اہمیت کی بنا پر ہوا ہے۔[2]

اب رہی یہ بات کہ "فاکھۃ" (پھل) ان کا "حدائق" (باغات) سے الگ کر کے ذکر ہوا ہے تو یہ ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ باغات پھلوں کے علاوہ دوسرے منافع بھی رکھتے ہیں اور ان کے خوبصورت منظر ہوتے ہیں خوشگوار ہوا ان میں ہوتی ہے اور اس قسم کی دوسری چیزیں۔

اس سے بھی قطع نظر بعض خود رو درخت کچھ بجاتے، خود اور کچھ کی جڑیں اور چھلکے غذا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں (مثلاً چائے، زنجبیل، دارچینی وغیرہ) اس کے علاوہ بہت سے درختوں کے پتے حیوانوں کے لیے مناسب خوراک کا کام دیتے ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ جو کچھ گزشتہ آیات میں آیا ہے اس میں انسان کی خوراک بھی شامل ہے اور حیوانات کی بھی۔ اسی لیے بعد والی آیت میں جو آخری زیر بحث آیت ہے مزید کہتا ہے:

"تاکہ تمہارے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہوں" (متاعا لکم ولانعامکم)

متاع ہر وہ چیز ہے جس سے انسان متمتع ہو اور فائدہ اٹھائے۔

ایک نکتہ

صحیح و سالم موادِ غذائی

جو کچھ گزشتہ آیات میں انسانوں اور چوپایوں کے لیے آیا تھا وہ آٹھ قسم کے مواد غذائی تھے اور قابل توجہ ہے کہ وہ سب نباتات سے تعلق رکھنے والی غذائیں ہیں۔ یہ اس اہمیت کی بنا پر ہے جو انسانی غذا کے سلسلے میں ان اجناس میووں اور پھلوں سے وابستہ ہیں۔

---

[1] [2] ارشاد مفید مطابق نقل المیزان، جلد ۲۰ ص ۲۱۹۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

غور سے دیکھا جائے تو انسان کی حقیقی غذا یہی چیزیں ہیں۔ حیوانی غذائیں تو دوسرے درجہ پر ہیں اور بہت کم مقدار میں ہیں۔

یہاں جو کچھ اس قابل ہے کہ اس پر توجہ کی جائے وہ یہ ہے کہ اس زمانے کا غذا شناسی کا علم جو ایک وسیع اور اہم علم ہے، وہ حقیقت میں جس چیز کی تفصیل و تشریح کرتا ہے وہ وہی چیز ہے جو ان آیات میں آئی ہے۔ اس طرح وہ علم عظمتِ قرآن کو پیش کرتا ہے۔

خصوصاً وہ غذائی مواد جن کا اوپر والی آیات میں تذکرہ ہوا ہے، ان میں سے ہر ایک غذا شناسی کی رُو سے بہت ہی اہم اور قیمتی ہے۔ بہر حال ان امور پر غور و خوض انسان کو اس کے خالق کی عظمت اور نوعِ بشر پر اس کی مہربانیوں سے بہت زیادہ آشنا کرتی ہے۔ جی ہاں! غذائے جسمانی کے بارے میں غور و فکر اور اسی طرح روح کی غذا کے بارے میں دائرۂ علم کے لحاظ سے بھی اور اکتساب کے طریقوں کے اعتبار سے بھی جو غور و فکر ہے وہ انسان کو معرفتِ خدا، تعمیرِ ذات اور تہذیبِ نفس کی راہ میں بہت آگے لے جاتا ہے۔

جی ہاں! آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنی غذا کے بارے میں بہت زیادہ غور و فکر کرے۔ یہ مختصر سا جملہ کس قدر پُر معنی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

(۳۳) فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝

(۳۴) يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝

(۳۵) وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝

(۳۶) وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝

(۳۷) لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝

(۳۸) وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝

(۳۹) ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝

(۴۰) وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝

(۴۱) تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝

(۴۲) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝

ترجمہ

(۳۳) جب وہ مہیب صدا آئی (صیحہ قیامت) (تو کافر گھرے رنج وغم میں ڈوب جائیں گے)۔

(۳۴) وہ دن جب انسان اپنے بھائی سے دور بھاگے گا۔

(۳۵) اور اپنی ماں اور باپ سے۔

(۳۶) اور اپنی بیوی اور اولاد سے۔

(۳۷) اس دن ان میں سے ہر ایک کی ایک خاص وضع وکیفیت ہو گی جو

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسے مکمل طور پر اپنے آپ میں مشغول رکھے گی۔

(۳۸) کچھ چہرے اس دن خوش گوار اور نورانی ہوں گے۔

(۳۹) خنداں و مسرور۔

(۴۰) اور کچھ چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے۔

(۴۱) تاریک دھوئیں نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا۔

(۴۲) وہی کافر و فاجر ہیں۔

تفسیر

صیحہ قیامت

الٰہی برکتوں اور دنیاوی نعمتوں کے تذکرے کے بعد یہاں قرآن قیامت اور اس کے حوادث کے ایک گوشہ اور مومنین و کفار کی حالت کو بیان کرتا ہے تاکہ ایک طرف تو یہ اعلان کرے کہ یہ نعمتیں اور مال و متاع جو کچھ بھی ہے جلد گزر جانے والا ہے اور اس کا ایک خاتمہ ہے اور دوسری طرف یہ بتائے کہ ان سب کا وجود خدا کے وجود اور قیامت پر بجائے خود ایک دلیل ہے۔ فرماتا ہے:

"جس وقت وہ مہیب اور کانوں کو پھاڑ دینے والی آواز آئے گی تو کفار و مجرمین گھرے غم و اندوہ اور ندامت میں غرق ہو جائیں گے" (فاذا جاءت الصاخۃ) [1]

"صاخۃ" "صخ" کے مادہ سے اصل میں صوت شدید و سخت اور مہیب آواز کے معنی میں ہے یعنی بہت ممکن ہے کہ اس سے کان بہرے ہو جائیں یا جو سچ مچ کانوں کو بہرہ کر دیتی ہے۔ یہاں اس سے صور کے دوسرے نفخے کی طرف اشارہ ہے۔ وہی صیحہ عظیم جو بیداری اور زندگی کا صیحہ ہے۔ جو سب کو زندہ کرکے عرصۂ

---

[1] یہ کہ اس جملہ شرطیہ میں جزا کیا ہے کئی احتمال ہیں پہلا یہ کہ جزا محذوف ہے اور بعد والی آیتوں سے اس کا پتہ چلتا ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے (فاذا جاءت الصاخۃ فما اعظم اسف الکافرین)۔ جب وہ مہیب صدا آئی تو کفار کو کس قدر افسوس اور ندامت ہوگی (تفسیر مراغی) بعض مفسرین نے کہا ہے (لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ) کا جملہ جزا ہے (مجمع البیان)۔ یہ احتمال بھی پیش کیا گیا ہے کہ جزا کا استفادہ (یوم یفر المرء) سے ہوتا ہے اور تقدیر میں اس طرح ہے (فاذا جاءت الصاخۃ یوم یفر المرء من اخیہ) (روح المعانی)۔ جب مہیب صدا آئی تو انسان اپنے بھائی سے فرار کر گیا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

محشر کی طرف بلاتے گا۔

جی ہاں! یہ اتنا عظیم اور دل ہلا دینے والا ہے جو انسان کو سوائے اس کی ذات، اس کے اعمال اور اس کی سرنوشت کے ہر دوسری چیز سے غافل کر دے گا۔ اسی لیے اس کے بعد بلا فاصلہ مزید فرماتا ہے:

"وہ دن جس دن انسان اپنے بھائی سے دور بھاگے گا" (یوم یفر المرء من اخیہ)۔ وہی بھائی جو جان کے برابر تھا اور جسے ہر جگہ یاد کرتا تھا اور اس کے بارے میں متفکر رہتا تھا آج کلی طور پر اس سے گریزاں ہوگا، اور اسی طرح اپنے ماں باپ سے "(وامہ وابیہ)۔ اور اپنی بیوی اور اولاد سے " (و صاحبتہ و بنیہ)۔

اسی طرح انسان اپنے نزدیک ترین عزیزوں کو یعنی بھائی، ماں باپ اور اولاد کو نہ صرف فراموش کر دے گا بلکہ ان سے فرار کرے گا۔ یہ بات بتاتی ہے کہ قیامت کا ہول اس قدر زیادہ ہوگا کہ انسان کو تمام تعلقات سے بیگانہ کر دے گا۔ وہ ماں جو اس سے بے حد محبت کرتی تھی، وہ ماں باپ جن کا وہ بہت زیادہ احترام کرتا تھا، وہ بیوی جس سے اُسے شدید محبت تھی، وہ اولاد جو اس کے دل کا سرور اور آنکھوں کا نور شمار ہوتی تھی وہ اس وقت ان سب سے بے تعلق ہو جائے گا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انسان اپنے ان بھائیوں، ماں باپ، بیوی اور اولاد سے فرار کرے گا جنھوں نے ایمان و تقویٰ اور اطاعت خدا کی راہ نہیں لی کیونکہ وہ ان سے اس لیے فرار کرے گا کہ کہیں ان کا حال اس کو اپنے نرغہ میں نہ لے لے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ فرار اس بنا پر ہے کہ مبادا ان کے کچھ حقوق اس کی گردن پر ہوں اور وہ اس سے ان کا مطالبہ کریں اور وہ خود ان کے ادا کرنے سے اس وقت عاجز ہو۔

ان تینوں تفسیروں میں سے پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔ نیز ان تینوں کے جمع کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

یہ بات کہ پہلے بھائی، اس کے بعد ماں باپ، اس کے بعد بیوی اور آخری مرحلہ میں اولاد کے بارے میں کیوں گفتگو ہوئی ہے، اس بارے میں بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ ان تمام میں، سب سے نیچے کے مرحلہ سے بالاتر مرحلہ کی طرف بات ہوئی ہے کہ پہلے وہ اپنے بھائی سے گریز کرے گا پھر اپنے ماں باپ سے اور اس کے بعد بیوی اور اولاد سے، لیکن اس طرف توجہ کرتے ہوتے کہ سب لوگ ان پانچ افراد سے تعلق کے بارے میں یکساں نہیں ہوتے کبھی یہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں بھائی زیادہ اہم ہوتا ہے لہٰذا اس سے زیادہ لگاؤ ہوتا ہے اور کبھی بیوی اور کبھی اولاد۔ لہٰذا یہاں کوئی قاعدہ کلیہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

البتہ ان پانچ افراد میں سے ہر ایک کے ساتھ انسان کے رشتہ کی اہمیت سے متعلق بہت سے مطالب بیان کیے جا سکتے ہیں، لیکن اس طرح نہیں ہے کہ مطلق طور پر ایک کو دوسرے پر تمام جہتوں سے ترجیح دی جا سکے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خصوصاً اس شکل میں جس شکل میں آیت میں آیا ہے۔ اس بنا پر مندرجہ بالا ترتیب اہمیت کی بنا پر نہیں ہے۔

بعد والی آیت میں اس فرار کی دلیل بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: "اس دن ان میں سے ہر ایک ایسی حالت میں ہوگا کہ جو اسے مکمل طور پر اپنی ذات سے متعلق معروف رکھے گی (لکل امرئ منھم یومئذ شأن یغنیہ)۔

"یغنیہ" (اس کو بے نیاز کر دے گی) اس حقیقت کی طرف ایک معنی خیز کنایہ ہے کہ اس دن انسان اپنی ذات سے متعلق اس قدر مصروف ہوگا کہ دوسرے کی طرف توجہ نہیں کرے گا اور حادثات اس قدر شدید ہوں گے کہ اس کی ساری فکر کو مشغول رکھنے کے لیے کافی ہوں گے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ سے آپ کے خاندان کے کسی فرد نے سوال کیا کہ قیامت میں انسان کیا اپنے عزیز و اقارب کو یاد کرے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا:

ثلاثة مواطن لا یذکر (فیھا) احد احدا عند المیزان حتی ینظر ایثقل میزانه ام یخف؟ وعند الصراط حتی ینظر ایجوزه ام لا؟ وعند الصحف حتی ینظر بیمینه یأخذ الصحف ام بشماله؟ فھذه ثلاثة مواطن لا یذکر فیھا احد حمیمه ولا حبیبه ولا قریبه ولا صدیقه ولا بنیه ولا والدیه وذالک قول الله تعالیٰ: لکل امرئ منھم یومئذ شأن یغنیه

"تین موقف ایسے ہیں جن میں کوئی شخص کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ پہلا میزان جہاں اعمال تولے جائیں گے تو وہاں جب تک یہ نہ دیکھے کہ اس کا پلڑا بھاری ہے یا نہیں۔ پھر پُل صراط، جب تک نہ دیکھ لے کہ وہ اس پر سے گزر سکے گا یا نہیں۔ پھر اس وقت جب نامہ اعمال انسانوں کے ہاتھ میں دیں گے جب تک یہ نہ دیکھ لے کہ اس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیتے ہیں یا بائیں ہاتھ میں۔ یہ تین موقف ہیں جہاں کوئی انسان کسی دوسرے کو یاد نہیں کرے گا۔ نہ قریبی دوست، نہ یار مہربان، نہ اعزہ، نہ مخلص ساتھی، نہ اولاد اور نہ ماں باپ۔ یہ وہی چیز ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

"اس دن انسان اپنے آپ میں بہت زیادہ مشغول ہوگا"۔[1] اس کے بعد اس دن جو مومنین و کفار کی حالت ہوگی اس کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"اس دن کچھ چہرے خوشگوار اور نورانی ہوں گے" (وجوہ یومئذ مسفرة)۔ "خندان و مسرور" (ضاحکة مستبشرة) "اور کچھ چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے" (ووجوہ یومئذ علیھا غبرة)۔ "تاریک دھوئیں نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا" (ترھقھا قترة)۔

---

[1] تفسیر برہان، جلد ۴ ص ۴۲۹۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"وہی کافر و فاجر ہیں"۔ (اولٰئک ھم الکفرۃ الفجرۃ)۔

"مسفرۃ" جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے "اسفار" کے مادہ سے آشکار ہونے اور چمکنے کے معنی میں ہے شب تاریک کی طرح جس کے آخر میں سپیدہ سحری ہوتا ہے۔

"غبرۃ" (بروزن غلبہ) "غبار" کے مادہ سے اس باقی ماندہ خاک کے معنی میں ہے جو زمین سے اٹھے اور کسی چیز پر پڑ جائے۔

"قترۃ" اصل میں "قتار" (بروزن غبار) کے مادہ سے اس دھوئیں کے معنی میں ہے جو جلتی ہوئی لکڑی یا کسی دوسری چیز سے اٹھتا ہے۔ بعض ارباب لغت نے اس کی غبار کے معنی میں تفسیر کی ہے لیکن اوپر والی آیت میں ان دونوں تفسیروں کو جمع کرنا یہ بتاتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ دو مختلف معانی رکھتے ہیں۔

"کفرۃ" اور "فجرۃ" اسی وزن پر کافر و فاجر کی جمع ہیں جن میں سے پہلا فاسد العقیدہ افراد کی طرف اور دوسرا فاسد العمل لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

ان آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ صیحۂ قیامت کے وقت انسانوں کے بُرے عقائد اور اعمال کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوں گے۔ "وجوہ" چہرہ کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ چہرہ کا رنگ ہر چیز سے زیادہ انسان کی اندرونی حالت کو بیان کرتا ہے فکری و روحانی پریشانیوں کو بھی اور جسم سے متعلق دکھ درد کو بھی۔

بہرحال ایک گروہ وہاں مسرور ہو گا ان کے چہرے شگفتہ اور نورانی ہوں گے۔ ایمان کی روشنی اور عمل کی پاکیزگی ان کے چہروں پر موجزن ہو گی۔

رنگ رخسارہ انخا خبر از سرّ دروں می دھد

ان کے رخسارے کا رنگ ان کے اندر کے راز کی خبر دیتا ہے۔

اس کے برعکس دوسرا گروہ وہ ہے کہ کفر کی تاریکی اور ان کے اعمال کی برائی ان کے چہروں سے نمایاں ہو گی۔ گویا سیاہ گرد و غبار ان کے چہرہ پر پڑا ہوا ہے اور دھوئیں کا ہالہ اس کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ آثار غم و رنج و اندوہ و تکلیف و درد ان کے چہروں سے ہویدا ہیں اور اصولی طور پر، جیسا کہ سورہ رحمٰن کی آیت ۴۱ میں آیا ہے: (یعرف المجرمون بسیماھم) گنہگار اپنی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔ اس دن چہروں کا رنگ انسانوں کی پہچان کے لیے کافی ہو گا۔

ایک نکتہ

تعمیر ذات کی راہ

جو تعبیریں اس سورہ کی مختصر اور پُرجلال آیات میں آئی ہیں وہ تعمیر ذات کے لیے ایک جامع پروگرام کی حیثیت رکھتی ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۔ ایک طرف انسانوں کو حکم دیتا ہے کہ کبر و غرور کو توڑنے کے لیے وہ اپنی خلقت کی ابتداء پر توجہ کریں اور دیکھیں کہ کس طرح انسان ایک بے قیمت نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تعمیر ذات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی تکبر و غرور ہے۔

۲۔ دوسری طرف قرآن الٰہی ہدایات کا تعارف یہ کہہ کر کراتا ہے کہ یہ اس سلسلہ میں بہترین زاد راہ ہے۔ عام اس سے کہ وہ ہدایات جن کا سرچشمہ وحی ہو اور انبیاء و اولیاء کی طرف سے کی گئی رہنمائی ہو یا وہ ہدایات جو عالم تکوین کے مطالعہ سے اور اس کے قوانین و نظام پر غور و فکر کرنے سے حاصل ہوں۔

۳۔ اس کے بعد انسان کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی جسمانی غذا پر گہری نظر ڈالے اور سوچے کہ خالق رحیم و مہربان نے کس طرح انواع و اقسام کے غذائی مواد، دانے، میوے اس سیاہ مٹی سے اس کے لیے پیدا کیے ہیں۔ پھر اس ربوبیت کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور نہ صرف اس موادِ غذائی کی تکوینی ساخت کی طرف دیکھے بلکہ اس کے حاصل کرنے کی کیفیت کو بھی مرکز توجہ قرار دے اس لیے کہ پاک و حلال غذا تعمیر ذات کی ایک اہم بنیاد ہے۔

۴۔ پھر اپنی روحانی غذا کی طرف زیادہ گہری نظر سے دیکھے اور غور و فکر سے کام لے کہ وہ غذا کون سے سرچشمے سے حاصل ہو رہی ہے۔ پاک سرچشمے سے یا آلودہ سے۔ اس لیے کہ ناقص تعلیمات اور گمراہ کن تبلیغات مسموم اور زہریلی غذا کی طرح ہیں جو انسان کی معنوی زندگی کو خطرے میں ڈال دیتی ہیں۔

تعجب کی بات ہے کہ کچھ لوگ جسم کی غذا کے بارے میں بڑے محتاط ہوتے ہیں لیکن اپنی روحانی غذا کے بارے میں بالکل پرواہ نہیں کرتے۔ ہر فاسد و مفسد کتاب پڑھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ہر قسم کی گمراہ کن تعلیمات پر کان دھرتے ہیں اور اپنی روح کی غذا کے لیے کسی قسم کی قید و شرط کے قائل نہیں ہیں۔

ایک حدیث میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ ما لی اری الناس اذا قرب الیھم الطعام لیلا تکلفوا انارۃ المصابیح لیبصروا ما یدخلوا بطونھم ولا یھتمون بغذاء النفس بان ینیروا مصابیح البابھم بالعلم لیسلموا من لواحق الجھالۃ والذنوب فی اعتقاداتھم واعمالھم

کیا وجہ ہے کہ میں کچھ لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جب رات کو کھانا ان کے پاس لاتے ہیں تو چراغ روشن کرتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ وہ کونسی غذا اپنے شکم میں داخل کر رہے ہیں لیکن اپنی روح کی غذا کو اہمیت نہیں دیتے اور علم کے ذریعہ چراغ عقل کو روشن نہیں کرتے تاکہ عوارض جہالت و گناہ سے بچیں اور عقیدے اور اعمال صحت مند رہیں[1]

---

[1] "سفینۃ البحار" جلد ۲ ص ۸۴ مادہ علم۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی قسم کی حدیث آپ کے فرزند ارجمند امام حسن مجتبیٰؑ سے بھی منقول ہے: (عجبت لمن یتفکر فی مأکولہ کیف لایتفکر فی معقولہ فیجنب بطنہ مایؤذیہ ویودع صدرہ مایردیہ) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو جسم کی غذا کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے لیکن روح کی غذا کے سلسلہ میں بالکل نہیں سوچتا۔ نقصان دہ غذا کو تو اپنے شکم سے دور رکھتا ہے لیکن دل کو مہلک مطالب سے بھرتا رہتا ہے[1]

۵۔ اس کے بعد سوچ لے کہ محشر کے لیے دلخراش صیحہ سب کو موت کی نیند سے بیدار کر دے گا اور انسان کے اعمال اس کے روبرو کرے گا اور اوضاعِ محشر اتنے ہولناک ہیں کہ انسان اپنے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی فراموش کر دے گا۔ اس لیے اسے غور و فکر کرنا چاہیئے کہ کیا وہ آج ایسا کام کر رہا ہے جس سے اس دن اس کا چہرہ خنداں اور نورانی ہوگا۔ ایسا تو نہیں ہے کہ اس روز اس کا چہرہ ترش و تاریک ہو۔ اس کو چاہیئے کہ وہ ابھی سے اپنے آپ کو اس دن کے لیے تیار کرے۔

خداوندا! ہمیں اصلاحِ نفس کی توفیق عطا فرما۔

پروردگارا! ہمیں روحانی جاں پرور غذا سے محروم نہ فرما۔

بارالٰہا! صیحۂ محشر سے پہلے ہمیں خوابِ گراں سے بیدار کر دے۔

آمین یارب العالمین!

سورۂ عبس کا اختتام

---

[1] "سفینۃ البحار" جلد ۲ ص ۸۴ مادہ طعم۔

www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas



ادارہ امامیہ قرأت کالج

سرٹیفکیٹ تصحیح

میں نے قرآن پاک (تفسیر نمونہ جلد ۱۲) کے اس نسخہ کو حرف بحرف بغور پڑھا ہے میں تصدیق کرتا ہوں کہ متن میں کوئی اعرابی یا لفظی غلطی نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

حافظ محمد طفیل (سلطان الافاضل)

مدرس / مینیجر

امامیہ قرأت کالج

اندرون موچی دروازہ۔ لاہور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اشاریہ

تفسیر نمونہ ______ جلد ۱۴

ترتیب و تزئین ------ سیّد شکیل حسین موسوی
------ سیّد محمد حسین زیدی الباھروی

مضامین:

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اُصول و عقائد

اسمائے باری تعالیٰ

توحید

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas
Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نبوت

عدل

قیامت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas
Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

طلاق، ارذلِ جواز

فلسفۂ عدت

مطلقہ کے احکام و حقوق

طلاقِ رجعی کے احکام

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اخلاقیات

اخلاقِ حسنہ

اخلاقِ رذیلہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شخصیات

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

jabir.abbas@yahoo.com
www.Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عبداللہ ابنِ عباسؓ

عبداللہ ابنِ مسعودؓ

عتبہ بن ربیعہ

عتبہ یا عقبہ؟

عداس

حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ (امامِ اوّل)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہارون الرشید

ہجر بن قیس

علماء و دانشور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کتبِ آسمانی

تورات

قرآنِ حکیم

سورۂ طلاق

سورۂ تحریم

سورۂ ملک

سورۂ القلم

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ مزمل

سورۂ مدثر

سورۂ قیامت

سورۂ انسان (دھر)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورۂ مرسلات

سورۂ نباء

سورۂ نازعات

سورۂ عبس

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

کتبِ تفسیر و تاریخ و سیر

Presented by: Rana Jabir Abbas

لغاتِ قرآن

(ا)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بسر : مادہ 'بسور' کسی کام میں وقت سے پہلے تعجیل کرنا، منہ چڑانا۔ ۴۰۱

بشر : 'بشرہ' کی جمع۔ بدن کی ظاہری جلد ۴۰۲

بکرۃ : (بروزنِ نکتہ) دن کی ابتداء و آغاز ۵۰۲

بنان : انگلیاں۔ انگلیوں کے سرے، پوریں ۴۲۲

(ت)

تبار : ہلاکت، زیاں، خسارہ ۳۰۲

تبارک : مادہ 'برکت'، پائدار و دائم نعمت ۱۰۲

تبتّل : مادہ 'تبل' (بروزنِ قسم) انقطاع۔ اسی سے لقب 'بتول' بنا۔ ۲۶۵

تحرّو : مادہ تحری۔ کسی چیز کا قصد کرنا ۳۰۲

تحصوہ : مادہ 'احصاء' شمار کرنا ۲۷۷

تدعون : مادہ 'دعا'، تقاضا کرنا، دعا مانگنا، انکار ۱۲۳

تراقی : 'ترقوہ' کی جمع۔ حلق اور گلے کے گرد کی ہڈیاں، دم کا حلق میں اٹکنا ۴۵۵

ترتیل : واضح طور پر بیان کرنا ۲۵۹

ترجون : مادہ 'رجاء' اُمید جو بعض اوقات خوف کے ساتھ ہو۔ ۲۸۷

ترھقھم : مادہ 'رھق' (بروزنِ شفق) جبری طور پر ڈھانپنا۔ ۱۸۲، ۱۸۴

تعرضون : مادہ 'عرض' کسی چیز کو دکھانا، پیش کرنا، ظاہر کرنا۔ ۲۱۳

تعیوا : مادہ 'وعی' (بروزنِ سعی) کسی چیز کو دل میں محفوظ رکھنا۔ ۰۴

تقوّل : مادہ 'تقول' (بروزنِ تکلف) انسان کی خود گھڑی ہوئی باتیں۔ ۰۳۶

تمنّی : ہمیشہ دوست رکھنا ۲۵۵

تمنن : مادہ 'منت' احسان جتانا ۲۹۰

تمور : لرزنا، بے سکون ہونا ۱۲۱

تمیز : متلاشی و پراگندہ ۱۱۲

تناد وا : مادہ 'نداء' (بروزنِ غبار) رطوبت ۱۶۷

تؤیہ : مادہ 'ایوا' ایک چیز کو دوسری میں ضم کرنا۔ ۲۵۵

(ث)

ثجاج : مادہ 'ثج' (بروزنِ حج) پانی کا لگاتار فراوانی کے ساتھ گرنا، صیغۂ مبالغہ ۵۵۸

(ج)

جَدّ : عظمت، شدت، جدیت، حصہ و نصیب، ریشہ، جڑ، قطع ۳۱۲

جمالۃ : جمل کی جمع، اونٹ ۵۳۰

(ح)

حاجزین : حاجز کی جمع۔ مانع، رکاوٹ ۲۳۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas





Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

غرق : (بروزنِ شفق) پانی میں ڈوبنا، شدید حادثہ میں مبتلا ہونا۔
(بروزنِ فرق) کمان کو آخری نقطہ تک کھینچنا، بطورِ مبالغہ بھی مستعمل ہے۔ ۵۹۲

غساقا : پیپ اور لہو ۵۶۸

غلب : (بروزنِ قفل) اغلب اور غلبا کی جمع۔ موٹی گردن والے۔ یہاں بلند اور گھنے درخت مراد ہیں۔ ۶۴۴

غلوہ : مادہ "غل" ایسی تکلیف وہ زنجیر جس میں قیدی کے ہاتھ پاؤں گردن سے باندھتے ہیں ۲۲۴

(ف)

فاجر : گناہِ قبیح کا مرتکب شخص ۳۰۲

فاقرہ : مادہ "فقر" (بروزنِ ضربہ) ریڑھ کے مُہرے۔ مراد ایسا حادثہ جو ریڑھ کی ہڈی کو توڑ ڈالے ۴۵۳

فجاج : فج (بروزنِ حج) کی جمع، دو پہاڑوں کا درمیانی راستہ، درہ ۲۹۴

فروج : فرج کی جمع۔ عضوِ تناسل کی طرف اشارہ ۲۶۴

فصیلہ : عشیرہ۔ قبیلہ یا خاندان جس سے آدمی جدا ہوا ہو۔ ۲۵۵

فطور : مادہ "فطر" (بروزنِ سطر) طول میں شگاف کرنا۔ ۱۰۵

(ق)

قاسط : مادہ "قسط" عادلانہ تقسیم، عدالت اور کبھی ظلم، راہِ حق سے انحراف۔ ۳۲۲

قترہ : مادہ "قتار" (بروزنِ غبار) کسی جلتی ہوئی چیز سے اٹھتا ہوا دھواں۔ ۶۵۲

قِدد : (بروزنِ پسر) [illegible] ہوا، علیحدہ، الگ [illegible]

قدر : مادہ "تقدیر" غور و فکر کے بعد منصوبہ بنانا ۴۰۰

قدرہ : مادہ "تقدیر" ناپ تول، موزوں بنانا ۶۳۴

قریہ [illegible] ۵۷

قس[illegible] : مادہ [illegible] [illegible] بھی ہے۔ ۴۲۴

قضب : (بروزنِ جذب) [illegible] ۶۴۴

قطوف : قطف (بروزنِ حزب) کی جمع، چُننے ہوئے پھل۔ ۲۱۵، ۴۹۳

قم اللیل : قیام کی تعبیر سونے کے مقابلہ میں کھڑا ہونے کے معنی، نہ کہ پاؤں پر کھڑا ہونا ۲۵۶

قمطریر : مادہ "قمطر" قطر معنی شدید، عبوس ۴۸۶

قواریر : قارورہ کی جمع۔ شیشہ و بلور کے برتن ۴۹۴

(ک)

کاس : (بروزنِ رأس) مشروب سے لبریز جام ۵۷۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

متفرق موضوعات

ائمہؑ کے علمِ غیب کی ایک اور راہ

ابرار کے لیے اجرِ عظیم

اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے کھڑا ہوجا

اُٹھیے! عالمین کو ڈرایئے

اچھی بیوی کے اوصاف

اخلاقی رذائل

اڑتے پرندوں کو دیکھو

انس کی منحوس سرنوشت

اس مفسد قوم (نوحؑ) کو ختم ہونا چاہیے

اسے پکڑ کر زنجیوں میں جکڑ دو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مقامات

احقاف

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مطبوعاتِ مصباح القرآن

کتاب	مترجم / مصنف		قیمت
قرآن پاک (معریٰ) رنگین		ہدیہ	۲۵۰ روپے
قرآن پاک (معریٰ) سفید کاغذ		ہدیہ	۵۰ روپے
قرآن پاک مترجم	از مولانا سید صفدر حسین نجفی رہ	ہدیہ	۳۰۰ روپے
تفسیر نمونہ (۲۷ جلدیں)	ترجمہ مولانا سید صفدر حسین نجفی	ہدیہ	۱۲۵ روپے (فی جلد)
قرآن کا دائمی منشور	〃	ہدیہ	۱۵۰ روپے
تفسیر پیام قرآن	〃	ہدیہ	۱۵۰ روپے
ہمارے آئمہ (۱۲ کتابوں کا سیٹ)	〃	ہدیہ	۳۰۰ روپے
ولایت فقیہ (جلد اول)	〃	ہدیہ	۲۰۰ روپے
ولایت فقیہ (جلد دوم)	〃	ہدیہ	۲۰۰ روپے
تفسیر فصل الخطاب (۷ جلدیں)	علامہ سید علی نقی النقوی	ہدیہ	۲۰۰ روپے (فی جلد)
تحریف قرآن کی حقیقت	〃	ہدیہ	۳۰ روپے
صلح اور جنگ	〃	ہدیہ	۱۰ روپے
مذہب اور عقل	〃	ہدیہ	۳۰ روپے
رہنمایانِ اسلام	〃	ہدیہ	۴۰ روپے
اسوۂ حسینی	〃	ہدیہ	۳۰ روپے
اثباتِ پردہ	〃	ہدیہ	۳۰ روپے
معراجِ انسانیت	〃	ہدیہ	۲۰ روپے
زندگی کا حکیمانہ تصور	〃	ہدیہ	۲۵ روپے
انوار القرآن	ترجمہ و حواشی مولانا ذیشان حیدر جوادی	ہدیہ	۴۰۰ روپے
میزان الحکمت (۵ جلدیں)	ترجمہ مولانا محمد علی فاضل	ہدیہ	۳۰۰ روپے
تاریخ قرآن	ڈاکٹر محمود رامیار	ہدیہ	۱۸۰ روپے

قرآن سنٹر ۲۴، الفضل مارکیٹ ۔ اردو بازار لاہور

فون: ۷۳۱۴۳۱۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas